بہنوں کا اپنا ماہنامہ
شعاع
مارچ 2014
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پہلی شعاع	رضیہ جمیل	10
حمد	شمیم فاطمہ	11
نعت	سلیم کوثر	11
نبی ﷺ کی باتیں	ادارہ	12

انٹرویو

بندھن	عدیل اظہر	24
دستک	شاہین رشید	30
شادی	آسیہ رزاقی	20
شعاع کے ساتھ	ادارہ	280

ناول

ایک تھی مثال	رخسانہ نگار عدنان	218
رقص بسمل	نبیلہ عزیز	36

مکمل ناول

ڈور	آصفہ اعوان	132

ناولٹ

بت شکن	امایہ خان	180
کہانی ایک گھر کی	راشدہ رفعت	76
تم ہی ہو	سمیرا حمید	104
عزت کا دیا	نزہت شبانہ حیدر	240

افسانے

اک خواب جو اپنا نہیں	مصباح نوشین	58
ضروری نہیں	صباحت یاسمین	54
پک نک سنڈے	طوبیٰ فاضل	100
پکار	قرۃ العین خرم	69
بات لمحے بھر کی	قرۃ العین کامران	128

نظمیں، غزلیں

غزل	امجد اسلام امجد	263
غزل	عرفان ستار	264
غزل	حسن عباسی	264
نظم	سیدکامی شاہ	263

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

مستقل سلسلے

خط آپ کے	رضیہ جمیل	272
مسکراہٹیں	صبا سحر	265
آئینہ خانے میں	واصفہ سہیل	282
باتوں سے خوشبو آئے	شگفتہ جاہ	268
تاریخ کے جھروکے	امت الصبور	285
سیر دو جہاں	آمنہ زرین	17
کھلتا کسی پہ	خالدہ جیلانی	271
موسم کے پکوان	خالدہ جیلانی	287
خوبصورت بندے	ادارہ	289

مارچ 2014
جلد 28 شمارہ 7
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - مقام: ۹۱ بی ۴ پی ای سی ایچ ایس سوسائٹی، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

رخسانہ نگار

پہلی شعاع

شعاع کا مارچ کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

مارچ کا مہینہ۔ بہار کی آمد آمد ہے۔

سرما کی یخ فیلی صبحیں اور خاموش اداس شامیں بہار کی دستک پر خوشگواری میں بدل رہی ہیں۔ بنجر شاخوں پر پھوٹتی کونپلیں امید کا استعارہ ہیں۔ یہ بھی ہماری خوش نصیبی ہے کہ قدرت نے ہمارے ملک کو چاروں موسم عطا کیے ہیں اور ہم ان موسموں کی نعمتوں سے بھی مستفید ہوتے ہیں۔

آمد بہار کے ساتھ امید کی ایک کرن بھی روشن ہوئی ہے۔

بات چیت کرنے سے، اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنے سے ہمارا گھر آباد رہ سکتا ہے تو اس میں ہچکچاہٹ کیسی۔ کتنے بے گناہوں کا خون بہہ چکا ہے اور نہ جانے کب تک بہتا رہے گا۔ غیروں کی خاطر ہم نے اپنوں سے بیگانگی کی راہ اپنائی۔ غیر تو کیا اپنے ہوتے، ہم نے اپنا ہی گھر جلا ڈالا۔ اب تک ہم دوسروں کے لیے سمجھوتے کرتے رہے، ایک سمجھوتا اپنا گھر بچانے کے لیے بھی سہی۔ آدھا ملک گنوا کر اتنا تو سیکھ ہی لینا چاہیے۔

کاش پھول کھلنے کے اس موسم میں اس دھرتی پر امن کے، محبت کے پھول کھلیں جو کبھی نہ مرجھائیں۔

اس شمارے میں،

- آصفہ اعوان کا مکمل ناول۔ ڈور،
- سمیرا حمید، نزہت شبانہ حیدر، امایہ خان اور راشدہ رفعت کے ناولٹ،
- رخسانہ نگار عدنان اور نبیلہ عزیز کے ناول،
- صباحت یاسمین، مصباح نوشین، قرۃ العین کامران، طوبیٰ فاضل اور قرۃ العین خرم ہاشمی کے افسانے،
- شادی مبارک ہو۔ آسیہ رزاقی کے قلم سے شادی کا احوال،
- بیٹھ کر سیر دو جہاں کرنا۔ امام غزالیؒ کی کتاب پر تبصرہ،
- ایف ایم 107 کے عدیل اظہر اور تسمیہ اظہر کی شادی کا بندھن،
- معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ۔ دستک،
- شعاع کے ساتھ ساتھ۔ قارئین سے سروے،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں۔ احادیث کا سلسلہ،
- خط آپ کے، آئینہ خانے ہیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

شعاع کا شمارہ ترتیب دینے کے بعد ہماری سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے بارے میں ہم اپنی قارئین کی رائے جان سکیں۔ ہم اپنی محنت میں کس قدر کامیاب ٹھہرے، یہ آپ کے خطوط بتائیں گے۔ ہمیں خط لکھنا نہ بھولیے گا۔

حمد باری تعالیٰ

ہم شکستہ دلوں کو نیا حوصلہ، صرف اللہ ہے، صرف اللہ ہے، صرف اللہ ہے
سب کا حاجت روا، سب کا مشکل کشا، صرف اللہ ہے، صرف اللہ ہے، صرف اللہ ہے

رحمت دو جہاں، سید المرسلاں، عاصیوں کی اماں، صرف میرے نبیؐ، صرف میرے نبیؐ
خالق و مالک صبح روز جزا، صرف اللہ ہے، صرف اللہ ہے، صرف اللہ ہے

خواہشوں کی غلامی میں جکڑے ہوئے لوگ جھوٹی اناؤں کی تکمیل میں صرف ہونے لگے
خیر کا اور سچائی کا راستہ، صرف اللہ ہے، صرف اللہ ہے، صرف اللہ ہے

سارے علم و ہنر ایک پل کی خبر، سارے فکر و نظر لمحہ لمحہ زمانے میں ہیں بے اثر
قائماً دائماً، ابتدا انتہا، صرف اللہ ہے، صرف اللہ ہے، صرف اللہ ہے

چاند، سورج، ستاروں کی ترتیب میں، شاخ در شاخ پھولوں کی تہذیب میں اور ابابیل میں
کون ہے سوچنا، سوچنا تم ذرا، صرف اللہ ہے، صرف اللہ ہے، صرف اللہ ہے

جس نے فتح مبیں کی خبر دی ہمیں، عزتوں والی اک رہ گزر دی ہمیں اور گھر بھر دیا
کون ہے جس نے وعدوں کو پورا کیا، صرف اللہ ہے، صرف اللہ ہے، صرف اللہ ہے

کوئی آخر بھٹک کر کہاں جائے گا، ہر مسافر سلیم ایک ہی سلسلے سے بندھا ہے یہاں
سارے کھوئے ہوؤں کا اتا اور پتا صرف اللہ ہے، صرف اللہ ہے، صرف اللہ ہے

سلیم کوثر

نعت رسول مقبول ﷺ

درد دل کی دوا مدینے میں
لطف کی انتہا مدینے میں

رحمتیں کر رہی ہیں دربانی
ہیں میرے مصطفےٰ مدینے میں

کیا ہے آخر وہاں کی گلیوں میں
بات آخر ہے کیا مدینے میں

پوری ہوتی ہے فیض سے ان ﷺ کی
مانگیے جو دعا مدینے میں

آپؐ کا نقش پا زمانے پر
آپؐ کی گرد پا مدینے میں

جسم میرا حصار جاں میں ہے
ہے مگر دل میرا مدینے میں

اے میرے بخت نارسا لے چل
مجھ کو بہر خدا مدینے میں

شمیم فاطمہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ادارہ

پیارے نبی کی پیاری باتیں

فخر و غرور اور خود پسندی حرام ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"یہ آخرت کا گھر ہم ان ہی لوگوں کے لیے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں بڑائی چاہتے ہیں نہ فساد۔ اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اور زمین میں اکڑ کر مت چل۔"

نیز فرمایا

"اور لوگوں کے لیے اپنا منہ مت پھلا اور نہ زمین میں اترا کر چل۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر تکبر کرنے والے اور فخر کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"بلاشبہ قارون 'موسیٰ کی قوم سے تھا' پس اس نے ان پر سرکشی کی اور ہم نے اسے اتنے خزانے دیے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت بمشکل اٹھاتی تھی۔ جب اسے اس کی قوم نے کہا "اترا مت 'یقیناً" اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول تک ـــــ پس ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔"

فائدہ آیات : ان آیات میں انسان کو فخر و غرور سے 'زمین پر اکڑ کر چلنے اور درشت روئی اور تند خوئی سے منع کیا ہے اور قارون کے انجام کو بیان کر کے واضح فرما دیا کہ مذکورہ امور کا ارتکاب بہت خطرناک ہے اور اس کا انجام نہایت برا ہے۔

کبر (تکبر 'گھمنڈ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی کبر ہو گا۔"

ایک آدمی نے سوال کیا "آدمی کو یہ پسند ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کے جوتے اچھے ہوں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جواب میں) فرمایا۔ یقیناً "اللہ جمیل (صاحب جمال) ہے اور وہ جمال کو پسند فرماتا ہے۔"

کبر کا مطلب حق بات کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔" (مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ ذرہ 'چھوٹی سی چیونٹی کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک سورج کی شعاعوں میں چمکنے والے ذرے ہیں جو صرف روزن دیوار سے نظر آتے ہیں۔ اس کے ایک ذرے کا اندازہ کر لیجیے کہ اس کی کیا مقدار ہے۔ کبر کی اتنی مقدار بھی اللہ کو پسند نہیں۔ اگر اس کبر کی بنا پر وہ اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لانے سے انکار کرے گا 'تب تو اس کے جہنمی ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر اس کا کبر ایسا ہے کہ وہ مال و دولت یا حسن و جمال یا جاہ و منصب یا علم و فضل یا حسب و نسب کی وجہ سے اپنے آپ کو برتر اور دوسروں کو حقیر سمجھتا یا حق بات ماننے میں ہٹ دھرمی کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ کبر بھی اللہ کو ناپسند ہے اور یہ ابتدا جنت میں نہیں جائے گا بلکہ سزا بھگتنے کے بعد ہی جنت میں جانے کا مستحق ہو گا۔

2۔ کبر و غرور کے بغیر اچھا لباس وغیرہ پہننا جائز ہے۔

نافرمانی

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے بائیں ہاتھ سے کھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اپنے دائیں ہاتھ سے کھا۔"

اس نے کہا "اس کی میرے اندر طاقت نہیں ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تو طاقت نہ ہی رکھے۔"

اسے صرف کبر نے آپ کی بات ماننے سے روکا تھا۔

راوی نے بیان کیا کہ (اس کے بعد) وہ آدمی اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے منہ کی طرف نہیں اٹھا سکا۔ مسلم

فوائد و مسائل :

1۔ دور حاضر میں جو لوگ مغرب زدگی کی وجہ سے الٹے ہاتھ سے کھانے پینے کے عادی ہیں 'انہیں اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

2۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو نہ ماننے کے بہانے کرنا انسان کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔

جہنمی

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا' آپ فرما رہے تھے۔

"کیا میں تمہیں جہنمیوں کی خبر نہ دوں۔ ہر سرکش بخیل اور متکبر جہنمی ہے۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ :

یعنی سرکشی (اللہ کے احکام سے سرتابی) بخل (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز) اور تکبر ایسی مذموم صفات ہیں کہ ایسی صفات کے حامل لوگوں کا ٹھکانا جنت نہیں 'دوزخ ہو گا۔

رحمت

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جنت اور دوزخ نے باہم جھگڑا کیا۔ دوزخ نے کہا "میرے اندر بڑے بڑے سرکش اور متکبر لوگ ہوں گے۔ اور جنت نے کہا "میرے اندر کمزور اور مسکین قسم کے لوگ ہوں گے۔ تو اللہ نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا کہ اے جنت! تو میری رحمت ہے 'میں تیرے ذریعے سے جس پر چاہوں گا رحم کروں گا۔ اور اے دوزخ! تو میرا عذاب ہے 'میں تیرے ذریعے سے جسے چاہوں گا عذاب دوں گا اور تم دونوں کے بھرنے کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔" (مسلم)

فوائد :

1۔ سرکشی اور تکبر کے انجام بد کی وضاحت ہے کہ متکبرین کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جنت کو اپنی رحمت کہنے کا مطلب مظہر رحمت اور جہنم کو اپنا عذاب کہنے سے مقصد مظہر عذاب ہے۔

2۔ اس میں اللہ کی مشیت کا جو ذکر ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ یوں ہی جسے چاہے گا جنت میں اور جسے چاہے گا جہنم میں بھیج دے گا بلکہ اس کی یہ مشیت اس کے مقررہ اصول کے مطابق ہی ہو گی۔ جنت میں جانے والوں کو وہ اعمال صالحہ کی توفیق سے نوازتا ہے جن سے ان کے لیے جنت کا راستہ آسان ہو جاتا ہے اور جو جہنم میں جانے والے ہوتے ہیں 'وہ معصیت کی دلدل سے ہی نہیں نکل پاتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جہنم ان کا مقدر بن جاتا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

رحمت کی نظر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جو اپنے پاجامے، شلوار اور تہ بند وغیرہ کو فخر و غرور سے ٹخنوں سے نیچے گھسیٹتا ہوا چلے۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کی نفی سے مراد، رحمت سے دیکھنے کی نفی ہے۔ اللہ تعالیٰ متکبرین کو نظر رحمت سے نہیں بلکہ عتاب و غضب سے دیکھے گا۔

2۔ ازار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو جسم کے نچلے آدھے حصے کو ڈھانپنے کے لیے انسان پہنتا ہے، وہ پاجامہ ہو، شلوار ہو، پتلون یا تہ بند ہو، عربی زبان میں اسے ازار کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ یہ ازار مردوں کے ٹخنوں سے اوپر رہنی چاہیے۔ اس کا ٹخنوں سے نیچے ہونا تکبر کی علامت اور یہ متکبرین کا شیوہ ہے۔ جس کا انجام اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

3۔ آج امت مسلمہ کے بہت سے افراد اس بے لذت گناہ کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ انہیں اپنے طرز زندگی کا ضرور جائزہ لینا چاہیے۔

تین آدمی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تین آدمی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت والے دن نہ کلام فرمائے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف (رحمت سے) دیکھے گا اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہوگا۔ بوڑھا زانی، جھوٹا بادشاہ اور تکبر کرنے والا فقیر۔" (مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ اس میں بھی کلام نہ کرنے کا مطلب، خوشی اور رضامندی سے کلام نہ کرنا ہے بلکہ اللہ غصے اور ناراضی سے کلام فرمائے گا۔ بدکاری ہر ایک کے لیے حرام ہے، وہ جوان ہو یا بوڑھا۔ لیکن ایک بوڑھے سے اس کا ارتکاب ہو تو زیادہ برا ہے کیونکہ بڑھاپے میں زنا کے صدور کا مطلب ہے کہ اس کا مزاج بہت زیادہ بگڑا ہوا ہے اور اللہ کے خوف سے اس کا دل بالکل خالی ہے۔

2۔ جھوٹ ہر ایک کے لیے حرام ہے، لیکن ایک بادشاہ سے اس کا ارتکاب زیادہ قبیح ہے اس لیے کہ وہ تو ہر طرح کے اختیار اور وسائل سے بہرہ ور ہوتا ہے، اسے جھوٹ بولنے کی ضرورت لاحق ہی نہیں ہو سکتی۔ اس کے باوجود وہ جھوٹ بولتا ہے تو یہ بات بھی اس کے فساد مزاج اور خوف الٰہی کے فقدان کی دلیل ہے۔

3۔ اسی طرح فخر و غرور کا اظہار کسی کے لیے بھی جائز نہیں لیکن ایک فقیر اور نادار جو کبر اور برتری کے اسباب ہی سے محروم ہے، وہ کبر کا اظہار کرے تو اس کا مطلب احکام الٰہی کا استخفاف اور خشیت الٰہی سے بے نیازی ہے۔ اس لیے اس کا اظہار کبر، ایک مال دار کے اظہار کبر سے زیادہ برا اور قبیح ہے۔

اللہ کی چادر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ عزت میرا پہناوا ہے اور بڑائی میری چادر ہے۔ چنانچہ جو بھی ان میں سے کوئی ایک چیز مجھ سے کھینچے گا، میں اسے عذاب دوں گا۔" (مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ کھینچنے کا مطلب ہے جو ان صفات سے متصف ہونے کی کوشش یا دعوا کرے کیونکہ قوت و غلبہ (عزت) اور عظمت و کبریائی صرف میری صفات ہیں۔ جسے جتنی قوت یا عظمت حاصل ہے، وہ میری ہی عطا کردہ ہے، وہ اس پر بطور شکر الٰہی میرا اطاعت گزار رہے، نہ کہ اپنی عظمت و کبریائی کا ڈنکا بجانا شروع کر دے۔ جو ایسا کرے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

2۔ اس میں انسانوں کے لیے سخت تنبیہہ ہے کہ وہ اپنی قوت پر نازاں نہ ہوں اور لوگوں کے سامنے متکبرانہ انداز اختیار نہ کریں۔ ویسے بھی انسان اگر اپنی اصل پر غور کرے تو اسے زیب ہی نہیں دیتا کہ وہ کبر کا خیال اپنے دل میں لائے کیونکہ وہ نہایت لاچار مخلوق ہے۔

خود پسندی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ایک دفعہ ایک آدمی ایک جوڑے میں ملبوس چلا جا رہا تھا، اس کے نفس نے اسے خود پسندی میں مبتلا کر دیا ہوا تھا، بالوں میں کنگھی کیے اور اپنی چال میں اتراتا تھا کہ اللہ نے اسے زمین میں دھنسا دیا، پس وہ قیامت کے دن تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ اس سے معلوم ہوا کہ خوش پوشاکی اور حسن و جمال سے آراستہ ہو کر انسان اعجاب نفس (خود پسندی) اور تکبر میں مبتلا نہ ہو بلکہ ان نعمتوں پر اللہ کا شکر کرے نہ کہ اپنی حیثیت کو فراموش کر کے متکبرانہ طور طریقے اختیار کرے۔

2۔ اس سے مقصود صرف خبر دینا نہیں کہ ایسے ہوا بلکہ اصل مقصود یہ تنبیہہ کرنا ہے کہ اگر تم بھی ایسا کرو گے تو تمہارا بھی یہی حشر ہو سکتا ہے اس لیے ایسی حرکت سے ممکن اجتناب کرنا چاہیے اچھا لباس پہن کر ایسا خیال دل میں پیدا ہو تو اللہ سے استغفار کرنا چاہیے اور پھر بھی عجب نہ جائے تو ایسا لباس اتار پھینکنا چاہیے، مبادا کہ انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں آ جائے۔

پڑوسی کا حق اور اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ احسان کرو، نیز رشتے داروں، یتیموں، مساکین، رشتے دار (یا قریبی) پڑوسی اور اجنبی (یا دور کے) پڑوسی اور پہلو کے ساتھی (ساتھ بیٹھنے والے) اور مسافر اور اپنے مملوکہ غلام باندیوں وغیرہ کے ساتھ احسان کرو۔"

پڑوسی کے حق اور تاکید

حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"مجھے حضرت جبریل علیہ السلام پڑوسی (کے ساتھ حسن سلوک) کی ہمیشہ تاکید کرتے رہے، یہاں تک کہ میں گمان کرنے لگا کہ یہ اسے وراثت میں (بھی) شریک ٹھہرا دیں گے۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ :

1۔ اس حدیث سے واضح ہے کہ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی اسلام میں کتنی اہمیت اور تاکید ہے۔ اسی طرح پڑوسیوں سے بد سلوکی دوسرے لوگوں کے ساتھ بد سلوکی کرنے سے زیادہ سنگین جرم ہے۔

پڑوسی کا خیال

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اے ابوذر! جب تم شوربے والا سالن پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ کرلو اور اپنے پڑوسی کا خیال رکھو۔" (مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے خلیل (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے تاکید فرمائی۔

"جب تم شوربے والا سالن پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ کرلو' پھر اپنے پڑوسیوں کے گھر والوں کو دیکھو اور اسے بھلائی کے ساتھ اس میں سے کچھ حصہ پہنچاؤ۔"

فوائد و مسائل :

1۔ اس سے معلوم ہوا کہ پڑوسی اگر غریب' مسکین اور اسی قسم کے محتاج ہوں تو پھر انہیں نظرانداز کرکے خود ہی سب کچھ کھاپی جانا' اسلام میں ناپسندیدہ ہے' بلکہ تاکید ہے کہ ایسے غریب پڑوسیوں کا خیال رکھو اور محض اپنے کام و دہن کی لذت ہی سامنے مت رکھو' بلکہ اگر زیادہ توفیق نہیں ہے تو سالن میں پانی کا اضافہ کرکے اس میں سے ہی کچھ حصہ ان کو دے دو۔

2۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اگر اللہ نے تمہیں صاحب حیثیت بنایا ہے تو اس کے مطابق ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور اس میں تغافل یا تجاہل سے کام مت لو۔

مومن نہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں' اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں' اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں۔"

عرض کیا گیا "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔" (بخاری و مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے۔

"وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی امن میں نہ ہو۔"

فائدہ :

اس سے معلوم ہوا کہ پڑوسیوں کو دکھ پہنچانا اتنا بڑا جرم ہے کہ انسان جنت سے محروم ہو سکتا ہے۔

کمتر نہ سمجھو

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے مسلمانوں کی عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے کوئی ہدیہ کمتر نہ سمجھے' اگرچہ وہ (ہدیہ) بکری کا کھر ہی ہو۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ :

1۔ اس سے معلوم ہوا کہ پڑوسیوں کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کو ہدیہ دیتے رہا کریں' امیر کو اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب کو اپنی حیثیت کے مطابق۔ غریب یہ نہ سوچے کہ معمولی چیز کسی کو کیا ہدیہ دوں۔ اس کا معمولی سا ہدیہ بھی عنداللہ مقبول ہوگا بشرطیکہ اخلاص سے دیا گیا ہو۔ ویسے بھی غریب کا ہدیہ بھیجنا امیر کے دل میں اس کی قدر میں اضافے کا باعث ہوگا۔

1۔ البتہ امیر کے لیے بہتر ہے کہ وہ اپنی شایان شان ہدیہ بھیجے کیونکہ وہ وسائل سے بہرہ ور ہے۔ یہ نہ ہو کہ جو چیز باسی ہو جائے یا اپنا جی اس کے کھانے کو نہ چاہے تو ایسی سڑی بسی چیزیں پڑوسیوں کو بھیج دی جائیں۔ اس میں عدم اخلاص کے ساتھ ساتھ پڑوسی کے لیے حقارت کا جذبہ بھی شامل ہے' جب کہ ہدیے کا مطلب تو اخلاص و محبت کا اظہار ہے اور جس میں کسی غریب پڑوسی کے لیے تحقیر یا اپنی شان دکھانے کا جذبہ کارفرما ہو وہ ہدیہ کس کام کا۔ اور اللہ کے ہاں اس کی کیا قدرومنزلت ہوگی۔ ہاں اگر تحقیر اور شان دکھانے والی بات نہ ہو تو پھر کمتر چیز بھی' جو خود اسے پسند نہ ہو' کسی غریب کو دے دینا' اسے پھینک دینے سے بہتر ہے بشرطیکہ بجائے خود وہ چیز کارآمد ہو۔

مجموعہ رسائل

مصنف: امام غزالیؒ
تبصرہ: آمنہ زریں

کتاب پڑھنے کا شوق آپ کو جہان دیگر سے روشناس کروانے کا سبب بنتا ہے' ناواقف سے واقفیت کا لطف حاصل کرتے ہوئے آپ کتاب' صاحب کتاب اور ذوق لطیف جیسی نعمتوں کے لیے شکر گزاری محسوس کرتے ہیں!

محض باون سال کی عمر پاکر آنے والے' سینکڑوں سالوں کے لیے شجر علمی کا سرمایہ چھوڑ کر جانے والے امام غزالی رحمتہ اللہ منفرد خصوصیات کے حامل تھے کہ رشک و حیرت بھی اس نابغۂ روزگار' زرخیز ذہن کا تصور کرکے حیران ہوتے ہیں!

ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے' ان کے ملفوظات کا مطالعہ جہان حیرت کا در تو وا کرتا ہی ہے' زمانے میں قحط الرجال کا انکشاف بھی کرتا ہے۔

"ایھا الولد کے نام سے شامل یہ خط امام رحمتہ اللہ نے اپنے شاگرد کو اس کی نصیحت کرنے کے تقاضے کو پورا کرتے ہوئے لکھا.....

"بیٹے' نیک اعمال سے محروم ظاہری علم ہے' خالی ہاتھ اور باطنی کمالات سے خالی نہ رہنا اور یقین کرکہ صرف علم قیامت کے دن کچھ مدد نہیں کرے گا یہ بات اس مثال سے سمجھنی چاہیے کہ اگر کوئی جنگل و بیاباں سے گزر رہا ہو' ہاتھ میں دس تیز تلواریں ہوں اور اسی طرح عمدہ تیر کمان اور اس کے ساتھ ہتھیار چلانے اور جنگ کرنے کا طریقہ بھی آتا ہو' ایسے میں اچانک سامنے شیر آجائے کیا سب ہتھیار استعمال کیے بغیر وہ شیر سے بچ سکتا ہے؟

تو یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ہرگز نہیں بچ سکتا اسی طرح تجھے علم ہونا چاہیے کہ اگر کوئی شخص ایک لاکھ علمی مسائل جانتا ہو لیکن کسی پر عمل نہ کرتا ہو تو یہ عمل اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

بے شک بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رحمت سے جنت میں جائے گا لیکن جب تک بندہ اپنی عبادت و بندگی سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لائق نہیں بنے گا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی رحمت نصیب نہیں ہوگی۔ یہ حقیقت میں نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ترجمہ "بے شک اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔"

"شبلی رحمتہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے طریقت کے استادوں کی خدمت کی اور ان استادوں کی بیان کردہ احادیث میں سے صرف ایک حدیث اختیار کی اس لیے کہ ایک حدیث پر غور کیا تو اپنا چھٹکارا اس حدیث میں پایا۔

"دنیا کے لیے اتنا کام کر جتنا اس میں رہے اور آخرت کے لیے اتنا کام کر جتنا وہاں رہنا مقدر ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے اتنا کام کر جتنا تو اس کا محتاج ہے اور دوزخ کے لیے اتنا کام کر جتنا اس کی تکلیف پر صبر کر سکے۔"

ایسے ہی علما کو انبیاء کا وارث کہا گیا..... اور ان ہی کی شان ہے کہ ان کی صحبت میں گزارے ہوئے لمحات کو عبادت سے بہتر قرار دیا گیا ہے..... اور یہی وہ عالم ہیں جن کی موت کو عالم کی موت کہا گیا ہے.....!

دقیق اور نازک معاملات کو شاگردوں کے لیے سہل کرنا..... کچھ ایسا سہل معاملہ نہیں ہوتا!

تو نے یہ پوچھا کہ تصوف کیا ہے؟

تصوف دو خصلتوں کا نام ہے پہلی یہ کہ اللہ کا وفادار ہو اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے ہمدردی و بھلائی رکھتا ہو۔

اللہ سے وفاداری یہ ہے کہ اپنی خوشی کو اللہ کی خاطر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

قربان کردے۔

لوگوں سے بھلائی یہ ہے کہ لوگوں سے صرف اپنی غرض کی خاطر تعلق نہ رکھے۔

تو نے یہ بھی پوچھا ہے کہ اخلاص کیا ہے؟

تجھے معلوم ہو کہ خلوص یہ ہے کہ تیرے سارے کام صرف اللہ کے لیے ہونے چاہئیں۔ تیرے دل کو نہ لوگوں کی تعریف پر خوش ہونا چاہیے نہ کسی سے شکایت پر رنجیدہ ہونا چاہیے۔

تجھے معلوم ہو کہ ریاکاری لوگوں کی تعریف اور تعظیم سے پیدا ہوتی ہے۔ جب تک یہ عقیدہ رکھے گا کہ مخلوق کو دکھ سکھ پہنچانے کی طاقت ہے تو پھر تیرے دل سے ریاکاری ہرگز نہیں نکل سکتی۔

تسلی دلاتے ہوئے الفاظ ۔۔۔۔ روشنی کرتے ہوئے ۔۔۔۔ جہل کے اندھیروں کو دور کرتے ہوئے ۔۔۔۔ خیال اور ممکنہ پیدا ہونے والے خیال تک بھی رسائی رکھنے والے ۔۔۔۔ ایسے ذی۔۔۔ سو ایسے عالم!

نصیحت یہ ہے کہ تو وعظ اور تقریر کرنے سے بچ کیونکہ اس میں بڑی آفتیں اور نقصان ہے۔ حضرت عیسیٰ سے حق تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

"اے فرزند مریم! تم اپنے نفس کو نصیحت کرو پھر اگر اس نے تمہاری نصیحت قبول کرلی تو پھر لوگوں کو نصیحت کرو ورنہ مجھ سے شرماؤ۔"

یاد رہے کہ یہ نصیحت ایک عالم استاد اپنے ایسے شاگرد کو کررہا ہے جو حصول علم کے بعد عالم کے رتبے پر فائز ہونے والا ہے ۔۔۔۔ تنبیہہ کرتے ہوئے الفاظ ہمارے لیے نہ بھی ہوں ۔۔۔۔ نگران کے ذریعے ہمارے فہم و ادراک کو ایک نیا زاویہ اور پرکھ کو نئی سمت عطا ہوتی ہے ایک ایسی کسوٹی جس پر ہم کھرے اور کھوٹے کی پہچان کرسکیں ۔۔۔۔ تو یہ نصیحت مسائل کو توفیق دیتی ہی ہے ۔۔۔۔ ہم جیسوں کو بھی حصہ عطا کرتی ہے!

اگلا مضمون جو زیر بحث ہے وہ "تربیت اولاد کے زریں اصول" کے نام سے ہے ۔۔۔۔ اور ان بیان کردہ اصولوں کی روشنی ہمارے لیے اپنا عکس دیکھنے کو ممکن بناتی ہے!

"بچہ والدین کے پاس اللہ کی امانت ہے اور اس کا دل ایک عمدہ صاف اور سادہ آئینہ کی مانند ہے جو ہر طرح کے نقش و اثر کو قبول کرنے کی استعداد رکھتا ہے۔ چنانچہ اگر اس میں اچھی عادتیں پیدا کی جائیں تو وہ دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کرلیتا ہے اور اس کے ثواب میں والدین اور استاد وغیرہ بھی حصہ دار ہو جاتے ہیں اور اگر اس میں بری عادتیں پیدا کی جائیں اور جانوروں کی طرح بے قید چھوڑا جائے تو وہ بداخلاق ہو کر تباہ ہو جاتا ہے جس کا وبال اس کے ولی اور سرپرست کی گردن پر پڑتا ہے۔"

آداب طعام سب سے پہلے جو بری خواہش بچہ پر غلبہ کرتی ہے وہ زیادہ کھانے کا مرض ہے اس لیے اس کو کھانا کھانے کے آداب سکھانا نہایت ضروری ہے مثلاً "یہ کہ وہ کھانا صرف داہنے ہاتھ سے کھائے، بسم اللہ ضرور پڑھے اور اپنے سامنے سے ہی کھائے،

کھانے میں حد سے زیادہ بھی جلدی نہ کرے لگاتار لقمے منہ میں نہ ڈالے۔ سالن وغیرہ سے ہاتھ اور کپڑے خراب نہ کرے۔ بعض اوقات اسے خشک روٹی بھی کھلائی جائے تاکہ وہ سالن کو اس قدر ضروری نہ سمجھے کہ اس کے بغیر گزارا ہی نہ کرسکے۔ اسی طرح اس کے سامنے زیادہ کھانے کی برائی بیان کی جائے اور کم کھانے والے تربیت یافتہ بچوں کی تعریف کی جائے۔ کھانے میں ایثار کرنے اور ساتھیوں کی ضرورت کا خیال رکھنے کی طرف پوری توجہ دلائی جائے۔ کھانے کی کم پروا کرنے اور ہر قسم کے سادہ کھانے پر قناعت کرنے کا خوگر بنایا جائے۔

بچپن کو معمولی سمجھنے کا عمومی رویّہ شخصیت کے دیرپا بگاڑ کا باعث بنتا ہے اور عادتوں کی ترویج کے لیے اس اہم ترین دور کو نظر انداز کرنا دیرپا نقصان کا ۔۔۔۔!

کھانا کھانے کی تربیت بیان کردہ اصولوں کے مطابق ہو جائے تو فرد کے لیے داخلی سکون، وقار اور برداشت کی آسانی ملتی ہے ۔۔۔۔ بصورت دیگر ۔۔۔۔ پیدا ہونے والی خامیاں عمر اور مرتبے کو بھی ملحوظ رکھنے پر قادر نہیں ہوتیں۔

بچے سے کوئی عمدہ خصلت یا قابل تعریف فعل ظاہر ہو تو باپ کو چاہیے کہ شاباش کہے اور ایسا انعام دے جس سے وہ خوش ہو جائے۔ اور لوگوں میں اس کی تعریف کرے پھر اگر کبھی وہ اس کے خلاف کر بیٹھے تو مناسب ہے کہ اس سے بے خبری ظاہر کرے نہ تو اس کی بے عزتی کرے اور نہ ہی اس کی غلطی کو نمایاں کرے۔ خصوصاً "ایسی صورت میں جب کہ بچہ خود ہی اپنی غلطی کو ڈھانپتا اور چھپانے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ بسا اوقات کسی غلطی کا اظہار کرنا اس کے زیادہ بے باک ہو جانے کا باعث ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اپنا عیب ظاہر ہونے کی بھی پروا نہیں کرتا اور اگر ایسی عاقلانہ احتیاط کے باوجود وہ کسی حرکت کرے تو مناسب ہے کہ تنہائی میں جھڑکا جائے اور اس فعل کی برائی اس پر خوب ظاہر کی جائے۔ لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ اسے زیادہ نہ جھڑکا جائے کیونکہ اس سے بچے میں طعن و ملامت سننے کی عادت اور غلطیوں کا ارتکاب کرنے کی جرات بڑھتی چلی جاتی ہے۔

اپنے ساتھیوں کے سامنے ماں باپ کی ملکیت میں سے کسی چیز پر فخر کرنے، اپنے کھانے پینے کی چیزوں، کپڑوں حتی کہ تختی اور دوات تک پر اترانے سے بھی منع کیا جائے۔ بلکہ ہر ساتھی سے انکساری اور تعظیم و تکریم سے پیش آنے اور پاکیزہ گفتگو کرنے کا عادی بنایا جائے اور اسے دوسرے بچوں سے کوئی چیز نہ لینے دی جائے۔

اسے سکھایا جائے کہ مجلس میں نہ تھوکے نہ ناک صاف کرے نہ کسی کے سامنے جمائی لے اور نہ کسی کی طرف پیٹھ کرے ۔۔۔۔ نہ پیر پر پیر رکھے کیونکہ یہ سب کاہلی اور سستی کی علامتیں ہیں۔ زیادہ باتیں کرنے سے روکا جائے۔ اسی طرح گفتگو میں پہل کرنے سے بھی روکا جائے۔ جب کوئی شخص اس سے بات کررہا ہو تو اچھی طرح سنے اور اپنے سے بڑوں کے لیے اٹھ کر جگہ خالی کرے اور بچوں کی تربیت کے اصل راز تو انہیں برے ساتھیوں سے محفوظ رکھنے میں ہی مضمر ہیں۔

اسے پڑھنے کے بعد کسی عمدہ کھیل کی اجازت ضرور دی جائے جس سے وہ مکتب کی تھکان دور کرکے راحت حاصل کرسکے۔ لیکن اتنا نہ کھیلنے دیا جائے کہ وہ کھیلنے سے ہی تھک جائے، کیونکہ بچے کو کھیل کود سے کلیتاً "روک کر صرف پڑھنے پڑھانے میں دبائے رکھنا اس کے دل کو مردہ، اس کی ذہانت کو باطل اور ناکارہ اور اس کی زندگی کو مکدّر کردیتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ تعلیم سے بالکل ہی جان چھڑانے اور حیلے بہانے تلاش کرنے لگتا ہے۔

"بچے کو والدین، اساتذہ اور ہر اس شخص کو جو عمر میں اس سے بڑا ہو، چاہے رشتے دار ہو یا نہ ہو، سب کی فرمانبرداری عزت کرنا سکھایا جائے۔ ان کے سامنے کھیل کود کو ترک کردے۔ جب سن بلوغ کو پہنچے تو اسے طہارت و پاکیزگی میں سستی نہ کرنے دی جائے اور نماز ختم کرنے پر چشم پوشی کا برتاؤ ہرگز نہ کیا جائے"۔

لاعلمی اور غفلت کے اندھیروں کو دور کرتا ہوا ادراک ہمیں روشنی فراہم کرتا ہے کہ ہم خود کو کسی آئینے میں دیکھ سکیں۔ ترجیحات کا تعین منزل کی جانب سمت کے تعین جیسا ہے ۔۔۔۔ اگر، ماں باپ بچے میں تواضع، فرمانبرداری اور انکساری دیکھنے کی خواہش رکھتے ہیں، طمع، تکبر اور حرص جیسے برائیوں سے محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو ہی اس چیز کا امکان پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ حصول مراد کے لیے محتاط اور باشعور رہتے ہوئے تربیت اولاد کی بھاری ذمہ داری اٹھائیں اور قدم قدم پر بچے کو شفیق نگرانی میں پروان چڑھائیں، اپنے قیمتی وقت سے قیمتی جوہر کی تراش کریں اور دین و دنیا سے لطف اٹھائیں ۔۔۔۔ بصورت دیگر ۔۔۔۔ ہماری سماجی نمائندگی کرنے والے رویے تو ہماری تربیت کا راز افشا کرتے ہی رہتے ہیں!

یاد رہے ۔۔۔۔ امام غزالی رحمت اللہ کو دنیا سے رخصت ہوئے 930 سال گزر چکے ۔۔۔۔!

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

شادیِ مبارک ہو

عاکف مشتاق ہمراہ فلاح عاکف

آسیہ رزاقی

دسمبر کا مہینہ۔ کڑکڑاتی سردی۔ عرصے کے بعد اتنی سخت اور خشک سردی پڑی تھی۔ پورا ملک ہی شدید سردی کی لپیٹ میں تھا۔ بلکہ پوری دنیا میں اس سال سردی نے برف باری اور طوفان نے آفت ڈھائی۔ ہمارے ملک کے پہاڑی علاقوں میں بھی برف باری زیادہ ہی ہوئی کوئٹہ میں تیس سالہ ریکارڈ ٹوٹا۔ یہاں تک کہ کراچی بھی سردی کی لپیٹ میں آگیا۔ کوئٹہ سے قندھاری ہوا نے کراچی کا رخ کرلیا، لیکن پنجاب میں تو بس....

اور یہاں ماڈل ٹاؤن میں اس شدید موسم میں فلاح کی شادی کا غلغلہ تھا۔ یکم ربیع الاول کو شادی۔ کراچی سے فلاح کے ماموں، سلمہ کی خالہ تہمینہ اور کزن پارو معہ فیملی کے آرہے تھے۔ پارو کو تو سردی پہلے بھی بہت لگتی تھی۔ اس بار تو وہ کراچی سے آرہی تھیں۔ مقابلہ کراچی ولاہور۔ مستقل نزلے کھانسی جکڑن میں مبتلا رہیں۔

جتنی سخت سردی تھی۔ اتنا ہی جوش وجذبہ عروج پر۔ فلاح کی کلاس فیلوز۔ صلاح الدین کے دوست شادی کے انعقاد سے پہلے ڈانس پریکٹس کے لیے آجاتے۔ ایک کلاس فیلو کینیڈا یونیورسٹی میں اعلا تعلیم کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ وہ فلاح کی شادی کے لیے خصوصی طور پر کرسمس کی چھٹیوں کا سہارا لے کر آگئیں۔

دوسری دوست لندن میں پڑھنے گئی تھیں، وہ بھی آئیں۔ ساتھ میں اپنے ایک انگریز کلاس فیلو کو پاکستانی شادی کے دل فریب اور دلچسپ واقعات اور رسومات کے بارے میں جو بتایا تو وہ انگلش لڑکا پاکستانی ثقافت کے شوق میں آگیا۔ اس نے بھی ڈانس پریکٹس میں خوب حصہ لیا اور سب سے بہتر رقص کیا۔ پنجابی گانوں پر اس نے سب سے پہلے سیکھنے کا ریکارڈ بنایا۔ جوش، جذبہ اور شوق۔

اسلام آباد سے عاشی معہ اپنی بیٹی کے آگئی۔ (سلمہ کے ماموں انس تمیم کی بیٹی) انس کی بیگم رومانہ نے کراچی سے مہمانوں کے آتے ہی ڈھولکی کا اہتمام کیا۔

گیس ندارد۔ بجلی بھی کم۔

عاشی نے صبح سے ہی باربی کیو کی تیاری شروع کردی۔ شام کو مہمان جمع ہوئے۔ لاؤنج میں ڈھولکی رکھی گئی۔ صنیعہ اور عاشی۔ حریم کی سریلی آوازیں۔ سلمہ اور پارو کی بیٹی۔ عفان کی بیٹی مشال۔ غرضیکہ محفل زوردار تھی۔ تسام اور صلاح الدین ہم نوا۔ سطام نے ڈھول بجایا۔

آخر میں عمر نے بلھے شاہ کا کلام بے حد عقیدت اور خوبی کے ساتھ سُر میں سنایا۔ انس سے فرمائشی گانا سنا گیا۔

"جب سے ہوئی ہے شادی" آنسو بہا رہا ہوں۔
آفت گلے پڑی ہے اُب تک نبھا رہا ہوں۔"

پوری نظم سنائی۔ خوب داد وصول کی۔

آخر رات میں کھانا کھایا گیا۔ گرم گرم تکے، مٹر پلاؤ چکن کا سالن اور قلفیاں۔

دوسرے دن لبنیٰ آفاقی کے ہاں پر رونق محفل کا انعقاد ہوا۔ افسوس بچاری پارو کا گلا بند ہو گیا صرف تالیوں پر اکتفا کیا، عمران کی بیٹی عیشہ اور عفان کی بیٹی مشال نے سب کے ساتھ پرشور گانے گائے۔ پھر میری فرمائش پر سب نے ہیراں ہو ہیراں سنایا۔ صنیعہ اور عمیر صلاح الدین اور فلاح اگر پاکستان آئیڈل میں چلے جاتے۔ کوئی طاقت انہیں نمبرون بننے سے نہیں روک سکتی تھی۔

اگلے دن مایوں تھی۔ پیلے رنگ کے ڈوپٹے قمیص فیروزی فرشی غرارے میں گیندے اور گلاب کے پھولوں کا گہنا پہنے ماتھے کانوں میں بھی گیندے کے پھولوں کو مہارت سے پہنایا گیا تھا۔ بہت خوب صورت لگ رہی تھی فلاح۔ اس کی کلاس فیلوز بھی آگئی تھیں۔ سب نے رسم کی۔ پینڈیاں کھلائی اور کھائی گئیں۔

مہندی کے لیے "نور جہاں" ہال منتخب کیا تھا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں ایک اسکول ہیپر ڈائن تھا۔ سب بچوں صلاح الدین، فلاح۔ نوین، یمین، ہاجرہ کنزیٰ، عاشی اور احمد نے وہیں تعلیم حاصل کی تھی۔ اب وہ شادی ہال بن گیا ہے۔

پُرشور میوزک اور ڈھول کے ساتھ دولہا دوستوں کے جگمگھٹے میں داخل ہوئے۔ بہن بھابھی اور کزنز

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سر پر دوپٹا تانے ہوئے تھیں۔

ان کے بعد فلاح بھی اسی طرح حریم، پارو، مشال صنیعہ کے ساتھ آئیں۔ اس کے بعد ڈانس کا پروگرام شروع ہوا۔ عاکف کے دوستوں نے جس جوش و جذبے سے ڈانس پیش کیا۔ اس کے مطابق ہماری طرف کے لڑکوں صلاح الدین، حسام، سطام صلاح الدین کے دوستوں اور انگریز لڑکے نے بھی خوب ڈانس کیا اور داد سمیٹی۔

مہندی کا بے حد خوب صورت جوڑا عاکف کی امی لائی تھیں۔ انگی نتھ بھی لائیں جو پہنائی گئی۔ عاکف کی بہن پنکی جو ''پنکی باربی ڈول'' ہے۔ ہر تقریب میں اس نے بہت ہی قیمتی جگمگاتا لباس پہنا تھا۔ واقعی رونق محفل تھی۔ عاکف کی بھابھی آصفہ بھی خوب صورت ہیں۔ یوں سمجھ لیں، فلاح کے اضافے کے ساتھ عاکف کے والد ایس ایس پی صاحب کے گھر حسینوں کا جھمگٹا ہو گیا ہے۔ عاکف کی امی خود بہت زندہ دل خاتون ہیں۔ آخر میں دونوں سمدھنوں نے بھی ڈانس کیا جو بے حد پسند کیا گیا۔

اگلے دن جمعہ اور یکم ربیع الاول کی صبح نکاح کا دن۔ گھر پر ہی بارات آئی۔ عاکف بھائیوں، ماموں، خالو کے ساتھ آپہنچے۔ والد ایس ایس پی مشتاق صاحب مع بیگم کے نہیں آئے۔ فون کیا گیا، پتا چلا میوے کی دکان پر دکان کھلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ قاری یعقوب صاحب کو مسجد جانا جمعہ کی تیاری بھی کرنی تھی۔ انہوں نے نکاح کا آغاز کر دیا۔

نکاح ہو چکا تھا۔ بس ایس ایس پی صاحب کے دستخط باقی تھے۔ وہ تین ٹوکرے میوہ، ایک ٹوکرا مٹھائی کا لے کر آئے تو دستخط ہوئے دعا ہوئی۔ پھر ساس سسر فلاح کو دعا دینے کمرے میں آئے۔ جہاں فلاح کی امی، نانی اور دیگر رشتے دار خواتین آنسو بہا رہی تھیں۔ انہیں اور فلاح کو بھی ساس سسر نے تسلی دی۔ دعائیں اور فلاح کو بہت پیار کیا۔

اس کے بعد کھانا وغیرہ کھا کر بارات کے لوگ ڈیفنس اپنے گھر سدھارے۔ فلاح کو بیوٹی پارلر جانا تھا۔ اس کے ساتھ مریم ضیا جو فلاح کی اچھی دوست ہے بیوٹی پارلر گئی۔

ہم لوگوں نے ٹوکرے کھولے۔ واہ۔ میوے اس قدر خوب صورتی سے سجائے گئے تھے کہ حد نہیں۔ نیچے اخروٹ سالم۔ ان پر چھوہارے، ان پر خشک خوبانیاں اور نقل سب سے اوپر ناریل پیالوں کی شکل میں سجے تھے جن کے اندر کشمش بھری ہوئی تھی۔ اس میوے کی سجاوٹ سے محبت توجہ اور جوش و خروش کا اظہار ہوتا تھا۔ واقعی فراخ دلی اسی کو کہتے ہیں۔

رات ہر روز سے زیادہ سرد تھی۔ واقعی سخت سردی اور ماڈل ٹاؤن کے وسیع گراؤنڈ میں ہر سمت سے شامیانے قناتیں بند ہونے کے باوجود کافی سردی تھی۔ ہیٹر بے شمار جل رہے تھے۔ آخر پولیس بینڈ نے سُر بکھیرے۔

آہا بارات آگئی۔ عاکف سیاہ شیروانی میں جس کے کف اور کالر پر کارچوبی کام بے حد دلکش لگ رہا تھا۔ بھائیوں والد اور دوستوں کے نرغے میں داخل ہوئے۔ خوب صورت تو خیر ہیں، اس پر دراز قد اور شیروانی نے مزید شان پیدا کر دی تھی۔ پھولوں سے سجے اسٹیج پر بٹھایا گیا۔

اندر آنے سے پہلے گاڑی سے اُترتے ہی فلاح کے بھائیوں۔ صلاح الدین سطام، حسام، جدان وغیرہ نے راستہ روکا اور بے چارے دولہا کی جیب خالی کرائی گئی۔ مہندی کے دن سالیوں نے بھی مہندی لگوائی کی خاصی رقم بٹوری تھی۔ تمام مہمان فلاح کی خوش قسمتی پر رشک کر رہے تھے اور دعاؤں سے نواز رہے تھے۔

پھر صلاح الدین کا بازو تھامے سفید جگمگاتے عروسی لباس میں فلاح داخل ہوئی۔ فوٹو گرافر تیار تھے۔ فلاح کا سفید بروکیڈ کا غرارا، شفان کے کامدانی اور بے شمار نگوں اور ستاروں سے سجے جگمگ کرتے لباس نے عجب شان پیدا کر دی تھی۔ خراماں خراماں سرخ

گولڈن جال دار دوپٹے سے سر ڈھانے اسٹیج پر پہنچی۔ سرخ دوپٹا اتار دیا گیا۔ سوپ گرم گرم کھانا بھی گرم۔ ٹھنڈ سے ذرا کچھ آرام ملا۔ اسٹیج پر چاندی کے منقش گلاس میں دولہا کو دودھ پلوایا گیا۔ پھر اس دودھ کا خراج طلب کیا گیا۔ من مرضی کی قیمت وصول کرنے کے باوجود جوتا چھپانے میں پھرتی دکھائی۔ غرض دولہا کو شادی کا خراج خوب ہی ادا کرنا پڑا، مگر۔۔۔ خوشیوں، امیدوں کا باب کھل رہا تھا۔

رخصتی بہت باوقار انداز میں ہوئی۔ لوگوں نے نکاح کے میوے کے انوکھے انداز کو بہت سراہا۔ جو شادی کے وقت کنول کے پھول جیسے ڈیزائن کے ڈبوں میں بند فراخ دلی سے تقسیم کیا گیا۔ یہ گھر پر لائے جانے والے میوے کے علاوہ تھے اور ان ڈبوں پر عاکف اور فلاح کے نام بھی چھپے ہوئے تھے۔ سنہری ڈوری سے منہ بند کلی کا اظہار ہو رہا تھا۔ کھلنے پر کنول کا پھول۔

ایس ایس پی صاحب اور ان کی بیگم دولہا دلہن کو ڈیفنس اپنے گھر لے گئے۔ وہاں بھی رسمیں ہوئیں۔ پھر پی سی کے ایک کمرے میں دونوں پہنچائے گئے۔ غرضیکہ کافی شان دار اور منفرد شادی کا سماں تھا۔ اسلام آباد سے سلمہ کے کزن بریگیڈیر فرحان اور مسز ثوبیہ بھی آئے۔ رونق محفل بنے۔

ولیمہ ڈیفنس کلب میں تھا۔ ولیمہ کا جوڑا بری کا تھا جبکہ سفید عروسی جوڑا سلمہ نے بنوایا تھا۔ ولیمہ کا بے حد حسین اور قیمتی جوڑا تھا۔ پرپل اور کریم کلر کا۔ سفید نگوں سے سجا جھلملاتا ڈریس۔ آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ پچھلا دامن کافی لمبا تھا جس پر نگوں سے بہت حسین گلکاری ہوئی تھی۔ آدھا گز بلکہ زیادہ زمین پر تیرتا ہوا آ رہا تھا۔

دولہا دلہن کی آج شان ہی کچھ اور تھی۔ خصوصاً فلاح کا حسین ڈریس بہت ہی جچ رہا تھا۔ عاکف کی امی نے بری کے کپڑوں اور زیورات پر خوب ارمان نکالے۔ منہ دکھائی میں بھی بھاری سیٹ دیا۔ عاکف نے منہ دکھائی میں ڈائمنڈ کا حسین سیٹ دیا۔

اگلے دن چوتھی کی رسم کے لیے سلمہ نے گھر پر باربی کیو کا انتظام کیا تھا۔ تنویر بھٹی ایم اے۔ جی ہاں۔ تنویر بہت کامیابی سے تکے کباب کی دکان چلا رہے ہیں۔ یہاں بھی اُن ہی نے اہتمام کیا۔ مرغی مچھلی کے تکے کباب اور جانے کیا کیا بن رہے تھے۔ سیخ کباب الگ چٹنی کے ساتھ۔ کھانے سے پہلے عاکف کی امی نے لڑکیوں سے گانے کی فرمائش کی۔ صنیعہ فوراً ڈھولک سنبھال بیٹھیں۔ پارو کی آواز بھی کھل گئی تھی کچھ۔ لڑکے بھی شریک۔

کاشف نے فلاح سے کہا۔

''فلاح! تم کیوں الگ تھلگ خاموش ہو۔ چلو سب کا ساتھ دو۔''

چلو جی۔ دلہن بیگم بھی شروع ہو گئیں۔ آخر میں صلاح الدین نے پیراں ہو پیراں تنہا گا کر سنایا۔ سطام کے ڈھولک بجانے پر سب نے داد دی اور یہ پررونق محفل بھی ذوق و شوق کے مظاہرے کے ساتھ ختم ہوئی۔

عاکف کے والد ایس ایس پی ہیں۔ مگر شکل اور گفتگو سے دانشور یا بیورو کریٹ لگتے ہیں۔ امی بہت خوش مزاج اور رونق محفل ہیں۔ بھائی کاشف اینٹی نارکوٹیک کے عہدے دار۔ چھوٹا بھائی میڈیکل کا طالب علم۔ بہن پنکی جو دراصل فلاح کی پرانی دوست ہیں اور ان دونوں میں زبردست ہم آہنگی ہے۔ پنکی کی کوشش سے ہی یہ شادی ہوئی۔

اب تو فلاح اور کاشف ملائیشیا پہنچ چکے ہیں۔ ملائیشیا سے سری لنکا۔ تھائی لینڈ۔

اللہ ان کی حفاظت کرے اور سب خاندان والوں کی خوشیاں قائم رہیں۔ آمین۔

عاکف اور فلاح ہمیشہ خوشیوں کے پھول سمیٹیں۔ آمین ثم آمین۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

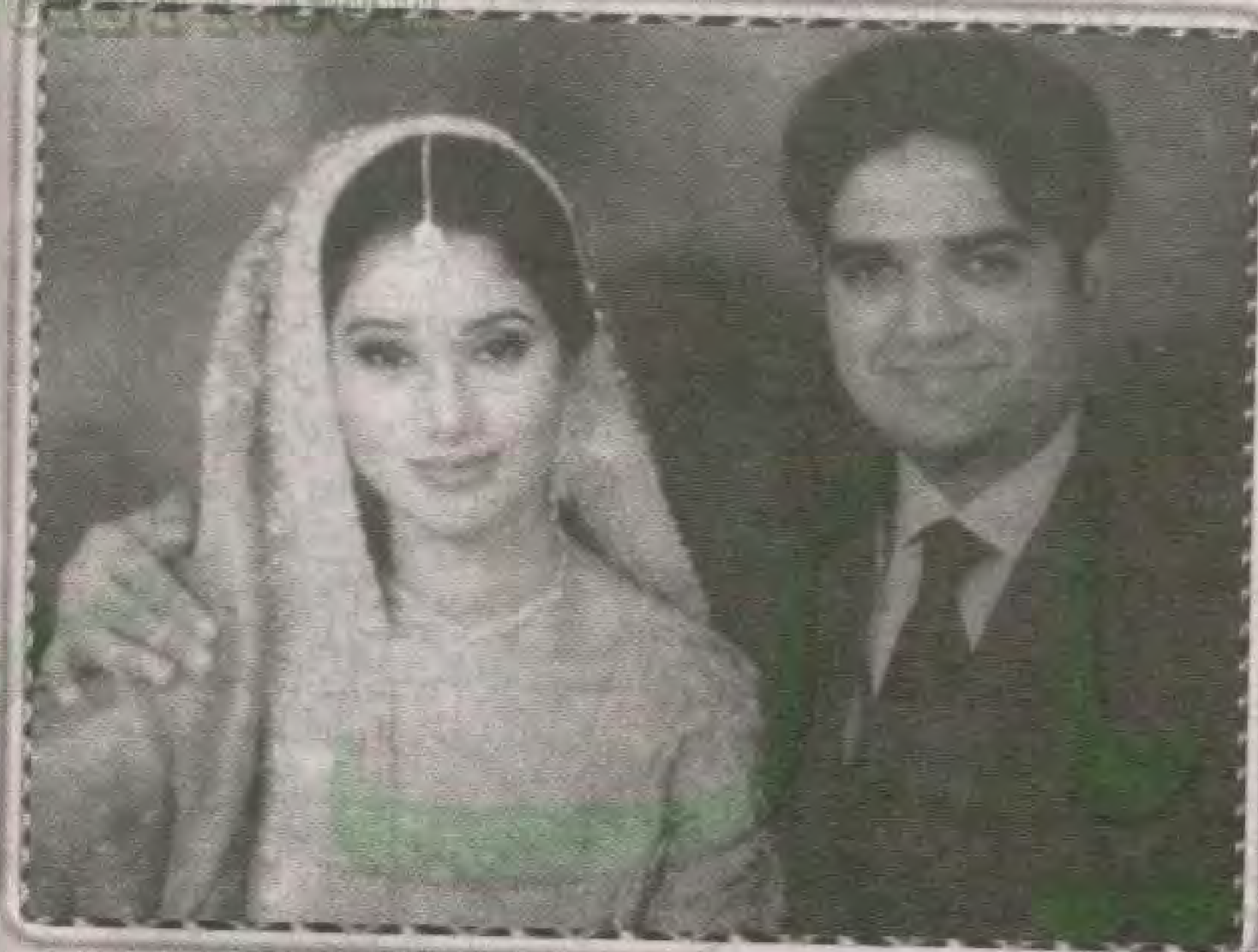

الف ایم ۔ اے

عدیل اظہر ہمراہ تسمیہ عدیل

عدیل اظہر —

پہلی نظر کی محبت کو عموماً "لوگ کتابی بات کہہ کر ٹال جاتے ہیں یا پھر اس پر یقین ہی نہیں کرتے... مگر حقیقت تو یہی ہے کہ محبت پہلی نظر کی ہی ہوتی ہے۔ عدیل اظہر کی محبت بھی پہلی نظر کی ہی تھی اور پھر اس محبت کو انہوں نے اپنی شریک سفر بنالیا۔ کیسے...... آیئے ان کے بندھن میں جانتے ہیں۔ لیکن پہلے ان کی بیگم تسمیہ عدیل سے پوچھتے ہیں کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا اور کس طرح دو اجنبی ایک ہوئے۔

— تسمیہ عدیل اظہر

"کیسی ہیں تسمیہ صاحبہ — اپنا پورا تعارف کرائیں۔"

"شادی سے پہلے میرا نام تسمیہ جمال تھا۔ شادی کے بعد تسمیہ عدیل ہوگیا۔ تسمیہ کا مطلب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے اور میرا تعلق کراچی سے ہے۔ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں۔ میں 11 اکتوبر 1987ء میں پیدا ہوئی اور نفسیات میں میں نے بی اے کیا ہے۔"

"عدیل صاحب سے شادی سے پہلے کوئی رشتے داری تھی یا برادری سے باہر کے ہیں؟"

"نہیں جی — ان سے ہماری کوئی رشتے داری نہیں تھی۔ ہوا یہ کہ انٹر کے بعد یونیورسٹی میں داخلہ لینے کے لیے پری پریشن کلاسز ہوتی ہیں میں نے آئی بی اے میں جانے کے لیے انیس حسین کے یہاں کلاسز لی تھیں کلفٹن برانچ میں —وہاں یہ پڑھاتے تھے تو انہوں نے کلاس میں مجھے دیکھا۔ میری دوست سے نمبر لیا اور پھر انہوں نے مجھے کال کی اور ڈائریکٹ ہی یہ بات کردی کہ میں اپنی امی کو آپ کے گھر لانا چاہتا ہوں بس تو پھر اس طرح رشتہ ہوگیا۔ امی بھی مان گئیں کوئی مسائل درپیش نہیں آئے اور سارے کام آسانی سے ہوگئے۔"

"عموماً" جب غیر برادری سے رشتہ آتا ہے تو نہ صرف گھر والوں کو خدشات ہوتے ہیں بلکہ خاندان والے بھی بہت بولتے ہیں تو ایسا کچھ ہوا؟"

"اصل میں میری امی نے ہی میری پرورش کی ہے کیونکہ جب میں کلاس Six میں تھی تو میرے امی ابو کی علیحدگی ہوگئی تھی اور میری امی ہی میرے سارے فیصلے کرتی تھیں اور انہوں نے کبھی کسی کی مداخلت برداشت نہیں کی۔ میری امی ڈاکٹر ہیں اور بہت قابل ہیں اس لیے کبھی مسئلہ ہوا نہیں۔"

"ایک استاد نے جب آپ کو پروپوز کیا تو آپ کو عجیب محسوس نہیں ہوا کہ ایک استاد مجھے اس نظر سے دیکھ رہا ہے؟"

ہنستے ہوئے.... "ہاں مجھے یہ محسوس ہوا تھا بلکہ بہت عجیب سا لگا تھا کہ ایک دم سے ٹیچر کو کیا ہوا ابھی تو میں نے آنا شروع کیا ہے اور جب یہ پڑھاتے تھے تو اندازہ ہوتا تھا کہ یہ ٹیچر کے فرینڈلی ہیں اور مذاق کرنے کی عادت ہے مگر بہت ڈیسنٹ مذاق کرتے ہیں اور بحیثیت ٹیچر مجھے بھی اچھے لگتے تھے کہ صرف پڑھاتے ہی نہیں ہیں بلکہ ہنسی مذاق بھی کرتے ہیں تو ہم سب بہت انجوائے کرتے تھے ان کی کلاس میں۔"

"اپنی فیملی کو لے کر آئے یا صرف امی کو لے کر آئے؟"

"پہلے یہ اکیلے آئے تھے پھر امی کو لے کر آئے تھے کیونکہ امی نے ان کا پروپوزل مان لیا تھا۔"

"عموماً" جب لڑکے اپنی پسند کی شادی کرتے ہیں تو پھر لڑکی کو سسرال میں اپنی جگہ بنانے میں مشکل ہوتی ہے۔ آپ کے ساتھ ایسا کچھ ہوا؟"

"پسند سے ہو یا ارینج جب لڑکی بیاہ کر جاتی ہے تو نئے ماحول میں اس کا ایڈجسٹ ہونا مشکل ہوتا ہی ہے — کیونکہ آپ کے گھر کے طریقے اور سسرال کے طریقے الگ ہوتے ہیں — میکے میں بے فکری کی زندگی ہوتی ہے سارے کام اماں کررہی ہوتی ہیں تو جو مسئلہ مسائل سب لڑکیوں کو ہوتے ہیں وہ ہی مجھے بھی ہوئے۔"

"جوائنٹ فیملی میں گئیں؟ شادی کو کتنے سال ہو گئے ہیں؟"

"نہیں جوائنٹ فیملی تو نہیں کہہ سکتی کیونکہ گھر میں میری مدر ان لا ہوتی ہیں۔ عدیل کے والد کا انتقال ہوچکا ہے۔ سو گھر میں میں، یہ اور مدر ان لاء ہوتے ہیں اور ہماری شادی کو تقریباً" آٹھ سال ہوگئے ہیں۔ 16 جنوری کو ہوئی تھی۔ اور ہمارے ماشاء اللہ دو بیٹے ہیں بڑا بیٹا احمد عدیل چھ سال کا ہے اور چھوٹا بیٹا آیان عدیل ماشاء اللہ سے گیارہ ماہ کا ہے۔"

"آپ کا دل چاہتا ہے کہ آپ بھی ریڈیو پہ آواز کا جادو جگائیں یا کوئی جاب کریں؟"

"نہیں، مجھے گھر پر رہنا زیادہ اچھا لگتا ہے۔ اس لیے بھی کہ میرے بچے میرے لیے زیادہ اہم ہیں اور کسی بھی فیلڈ میں جاؤ ٹائم بہت لگ جاتا ہے اور تھکن بھی ہوجاتی ہے تو ایسے میں بچوں کو ٹائم دینا ذرا مشکل ہوجاتا ہے۔ میں جاب کرنا چاہتی ہوں لیکن اس وقت جب میرے بچے بڑے ہوجائیں بیچلر بھی میں نے شادی کے بعد ہی کیا ہے اور ان شاء اللہ ماسٹرز بھی کروں گی۔"

"پڑھائی کی اجازت خوشی خوشی دے دی تھی یا کہا کہ نہیں میری خدمت کرو؟"

"جی بالکل دے دی تھی اور یہ ایسے نہیں ہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

خدمت کرانے والے۔ ان کو خود شوق ہے کہ میری بیوی پڑھ لکھ کر کسی قابل بن جائے اور اسے زندگی میں کسی پر انحصار نہ کرنا پڑے۔"

"شادی دھوم دھام سے ہوئی..... اور رسم و رواج میں کوئی فرق تھا۔"

"جی آٹھ سال پہلے کے حساب سے تو دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ آج کل کا حساب دیکھا جائے تو پھر ہماری شادی سادگی سے ہوئی تھی اور رسم و رواج میں کوئی فرق نہیں تھا چونکہ عدیل کو گانے کا بہت شوق ہے تو مہندی کے دن ایک میوزیکل پروگرام رکھا تھا تو سب نے ہی بہت انجوائے کیا۔"

"لڑائی جھگڑے تو ہوتے ہی ہوں گے تو کچھ یاد ہے پہلی لڑائی کس بات پر ہوئی تھی؟"

"پہلی لڑائی..... ارے ہم تو بہت لڑتے ہیں۔ ہاں آخری لڑائی بتا سکتی ہوں۔ جب یہ لاہور جا رہے تھے تب ہوئی تھی مگر اس انٹرویو کے شائع ہونے تک پتا نہیں کتنی لڑائیاں ہو چکی ہوں گی۔ (ہنستے ہوئے) میں ہی ان سے زیادہ لڑتی ہوں کہ یہ بہت مصروف رہتے ہیں۔ ابھی کچھ ہی دن پہلے یہ انڈیا سے آئے ہیں تقریباً" پندرہ دن کا ٹرپ تھا۔ ایک ہفتے کے بعد پھر لاہور چلے گئے۔"

"یہ سوال تو میں سب سے کرتی ہوں کہ اسلام میں چار شادیاں جائز ہیں۔ اگر عدیل کا دل کسی اور پہ آگیا تو؟"

"اسلامی پوائنٹ آف ویو سے دیکھوں تو اگر میں ان کو منع کروں گی تو یہ غلط ہوگا، لیکن برداشت کرنا بھی بہت مشکل ہے۔ یعنی عورت کے پاس سوائے برداشت کرنے کے اور کوئی چارہ ہوتا بھی نہیں ہے۔ مرد کو کوئی روک نہیں سکتا۔"

"محبت کے معاملے میں کیا کہیں گی کہ ابتدا میں زیادہ ہوتی ہے یا جوں جوں دن گزرتے ہیں زیادہ ہوتی جاتی ہے؟"

"ہمارا تجربہ تو یہ کہتا ہے کہ شروع میں اٹریکشن زیادہ ہوتی ہے۔ بعد میں تھوڑی کم ہو جاتی ہے کہ آپ ہر وقت ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہیں ہاتھ میں ہاتھ لیے۔ ایک ہی پلیٹ میں کھانا۔ ڈائیلاگ بولنا۔ ہر وقت فون پہ بات کرنا۔ یہ سب باتیں شروع میں زیادہ ہوتی ہیں۔ بعد میں کم ہو جاتی ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ بعد میں پھر محبت زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ میں محسوس کرتی ہوں کہ ہماری محبت زیادہ ہو گئی ہے اور انڈر اسٹینڈنگ بھی۔"

"منہ دکھائی میں کیا ملا تھا اور ہنی مون کے لیے کہاں گئی تھیں؟"

"منہ دکھائی میں انہوں نے گولڈ کا سیٹ دیا تھا اور ہنی مون کے لیے ہم کہیں بھی نہیں گئے تھے کیونکہ احمد (بیٹا) کو آنے کی جلدی تھی پھر ٹائم ہی نہیں ملا جانے کا پھر میری یونیورسٹی بھی ایک ہفتے کے بعد شروع ہو گئی تھی۔ دو سال قبل ہم گھومنے پھرنے مالدیپ گئے تھے اور یہی ہمارا ہنی مون تھا اور بہت اچھا ٹرپ تھا اور بہت ہی مزا آیا تھا۔ نانی اور دادی نے احمد کو اپنے پاس رکھ لیا تھا۔"

"زیادہ رومانٹک کون ہے۔ آپ یا میاں صاحب؟ اور عدیل کے لیے کھانا خود ہی پکاتی ہیں یا کک رکھا ہوا ہے؟"

"میں زیادہ رومانٹک مزاج ہوں اور کوکنگ سے مجھے لگاؤ ہے اور کچھ مختلف قسم کی ڈشز بنانے کا زیادہ شوق ہے اور عدیل کے لیے کبھی میں تو کبھی میری مدر ان لاء کھانا بناتی ہیں۔"

"عدیل کی کوئی اچھی اور بری عادت بتائیں؟"

"اچھی عادتیں تو بہت ہیں اور بری عادت یہ ہے کہ تھوڑے لاپروا ہیں اور چیزوں کو بھول جاتے ہیں۔ بار بار یاد دلانا پڑتا ہے۔ کوئی کام کہو تو بھول جائیں گے۔ پھر آنٹی فون کر کر کے یاد دلاتی ہیں کہ میری دوائیاں لے آنا اور اگلے دن پھر بھول جاتے ہیں اور چیزیں بکھرانے والے۔ پہلے یہ غصے کے تیز نہیں تھے اب غصے کے تیز ہیں شاید ایج فیکٹر بھی ہے اور جاب وغیرہ کی ذمہ داری

بھی ہے۔"

"ایج فیکٹر تو نہ کہو کیونکہ عدیل 1980ء کی پیدائش ہیں اور کم عمر ہیں۔"

"اس حساب سے کہہ رہی ہوں کہ جب چھوٹے تھے تو ان پر کوئی ذمہ داری نہیں تھی اور جن بچوں پر ذمہ داری نہیں ہوتی اور جن کا سب کام ماں کرتی ہے تو انہیں پریکٹیکل لائف کا تجربہ نہیں ہوتا مگر اب جوں جوں ان کا تجربہ بڑھتا جا رہا ہے ان کے غصے میں اضافہ ہو رہا ہے مگر غصہ ان کا نارمل ہے۔"

"آپ کے لیے فیشن پرست ہیں یا جو پہن اوڑھ لیا قبول کر لیتے ہیں؟"

"ان کو شوق ہے مجھے اپ ٹو ڈیٹ دیکھنے کا۔ کپڑے اچھے فیشن کے ہونے چاہئیں۔ صاف ستھرے ہونے چاہئیں۔"

"عدیل سے کچھ کہنا چاہیں گی جو آپ آج تک نہ کہہ سکی ہوں اور فیس بک سے دلچسپی ہے عدیل کی طرح آپ کو؟"

"عدیل ایکسپریسو نہیں ہیں۔ کوئی پریشانی ہو یا کوئی پرابلم ہو نہیں بتاتے دل میں رکھتے ہیں بات کو اور فیس بک سے مجھے زیادہ دلچسپی نہیں ہے عدیل کو ایف بی سے اور موبائل سے بہت دلچسپی ہے۔"

"اور اب آخری سوال کہ کمرے میں آکر عدیل نے پہلا جملہ کیا بولا؟"

قہقہہ..... "انہوں نے کہا تھا کہ بہت خوب صورت لگ رہی ہو اور آپ کو ایک دلچسپ بات بتاؤں کہ جب نکاح کا وقت تھا تو میں بہت رو رہی تھی۔ یہ مجھے دیکھ کر ڈر گئے کہ کہیں میں انکار نہ کر دوں..... مجھے اپنی ساری باتیں یاد آ رہی تھیں کہ کس طرح میں نے وقت گزارا۔ ابو کو بہت مس کر رہی تھی۔ اگرچہ وہ آئے تھے مگر مہمانوں کی طرح آئے تھے۔"

عدیل اظہر

"جی عدیل! کیا حال ہیں۔ فارغ ہیں؟"

"جی شاہین..... بالکل حاضر ہوں۔"

"کیا مصروفیات ہیں؟"

"اپنی جاب چل رہی ہے' ریڈیو چل رہا ہے' مزید کسی کام کے لیے ٹائم ملتا نہیں ہے تو بس اسی میں خوش ہیں۔ ویسے اپنی فٹنس کا خیال رہتا ہے تو اس کے لیے ٹائم نکال لیتا ہوں یا پھر کھانے پینے کا ٹائم ہے۔"

"کھانا پینا تو بیگم کے ہاتھ کا ہی کھاتے ہوں گے؟"

"میری امی کھانا بنانے کی زیادہ شوقین ہیں۔ کیونکہ وہ کام کرکے اور کھانا پکا کے زیادہ خوش رہتی ہیں۔"

"میں آپ کی مسز سے بات کر رہی تھی تو معلوم یہ ہوا کہ آپ دونوں کا ملاپ تو بالکل فلمی انداز میں ہوا' آپ استاد وہ طالبہ؟"

"فلمی سین تو تب ہوتا جب بیچ میں کوئی ظالم سماج آجاتا یا کوئی رکاوٹ آجاتی اور کہا جاتا کہ یہ شادی نہیں ہو سکتی۔ ہم تو اکثر بات کرتے ہیں کہ ہماری اس پوری کہانی میں کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوا اور میرا خیال تھا کہ تسمیہ کی والدہ کے ذہن میں داماد کا خاکہ میرے جیسا یا شاید مجھ سے کچھ بہتر تھا اس لیے پسند آگئے اور ہماری

WWW.PAKSOCIETY.COM

امی تو چونکہ ہمارے والد کی وفات کے بعد اکیلی ہو گئی تھیں۔ انہیں مجھ پر اعتماد تھا اور انہوں نے جب تسمیہ سے ملاقات کی تو وہ میری پسند سے بہت خوش ہوئیں اور بغیر کسی ٹینشن کے سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔ ہماری فلمی اسٹوری بہت بورنگ تھی۔"

"تسمیہ کی کیا بات اچھی لگی تھی 'یقیناً' شکل ہی اچھی لگی ہوگی؟"

"ایمان داری کی بات ہے کہ جب کوئی لڑکا کسی لڑکی کو بغیر بات کیے پسند کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے اس کی شکل ہی اچھی لگتی ہوگی اور اس میں کوئی جھوٹ بھی نہیں ہے۔ مجھے یاد ہے کہ یہ کلاس میں آئی تھی پہلی یا شاید دوسری کلاس تھی جو میں نے دیکھتے ہی سوچا۔ اس سے تو شادی ہو سکتی ہے۔ لڑکی اچھی بھی ہے اور اسکارف بھی پہنے ہوئے ہے۔ میں بہت زیادہ اسلامی نہیں ہوں لیکن نماز روزے کا پابند ہوں۔ ہمارے ملک میں اسلامی ہونے کا تصور ہی کچھ اور ہے۔ میں پرانی سوچ کا بندہ ہوں تو اس کا جو انداز تھا کلاس میں آنے کا بیٹھنے کا اور لیکچر سننے کا' وہ مجھے بہت پیارا لگا تھا اور بس میں نے فیصلہ کر لیا کہ شادی کرنی ہے تو اسی سے۔"

"ایک استاد کی حیثیت سے آپ کو تو ایسی نظروں سے نہیں دیکھنا چاہیے؟"

"اصل میں میں بھی شروع شروع میں یہ بات بتاتے ہوئے بہت جھجکتا تھا مگر پھر میں نے سوچا کہ کوئی یونیورسٹی نہیں تھی نہ ہی کوئی کالج تھا۔ وہ بنیادی طور پر ٹیسٹ پری پریشن سینٹر تھا۔ وہ آئی بی اے کی تیاری کر رہی تھی اور میں تھوڑا ہی عرصہ پہلے آئی بی اے سے گریجویٹ ہو کے نکلا تھا اور پارٹ ٹائم کے طور پر پڑھانے لگا تھا۔ میرے زیادہ تر طالب علم میری عمر سے بڑے تھے۔ یہاں صرف ٹیسٹ کی تیاری کروانا تھا اور اس لحاظ سے پسند کرنا اور شادی کرنا کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔"

"تو یہ فلسفہ تو غلط ہوا نا کہ ساری زندگی سیرت چلتی ہے صورت نہیں تو سیرت دیکھنی چاہیے۔"

"بالکل آپ ٹھیک کہتی ہیں اور جو کوئی ایسا کہتا ہے وہ بہت جھوٹا انسان ہے اور یہ کتابی باتیں ہوتی ہیں اور کتابوں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے حسن پرست بنایا ہے۔ جب ہمیں ہر اچھی چیز اچھی لگتی ہے تو پھر شریک حیات کے لیے کوئی اور سوچ کیوں ہو۔۔۔ لیکن اس کے باوجود انسان کو سب سے پہلے اپنی فیملی کو دیکھنا ہوتا ہے۔ میں پاکستان کے نمبرون انسٹی ٹیوٹ میں پڑھا ہوں (آئی بی اے) میں اگر چاہتا تو آئی بی اے کی کسی خوب صورت خاتون سے شادی کر سکتا تھا مگر وہ اس بات کی خواہش مند بھی ہوتی کہ اسے ملٹی نیشنل کمپنی میں کام بھی کرنا ہے۔ میں خواتین کے کام کرنے کے خلاف نہیں ہوں لیکن شاید اللہ تعالیٰ نے کچھ رولز بنائے ہیں مرد اور عورت کے لیے اور مرد اگر اپنے خاندان کی کفالت نہیں کرے گا تو اسے خدا کے آگے جواب دہ ہونا پڑے گا اور عورت کو اللہ تعالیٰ نے اسپیشلی ڈیزائن ڈیوٹی بنا کر بھیجا کہ تمہارا کام یہ ہے۔ خوب صورتی اہم فیکٹر ہے تو یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ لڑکی ہماری فیملی میں ایڈجسٹ ہو گی یا نہیں۔"

"آپ جیسے باصلاحیت' خوب صورت اور کماؤ پوت ہوں تو خاندان والوں کی بڑی نظر ہوتی ہے کہ ہماری بیٹی سے شادی ہو جائے تو خاندان والوں کو تو بڑی مایوسی ہوئی ہوگی۔"

"جی وقتی طور پر تو سب نے ہی محسوس کیا تھا مگر پھر قسمت کے فیصلے اور یہ کہ جوڑ آسمانوں پر لکھے ہوتے ہیں کو تسلیم کرتے ہوئے سب نے اپنی ناراضی دور کر دی۔"

"شادی کے بعد آپ نے تسمیہ کو کیسا پایا؟"

"تسمیہ کی جب شادی ہوئی تو وہ 19 سال کی تھی اور میں 25 ویں میں لگا تھا اور اس لحاظ سے ہم دونوں کی ہی شادی تھوڑی کم عمری میں ہوئی تھی۔ سو شروع شروع میں تھوڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن عمر کے ساتھ ساتھ ہمارا ریلیشن مضبوط ہوا اور اب ہم دونوں میں زیادہ انڈر اسٹینڈنگ ہے۔"

"لڑکی کتنی ہی بڑی فیملی سے کیوں نہ تعلق رکھتی ہو۔ مگر سسرال کی جوائنٹ فیملی اسے پسند نہیں آتی۔ تو ایسا ہوا کچھ؟"

"نہیں۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہوا' کیونکہ میری بیوی کو اندازہ ہے کہ میں اپنی ماں کے کتنا قریب ہوں۔ میرے والد کے انتقال کے بعد میری امی کی زندگی میرے اردگرد ہی گھومتی ہے۔ اس لیے میری بیوی میری ماں کی بہت عزت کرتی ہے اور ویسے گھر میں تھوڑی بہت اونچ نیچ تو ہو ہی جاتی ہے۔"

"فضول خرچ ہیں یا کفایت شعار؟"

"بہت سمجھ دار ہیں۔ جبکہ میں بہت فضول خرچ قسم کا انسان ہوں' لیکن جب سے شادی ہوئی ہے تسمیہ نے بہت عقل مندی کے ساتھ میری فضول خرچی کو کم کیا ہے' جس کی وجہ سے اچانک آجانے والے خرچے کے لیے ہم تیار رہتے ہیں اور اب ہم بجٹ بنا کر چلتے ہیں اور ہر چیز کے لیے الگ الگ پیسے رکھتے ہیں۔"

"سوری کرنے کی عادت کس کو ہے' آپ کو یا تسمیہ کو؟"

"مجھے عادت ہے سوری کرنے کی۔ گھر میں لڑائی ہو تو میں ہی سوری کرتا ہوں اور میں اپنی غلطی مان لیتا ہوں مگر یہ کام اس کو بالکل پسند نہیں ہے۔ میرا فلسفہ یہ ہے کہ زندگی بہت چھوٹی ہے خود بھی خوش رہو اور اپنے آس پاس کے لوگوں کو بھی خوش رکھو۔ بیگم کو غصہ اس لیے آتا ہے کہ آپ مجھ سے ڈسکس کیوں نہیں کرتے اور سوری کیوں کر لیتے ہیں۔"

"روایتی بیوی کی طرح کھانے پہ آپ کا انتظار کرتی ہیں اور آپ کے سارے کام بھی کرتی ہیں؟"

"جی بالکل میرا انتظار کرتی ہے۔ جہاں تک میرے کام کا تعلق ہے تو میری امی کی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے بیٹے کے کام وہ خود کریں۔ اور ویسے بھی میری امی نے ہر لحاظ سے ہمیں بہت سپورٹ کیا ہے۔ تسمیہ جسمانی طور پر تھوڑی کمزور ہے ذرا زیادہ کام کا بوجھ پڑ جائے تو وہ بیمار ہو جاتی ہے جبکہ امی ماشاءاللہ کافی ایکٹو ہیں۔ اللہ انہیں صحت و زندگی دے۔"

"کس روپ میں آپ کو اچھی لگتی ہیں اور سالگراہیں مناتے ہیں؟"

"کس کو اپنی بیوی سجی بنی اچھی نہیں لگتی ہوگی اور میں بھی کبھار کہتا ہوں بلکہ فورس کرتا ہوں کہ جاؤ بیوٹی پارلر جاؤ کچھ سرخی پاؤڈر لگاؤ۔۔۔ اور سالگرہ بالکل مناتے ہیں اور کہیں نہ کہیں ڈنر پر بھی ضرور جاتے ہیں۔ دو تین سالگراہیں تو میری ملک سے باہر ہی گزریں لیکن جہاں بھی ہوتا ہوں کچھ نہ کچھ گفٹ ضرور بھجوا دیتا ہوں۔ ابھی 16 جنوری کو ہماری شادی کی سالگرہ تھی تو میں انڈیا میں تھا تو میں نے پھول بھیج دیے تھے۔ گفٹ کا تبادلہ بھی ضرور ہوتا ہے۔"

"سب کے ساتھ مل کر سالگرہ مناتے ہیں یا صرف میاں بیوی؟"

"شادی کی سالگرہ پر اکیلے ڈنر کرنے جاتے ہیں ہم اور برتھ ڈے فیملی کے ساتھ مناتے ہیں۔"

"کوئی بات جو آپ اپنی بیگم سے کہنا چاہتے ہیں مگر ابھی تک کہہ نہ سکے ہوں؟"

قہقہہ "ویسے تو ہم دونوں ایک دوسرے سے اپنی ہر بات شیئر کرتے ہیں مگر شاید میں اسے تھینک یو کہنا چاہوں گا کہ "تم میری ایکٹوٹیز کو سمجھتی ہو اور مجھے ٹائم دیتی ہو ورنہ بیویاں بڑی پرابلمز کری ایٹ کرتی ہیں ویسے تم نے بھی کی تھیں اپنے ٹائم پہ لیکن پھر تمہیں اندازہ ہو گیا۔ اس لیے تمہیں شکریہ کہوں گا اور دعا کروں گا کہ یہ رشتہ اور زیادہ مضبوط ہو۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے تسمیہ اور عدیل اظہر سے اجازت چاہی۔

PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دستک دستک دستک

شاہین رشید

ایاز احمد۔ ایف ایم 100

"ہیلو... کہاں مصروف رہتے ہیں جناب؟"

"جی مصروف کہاں رہنا ہے۔ مزدور بندے ہیں ہم بس سارا دن روزگار میں مصروف رہتے ہیں... ہاہاہا۔"

"اوئے ہوئے مزدور بندہ... مزدوروں کی مشقت ابھی دیکھی کہاں ہے تم نے؟"

"بالکل دیکھی ہے اور بہت احساس ہے کہ مزدور طبقہ بہت محنت کرتا ہے اور انہیں ان کی محنت کے حساب سے صلہ بھی نہیں ملتا مگر دیکھا جائے تو ہر کام کرنے والا بندہ مزدور ہی ہوتا ہے۔ خواہ وہ پڑھا لکھا ہو یا جاہل ہو۔"

"صحیح بات ہے اور ہر انسان کو رب تعالیٰ ہی رزق دیتا ہے... خیر کیا کر رہے ہیں آج کل؟"

"دراصل اب لائف میں تھوڑا چینج لانا چاہ رہے ہیں۔ آپ کو پتا ہے کہ اب شادی ہو گئی ہے تو ذمہ داریاں بھی بڑھ گئی ہیں تو اب بہت ضروری ہو گیا ہے کہ آمدنی میں تھوڑا اضافہ ہو۔ چنانچہ اسی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں۔"

"مثلاً" کیا کر رہے ہیں۔ کیا چینج لا رہے ہیں۔"

"پروڈکشن کی طرف جانے کا ارادہ ہے' بلکہ ارادہ کیا ہے کام تقریباً" شروع ہی ہو چکا ہے۔"

"صرف ڈراما یا دیگر پروگرام بھی ہوں گے اور پروڈکشن ہاؤس کا نام کیا ہو گا۔"

"پروڈکشن ہاؤس کا نام بلیک کیٹ ہے اور یہ اس لیے رکھا کہ کم سے کم نام میں کشش ہونی چاہیے اور ہم اپنے اس پروڈکشن ہاؤس کے تحت ڈرامے بھی کریں گے اور ان شاء اللہ مختلف شوز بھی کریں گے اور تین چار ٹیلی فلمز آن ایئر بھی ہو گئی ہیں اور مزید کام جاری ہے۔"

"اور ساتھ ساتھ ریڈیو بھی چل رہا ہو گا؟"

"جی بالکل چل رہا ہے اور پروڈکشن ہاؤس اس لیے کھولا ہے کہ ریڈیو اور اداکاری کا جو اتنے سال کا تجربہ ہے اسے کیوں نہ کام میں لایا جائے۔ پلاننگ تو کب سے ہی تھی تکمیل اب ہوئی ہے۔"

"ڈائریکشن میں بھی آنے کا ارادہ ہے۔ آگے سے آگے کی جدوجہد تو ہونی چاہیے۔"

"بالکل ہے اور کیا پتا کہ آگے چل کر فلموں کی

پروڈکشن اور ڈائریکشن کی طرف بھی آجائیں اور چونکہ میں پہلے ڈائریکشن کر چکا ہوں تو ڈائریکشن کا تجربہ تو مجھے اچھا خاصا ہے۔"

"اور جناب ازدواجی لائف کیسی گزر رہی ہے؟"

"الحمد للہ بہت اچھی... ماشاء اللہ۔"

"چلو خوش رہو... کنول کو سلام دعا کہنا۔"

سہیل احمد

"سر! کیسے ہیں آپ؟"

"جی اللہ کا شکر ہے۔ آپ کیسی ہیں؟"

"جی بالکل ٹھیک۔ ایک طرف حسب حال اور ایک طرف "الو برائے فروخت" سب کچھ کیسا لگا؟"

"حسب حال سے پہلے میں اداکار تھا۔ بہت کام کیا ہے میں نے اس فیلڈ میں اور بے شمار ڈرامے کیے ہیں جو نہ تو خود مجھے ٹھیک طرح سے یاد ہیں اور نہ ہی شاید آپ کو یا کسی کو یاد ہوں گے۔"

"جی۔ مگر اب کافی عرصے سے آپ ڈراموں میں نظر نہیں آ رہے تھے اس لیے پوچھا۔"

"ہاں... بس کوئی اچھا کردار نہیں ملا تھا۔ اس لیے نظر نہیں آیا۔ الو برائے فروخت کا کردار بہت اچھا اور پاور فل تھا اس لیے کر لیا۔"

"لوگ آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں ڈراموں میں... آپ آیا کریں نا۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ ان شاء اللہ اب نظر آتے رہیں گے ہم۔"

"الو برائے فروخت" بہت زبردست ڈراما تھا۔ کیا اس ترقی یافتہ دور میں اب بھی ایسا ہے؟"

"بالکل ایسا ہے... اور اب تو جب سے ملک میں دہشت گردی کا راج ہوا ہے لوگ پرانی دشمنی کی آڑ میں بھی لوگوں کو مار دیتے ہیں۔ دشمنیاں بڑی مشکل سے دلوں سے جاتی ہیں۔"

"لوگوں نے رسپانس دیا؟"

"بہت رسپانس دیا اور سچ پوچھو تو رسپانس توانائی دیتی ہے اور اچھا لگتا ہے۔"

"مگر آپ کو تو اتنی توانائی مل چکی ہے کہ مزید خواہش نہیں ہو گی؟"

"نہیں ایسا نہیں ہے... مجھے اب بھی بہت اچھا لگتا ہے جب لوگ میری تعریف کرتے ہیں۔ مجھ سے مل کر خوش ہوتے ہیں۔ میرے ساتھ تصاویر بنواتے ہیں اور مجھ سے آٹوگراف لیتے ہیں۔"

"اب بھی لوگ آٹوگراف لیتے ہیں جبکہ اب تو ہر موبائل میں کیمرا ہوتا ہے؟"

"ہاں جی۔ اب بھی لوگ آٹوگراف لیتے ہیں اس لیے کہ ایک تو تحریر کی اپنی ایک ویلیو ہوتی ہے اور دوسری بات یہ کہ ہر موبائل میں کیمرا نہیں بھی ہوتا تو اس لیے بھی لوگ آٹوگراف لیتے ہیں۔"

"آپ نے ایک بار بتایا تھا کہ آپ تھیٹر کے لیے اداکاری کرنے کے لیے اتنے جنونی ہوا کرتے تھے کہ روزانہ اپنے گھر گوجرانوالہ سے لاہور آیا کرتے تھے تو کیا اب بھی آپ اتنے ہی جنونی ہیں۔"

"بالکل جی بالکل... اداکاری کی بھوک تو کبھی کم نہیں ہوتی بلکہ اس میں تو وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہی ہوتا ہے۔ اور آپ یقین کریں کہ کبھی تھکاوٹ کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ اس کی دو وجوہات تھیں ایک تو

WWW.PAKSOCIETY.COM

"نوجوانی کا دور تھا اور دوسرا جنون۔"
"نوجوانی میں اداکاری کے جنون کے پیچھے شہرت کا بھی جنون ہوتا ہے۔ آپ میں بھی ہوگا..... کیا ایسا ہی تھا؟"

"جب اس فیلڈ میں آنے کا سوچا تو شہرت کیا ہوتی ہے کوئی احساس نہیں تھا' بس یہ جنون تھا کہ جو اندر کا اداکار شور مچا رہا ہے اسے باہر لے آؤں لوگوں کو بتاؤں کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں لیکن جب کام شروع کیا' لوگوں نے تعریف کے ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی شروع کی اور ہر خاص و عام قریب آنے لگا تب احساس ہوا کہ شہرت کیا ہوتی ہے۔ پہچان کیا ہوتی ہے اور جب کوئی اچھے کام کے حوالے سے جانتا ہے تو بہت اچھا لگتا ہے اور بہت سکون ملتا ہے۔"

"شہرت کیا ہے۔ پہچان کیا ہے اور عزت کیا ہے۔ جب یہ چیزیں ملتی ہیں تو ایک طرح سے غرور کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ایسا ہوا؟"

"میں سمجھتا ہوں کہ اگر غرور کی کیفیت طاری ہوتی تو پھر شاید اللہ تعالیٰ اتنی عزت و شہرت نہ دیتا کیونکہ غرور و تکبر تو رب تعالیٰ کو بھی پسند نہیں ہے اور پھر ہمارے والدین کی تربیت بھی ایسی تھی کہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کہ ہم اکڑ کر چلیں یا اپنے آپ کو کچھ سمجھیں۔"

"آپ کے خیال میں ڈرامے کی کامیابی میں زیادہ ہاتھ کس کا ہوتا ہے؟"

"میرے خیال میں تو ٹیم ورک بہت ضروری ہے۔ اکیلا ڈائریکٹر' ایکٹر اور رائٹر کچھ بھی نہیں ہیں۔ سب مل کر محنت کے ساتھ کام کرتے ہیں تب ہی کامیابی نصیب ہوتی ہے۔"

"آپ پی ٹی وی پر ایک طویل عرصے سے کام کر رہے ہیں۔ کافی تجربہ ہے آپ کا' آج کل کے ڈراموں کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟"

"جی آج کل بھی اچھے ڈرامے ہو رہے ہیں۔ مگر اب ان کے موضوعات' ڈائیلاگ اور سین وغیرہ خاصے بولڈ ہو گئے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی اچھا رجحان نہیں ہے۔ یہ ہماری روایات اور ثقافت کے منافی ہیں۔ ٹھیک ہے کہ دنیا بہت آگے نکل گئی ہے مگر ہمیں اچھی باتوں کی تقلید کرنی چاہیے نہ کہ بری باتوں کی۔"

"فارغ اوقات میں کیا کرتے ہیں؟"

"فارغ اوقات..... فارغ وقت تو اب خواب ہو کے رہ گیا ہے مگر میں اپنے رب کا بہت شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے مصروف رکھا ہوا ہے' ورنہ تو لوگ جب بڑی عمر کے ہو جاتے ہیں تو مصروفیت کے لیے ترستے ہیں۔"

"کن لوگوں کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگتا ہے؟"

"مجھے اپنی فیملی کے ساتھ اور اپنے من پسند میوزک کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگتا ہے۔ بہت انجوائے کرتا ہوں میں۔"

"دیگر فیملی ممبرز کو شوق نہیں ہوا اس فیلڈ میں آنے کا؟"

"نہیں..... صرف میں ہی ہوں اس فیلڈ میں..... باقی کسی کو خیال نہیں آیا اور خیال بھی تو اس وقت آتا ہے جب شوق ہو' کسی کو شوق ہی نہیں تھا۔ سب اپنی اپنی لائف میں بہت خوش ہیں۔"

"کھانے پینے کے کتنے شوقین ہیں؟"

"پنجابی ہوں تو خود ہی اندازہ لگالیں کہ شوقین ہوں کہ نہیں مگر بس الحمدللہ۔ جو قسمت میں لکھا ہے' وہ کھا لیتا ہوں۔"

"کھانے میں دیر ہو جائے تو..... اور گھر کا کھانا پسند ہے یا باہر کا؟"

"کھانا زیادہ تر گھر کا ہی کھاتا ہوں اور باہر کے کھانے بھی پسند ہیں اور کھانے میں دیر ہو جائے تو کوئی مسئلہ نہیں۔ ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے..... گھر سے باہر کھانے کا آرڈر دو تو تب بھی تو دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔"

"ان شاءاللہ پھر بات کریں گے۔"

نمرہ بچہ

"کیا حال ہیں؟"

"بالکل ٹھیک..... آپ کیسی ہو شاہین؟"

"جی..... آپ کی دعا ہے۔ آپ کے ایک انٹرویو میں آپ کا نام غلط چھپ گیا تھا۔ آپ نے مائنڈ تو کیا ہو گا۔"

قہقہہ "نہیں مائنڈ نہیں کیا' کیونکہ کتابت کی غلطی سے ایسا ہو جاتا ہے اور پھر میری تو تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ اس لیے کوئی پرابلم نہیں ہوئی۔ ہاں اگر تصاویر نہ ہوتیں تو پھر میں آپ سے ضرور شکایت کرتی۔"

"اور کیا ہو رہا ہے آج کل..... کافی دنوں سے آپ کا کوئی سیریل یا ٹیلی پلے نظر نہیں آیا؟"

"گزشتہ دنوں میں تھیٹر میں بہت زیادہ مصروف رہی اس لیے کسی اور طرف دھیان ہی نہیں دے سکی۔ کیونکہ تھیٹر تو میرا جنون ہے۔ اس کے بغیر تو میں رہ ہی نہیں سکتی۔ ویسے کچھ سیریلز انڈر پروڈکشن ہیں اور نئے کام کے لیے ان شاءاللہ اب سوچوں گی۔"

"اور آپ کی بہن ثنا بچہ بھی غائب ہیں؟"

"جی جی..... وہ بھی کچھ نئے کاموں میں لگی ہوئی ہے۔ اسے بھی آپ بہت جلد کسی چینل میں دیکھیں گی۔"

"تھیٹر کا جنون ہے' فلموں کا نہیں؟"

"فلموں کا جنون ہے اور فلمیں بھی میں بہت دیکھتی ہوں اور فلموں میں کام بھی کرنا چاہوں گی مگر ہمارے یہاں اچھی فلمیں بنتی کہاں ہیں۔"

"کس قسم کی فلمیں پسند ہیں یا کن فلموں کے دور میں جانا چاہتی ہیں؟"

"مجھے ساٹھ کی دہائی کی فلمیں بہت متاثر کرتی ہیں اور میں سوچتی ہوں کہ اب کیوں نہیں ایسی فلمیں بنتیں..... اس زمانے کی امریکن فلموں کا بھی جواب

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

- "عہد الست" تنزیلہ ریاض کا مکمل ناول،
- "محبت موم کا گھر" سارا اویس کا مکمل ناول،
- آمنہ ریاض، سدرۃ المنتہیٰ، حنا یاسمین اور صدف آصف کے ناولٹ
- شاہین ملک، بکیرا حمید، مصباح نوشین اور سعدیہ عزیز آفریدی کے افسانے،
- عنیزہ سید اور عفت سحر طاہر کے ناول
- ٹی وی فنکارہ "جویریہ اجمل" سے ملاقات،
- بی این این کے "مصطفیٰ چوہدری" سے باتیں،
- "کرن کرن روشنی" پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں،
- ہمارے نام آپ کا باورچی خانہ نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور عدنان کے مشورے اور دیگر مستقل سلسلے،

مارچ 2014 کے شمارے کی ایک جھلک

مارچ 2014 کا شمارہ شائع ہوگیا ہے

مارچ 2014 کا شمارہ آج ہی خرید لیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

نہیں تھا۔ بہترین میوزک ہوتا تھا۔ بہترین کہانی ہوتی تھی۔ آرٹ موویز میری پسندیدہ مووی ہوتی ہیں۔"

"اداکاری، تھیٹر، فلم... سب پسند ہے آپ کو اور سیاست؟"

"نہیں سیاست سے لگاؤ نہیں ہے۔ یہ ڈپارٹمنٹ میرے میاں صاحب کا ہے یا میری بہن کا ہے... مجھے تو فرصت ہی نہیں ہے سیاست کے بارے میں سوچنے کی۔"

"پھر تو کیا ہو رہا ہے ملک میں' آپ کو پتا ہی نہیں ہو گا؟"

"ارے نہیں ایسی بات نہیں... معلومات سب کے بارے میں رکھتی ہوں۔ بھئی پڑھی لکھی خاتون ہوں۔"

"تو پھر ان سیاست دانوں کے کاموں سے مطمئن ہیں؟"

"دیکھیں جی' جو بھی ملک پہ حکومت کرتا ہے وہ اس قابل ہوتا ہے تو عوام اس کو ووٹ دیتے ہیں تو میرے خیال میں ہر حکمران یہ کوشش ضرور کرتا ہے کہ ہم اپنے عوام کو خوش رکھیں اور ملک کو ترقی دیں۔ تو کوشش میں تو سب لگے ہوئے ہیں... دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔"

"اپنے ڈراموں میں آپ کے پسندیدہ ڈرامے کون سے ہیں؟"

"اچھے تو سب ہی تھے... لیکن "دام" "اک نظر میری طرف اور باندی" خاصے اچھے گئے۔ مجھے بھی پسند ہیں اور ناظرین نے بھی بہت پسند کیے۔"

"اور پسندیدہ کردار؟"

"پسندیدہ کردار تو بہت ہیں' ابھی تک ایسا کوئی کردار نہیں ملا کہ جس کے لیے میں کہوں کہ یہ میرا پسندیدہ ترین کردار تھا۔"

"اور چینل کون سے شوق سے دیکھتی ہیں؟"

"کارٹون نیٹ ورک... قہقہہ... کارٹون دیکھنے میں بہت مزا آتا ہے۔"

"اچھا... ثمرو آپ سے بات کر کے بہت اچھا لگتا ہے۔ نیا سیریل آئے گا تو پھر بات کروں گی۔"

"او کے شاہین...!"

☼

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نبیلہ عزیز

وصال

ماورا مرتضیٰ' عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایئر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً" ساشا کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتہذیبی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ' ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شان دار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کردیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کرکے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کردیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔

اشتیاق یزدانی' آفاق سے حد درجہ خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کردیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہو جاتا ہے۔فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔عزت، تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔رضا حیدر، تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ماورا، عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔عزت اپنے دل کی کیفیات ساشا سے بیان کر دیتی ہے۔ماورا بی گل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔بی گل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

فارہ اور آفاق کی شادی کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔رضا حیدر کے بہت پرانے دوست قیام مرزا بہت عرصے بعد ان سے رابطہ کرتے ہیں۔پارلر میں ٹریٹمنٹ کے دوران ایک باتونی لڑکی باتوں باتوں میں آفاق کے بھائی انیق یزدانی سے شناسائی ظاہر کرتی ہے۔فارہ کو چونکتے دیکھ کر وہ لڑکی پھر کترانے لگتی ہے۔

— ۹ —

نویں قسط

"آج میں جتنے بھی سنگھار کرلوں لیکن تم سے زیادہ خوب صورت نہیں لگ سکتی۔"
فارہ نے ڈریسنگ ٹیبل کے بڑے سے آئینے میں اپنا گولڈن شیڈ کا آئی میک اپ دیکھتے ہوئے منہ بسور کر کہا اور اس کے ہاتھوں اور بالوں کے لیے پھولوں کے گجرے سیٹ کر کے رکھتی ماورا چونک کر اسے گھورنے لگی۔

"اف۔۔۔!کیا مصیبت ہے یار!اب تمہیں کیا غم کھائے جا رہا ہے؟تم شہر کی دلہن اور میں بے چاری دلہن کی سہیلی۔۔۔ میرا اور تمہارا کیا مقابلہ۔۔۔؟"ماورا جھنجلا گئی۔

"میرا اور تمہارا کوئی مقابلہ نہیں ہے مگر تمہیں کس نے کہا تھا کہ اتنی خوب صورت لگو؟"فارہ کی خفگی پہ بیوٹیشن بے ساختہ ہنس پڑی۔

"مس فارہ!کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ تھوڑا سا برداشت کریں۔"بیوٹیشن نے ہنس کر کہا۔لیکن فارہ کی خفگی کم نہیں ہوئی تھی۔

"کیسے برداشت کروں؟یہ کبھی اس طرح تیار ہی نہیں ہوئی۔کبھی بجی سنوری ہی نہیں اور آج جب بجی سنوری ہے تو اگلی پچھلی کسر پوری کر دی ہے۔میری اپنی نظر نہیں ہٹ رہی تو باقی لوگوں کی کیسے ہٹے گی۔"فارہ چڑ کر بولی۔

ماورا پھولوں کے گجرے بیڈ پہ رکھ کر مسکراتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔

"لوگوں کی نظر تم سے ہٹے گی تو میری طرف اٹھے گی۔ تمہاری موجودگی میں مجھے کوئی دیکھے گا ہی نہیں۔ویسے ایک حل ہے۔"

"کیا؟"فارہ لٹھ مار قسم کے انداز میں بولی۔

"میں اپنے بال کیچو میں باندھ لیتی ہوں، جیولری اتار دیتی ہوں اور واش روم میں جا کر منہ ہاتھ دھو آتی ہوں۔تمہاری ٹینشن ختم۔کیا خیال ہے تمہارا۔کرلوں ایسا۔"ماورا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

فارہ اسے ہنوز گھورتی ہوئی بیوٹیشن کے سامنے سیدھی ہو کے بیٹھ گئی تھی۔

"اب اتنی بھی اچھی نہیں لگ رہی ہو، دراصل میں نے تمہیں پہلی بار اس روپ اور اسٹائل میں دیکھا ہے۔"

"اور میں بھی تمہیں اس روپ میں پہلی بار ہی دیکھوں گی۔"

ماورا نے کہتے ہوئے بیوٹیشن کو ذرا جلدی ہاتھ چلانے کا اشارہ کیا۔

✲ ✲ ✲

اور ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ لوگ حماد کی گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ میرج ہال پہنچی تھیں۔جہاں سب لوگوں نے ان کا استقبال موی کیمرا اور ڈیجیٹل کیمرا کی فلیش لائٹس اور پھولوں کے ساتھ کیا تھا اور ان ہی لوگوں میں ایک تیمور حیدر بھی تھا جو ماورا مرتضیٰ کے لیے اپنا دل فرش راہ کیے بیٹھا تھا اور آفاق یزدانی سے بھی زیادہ بے چین تھا کہ فارہ کب آئے گی اور وہ ماورا کو کب دیکھ سکے گا۔اور جیسے ہی وہ فارہ کے ساتھ گاڑی سے اتری، تیمور حیدر کا دل ایک ہی جست میں ماورا مرتضیٰ کے لیے "ریڈ کارپٹ" کی طرح بچھ گیا تھا اور وہ "سبج" سبج قدم اٹھاتی اس کی جان تک آ گئی تھی۔

زنک اور بلو کلر کمبی نیشن کی لمبی شرٹ اور چوری دار پاجامے میں ملبوس ماورا مرتضیٰ کیمرے کی تیز لائٹس میں اور زیادہ دمک رہی تھی۔اس کے سیاہ سلکی بال اور زنک کلر کے آویزے کئی لوگوں کو متوجہ ہونے پہ مجبور کر گئے تھے لیکن تیمور حیدر کی دھڑکنیں اس کی دودھیا کلائیوں میں پہنے پھولوں کے گجروں میں الجھ الجھ گئی تھیں۔اور نظریں تھیں کہ ہٹائے نہیں ہٹ رہی تھیں، جبکہ ماورا سب کی نظروں سے بے نیاز بڑے اعتماد سے چلتی فارہ کو سہارا دیے اسٹیج کی طرف بڑھ گئی، جہاں آفاق یزدانی وائٹ شلوار کرتا میں ملبوس گلے میں سرخ رنگ کا پٹکا ڈالے پہلے سے فارہ کا منتظر کھڑا تھا۔

"السلام علیکم۔۔۔!"آفاق نے ہی سلام میں پہل کی تھی۔

"وعلیکم السلام۔۔۔!شگناں دی رات مبارک۔۔۔"ماورا نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے اسے مبارک باد بھی دے ڈالی تھی اور فارہ اس مبارک باد کو سن کر سر جھکا گئی۔

"خیر مبارک مس ماورا!کیسی ہیں آپ؟"آفاق کی ملاقات پہلی بار ہوئی تھی لیکن پھر بھی پہلی نظر میں ہی پہچان گیا تھا۔

"اوہ۔۔۔!یعنی غائبانہ تعارف ادھر بھی ہے؟"ماورا کو دلچسپ حیرت کا سامنا ہوا تھا۔

"ایک تعارف نہ دیکھیے۔۔۔ بلکہ یہ دیکھیے کہ ہم دونوں ایک ہی دل کے مکین ہیں اور ایک ہی انسان کے چاہے گئے لوگ ہیں۔۔۔ ہم ہی ایک دوسرے کو نہیں پہچانیں گے تو اور کون پہچانے گا۔۔۔؟"

آفاق کافی خوشگواری سے بولا۔ماورا نے اسے ستائشی نظروں سے دیکھا۔

"بات تو بہت عمدہ کہی ہے آپ نے۔۔۔ غور کرنا پڑے گا۔"ماورا مسکرائی۔

"ضرور۔۔۔ کیوں نہیں۔لیکن ذرا بیٹھ کر اور ذرا اطمینان کے ساتھ۔"آفاق نے اسے صوفے پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"نو تھینکس۔۔۔!ہم اس وقت کسی ڈنر یا کسی دعوت پہ نہیں آئے کہ اطمینان سے بیٹھ کر کسی بات یا کسی مسئلے پر غور کریں۔۔۔ بلکہ ہم لوگ اس وقت آپ کی شادی کے فنکشن میں موجود ہیں، اس لیے اب اس مسئلے پہ غور ہو سکتا ہے کہ آپ کو تیل کیسے لگائیں اور مہندی کیسے لگائی جائے۔سو پلیز میں چلتی ہوں اور آپ دونوں تشریف رکھیں یہ وقت آپ دونوں کے غور و فکر کرنے کا وقت ہے۔"

ماورا نے کہتے ہوئے فارہ کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر۔۔۔ صوفے پہ بٹھا دیا اور آفاق کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تھینک یو۔"آفاق مسکرایا۔

"یو ویلکم۔۔۔"جواباً وہ بھی مسکراتی ہوئی اسٹیج سے اتر گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کا رخ اسٹیج کی بائیں طرف تھا جن میں سے وہ ایک میز کا انتخاب کرتے ہوئے بڑے پُرسکون انداز میں چیئر پر بیٹھ گئی تھی۔

اتنے میں ہی لان کے سامنے والے حصے میں فارہ کے بہن بھائیوں کا اور سب کزنز کا ڈانس اور شادی کے حوالے سے بھنگڑا ٹائپ میوزک بھی شروع ہو گیا تھا' دیکھتے ہوئے ماورا بھی سب کی طرح آہستہ آہستہ تالیاں بجانے لگی تھی۔

اور یونہی تالیاں بجاتے ہوئے اس کی نظر اپنے دائیں بائیں اٹھی تو وہ تیمور حیدر کو اپنی سمت دیکھتے پا کر اندر سے کھول اٹھی تھی لیکن پھر بھی اپنے چہرے سے کچھ بھی ظاہر کیے بغیر اس نے بہت ہی غیر محسوس انداز میں اپنی نظروں کا زاویہ بدل دیا اور دوبارہ سے باقی سب کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"ارے ماورا بیٹا! یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو۔ تم بھی آؤ ناں.... باقی سب کی طرح انجوائے کرو...." فارہ کی والدہ منزہ رحیم ماورا کو یوں سب سے الگ تھلگ اور اکیلے بیٹھے دیکھ کر فوراً" قریب آئیں۔

"اوہ ایم سوری آنٹی! میں اس ہلے گلے کی عادی نہیں ہوں' میں یہاں اکیلی بیٹھ کر بھی انجوائے کر رہی ہوں۔ ڈونٹ وری.... آپ میری طرف سے ریلیکس رہیں پلیز۔"

ماورا منزہ رحیم کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ارے بیٹا! فارہ نے صبح ہی مجھے کہہ دیا تھا کہ میں پوری شادی میں کسی اور کا خیال رکھوں یا نہ رکھوں' لیکن ماورا کا خیال ضرور رکھوں' کیونکہ تمہاری یہاں کسی سے بھی جان پہچان جو نہیں ہے' اس لیے میں سب کو چھوڑ کر صرف تمہارے پاس آئی ہوں۔" منزہ رحیم مسکراتے ہوئے بتا رہی تھیں۔

"نہیں آنٹی! آپ پلیز پریشان نہ ہوں میں ایزی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ وہ مطمئن ہو کر پلٹ گئیں۔

ماورا مسکراتے ہوئے پلٹی تھی کہ قریب آتے تیمور کے کندھے سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

"اوہ سوری....!" تیمور اس کے ذرا سے ٹکرانے پہ ہی اندر سے سٹپٹا گیا۔

"اٹس او کے....!" ماورا اتنے سے تصادم پہ عام لڑکیوں کی طرح بھڑکنے والی نہیں تھی۔

"ہیلو.... کیسی ہیں آپ....؟" تیمور تو بات کرنے کا بہانہ چاہ رہا تھا۔

"فائن....!" وہ اپنے سنجیدہ موڈ میں آچکی تھی۔

"کتنی فائن....؟" تیمور مسکرایا۔

"جتنی پہلی ملاقات میں تھی۔" اس کا انداز لاپروا تھا۔

"لیکن مجھے تو پہلی ملاقات سے زیادہ فائن لگ رہی ہیں۔" تیمور نے اسے نرم نگاہوں سے جانچا۔

"صرف پہناوے کی وجہ سے.... ہے نا؟" ماورا نے اپنے ڈریس کو ایک نظر دیکھا اور استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"پہناوا بھی تو انسان کی ذات کا ترجمان ہوتا ہے' اس کے موڈ کی عکاسی کرتا ہے.... اور آپ کا پہناوا تو اس وقت یہی کہہ رہا ہے کہ آپ بہت خوش ہیں اور بہت اچھے موڈ میں ہیں' اس لیے...." تیمور نے کہتے کہتے بات درمیان میں ہی ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"اس لیے....؟" ماورا نے تیمور حیدر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اس لیے کوئی بھی اچھی بات کی جا سکتی ہے۔" تیمور نے اپنا ادھورا جملہ مکمل کیا تھا۔

"ہوں.... کر سکتے ہیں.... لیکن ایک لمٹ (حد) کے اندر.... کیونکہ لمٹ کراس کرنے والے لوگ مجھے سخت

ناپسند ہیں۔" ماورا نے دو سیکنڈ سوچنے کے بعد اسے اجازت دے دی تھی مگر ساتھ ہی اسے یہ بھی جتا دیا تھا کہ وہ اپنی "حد" میں رہے۔

"یعنی آپ کو لمٹ میں رہ کر بات کرنے والے لوگ پسند ہیں؟" تیمور نے اگلی کڑی ملائی۔

"کہہ سکتے ہیں...." ماورا کی لاپروائی ہنوز تھی۔

"او کے.... اب تو میں پوری کوشش کروں گا کہ لمٹ میں رہ کر ہی بات کروں۔"

تیمور بے ساختگی میں کہہ گیا تھا لیکن ماورا نے اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے ذرا ٹھٹک کر اس کے چہرے کی سمت دیکھا تھا۔

اور اس بار وہ اس کے سامنے نظروں کا زاویہ بدل گیا تھا۔

"کافی اچھے لگ رہے ہیں آپ....!" ماورا نے اسے سرتاپا دیکھتے ہوئے وہ کہہ دیا تھا' جو تیمور کبھی بھولے سے بھی اس سے امید نہیں کر سکتا تھا اسی لیے اس نے یکدم رخ موڑ کر ماورا کی طرف دیکھا تھا مگر خاصی بے یقین نظروں سے....!

"سوری.... میں نے سنا نہیں کیا کہا آپ نے؟" اس نے دوبارہ سننا چاہا تھا۔

"کہا تو کچھ نہیں.... آپ کی تعریف کی ہے بس۔" اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

"اور میں اس تعریف کو کیا سمجھوں....؟" تیمور کی نظریں ماورا کے چہرے کی سمت اٹھتے ہوئے بھی سو بار لرزتی تھیں' کانپتی تھیں' احتیاط کرتی تھیں۔

"تعریف اور کیا؟" ماورا نے اسے خوش بھی کیا تھا اور اسے خوش ہونے بھی نہیں دیا تھا۔

"محض تعریف یا کچھ اور بھی؟" تیمور جان بوجھ کر اور ہی چکروں میں پڑنا چاہ رہا تھا۔

"میں نے کہا ناں مسٹر تیمور حیدر.... لمٹ کراس کرنے والے لوگ مجھے سخت ناپسند ہیں۔"

ماورا نے اسے فوراً" ہی کچھ دیر پہلے والی بات یاد دلا دی تھی لیکن تیمور بے چارا کیا کرتا....؟ کتنی پابندیاں لگاتا خود پہ.... اور کتنے صبر سے کام لیتا۔

"لیکن آپ یہ نہیں جانتیں مس ماورا مرتضیٰ! کہ دل حد میں نہیں رہتے.... اور نہ ہی رہنے دیتے ہیں...."

تیمور نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"اپنی بات کا مطلب واضح کریں گے پلیز....؟" ماورا کا لہجہ تیکھا ہوا۔

"کروں گا.... ضرور کروں گا.... مگر کبھی فرصت میں۔ ابھی وقت مناسب نہیں۔"

تیمور نے نفی میں گردن ہلائی تھی اور ماورا لب بھینچ کر رہ گئی۔

"آپ جانتے ہیں' وقت کبھی بھی مناسب نہیں ہوتا.... اسے اپنے لیے خود مناسب کرنا پڑتا ہے.... اور میں ان ہی لوگوں میں سے ہوں جو وقت کو اپنے لیے خود مناسب کرتے ہیں اور وقت بھی ان ہی کے حق میں ہونے پہ مجبور ہو جاتا ہے۔"

"ویل ڈن بیٹا جی.... ویل ڈن! ایسے خیالات بس کوئی کوئی ہی رکھتا ہے اور جو رکھتا ہے' وہی مقدر کا سکندر بھی کہلاتا ہے۔" رضا حیدر قریب آتے ہوئے ماورا کی بات سن چکے تھے' اس لیے انہوں نے بڑے بھرپور طریقے سے اس کو سراہا تھا اور اس کے سامنے تیمور کے برابر ہی آ کھڑے ہوئے تھے۔

اور ماورا ذرا سی الجھی ہوئی نظروں سے دیکھنے کے بعد فوراً" ہی ان کی شناخت بھی کر بیٹھی تھی۔

"اور رضا حیدر بھی...." اس نے بے حد آہستگی سے لبوں کو جنبش دی تھی اور وہ چونک گیا تھا جبکہ رضا حیدر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مسکرا رہے تھے۔

"ارے! آپ جانتی ہیں ابا کو؟" اسے حیرت ہوئی تھی۔

"ان کو کون نہیں جانتا؟ ملک کے مشہور ترین بزنس مین ہیں آخر......؟" ماورا خود ہی بات کو سنبھال گئی تھی اور کسی کو احساس بھی نہیں ہوا تھا۔

"ہوں......! یہ بات تو ہے...... بزنس مین تو یہ کمال کے ہیں۔" تیمور نے خاصے فخریہ انداز میں کہا تھا۔

"کافی اچھی طرح جانتی ہوں، شاید اسی لیے تو میرے آئیڈیل بھی ہیں۔" ماورا ابھی بہت ناپ تول کر بول رہی تھی۔

"تھینک یو بیٹا! لیکن آپ کا تعارف حاصل نہیں ہوا ابھی تک اور میں آپ کو پہچاننے کی کوشش میں ہوں، کیونکہ مجھے یوں لگ رہا ہے کہ جیسے میں نے آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھ رکھا ہے؟"

رضا حیدر سچ مچ ماورا کو پہلی نظر دیکھ کر ہی سوچ میں پڑ گئے تھے کہ اسے پہلے کہاں دیکھا ہے؟ اور وہ ہے کون...... اور تیمور ان کی اس کشمکش پہ مسکرا دیا۔

"تھوڑا سا سوچیں تو آپ فوراً پہچان جائیں گے۔"

تیمور نے انہیں اپنی طرف سے ایک اشارہ دینے کی کوشش کی تھی، لیکن یہ پہچان بہت پیچیدہ تھی......

"نہیں...... یہ مجھے کبھی نہیں پہچانیں گے، کیونکہ یہ مجھے پہلی بار دیکھ رہے ہیں، البتہ یہ بات اور ہے کہ میں انہیں کئی بار دیکھ چکی ہوں۔"

"ارے چھوڑو بیٹا! کیوں الجھا رہے ہو؟ جلدی سے تعارف کرواؤ، ورنہ کوئی اور آ ٹکرائے گا۔" رضا حیدر نے خفگی سے تیمور کو متوجہ کیا تھا اور وہ ہنس پڑا تھا۔

"اوکے......! تو ان سے ملیے، یہ ہیں فارہ کی بیسٹ فرینڈ مس ماورا مرتضیٰ...... وہ ماورا مرتضیٰ جن کا میں نے چند روز پہلے آپ سے ذکر بھی کیا تھا۔"

تیمور نے تو بڑی خوشی خوشی تعارف کروایا تھا مگر رضا حیدر کی سماعتوں میں تو جیسے کسی نے کوئی پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا تھا اور ان کے کانوں سے دھواں نکل گیا تھا۔

"ماورا مرتضیٰ......؟" انہوں نے زیر لب دہرایا۔

"جی! ماورا مرتضیٰ! میں نے کہا تھا ناں آپ سے کہ آپ فیصل آباد گئے تو آپ سے ملواؤں گا۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ وہی ماورا مرتضیٰ ہیں جن سے میں آپ کو ملوانا چاہ رہا تھا۔"

تیمور نے تعارف کروانے کے ساتھ ساتھ انہیں حوالہ بھی دیا تھا تاکہ وہ سمجھ جائیں کہ یہ وہی لڑکی ہے، جس کو وہ پسند کرتا ہے۔

مگر وہ اس کی بات پہ غور کیا کرتے، ان کے تو اپنے ہی حواس اڑے ہوئے تھے۔

"بابا! کس سوچ میں پڑ گئے ہیں آپ؟ خیریت؟" تیمور نے ان کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر بے ساختہ انہیں متوجہ کیا۔

"نہیں۔ کچھ نہیں بیٹا! میں تو بس اسی سوچ میں ہوں کہ انہیں پہلے کہاں دیکھا ہے؟"

رضا حیدر بمشکل بات بدلتے ہوئے اپنے اڑے بکھرے سے تاثرات کنٹرول کر پائے تھے۔

"ہو سکتا ہے کہ آپ نے مجھے پہلے کہیں بھی نہ دیکھا ہو، لیکن آپ کو میری شکل کسی سے ملتی جلتی لگ رہی ہو۔" ماورا رضا حیدر کو خود ہی وہ سارے نقطے سمجھا رہی تھی جو رضا حیدر کے ذہن سے بھی نہیں گزرے تھے اور

رضا حیدر نے ایک بار پھر چونک کر ماورا کی سمت دیکھا تھا۔

"میں سمجھا نہیں بیٹا! کیا مطلب ہے آپ کا؟" رضا حیدر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"حالانکہ سمجھ دار تو بہت ہیں آپ۔" ماورا کا انداز کچھ عجیب سا ہو رہا تھا لیکن اس نے فوراً ہی خود کو کنٹرول کر لیا تھا۔

"لیکن کبھی کبھی سمجھ داری بھی الجھن میں پڑ جاتی ہے۔ ذہن بھی ساتھ دینے سے انکار کر دیتا ہے اور شاید میرے ساتھ بھی اس وقت یہی کچھ ہو رہا ہے؟"

رضا حیدر نے سر جھٹکتے ہوئے اپنے ذہن پہ سوار الجھن کو بھی جھٹکنے کی کوشش کی تھی مگر یہ الجھن اتنی چھوٹی یا اتنی بے ضرر بھی نہیں تھی کہ وہ یوں اتنی آسانی سے جھٹک کر ذہن کو آزاد کر لیتے......

"اینی وے...... آپ اس مسئلے کو چھوڑیں اور یہ بتائیں کہ آپ آج کل کیا کر رہے ہیں؟ آپ کا بزنس کیسا جا رہا ہے؟" ماورا نے تیمور کو چھوڑ کر رضا حیدر میں دلچسپی ظاہر کی تھی اور تیمور اس کے اس انداز پہ بے ساختہ اتنی ہی دلچسپی سے مسکرا دیا۔

"میرا خیال ہے۔ آپ لوگ باتیں کریں اب مجھے یہاں سے چلنا چاہیے؟" تیمور نے ان دونوں کو اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا لیکن ذرا خفگی سے۔

"خیال تو اچھا ہے...... لیکن آپ اس پہ عمل بھی کریں تو......" ماورا نے کندھے اچکائے تھے اور تیمور اس کی طرف سے ایسی لاپروائی اور بے نیازی پا کر اندر سے تو جیسے تڑپ گیا تھا کہ وہ محض اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ترس رہا تھا اور وہ تھی کہ اسے وہاں سے ہٹانے کے درپے تھی۔

"رئیلی...... ! چلا جاؤں یہاں سے؟" اس نے دہرا کے اور اپنی بات پہ زور دے کر پوچھا۔

"ارے نہیں بیٹا! تم کیوں جاؤ گے یہاں سے، تم یہیں رہو...... باتیں کرو...... مجھے اپنے دوست قیام سے بھی ملنا ہے۔ وہ بھی اپنے بیٹے کے ساتھ پہنچ ہی چکا ہو گا۔"

رضا حیدر، تیمور کا کندھا تھپکتے ہوئے ماورا کو ایک بار پھر سر تا پا الجھی ہوئی اور کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر رہ گئے تھے کیونکہ کوئی بھی سلجھی ہوئی ڈوری ہاتھ نہیں آئی تھی۔

"لیکن سر......! آپ اتنی جلدی جا رہے ہیں؟ مجھے تو آپ سے بات کر کے بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

ماورا چاہ کر بھی رضا حیدر کو انکل نہیں کہہ سکی تھی، اسی لیے اس نے انہیں سر کہہ کر مخاطب کر لیا تھا۔

"ان شاء اللہ...... ! کل ملاقات ہو گی، ابھی مجھے کسی اور سے بھی ملنا ہے۔" رضا حیدر نرمی سے کہتے ہوئے وہاں سے ہٹ گئے تھے اور تیمور باپ کے وہاں سے جاتے ہی پرسکون ہونے کے لیے ایک گہری سانس کھینچ کے رہ گیا تھا۔

"ہوں! تو اب کیا خیال ہے آپ کا؟ چلا جاؤں؟ یا تھوڑی دیر کمپنی دیں گی ابھی؟" اس نے گلا کھنکار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"آپ کے بابا میں اور آپ میں، بہت فرق ہے مسٹر تیمور حیدر! میں آپ کو نہیں آپ کے بابا کو کمپنی دے رہی تھی، اب وہ چلے گئے ہیں تو......!" ماورا نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی......

"تو کیا ہوا......؟ میں بھی تو ان ہی کا بیٹا ہوں نا؟" تیمور نے فخر سے کہا۔

"جانتی ہوں...... آپ ان ہی کے بیٹے ہیں...... اسی لیے تو کمپنی نہیں دے رہی۔" ماورا بڑی سے بڑی بات بھی بڑے نڈر انداز میں کہہ جاتی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اف مس ماورا! آپ تو بیچ مچ الجھا کے رکھ دیتی ہیں۔" تیمور نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"وہم ہو گیا ہے آپ لوگوں کو اور کچھ نہیں۔" ماورا نے گردن موڑ کر اسٹیج کی طرف دیکھا۔

"تو آپ ہمارا وہم دور کر دیں۔" اس نے آسان حل بتایا۔

"جو لوگ خود الجھ رہے ہوں انہیں میں کیا الجھاؤں گی بھلا......؟" وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"او کے......! ان الجھی الجھی باتوں سے نکلتے ہیں اور ایک سیدھی سی اور سلجھی سی بات کرتے ہیں۔" تیمور نے اپنے مطلب کی بات کی طرف آنا چاہا تھا۔

"کہئے......؟ میں سن رہی ہوں۔" اس کا اطمینان اور اعتماد ایک سیکنڈ کے لیے بھی غائب نہیں ہوتا تھا اور سامنے والا ہچکچا کے رہ جاتا تھا۔

"میں آپ کے ساتھ کانٹیکٹ میں رہنا چاہتا ہوں۔" تیمور کے لیے اتنی سی بات کہنا بھی محال ہو رہا تھا کیونکہ اس نے آج تک کبھی کسی لڑکی کے ساتھ اس لحاظ سے بات نہیں کی تھی، بس جس سے بھی گفتگو ہوتی تھی بزنس کے سلسلے میں ہی ہوتی تھی۔

اور ادھر ماورا تھی جو اس کے منہ سے کانٹیکٹ میں رہنے کی بات سن کر ضبط کا گھونٹ پی کر رہ گئی تھی اور اس کا دل چاہا تھا کہ وہ "فوراً" سے بھی پیشتر اسے انکار کر دے...... صاف انکار...... مگر نجانے اسے کیا ہوا تھا کہ وہ اپنا انکار نوک زبان تک لا کر بھی رک گئی تھی۔

اور اپنا ہاتھ تیمور کے سامنے کر دیا جس کا مطلب وہ "فوراً" ہی سمجھ گیا تھا اور اس نے ماورا کے پھولوں کے گجروں سے سجے ہاتھ پہ اپنا چمکتا دمکتا موبائل رکھ دیا تھا جس کے ڈائل پیڈ کو شو کرتے ہوئے ماورا نے اپنا نمبر ڈائل کیا اور موبائل دوبارہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"تھینک یو مس ماورا...... تھینک یو ویری مچ......" تیمور کو یوں لگ رہا تھا جیسے ماورا نے اسے اپنا نمبر نہیں دیا، بلکہ ہفت اقلیم کی دولت دے دی ہے۔

اور وہ کھڑے کھڑے امیر ترین ہو گیا تھا۔

"یو ویلکم......!" ماورا آہستگی سے کہتی فارہ کی بہن حمنہ کی طرف بڑھ گئی تھی جو دو روز پہلے ہی فارہ کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے شارجہ سے آئی تھی۔

"او تھینک گاڈ...... !کچھ تو حاصل ہوا۔" تیمور نے شکر ادا کیا تھا کیونکہ اسے پتا تھا کہ اب جو بھی مسئلہ حل ہو گا، وہ اس فون کے ذریعے ہی حل ہو گا۔

"ارے ماورا...... !تم یہاں کھڑی ہو...... ادھر فارہ تمہارا پوچھ رہی ہے، تیل اور مہندی کی رسم شروع ہو چکی ہے۔ اب تمہاری باری ہے اور وہ انتظار کر رہی ہے تمہارا!" حمنہ نے اسٹیج کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"او کے...... چلیے!" ماورا نے قدم آگے بڑھا دیے۔

"ارے تیمور بھائی...... !آپ بھی آجائیے نا...... یہاں کیوں کھڑے ہیں؟" حمنہ نے ماورا کے ساتھ آگے بڑھتے بڑھتے ذرا رک کر تیمور کو بھی ساتھ ہی بلا لیا تھا۔ اور "اتفاقاً" ایسا ہوا کہ آفاق کے ساتھ تیمور آ پہنچا تھا اور فارہ کے ساتھ ماورا بیٹھ گئی تھی۔

اور ایک ساتھ کئی فلیش چمک اٹھے تھے جنہوں نے یہ ایک یادگار اور نادر و نایاب سین اپنی آنکھ میں مقید کر لیا تھا۔

"کیا بات ہے میرے کزن صاحب تمہارے پلّو سے بندھے نظر آ رہے ہیں؟ خیر تو ہے؟"

جیسے ہی ماورا نے ذرا سا تیل اس کے بالوں میں لگانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا، فارہ نے ساتھ ہی ایک مشکوک سا سوال بھی داغ دیا تھا...... لیکن ذرا سرگوشی میں......!

"یہ سوال تم اپنے کزن صاحب سے ہی کرتیں تو زیادہ بہتر ہوتا۔" ماورا اس کے سوال کا کوئی بھی نوٹس لیے بغیر اس کے بالوں میں تیل لگانے کے بعد اس کی ہتھیلی پہ مہندی لگانے لگی تھی۔

"ذرا فرصت ملنے دو۔ ان سے بھی کر لوں گی...... لیکن تم تو کچھ بتاؤ بات کیا ہے؟"

فارہ کو مایوں کی دلہن بنے ہوئے بھی چین نہیں آ رہا تھا، اسے ماورا اور تیمور کے حوالے سے کھد بد لگ گئی تھی۔

"مجھ سے کانٹیکٹ میں رہنا چاہتے ہیں تمہارے کزن صاحب۔" ماورا کو بھلا کیا ڈر یا کیا لحاظ تھا اس نے بلا جھجک صاف بات کہہ دی تھی۔

"ارے سچ؟" فارہ یکدم خوشی سے چیخ اٹھی تھی اور آفاق اور تیمور کے ساتھ ساتھ کئی اور لوگ بھی گھبرا کے متوجہ ہوئے تھے۔

"کیا ہوا؟ سب ٹھیک تو ہے؟" آفاق پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

"سوری...... !اٹس آل رائٹ!" فارہ اپنی جذباتیت پہ خجل ہو کے رہ گئی۔

"لیکن کچھ تو ایسا ہوا ہے نا جس پہ تم نے اتنی خطرناک چیخ دے ماری ہے؟" آفاق حیرت اور تعجب سے دیکھ رہا تھا۔

"بس وہ میں کسی بات پہ ایکسائیٹڈ ہو گئی تھی اس لیے......" فارہ نے اب کی بار کافی آہستگی سے بتایا تھا۔

"ہوں...... !تو گویا بات خاصی اہم ہے......؟" آفاق نے فارہ اور ماورا دونوں کو ایک ساتھ دیکھا تھا اور ماورا کی نظریں بے ساختہ تیمور کی سمت اٹھی تھیں، وہ بھی ان دونوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں یار...... !بات تو بڑے پوائنٹ کی ہے؟ آخر ایسی بھی کیا بات ہوئی ہے کہ اسٹیج پہ بیٹھی دلہن بھی مارے ایکسائٹمنٹ کے چیخنے پہ مجبور ہو گئی ہے......؟" اور اس کا یہ سین اور یہ ایکسائٹمنٹ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی شادی کی مووی میں محفوظ ہو گئے ہیں۔"

تیمور نے بھی اس دلچسپ مسئلے میں مداخلت کرتے ہوئے فارہ کا دھیان اس بات کی طرف دلایا تھا جن کا دھیان ان تینوں میں سے کسی کو بھی نہیں آیا تھا اور اب تینوں ہی چونک گئے تھے۔

"او مائی گاڈ...... !یہ کیا ہو گیا ہے؟" فارہ نے بے ساختہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا اور آفاق کا دل چاہا تھا کہ اپنا سر پیٹ ڈالے، وہ بوکھلاہٹ میں حرکتیں ہی ایسی کر رہی تھی۔ اور تیمور ایک جاندار سا قہقہہ لگاتے ہوئے اسٹیج سے اتر گیا تھا۔

"پاگل...... !میک اپ خراب کرنے کا ارادہ ہے کیا؟" ماورا جھنجلائی۔

"یار...... !تمہارے بارے میں سوچ کر مجھے بہت ایکسائٹمنٹ ہونے لگی ہے، کاش جیسا میں سوچ رہی ہوں ویسا ہی ہو جائے۔" فارہ نے اسٹیج پہ آفاق کے پہلو میں بیٹھ کر بھی ماورا کے حوالے سے نجانے کتنے خواب سجا ڈالے تھے۔

"یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے...... اینی وے، مجھے اب اجازت دو...... مجھے جانا چاہیے...... رات کافی ہو چکی ہے، آپ لوگوں کا یہ فنکشن تو ابھی لیٹ نائیٹ تک چلے گا۔"

ماورا نے فارہ کو مہندی اور تیل لگانے کے فوراً بعد ہی جانے کی اجازت چاہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"لیکن ماورا...! ابھی سب مہمانوں نے کھانا بھی کھانا ہے، پلیز تم کھانا تو کھا کر جاؤ ناں؟ بس تھوڑی ہی دیر ہے۔" فارہ نے اسے روکنا چاہا۔

"سوری یار! تب تک میں لیٹ ہو جاؤں گی اور امی کا تو تمہیں آل ریڈی پتا ہی ہے کہ وہ کتنا پریشان ہو جاتی ہیں۔" ماورا کے پاس امی کے نام کا ایک ایسا پوائنٹ ہوتا تھا کہ جہاں پہ آ کر فارہ بھی اصرار کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے تمام ہتھیار ڈال دیتی تھی۔

"او کے...! میں تیمور بھائی سے کہتی ہوں وہ تمہیں ڈراپ کر دیتے ہیں۔" فارہ کے ذہن میں "فوراً" ہی تیمور کا خیال آیا تھا۔

"فارہ...!" اس نے یک دم اسے روکنا چاہا مگر تب تک وہ تیمور کو پکار چکی تھی۔

"پلیز...! ماورا کو ڈراپ کر دیں گے؟" فارہ کے مسکراتے ہوئے انداز پہ تیمور بھی اس کی چال سمجھ گیا تھا۔

"سوری...! میں ڈرائیور کے ساتھ جاؤں گی۔" ماورا دو ٹوک انداز میں کہہ کر اسٹیج سے اتر گئی تھی اور پیچھے وہ لوگ دیکھتے رہ گئے تھے جبکہ تیمور کو کافی سبکی محسوس ہوئی تھی، لیکن پھر بھی برداشت کر گیا تھا، کیونکہ سامنے کوئی اور نہیں "ماورا مرتضیٰ" تھی۔

سرتاپا اس کی تمنا... سرتاپا اس کی خواہش۔

"تیمور بھائی...!" فارہ نے کچھ کہنا چاہا، کیونکہ تیمور کی سبکی وہ بھی محسوس کر چکی تھی۔

"اٹس او کے...! پلیز ریلیکس۔" اس نے فارہ کو پرسکون رہنے کے لیے تسلی دی تھی اور خود پیچھے ہٹ گیا تھا جبکہ منزہ رحیم کے کہنے پہ ماورا ڈرائیور کے ساتھ میرج ہال کا احاطہ عبور کر گئی تھی!

☼ ☼ ☼

"اتنی بے اعتباری کی وجہ...؟"

وہ کپڑے وغیرہ چینج کر کے ابھی اپنے بستر پہ سونے کے لیے لیٹی ہی تھی کہ اس کے سیل فون پہ ایک اجنبی نمبر سے شکوہ نما میسج پہنچا تھا اور وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں بھی جان گئی تھی کہ یہ نمبر کس کا ہے اور یہ شکوہ کیوں آیا ہے...؟

"کیونکہ اعتبار کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں تھی...۔" اس نے میسج لکھا اور سینڈ کر دیا تھا۔

"وجہ تو نمبر دینے کی بھی نہیں تھی، لیکن پھر بھی آپ نے دے دیا۔ یہ بھی تو ایک اعتبار ہی تھا ناں...؟" ایک اور میسج موصول ہوا تھا۔

"آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ نمبر دینے کے پیچھے کوئی وجہ نہیں تھی؟ ہو سکتا ہے کہ اس کے پیچھے بھی کوئی وجہ ہو۔ اور یہ مت سمجھیں کہ نمبر میں نے آپ کو آپ پہ اعتبار کر کے دیا ہے تو... نو، بلکہ نمبر تو میں نے یہ سوچ کر دیا ہے کہ میں نمبر تو چینج کر سکتی ہوں، مگر اپنا گھر نہیں... گھر تک کیسے لے آتی اور ویسے بھی گھر تک تو میں آپ کو پہلے روز بھی نہیں لے کر آئی تھی تو آج بھلا کیسے لا سکتی تھی...؟" اس نے ایک اور میسج لکھ کر سینڈ کا بٹن پریس کر دیا تھا۔

اور اگلے چند سیکنڈز میں ہی اسے تیمور حیدر کے نمبر سے تیسرا میسج موصول ہوا تھا جس میں اس نے محض ایک سمائل پاس کرتا آئی کون سینڈ کیا تھا اور ساتھ ہی چوتھا میسج بھی آ گیا۔

"اور اگر آپ کو وہ یاد ہے تو یہ بھی یاد ہو گا کہ اگر اس روز میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر باز نہیں آیا تھا تو آج کیسے

باز آ سکتا تھا؟ اور آپ کو یہ بھی پتا ہو گا کہ ہر بار بندہ ناکام نہیں ہوتا، کبھی کبھی کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔"

ماورا نے اسے پہلے روز کا حوالہ دیا تھا تو جواباً تیمور نے بھی اسے پہلے روز کا ہی حوالہ دے کر کرنٹ لگا دیا تھا اور وہ یک دم اپنے بستر سے اٹھ بیٹھی تھی۔

"کیا مطلب ہے آج...؟ آج سے کیا مراد ہے آپ کی؟" ماورا اس کے میسج کا مفہوم سوچ کر ہی گھبرا گئی تھی کہ تیمور حیدر نے اس کا پیچھا تو نہیں کیا...؟

"مطلب اور مراد آپ سمجھ چکی ہیں مس ماورا مرتضیٰ...! اور سمجھے ہوئے کو اور کیا سمجھاؤں؟"

اس کے میسجز کھٹا کھٹ موصول ہو رہے تھے اور ماورا کا دل بری طرح دھڑک اٹھا تھا، عافیہ بیگم کے خیال سے ہی اس کے اوسان خطا ہونے لگے تھے۔

"تو آپ نے مجھے فالو کیا ہے؟" ماورا نے بڑے صبر اور بڑے تحمل سے کام لیتے ہوئے اسے جواب دیا تھا۔

"آف کورس! مجبور تھا اور کیا کرتا۔ اپنے مزاج، اپنی شخصیت اور اپنے مقام سے بہت نیچے آنا پڑا۔ اور بقول میرے دوست کے ایسے معاملے میں انسان کو ویسا ہونا ہی پڑتا ہے کہ جیسا وہ نہیں ہوتا... میں بھی ایسا نہیں تھا... مگر ہو گیا ہوں... چور راستے اپنا بیٹھا ہوں... معافی چاہتا ہوں۔" تیمور کے لکھے ہوئے الفاظ ایسے تھے کہ ماورا چند ثانیے کے لیے کچھ کہہ ہی نہیں سکی تھی۔

"آپ اس وقت کہاں ہیں؟" اس نے قدرے ٹھہر کر پوچھا۔

"آپ کے بالکل سامنے... لیکن چند قدم دور۔" اس کا جواب بالکل مختصر تھا اور ماورا بوکھلاہٹ کے مارے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔

"یہ کیا حرکت ہے مسٹر تیمور حیدر...؟" اس نے تیزی سے میسج ٹائپ کیا۔

"کہا ناں... مجبور تھا اور مجبوری میں انسان کچھ بھی کر جاتا ہے۔ اگر آپ میرے ساتھ آ جاتیں تو یقیناً آپ اس کوفت سے بچ جاتیں اور میں اس حرکت سے بچ جاتا..."

وہ اپنے میسجز اور اپنے الفاظ سے ہی بہت مطمئن، بہت پرسکون لگ رہا تھا۔

"پلیز...! یہاں سے چلے جائیں اگر کسی کو محسوس ہو گیا کہ گلی میں کوئی ہے تو اچھا نہیں ہو گا... پلیز!" ماورا اپنے بستر سے اٹھ کر اپنے گھر کے صحن میں جلے پیر کی بلی کی طرح پھر رہی تھی، چکر کاٹ رہی تھی...

"او کے...! چلا جاتا ہوں، لیکن اک نظر دیکھنے کے بعد...۔" اس نے شرط رکھی۔

"سوری! میں دروازہ نہیں کھول سکتی۔" وہ بدک گئی۔

"اور میں دروازے سے جا نہیں سکتا۔" اس کی طرف سے صاف انکار تھا۔

"مسٹر تیمور حیدر...!" وہ جیسے بھنا اٹھی تھی۔

"یس...؟" وہ تو جیسے جی جان سے متوجہ ہوا تھا۔

"پلیز...!" اس نے یک لفظی میسج سینڈ کیا۔

"آر یو شیور...؟"

"یس...!"

"تو پھر دروازہ مت کھولیں... لیکن پلیز۔ ایک بار دروازے تک تو آ جائیں، تاکہ مجھے احساس تو ہو کہ میں آپ سے مل کر آیا ہوں...۔" تیمور وہاں سے جانے کے لیے آمادہ ہو چکا تھا اور فی الحال ماورا کے لیے یہ بھی غنیمت تھا کہ وہاں گیا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوں..... اوکے..... "وہ میسج سینڈ کرتے ہوئے بے آواز قدموں سے چلتی دروازے تک آگئی تھی۔

"تھینک یو! اللہ حافظ..... "تیمور کی بھاری مگر دھیمی سی آواز ماورا کے کانوں تک پہنچی تھی اور اس کی برداشت کی حد ہوگئی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں اور اپنے لب بھینچ کے رہ گئی تھی۔

"اللہ حافظ.....!" جواباً اس نے بھی تو کچھ کہنا ہی تھا اور جیسے ہی اس نے اللہ حافظ کہا تو اگلے ہی لمحے اسے تیمور حیدر کے قدموں کی چاپ اپنے گھر کے دروازے سے دور ہوتی سنائی دی تھی۔

اور ماورا سکھ کا سانس لیتے ہوئے دوبارہ اپنے کمرے میں آگئی تھی اور اس نے اعصاب ذرا ٹھکانے پہ آتے ہی جھنجلا کر اپنا سیل فون بستر پہ پھینکنے والے انداز میں پٹخ دیا تھا۔

وہ مجبور تھی تو صرف عافیہ بیگم کی وجہ سے ورنہ ماورا مرتضی اپنی بات اور اپنی ضد سے پیچھے ہٹ جاتی۔ یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

ایکسکیوزمی.....! مسٹر تیمور حیدر کون سے روم میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟" ولید نے ہوٹل کے استقبالیہ پہ رکتے ہوئے تیمور کے بارے میں استفسار کیا تھا۔

"جسٹ ون منٹ سر.....!" استقبالیہ پہ موجود لڑکی نے تمام رومز کا ریکارڈ چیک کرنے کے لیے ٹائم مانگا تھا۔

"سر! مسٹر تیمور حیدر کے نام سے تو تین رومز ریزروڈ ہیں..... اب یہ نہیں پتا کہ مسٹر تیمور حیدر خود کون سے روم میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہتے ہوئے ولید کی طرف دیکھا تھا۔

"اوکے.....! آپ روم نمبرز بتادیں۔" وہ اپنا موبائل نکالتے ہوئے بولا۔

"اوہ شیور..... "اس نے فوراً نمبر چیک کیے۔

"ون ٹوئنٹی ٹو..... ون ٹوئنٹی تھری..... اور ون ٹوئنٹی فور۔" اس نے تینوں نمبرز بتادیے تھے اور ولید سرہلاتا اس کا شکریہ ادا کرکے وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے تیمور کا نمبر بھی ڈائل کرلیا تھا لیکن اس کے نمبر پہ رنگ تو جارہی تھی مگر وہ ریسیو نہیں کررہا تھا۔

اور پھر ایک بار..... دوبار..... تین بار اور نجانے کتنی بار اس نے تیمور کے نمبر پہ ٹرائی کرکے دیکھ لیا مگر اس کی طرف سے کال ریسیو نہیں ہوئی تھی اور ولید جھنجلاتا ہوا تھرڈ فلور پہ آگیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ ابھی سو کر اٹھی ہی تھی کہ اس کا سیل فون بجنے لگا تھا۔ اور اس نے بمشکل اپنے شولڈر کٹ بال سمیٹتے ہوئے موبائل اٹھا کر کان سے لگالیا تھا۔

"ہیلو.....؟" اس کی آواز نیند سے بوجھل تھی دوسری طرف ساشا اس کی آواز سنتے ہی تپ اٹھی تھی۔

"عزت! تم ابھی تک سورہی ہو؟" ساشا کی آواز خاصی بلند تھی۔

"اٹھ گئی ہوں یار.....! اٹھ گئی ہوں۔" عزت اب بھی دھیمی سی آواز میں بول رہی تھی۔

"ٹائم دیکھا ہے تم نے.....؟"

"ہاں.....! دیکھا ہے..... ابھی تو بہت وقت پڑا ہے یار۔" عزت بہت ریلیکس تھی۔

"عزت..... تمہیں پتا ہے کہ بیوٹیشن نے کیا کہا تھا؟ ہمیں جلدی پہنچنا ہوگا.....؟ پلیز جلدی کرو۔ اسی بیوٹیشن نے پھر فارہ کو بھی تیار کرنا ہے۔" ساشا کو پتا تھا کہ جب تک وہ اس طرح جلدی نہیں مچائے گی عزت تب تک کسی چیز کا کوئی نوٹس نہیں لے گی.....

"تو کرلے..... پہلے فارہ کو تیار کرلے۔" اس نے بڑے اطمینان سے کندھے اچکائے۔

"عزت! فارہ دلہن ہے اور دلہن سب سے آخر میں تیار ہوتی ہے۔" ساشا زچ ہوئی تھی۔

"حالانکہ دلہن کو سب سے پہلے تیار ہونا چاہیے۔" عزت اس لائن پہ ہی نہیں آرہی تھی۔

"عزت! میں تمہارے روم میں آرہی ہوں۔" ساشا نے دوسرا حل سوچا۔

"موسٹ ویلکم یار.....! میں دروازہ کھلا چھوڑ رہی ہوں۔" عزت بیڈ سے اٹھی اور ڈھیلے ڈھالے قدموں سے چلتی ہوئے دروازے تک آئی اور بڑے سکون سے دروازے کا لاک کھول دیا تھا اور ادھر ولید نے دروازے پہ دستک کے لیے ہاتھ اٹھایا اور دستک دے ڈالی تھی۔

"ارے! تم پہنچ بھی گئیں؟" عزت نے حیرت سے کہتے ہوئے ہینڈل گھما کر یک دم دروازہ بھی کھول دیا تھا اور پھر بے ساختہ گڑبڑا کے رہ گئی تھی۔

"آپ.....؟" عزت کے ہونٹوں سے بمشکل یہ لفظ ادا ہوا تھا۔

اور دوسری طرف تو ولید کا اس سے بھی زیادہ برا حال ہوا تھا وہ عزت کو یوں اچانک اور اس حلیے میں اپنے سامنے دیکھ کر سچ مچ سٹپٹا گیا تھا' بلکہ اس کے تو ماتھے پہ پسینے کے قطرے پھوٹ آئے تھے۔

اس نے انتہائی ڈھیلے ڈھالے ٹراؤزر پہ ڈھیلا ڈھالا سلیولیس ٹاپ پہن رکھا تھا اور ٹاپ کا گلا فرنٹ اور بیک سے اچھا خاصا ڈیپ تھا اور اسی ڈیپ گلے کی وجہ سے ولید خود بھی گھبرایا تھا اور اس کی نظریں بھی گھبرا گئی تھیں اور یہی کچھ عزت کے ساتھ بھی ہوا تھا اور اس نے دوسرا کوئی بھی لفظ کہے بغیر یکدم فون بند کردیا اور ساتھ ہی کھٹاک سے دروازہ بھی بند کرڈالا تھا۔

اُف.....! یہ کیا ہوگیا اچانک..... "عزت دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامتی ایک گہری سانس خارج کرتی ڈریسنگ روم کی طرف بھاگی تھی۔ اس کی خفت اور شرم کی تپش چہرے سے کم نہیں ہورہی تھی اور ایسی کیفیت اس کے ساتھ پہلی بار ہوئی تھی!

☼ ☼ ☼

"آج کے فنکشن کا کیا ٹائم ہے؟"

وہ ناشتا کرنے کے بعد کچن میں کھڑی برتن سمیٹ رہی تھی جب عافیہ بیگم کچن کے سامنے سے گزرتے ہوئے کچن کے دروازے میں ہی رک گئی تھیں۔

"شام پانچ بجے کا ٹائم ہے' لیکن میں چار بجے گھر سے جاؤں گی' ان فیکٹ فارہ جلدی آنے کا اصرار کررہی تھی۔" ماورا نے سنک میں ہاتھ دھو کر کچن کے دروازے سے لٹکتے تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"اتنی جلدی کیوں.....؟ شادیوں کے فنکشن تو بہت لیٹ ہوتے ہیں؟" انہیں حیرانی ہوئی تھی۔

"جی.....! ہوتے ہیں..... مگر آپ کو پتا ہے کہ اس کی بارات کراچی سے آئی ہے' وہ لوگ دودن سے ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں' اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ فنکشن ذرا جلدی ہوجائے تو وہ بھی جلد از جلد واپس کراچی پہنچ جائیں۔ کیونکہ انہوں نے پلین کی ٹکٹیں پہلے ہی ریزرو کروا رکھی ہیں۔ ادھر رخصتی ہوگی اور ادھر واپسی۔" ماورا نے جواب خاصا تفصیلی دیا تھا۔

"ہوں..... ! ٹھیک ہے..... لیکن کوشش کرنا کہ تم آج بھی ذرا جلدی ہی واپس آجاؤ۔" وہ کہتے ہوئے پلٹیں۔
"جی..... ان شاء اللہ ! جلدی جاؤں گی تو جلدی ہی آؤں گی نا۔" ماورا نے اثبات میں سر ہلایا۔
"او کے..... ! اللہ حافظ..... !" وہ خدا حافظ کہہ کے آگے بڑھ گئی تھیں اور جواباً" ماورا انہیں "فی امان اللہ" کہتی ان کے پیچھے دروازے تک آئی اور پھر ان کے دروازہ عبور کرتے ہی دروازہ بند کر کے بڑے ست اور ڈھیلے ڈھالے قدموں سے چلتی ہوئی برآمدے میں بچھے تخت پہ آ بیٹھی تھی۔
"ماورا..... ماورا بیٹا..... ؟" بی گل ناشتا کرنے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے لیٹ گئی تھیں۔ وہ صبح فجر کے وقت اٹھتی تھیں اور ناشتا کرنے تک قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف رہتی تھیں اس لیے بیٹھے بیٹھے تھک جاتی تھیں اور ناشتا کرنے کے فوراً" بعد وہ اکثر تھوڑا آرام کرنے کی غرض سے لیٹ جاتی تھیں' کیونکہ آج کل گھر کو سنبھالنے کے لیے ماورا جو موجود تھی' اس لیے اس طرف سے وہ قدرے بے فکر پھر رہی تھیں آج کل..... !
"ماورا..... !" ماورا کی طرف سے کوئی بھی جواب نہ پا کر وہ بالآخر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔
"جی بی گل..... ! کیا بات ہے؟ وہ اس کے قریب آ کر بیٹھیں تو تب کہیں جا کر ماورا کی سوچ کا تسلسل ٹوٹا تھا اور وہ چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔
"یہی بات تو میں تم سے پوچھنے والی تھی..... صبح سے دیکھ رہی ہوں' تمہارا چہرہ اُترا اُترا سا نظر آرہا ہے' ورنہ ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا؟" بی گل نے اس کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اپنے سامنے کیا۔
"بی گل..... ! میں رضا حیدر کے بیٹے کی وجہ سے پریشان ہوں۔ وہ کسی اور ہی راستے پہ چل پڑا ہے' اور..... اور اپنے ساتھ مجھے بھی اکسا رہا ہے' لیکن وہ' وہ نہیں جانتا کہ اس راستے پہ چلنا میرے عہد اور میرے ارادوں کا حصہ نہیں ہے' میرا ارادہ اور ہے' میرا عزم اور ہے اور میرا راستہ اور میری منزل بھی اور ہے' میں کیسے سمجھاؤں اس کو..... ؟"
ماورا حقیقتاً" پریشان تھی اور بی گل بھی اس کی بات سن کر متفکر ہو گئی تھیں کہ وہ کیا کہہ رہی ہے؟ آخر کوئی چھوٹی موٹی بات تو تھی نہیں کہ وہ جسے سن کر بھی پرسکون رہتیں..... !
"کیوں..... ؟ کیا کہتا ہے؟" انہوں نے آخر کچھ تو پوچھنا ہی تھا۔
"کہتا کچھ نہیں..... لیکن اس کے ارادے اس کی باتوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کا جھکاؤ' لگاؤ میں محسوس کر سکتی ہوں لیکن اس کی یہ لگن میرے حواسوں پہ اثر نہیں کر سکتی' وہ یہ نہیں جانتا۔"
ماورا مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"پھر..... ؟ پھر کیا کرو گی؟" بی گل کا دل کانپ گیا تھا۔
"روکوں گی اسے..... باز رکھوں گی..... سمجھاؤں گی..... "
لیکن پھر بھی اگر نہ سمجھا' نہ باز آیا اور نہ رکا تو۔" بی گل اس کی اگلی بات سنتے ہوئے ڈر رہی تھیں۔
"تو پھر وہی ہو گا جو وہ چاہے گا!" اس نے کہتے ہوئے اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے تھے.....
"وہ..... وہ کیا چاہے گا بھلا؟" بی گل گھبرا رہی تھیں۔
"یہ میں نہیں جانتی..... مگر پھر بھی ہو گا وہی جو اس کی چاہت ہو گی اور اس چاہت کا ذمہ دار وہ خود ہو گا۔" ماورا کا لہجہ سخت ہو چکا تھا۔
"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ یہ غلط ہے ماورا..... یہ سب غلط ہے..... ایسا کچھ مت کرنا۔" بی گل نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"یہ سب غلط ہے تو کیا اس کا میرا پیچھا کرنا ٹھیک ہے؟ یا اس کا رات کے ایک بجے میرے گھر کے دروازے کے سامنے چکر لگانا ٹھیک ہے؟ کیا اس کا میرے ساتھ کانٹیکٹ میں رہنا ٹھیک ہے؟ کیا اس کا مجھے اپنی طرف مائل کرنا ٹھیک ہے؟ اور اگر یہ سب ٹھیک ہے تو پھر جو کچھ اس کے بعد ہو گا' وہ سب بھی ٹھیک ہی ہو گا۔" اس نے انہیں اپنا فیصلہ دو ٹوک سنایا تھا۔
"اف میرے اللہ! یہ' یہ کن چکروں میں پڑ گئی ہو تم؟ میں نے کبھی یہ تو نہیں چاہا تھا اور نہ ہی تمہیں اس طرح کا کوئی سبق دیا تھا؟" بی گل کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا۔
"میں بھی یہ سب نہیں چاہتی اور مجھے بھی یہ سب پسند نہیں ہے' لیکن پھر بھی اگر کوئی باز نہ آئے تو میں بھلا کیا کر سکتی ہوں؟ میں آخر کب تک اسے اوائڈ کروں گی..... ؟ کب تک..... ؟"
ماورا بھی اپنی جگہ پہ درست تھی' لیکن بی گل کیا کہتیں' آخر معاملہ دل کا تھا..... !
"تو پھر آج تم شادی میں مت جاؤ۔" بی گل نے اک معصوم اور بچکانہ سا حل نکالا۔
"کیوں..... اس سے کیا ہو گا؟"
"نہ وہ تمہیں دیکھے گا اور نہ ہی کوئی پیش رفت کرے گا۔ بات جہاں ہے وہیں پہ رہ جائے گی۔" انہوں نے وضاحت دی۔
"بی گل..... ! وہ مجھے دیکھ بھی چکا ہے اور پیش رفت بھی کر چکا ہے' بس اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ بات کہاں تک جاتی ہے؟ اور میں کیا قدم اٹھاتی ہوں۔ ایسی وے آپ پھر بھی یہی دعا کیجیے کہ رضا حیدر کا بیٹا مجھ سے دور رہے..... ورنہ پھر!"
ماورا کہتے ہوئے یکدم تخت سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور بی گل جواباً" کچھ کہہ بھی نہیں سکی تھیں۔ وہ تو جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئی تھیں!

☼ ☼ ☼

فارہ اور آفاق کا نکاح دن کے وقت فارہ کے گھر پہ ہی ہو گیا تھا۔ اس لیے شام پانچ بجے اپنے مقررہ ٹائم پہ دلہن بنی فارہ کو اسٹیج پہ لا کر بٹھا دیا گیا تھا۔
اور تب تک تقریباً" سب ہی مہمان بھی آچکے تھے' کیونکہ بارات کراچی سے فیصل آباد لانے کی وجہ سے اشتیاق یزدانی نے بہت کم لوگوں کو بارات میں انوائٹ کیا تھا' زیادہ لوگ ولیمہ میں ہی انوائیٹڈ تھے۔ اس لیے جتنے بھی باراتی تھے وہ ان کے ساتھ ہی وقت پہ میرج ہال پہنچ گئے تھے اور فنکشن بڑی جلدی شروع ہو گیا تھا۔
"بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔" آفاق نے دلہن بنی فارہ کو دیکھتے ہی سرگوشی کی تھی اور فارہ ابھی اپنی اس تعریف پہ ٹھیک طرح سے خوش بھی نہیں ہوئی تھی کہ اچانک ہی ان کے عقب سے چند آوازوں کا ملا جلا سا قہقہہ بلند ہوا تھا اور ان دونوں نے ہی بے ساختہ چونک کر اپنے عقب میں دیکھا تھا جہاں عزت' ساشا' علیشہ' حمنہ' حمنہ کی دونوں بچیاں بھی موجود تھیں۔
"اوئے ہوئے..... ! بڑی تعریفیں ہو رہی ہیں جناب! گھر جانے کا ویٹ بھی نہیں کیا؟" ساشا نے آفاق کو چھیڑا تھا۔
"کیا کروں مائی ڈیئر سسٹر! اتنی خوب صورتی دیکھ کر صبر ہی نہیں ہوا۔" آفاق نے بے چارگی سے کہا۔
"اوہو..... ! اسٹیج پہ یہ حال ہے تو جہاز میں کیا کریں گے؟ رخصتی کے بعد واپسی کی کوفت بھی اٹھانا باقی ہے ابھی۔" عزت نے آفاق کو واپسی کے سفر سے ڈرایا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اتنا اچھا اور اتنا خوب صورت ہم سفر ساتھ ہو تو پھر کیسی کوفت؟ پھر تو سفر طویل سے طویل تر بھی ہو جائے تو کوفت یا بوریت نہیں ہوتی۔" آفاق نے اسے لاجواب کیا تھا۔

"واہ! کیا کمال ہے یار! بیٹھے بیٹھے ہی شاعر بھی ہو گئے ہیں۔" ساشا نے مذاق اُڑایا۔۔۔۔

"جس کو بیٹھے بیٹھے اتنی خوب صورت بیوی مل جائے وہ بندہ شاعر ہو ہی جاتا ہے۔" اس نے کہتے ہوئے کندھے اچکائے۔

"عزت! بابا تمہارا پوچھ رہے تھے۔" تیمور اور ولید اسٹیج کے قریب آکر ٹھہرے ہی تھے کہ تیمور کو رضا حیدر کا پیغام یاد آگیا تھا۔

اور عزت، ولید کو دیکھتے ہی صبح والا واقعہ یاد کرتے ہوئے نظریں چُرا گئی تھی۔

جبکہ ولید تو پہلے ہی اس کی طرف دیکھنے سے کترا رہا تھا۔

"جی اچھا۔۔۔۔!" وہ آہستگی سے سر ہلا کر کہتے ہوئے آفاق اور فارہ کے صوفے کے پیچھے سے نکل کر سامنے آگئی تھی۔

"ہیلو۔۔۔۔! کیسے ہیں آپ؟" وہ ولید کے پاس سے چپ چاپ گزر جاتی یہ بھی ناممکن ہی تھا۔

"الحمدللہ۔۔۔۔! بہت اچھا ہوں اور اچھے حال میں ہوں۔" اس نے لاپروائی ظاہر کی تھی۔

"ہوں! نظر تو آرہا ہے۔" وہ آہستگی سے کہتے ہوئے اس کے پاس سے گزر گئی تھی اور ولید اتنی ہی آہستگی سے سر جھکائے رہ گیا تھا۔

"ولید۔۔۔۔!" تیمور نے آہستگی سے اسے ٹہوکا دیا تھا۔

"ہوں۔۔۔۔؟" وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

"سامنے دیکھو۔" تیمور نے بغیر اشارے کے اسے متوجہ کیا تھا۔

اور ولید نے بڑے ہی غیر محسوس انداز میں سامنے دیکھا تھا اور سامنے سے آتی لڑکی کو دیکھ کر ولید کی نظریں واقعی چند ثانیے کے لیے ٹھہر گئی تھیں۔

اس لڑکی کی شخصیت کتنی باوقار، کتنی مضبوط اور کتنی پُر اثر ہے یہ تو پہلی نظر دیکھ کر ہی محسوس ہو رہا تھا اور اس کی خوب صورتی اور اس کی ڈریسنگ دیکھ کر تو ولید دل ہی دل میں اسے سراہنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔

"بتاؤ۔۔۔۔؟" تیمور نے اسے ٹہوکا دیا۔

"ماورا مرتضیٰ۔۔۔۔ یہ ماورا مرتضیٰ ہے نا۔۔۔۔؟" ولید اس کی چال ڈھال اور رکھ رکھاؤ سے ہی پہچان گیا تھا کہ وہ لڑکی ماورا مرتضیٰ ہی ہو سکتی ہے کیونکہ تیمور نے اس کی شخصیت کا نقشہ ہی کچھ ایسا کھینچ کے بتایا تھا کہ ولید کے ذہن میں سب کچھ فیڈ ہو گیا تھا۔

"ہاں! فیصل آباد میں اس طرز کی صرف ایک ہی لڑکی ہو سکتی ہے اور وہ ہے ماورا مرتضیٰ۔" تیمور نے جیسے فخر سے کہا تھا اور ولید نے واقعی سراہنے والے انداز میں بھنویں اچکائی تھیں۔

"ہیلو۔۔۔۔!" وہ ان کے پاس سے گزر ہی رہی تھی کہ تیمور نے جان بوجھ کر اسے مخاطب کر لیا تھا۔ "ہائے۔۔۔۔!" لیکن وہ رکی نہیں تھی اور تیمور خوش ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔

"ایکسکیوز می مس ماورا!" اس نے بے ساختہ اسے پکارا۔

"یس۔۔۔۔؟" ماورا ٹھہری تھی۔۔۔۔ مگر پلٹی نہیں۔

"پلیز۔۔۔۔! جسٹ فائیو منٹس۔" وہ اسے روکنا چاہتا تھا۔

"وائے۔۔۔۔" ماورا بہت رف ہو رہی تھی اور تیمور اپنی ایسی عزت افزائی کے باوجود بھی کوئی انسلٹ اور کوئی

بھی محسوس نہیں کر رہا تھا۔

"میں نے آپ کو کسی سے ملوانا تھا۔" تیمور نے وجہ بتائی۔

"ہونہہ۔۔۔۔! مجھے آپ سے ملنا پسند نہیں ہے تو کسی اور سے کیسے مل سکتی ہوں؟" ماورا نے اس کی سمت پلٹتے ہوئے اسے ایک منہ توڑ قسم کا جواب دیا تھا۔

"میری بات تو چلیں ٹھیک ہے۔۔۔۔ لیکن کسی اور نے بھلا کیا کیا ہے؟ کیا قصور ہے کسی اور کا۔" تیمور بڑے موڈ میں پوچھ رہا تھا۔

"ان کا قصور یہ ہے کہ ان سے ملوانے والے آپ ہیں۔۔۔۔ آپ مسٹر تیمور حیدر آپ۔"

"لیکن مس ماورا۔۔۔۔!" تیمور نے کچھ کہنا چاہا۔۔۔۔ مگر وہ درمیان میں ٹوک گئی تھی۔

"پلیز۔۔۔۔! جسٹ اسٹاپ اٹ۔۔۔۔ میں یہاں اپنی دوست کی شادی میں آئی ہوں، لوگوں سے تعلقات بڑھانے نہیں آئی۔"

ماورا خاصے دو ٹوک اور بے لچک انداز میں کہہ کر پلٹی اور اسٹیج کی طرف بڑھ گئی تھی، جبکہ اس کے پیچھے ولید تیمور کی حالت دیکھ کر لوٹ پوٹ ہو گیا تھا اور پھر اس نے جب جب تیمور کو دیکھا تھا اس کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"جی بابا؟ آپ نے بلوایا تھا؟" عزت بڑی ترنگ میں آکر رضا حیدر کے پاس کھڑی ہوئی تھی اور وہ اپنے دوست سے بات کرتے کرتے رک گئے تھے۔

"جی ہاں بیٹا! بلوایا تھا۔۔۔۔ ان سے ملو، یہ ہیں میرے دوست قیام مرزا۔۔۔۔" انہوں نے اپنے ہم عمر آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

"ہائے انکل۔۔۔۔! کیسے ہیں آپ؟" عزت بہت خوشگوار لہجے میں بولی تھی اور اس کی آواز پہ کسی اور کے ساتھ باتوں میں مصروف قیام مرزا کا بیٹا یک دم اس کی طرف پلٹا تھا۔

"ہیلو بیٹا! میں بالکل ٹھیک ہوں آپ سناؤ۔" قیام مرزا عزت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔

"فائن۔۔۔۔!" عزت نے مسکرا کے کہا۔

"اور بیٹا! ان سے ملو، یہ ہے میرے دوست کا اکلوتا سپوت مونس مرزا۔" رضا حیدر نے بہت ہی پُر شوق اور گہری نظروں سے عزت کی طرف دیکھتے مونس مرزا کا تعارف کروایا تھا۔

"ہیلو۔۔۔۔!" عزت نے اب کی بار بہت نارمل سا ہیلو کہا تھا۔

"ہائے۔۔۔۔!" جبکہ مونس مرزا نے بڑی خوشی اور جیسے بڑے استحقاق بھرے انداز میں اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

"آپ کیسے ہیں۔۔۔۔؟" عزت نے اس کا ہاتھ یکسر نظر انداز کر ڈالا تھا۔ قیام مرزا اور رضا حیدر اسے دیکھ کر رہ گئے تھے جبکہ مونس مرزا نے اپنی مٹھی اور اپنے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

اور پھر عزت نے محسوس کیا تھا کہ شادی کے تمام فنکشن میں اور فیصل آباد سے لے کر کراچی تک سفر کے دوران بھی مونس مرزا کی نگاہیں اس کے گرد رہی تھیں اس کی نگاہوں کا مرکز صرف وہی رہی تھی اور عزت کو اس کا اس طرح دیکھنا ذرا بھی پسند نہیں آیا تھا، وہ دل ہی دل میں غصے سے بل کھاتی ہوئی گھر آئی تھی۔

(باقی آئندہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

صباحت یاسمین

"آپ؟" کوئی مجھ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا اور مجھ پر نظر پڑتے ہی حیرانی سے بولا۔

"ارے زین تم... واٹ آپلیزنٹ سرپرائز!"

فرط جذبات میں میں نے اسے گلے سے لگالیا اور خود سے الگ کرتے ہوئے مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ وہ اب اتنا چھوٹا نہیں رہا کہ میں بنا سوچے سمجھے گلے لگالوں۔

"کیسی ہیں آپ؟"

وہ پوچھ مجھ سے رہا تھا اور وضاحت طلب نظروں سے دیکھ میری بیٹی کو رہا تھا جو خود حیران تھی کہ میری مشرقی ماں پہ آج پہلی بار لندن کا رنگ چڑھا اور اس نے سربازار ہی ایک نوجوان کو خود سے لپٹالیا۔

"ٹھیک ہوں تم سناؤ' یہ میری بیٹی ہے۔"

"السلام علیکم انکل!" عینا نے جھٹ مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا جسے تھام کر وہ پھیکی بے رنگ ہنسی ہنسا اور ہاتھ چھوڑتے ہوئے مجھے دیکھنے لگا۔

"آپ نے تو کہا تھا آپ شادی نہیں کریں گی..."

"ہاں کہا تھا..." ایک تاریک سایہ میرے چہرے پہ لہرایا... "مگر کرلی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ میری عمر نکلی جارہی تھی اور گھر والوں کا اصرار بڑھتا جارہا تھا۔"

"نہ کرتیں تو کیا ہو جاتا؟" شکوہ ہی شکوہ' ناراضی ہی ناراضی۔

"میرا جینا دوبھر ہو جاتا معاشرے میں۔" میں نے گہری سانس خارج کی۔

"آپ جیسی پڑھی لکھی اور خود مختار لڑکی بھی ایسا کہہ سکتی ہے!" وہ حیران ہوا۔

"ایک میرے خود مختار اور میرے گھر والوں کے روشن خیال ہونے سے معاشرے کی روایات اور اس کے لوگوں کی ترجیحات تو نہیں بدل جائیں گی۔"

"مگر آپ تو یہاں تھیں' لندن میں... اتنے ایڈوانس معاشرے میں بھی آپ..." وہ بالکل بھی قائل نہ ہوا تھا۔

"وہاں کے قدامت پرست معاشرے میں اکیلی عورت کا رہنا مشکل ہے تو اس ایڈوانس معاشرے میں مشکل ترین۔" ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے میں مدھم سا بولی۔ اس نے نہ سمجھنے نہ قائل ہونے کا انداز اپنا کر منہ پھیرلیا۔

"میرا گھر یہاں سے سات آٹھ منٹ کی واک پہ ہے' چلو تمہیں سوپ پلاتی ہوں۔"

اگرچہ وہ بڑا لگ رہا تھا مگر میرے لیے آج بھی ایک معصوم بچہ تھا جس کی ناراضی رفع کرنا مجھے ضروری لگا۔

"سرنوازش کے بعد آپ کی جو حالت تھی۔ مجھے کبھی لگا ہی نہیں کہ کبھی آپ مجھے اتنی مطمئن اور شاد نظر آئیں گی؟"

"تم ابھی چھوٹے ہو زین! اور ان سب باتوں کے لیے تو بہت چھوٹے ہو۔"

"میں چھوٹا نہیں رہا۔ بہت میچور اور بڑا ہو چکا ہوں۔"

"سالوں میں بڑے ہوئے ہو انچوں میں بڑے ہوئے ہو۔ تجربے اور دور اندیشی میں نہیں۔ زمانہ فہمی

... میں نہیں!" اس نے جواباً' تاسف' ملامت اور ناراضی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ کئی ثانیے مجھے یک ٹک دیکھا۔

"مجھے آپ سے مل کر ذرا سا بھی اچھا نہیں لگا اور میں آپ کے ساتھ سوپ تو بالکل نہیں پینا چاہوں گا۔"

اچانک ہی اس نے روکھے سے انداز میں مجھے فیصلہ سنایا اور تیز تیز چلتا لوگوں کی بھیڑ میں جاگھسا۔

☼ ☼ ☼

ع دشت تنہائی میں اے جان جہاں لرزاں ہیں...

ننھے سے اسٹڈی روم میں یہ اداس بول میری اداسی کے سنگ چکرا رہے تھے۔ آج کل جو کتاب زیر مطالعہ تھی وہ سامنے ہی رکھی تھی مگر میری نظریں غیر مرئی نقطے کو فوکس کیے ہوئے تھیں۔ زین اور اس کی باتیں... آہ۔

میں نے زیریں لب دانتوں تلے لیا اور کرسی کی پشت سے سر ٹکالیا۔

نوازش میرے کولیگ تھے۔ یونیورسٹی کے گزیٹڈ اسٹاف ممبرز میں سے ایک۔ میری تعیناتی بطور سی ٹی آئی ہوئی۔ میری قسمت میں لکھا تھا کہ میں اس اچھے انسان کے اندر کی خوب صورتیاں قریب سے محسوس کروں' اسی لیے ہم بہت جلد قریب آگئے مگر ضروری نہیں کہ قریب آنے کے بعد دور نہ ہوا جاسکے۔ ان کے والد علیل ہوئے تو لندن میں بیاہی ان کی بہن اپنی شیر خوار بچی کو چھوڑ کر پاکستان آئی۔ وہ اسے ایئرپورٹ سے لے کے آرہے تھے کہ...

میرے دل کے اندر ایک سوئی سی چبھی۔

مجھے یاد ہے۔ اس وقت منگنی کی نازک انگوٹھی کی پالش بھی خراب نہ ہوئی تھی اور شادی کی اولین شاپنگ دونوں طرف شروع کی جاچکی تھی... حق ہاہ! یونیورسٹی بھر میں شہرت تھی کہ ہماری نسبت

PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہماری پسند سے ٹھہری ہے۔ زین یونیورسٹی میں سب سے چھوٹا تھا۔ قد کاٹھ میں عمر میں' چالاکی ہوشیاری میں' لیکن پھر بھی اس کی بہت شکایتیں آتی تھیں۔ دراصل جب بڑے لڑکے اسے چھیڑتے تو وہ ڈرتا دبتا نہیں' بلکہ بطور احتجاج ان کے ساتھ اپنی عمر سے بڑھ کر بدلے لیا کرتا۔ پھر معاملہ اکثر ہی ٹیچرز تک آتا۔ یوں مجھ سے اس کی شناسائی اور نوازش سے عقیدت کا آغاز ہوا تھا۔

نوازش کے بعد جب میں پہلی بار تنہا گاڑی سے باہر نکلی تو بی ایس آنرز فرسٹ ایر کا یہی زین دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ میں کچھ آنسو پیتی' کچھ گالوں پہ لڑھکاتی بدقت چل رہی تھی۔ ذرا آگے جا کر مجھے کسی کی پکار سنائی دی۔

"میم!"

میں خود کو کمپوز کرتی ہوئی مڑی تو تین چھوٹے چھوٹے لڑکے سامنے تھے۔ دو تو صرف افسردہ تھے مگر تیسرا... اس کی حالت مترشح تھی۔ سرخ آنکھیں سرخ ناک' متورم چہرہ اور ضبط کی کوشش کے باوجود سسکیوں کے ساتھ بہتا سیل رواں' جانے کیا تھا کہ ہم دونوں گلے لگ کے یوں روئے جیسی دو گہری سہیلیاں ہوں یا سگی بہنیں۔

پھر وہ مجھے اکثر ہی ملتا رہتا۔ اس حادثے پہ وہ میرے جتنا نہیں تو مجھ سے کم بھی نہیں رویا تھا۔ میں نے اگلا کانٹریکٹ سائن نہیں کیا اور موجودہ کنٹریکٹ کے ختم ہونے سے بھی تین دن پہلے اپنے بھائی بھابھی کے پاس لندن چلی آئی۔ سوچا تھا دل بہلے گا۔ تعلیم کا سلسلہ پھر سے شروع کروں گی مگر ضروری نہیں کہ صرف وہی ہو جو سوچا جائے۔ کبھی کبھار وہ بھی ہو جاتا ہے جو کبھی نہیں سوچا ہوتا۔

کچھ عرصہ بعد بھائی نے والدہ کو بھی بلوا لیا۔ ایک روز کسی خبر رکھنے والے نے بتایا کہ نوازش کے والد کی وفات کے بعد ان کی والدہ کو ان کے بہنوئی نے لندن بلوا لیا ہے۔ نوازش اور ان کی بہن کی ڈیتھ کے بعد وہ حقیقی معنوں میں ان کے لیے بیٹا بن گیا ہے۔ میں اور امی انکل کے افسوس کے لیے گئے تو جانے کیوں ڈھائی سالہ عینا کو گود میں لیتے ہوئے مجھے بے طرح رونا آیا تھا۔ اور ساڑھے تیرہ ماہ بعد میں عینا کی ماما بن گئی۔ یہ مشکل نہیں مشکل ترین تھا بلکہ اذیت ناک۔ مگر ضروری نہیں کہ ہر اذیت ناک کام کو چھوڑ دینے کا آپشن موجود ہو۔

اور ضروری تو یہ بھی نہیں کہ ساتھ چھوڑ جانے والوں کے بعد ہم کسی اور کا ساتھ اپنا لیں تو ہمیں اس سے محبت بھی ہو جائے۔

مجھے تو نہیں ہوئی تھی اور عینا کے بابا... انہیں تو بالکل بھی نہیں ہوئی تھی۔

وہ میرا خیال رکھتے۔ پروا کرتے اور مجھ سے لگاؤ رکھتے ہیں مگر محبت تو انہوں نے صرف نوازش کی بہن سے کی اور اس سے کہیں زیادہ کی جتنی میں نے نوازش سے کی۔

اب زین کو میں کیسے سمجھاؤں کہ بیٹا! اگر میں آگے چل پڑی ہوں اور مسکراتے ہوئے چل رہی ہوں تو اس سب کے لیے ضروری نہیں کہ میں پچھلے زخم بھول چکی ہوں۔ میں نے تو صرف ان سے نظریں چرائی ہیں۔ کسی بھی مشرقی عورت کی طرح مجھے اپنے شوہر سے پیار ہے۔ میں اسی کے لیے سجتی سنورتی ہوں۔ اس کی پسند کے مطابق رہتی ہوں مگر اس سب میں یہ کہیں ضروری نہیں تھا کہ میں بھلا دوں قلب و روح کی وابستگی کا پہلا ادراک کب ہوا تھا... "پہلی محبت کب اور کس سے ہوئی تھی۔

"عینا کے بابا جانتے ہیں میں ان سے صرف پیار کرتی ہوں۔ شدید محبت آج تک صرف نوازش سے ہی کر سکی ہوں۔ ان کے لیے محبت ضروری نہیں تھی صرف عینا کے لیے گھر میں ماں کا ہونا ضروری تھا اور میرے لیے اپنے دکھ پہ ماتم کرتے رہنا اتنا ضروری نہیں تھا جتنی اپنی ماں کی آخری خواہش ضروری تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مصباح نوشین

ایک خُدا جیسا نہیں تھا

دسمبر کی یخ بستہ ہوائیں راج کر رہی تھیں۔ پورا ماحول جیسے ان کے ماتحت سر جھکائے کھڑا تھا۔ رات میں کہرا گرنے لگا تھا۔ وہ کھڑکی کے پٹ سے سر ٹکائے خود کو گرم شال میں لپیٹے آسمان پر نگاہیں جمائے کتاب زیست کے گوشوارے جمع کرنے میں گم تھی۔ پچھلے دو سال سے وہ یہی کر رہی تھی۔ مقام حیرت 'درد تھا کہ بڑھتا ہی گیا۔ اذیت سوا ہو گئی اور وہ زندہ لاش میں تبدیل ہو گئی۔ اس کی خودی کی عمارت ایک ہی جھٹکے میں زمین بوس ہو گئی۔ اس کا سر جھک گیا۔ زندگی خزاں رسیدہ جنگل کی مانند ویران ہو گئی۔

بات اتنی بڑی نہیں تھی۔ رد عمل شدید تھا۔ بات انا تک پہنچ گئی اور انا محبت کو کھا جاتی ہے۔ دیمک کے کیڑوں کی طرح۔ مگر اس کے ساتھ انا نے نہیں محبت نے دھوکا کیا تھا۔ اس کی محبت پر توقعات کی کاری ضرب پڑی۔ وہ برداشت نہیں کر سکی۔ ٹوٹ گئی۔ کوئی بھی ہوتا ٹوٹ چکا ہوتا۔ وہ تو پھر جذبات سے گندھی ایک حساس سی لڑکی تھی۔

وہ چھکیلی' سانولی رنگت اور بوٹا قد' بھرا بھرا جسم مناسب ناک نقشہ' لیکن محبت کرنے والا حسین گداز دل رکھنے والی لڑکی تھی۔ جو بھی ایک بار ملتا گرویدہ ہو جاتا۔ بار بار ملنے کی خواہش کرتا۔ پورے گھر کی وہ لاڈلی تھی۔ امی' ابا کی اکلوتی تو تایا تائی کی چہیتی۔ ایف اے کے بعد گھر پر ماں کا ہاتھ بٹانے لگی۔ تائی بھی جوڑوں کی مریضہ تھیں۔ ان کا بھی کام لگے ہاتھوں نپٹا دیتی۔ فرصت میں بیٹھ کے ڈائجسٹ میں پڑھی جانے والی کہانیوں پر سیر حاصل تبصرہ گرما گرم چائے کے مگوں کے ساتھ کرنا تائی' بھتیجی کا مرغوب مشغلہ ہوا کرتا۔ سردیوں کے موسم میں ابا چلغوزے' اخروٹ' کاجو' بادام سیروں کے حساب سے لاتے۔ ایمان جی بھر کر لطف اندوز ہوتی ساتھ میں تایا' تائی کو بھی شامل کرتی۔ اب بھی وہی موسم تھا۔ گھر بھی وہی تھا۔ مکین بھی وہی۔ مگر درمیان میں گزرا وقت دلوں میں ایک خلیج حائل کر گیا تھا۔ جسے پاٹنے کے لیے بہت بڑا جگر چاہیے تھا۔ حوصلہ بلند پہاڑ کی چوٹی جتنا یا پھر یادداشت ختم ہو جانے کا عارضہ۔

ایمان نے گیٹ کھلنے کی آواز پر نیچے جھک کے دیکھا اور پھر گھڑی کی طرف۔۔۔ ساڑھے بارہ کا وقت تھا اور عدیم اب گھر لوٹ رہا تھا۔ گاڑی پورچ میں رکی تو وہ بھی چادر لپیٹتی باہر نکل آئی۔ تائی تو نیند کی دوا لے کر جلدی لیٹ جایا کرتی تھیں۔ عدیم کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری شروع سے اسی کی تھی۔ اب بھی واپس آنے کے بعد اس نے یہ ذمہ داری احسن طریقے سے اپنے اوپر لے لی۔ مقام حیرت عدیم بھی کچھ نہیں بولا۔ حالانکہ اسے ایمان کے وجود سے ازلی بیر تھا۔ نفرت کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔

ایمان نیچے کچن میں آئی۔ خاموشی سے کھانا گرم کیا اور ٹرے لگا ہی رہی تھی کہ عدیم کچن میں آ گیا۔ اس نے خاموشی سے کھانا کچن میں رکھی چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل پر چن دیا۔ عدیم کرسی کھینچ کر اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔ ایمان کی پشت پر اس کی پرسوچ نگاہیں جمی تھیں۔ ایمان کے وجود میں بھانبڑ جلنے لگے۔ بے عزتی کا گہرا احساس اسے پاتال میں گرا گیا۔ اس شام کی اذیت کسی عفریت کی مانند اس کے وجود کا حصار باندھنے لگی۔ ایمان نے ضبط کی آخری حد پہ کھڑے ہو کے لب کھولے۔

"چائے لیں گے یا کافی؟" ایمان کو پلٹنا پڑا۔ عدیم چونک کے حال میں لوٹا' ایمن نے اس کے وجیہہ چہرے پر پچھتاوے رقصاں دیکھے۔

"کافی۔۔۔ اپنے لیے بھی بنا لینا۔" عدیم خاموشی سے دوبارہ کھانا کھانے لگا۔ ایمان انکار نہیں کر سکی۔ وہ اسے کبھی انکار کر ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کی ہر زیادتی کے باوجود بھی۔۔۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس نے بلیک کافی کے دو مگ تیار کیے اور اس کے پاس آبیٹھی مگر پھر دونوں ہی ایک دوسرے سے بات نہیں کرسکے۔ دونوں اپنے اپنے غموں میں گم کافی سے اٹھتی بھاپ میں چہرے تلاشنے لگے۔ ان اجنبیوں کے چہرے۔ جنہوں نے ان زندگیوں کو یوں ویران کردیا تھا۔

وہ یونیورسٹی کے لیے تیار ہورہا تھا۔ جب وہ اس کا ناشتا ٹرے میں لگائے بغیر دستک دیے اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ عدیم آئینے کے سامنے بال بنا رہا تھا۔

"کتنی مرتبہ تمہیں منع کیا ہے کہ میرے کمرے میں یوں منہ اٹھا کے مت آیا کرو۔" اس نے اسے ناگواری سے ٹوکا۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے صبح صبح تمہارے درشن کرنے کا۔ تائی کا حکم تھا کہ تم یونیورسٹی بھوکے جاؤگے تو تمہیں ناشتا کروادوں۔" ایمان خلاف عادت تڑخی تھی۔

"جو بھی ہے مگر خدا کے لیے صبح ہی صبح تم مجھے اپنی یہ منحوس شکل مت دکھایا کرو' سارا دن خراب گزرتا ہے میرا۔" وہ اس کی سانولی رنگت کو اکثر نشانہ بنایا کرتا تھا۔ ایمان کو ہتک کا گہرا احساس ہوا۔ وہ غصے سے دو قدم آگے بڑھی اور اس کے مقابل آگئی۔ یوں کہ آئینے میں دونوں کا عکس ایک ساتھ واضح ہوگیا۔

"قد دیکھو اپنا' میرا مقابلہ کروگی؟ ڈیڑھ فٹی موٹی عورت۔" عدیم کے لہجے میں تحقیر تھی۔ ایمان کو اپنی کم مائیگی کا احساس شدت سے ہوا۔

"زبان سنبھال کے بات کرو تم۔ ذرا سی اچھی شکل صورت کیا دے دی خدا نے' تم تو کسی کو انسان ہی نہیں سمجھتے ہو۔" ایمان کو اپنا درد چھپا کے کچھ نہ کچھ کہنا پڑا۔

"تم سے ہر لحاظ سے بہتر ہوں' دنیا مرتی ہے مجھ پر' تم اپنی فکر کرو' جانے اپنے رنگ کی طرح کس کے نصیب سیاہ کروگی۔" اس کا لہجہ شدید طنزیہ تھا۔ اس کی بات سن کے ایمان کا رنگ واضح پھیکا پڑا۔

"دل تو اچھا ہے نا میرا۔ تمہاری طرح سیاہ نہیں ہے۔" ایمان نے جاتے جاتے اپنے تئیں کاری وار کیا۔

"آج کل دل میں کوئی نہیں جھانکتا' شکل اچھی تو سب اچھا۔ اور تمہارے پاس تو یہ دونوں چیزیں ہی نہیں ہیں وائے قسمت۔" وہ اب ہنس رہا تھا اور ایمان آنسو پی رہی تھی۔

"میں لوگوں کا دل نہیں دکھاتی عدیم! نہ ہی ان کی کمزوریوں کو تحقیر کا نشانہ بناتی ہوں۔" آنسو پیتے اس نے بھرائے لہجے میں کہہ دیا۔

"یہ ناشتا اٹھا کے لے جاؤ۔ مجھے نہیں کھانے یہ ہیوی پراٹھے۔ مجھے خود کو فٹ رکھنا ہے تمہاری طرح بے ہنگم انداز میں خود پر چربی نہیں چڑھانا۔ ایک تو تم ہو قد کی چھوٹی' اوپر سے اتنی بھاری جسامت۔ پوری فٹ بال لگتی ہو چلتے پھرتے۔"

ایمان بغیر کچھ کہے کھانے کی ٹرے اٹھا کے پلٹ گئی۔ کچن میں آکے وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ وہ اس کی ہر کڑوی کسیلی سن کے پی جایا کرتی تھی۔ اس کے اور عدیم کے مراسم کبھی بھی اچھے نہیں رہے تھے مگر اتنے برے بھی نہیں تھے۔ بچپن دونوں کا ایک ساتھ ہی اس گھر میں گزرا تھا۔ وہ شروع سے ہی بڑا گورا چٹا' اونچا لمبا تھا' جو بھی پہن لیتا شہزادوں کو مات دینے لگتا۔ اپنے حسن پر اسے بڑا ناز تھا اور اسی زعم میں وہ ایمان کو ہمیشہ نشانہ بنائے رکھتا تھا۔

بہت بچپن سے ہی یہ بات طے تھی کہ ایمان عدیم کی دلہن بنے گی۔ ایمان نے اس خوب صورت احساس کو آنچل سے باندھ لیا۔ عدیم کی محبت اس کی عمر کی طرح ہی پروان چڑھی اور خوب پھلی پھولی۔ اس کے اندر باہر محبت کے موسم تھے۔

دونوں گھروں کی ساری ذمہ داری اس کے نازک کندھوں پر تھی اور وہ اس ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے بہت خوش تھی۔ عدیم اسے بہت ہرٹ کرتا' مگر وہ اپنی محبت کا ظرف بلند رکھتے ہوئے اس کی کوئی بات دل پہ نہیں لیتی تھی۔ مگر ایمان کے ساتھ عدیم نے آخری حد تک ذلیل کردینے والا رویہ اپنایا ہوا تھا۔

چھوٹی عید کے بعد عدیم کا رزلٹ آنے والا تھا۔ تب ہی تایا' تائی مٹھائی لیے اس کے گھر آئے۔ گھر تو ایک ہی تھا۔ بس پورشنز الگ الگ تھے۔ تائی کی دیرینہ خواہش پوری ہونے کا دن تھا۔ انہوں نے بہت محبت سے ایمان کے ہاتھوں میں عدیم کے نام کی انگوٹھی پہنائی۔ اس کا سلونا سا ہاتھ سونے کی انگوٹھی سے دمکنے لگا تھا۔ خوشی نور کی مانند اس کے سانولے سلونے چہرے پہ بکھر گئی۔ وہ گویا ہواؤں میں اڑنے لگی تھی مگر شام کو جب عدیم آیا تو اس نے خود کو زمین پر بڑی تیزی سے گرتے محسوس کیا۔ اتنی شدت سے کہ اس کا نسوانی پندار کرچی کرچی ہوگیا۔ اس کی محبت رسوا ہوگئی۔

"آپ نے سوچا بھی کیسے کہ میں اس کالی کلوٹی' ان پڑھ لڑکی سے شادی کرلوں گا۔" ایمان نے خود سنا' وہ اپنے ماں' باپ سے کہہ رہا تھا۔ آوازیں اوپر تک آرہی تھیں تو کیا اس کے ماں باپ نے نہیں سنا ہوگا۔

ایمان نے خوف سے آنکھیں میچ لیں۔ وہ ماں' باپ کی آنکھوں کا نور تھی اور نہیں چاہتی تھی کہ وہ بھی وہی درد سہیں' جو ایمان خود سہہ رہی تھی۔

"آخر اس میں حرج ہی کیا ہے عدیم۔ بچپن سے رشتہ طے ہے تمہارا' ایمان بہت اچھی لڑکی ہے۔ اس گھر کو ایسی ہی بہو کی ضرورت ہے۔" اس نے سنا' تائی جرح کررہی تھیں۔

"مگر مجھے ایسی بیوی نہیں چاہیے امی جان! جسے نہ پہننے اوڑھنے کا سلیقہ ہے نہ ہی بات کرنے کا۔ ایسی عورت کیا خاک میرے سرکل میں سروائیو کرسکے گی میرے ساتھ۔"

ایمان کی نظریں بے ساختہ اپنے لباس پر جا ٹکیں۔ اس کا لباس پُرشکن اور مسلا ہوا تھا۔ بہت شوخ رنگ کا اور بڑے بڑے پرنٹ کا' وہ ہمیشہ بڑے بڑے پرنٹ کا ہی سوٹ پہنتی۔ اسی لیے شاید موٹی دکھتی' مگر شوخ رنگ اس کی ملاحت میں اضافہ کا باعث بنتا۔ وہ تھوڑی سی فربہی مائل تھی مگر پُرکشش غضب کی تھی' پر جانے یہ خوب صورتی عدیم کو نظر کیوں نہیں آتی تھی۔

"کیوں کیا کمی ہے اس میں۔" اب کی بار تایا بولے تھے' جو کب سے بیٹے کو غصے سے تن فن کرتے ادھر سے ادھر چکر کاٹتا دیکھ رہے تھے۔ عدیم ٹھہر گیا۔ باپ کے سرد برفیلے استفسار نے اسے رکنے پر مجبور کردیا تھا۔

"مجھے جیسا لائف پارٹنر چاہیے' ایمان اس پر بالکل بھی پوری نہیں اترتی اور میں اپنی زندگی آپ لوگوں کے کہنے میں آکے تباہ نہیں کرسکتا۔" وہ اتنا بدلحاظ بھی ہوگا۔ وہ بول نہیں رہا تھا' پھنکار رہا تھا۔ ایمان کا نام لیتے وقت اس کے لہجے میں اتنا زہر تھا کہ ایمان نے اس نفرت کے زہر سے اپنا تن بدن نیلو نیل ہوتا محسوس کیا۔

"گھر کی بچی ہے' دیکھی بھالی ہے عدیم۔ پھر میں زبان دے چکا ہوں۔ میری عزت کا کچھ تو خیال کرو' تم میرے اکلوتے بیٹے ہو۔ کیا میں تمہاری زندگی کا فیصلہ خود نہیں کرسکتا۔" اس لمحے بابا نے خود کو بے حد کمزور اور بوڑھا محسوس کیا۔ بیٹے کا باپ ہونے کا مان' بیٹے نے آن واحد میں ہی توڑ دیا۔ ان کے لہجے کی گرج اور طنطنہ لمحے میں بھربھری ریت کی دیوار کی مانند ڈھے گیا۔

"نہیں ابا جان۔ آپ جان بھی دینے کو کہیں تو دے دوں گا مگر ایمان سے شادی نہیں' کبھی نہیں۔ قطعی نہیں۔" وہ بلا کا ضدی تھا۔ اپنی ہٹ کا پکا۔ اسے رشتے نبھانے آتے تھے نہ ہی دل جوڑنے' اسے بس توڑنے کی عادت تھی۔ چاہے رشتے توڑنا' چاہے دل' چاہے کسی کی ہستی کا غرور۔

"مگر کوئی وجہ بھی تو ہوگی عدیم!" تائی بہت دیر ضبط کرنے کے بعد بولنے کے قابل ہوئی تھیں۔ کتنا تکلیف دہ تھی یہ صورت حال ان کے لیے۔ جنہوں نے ایک ایک دن اس آس میں گزارا تھا کہ بیٹا جوان ہوگا۔ تعلیم مکمل کرتے ہی وہ اپنی من پسند بہو کو بیاہ کر لے آئیں گی۔ ایمان جیسی نرم خو' نرم مزاج' سلیقہ مند

لڑکی ہی اس گھر کو اور ان کے بیٹے کو سنبھال سکتی ہے۔ ایمان شروع سے ہی دھیمے مزاج کی تھی۔ سادہ تھی۔ یہ الگ بات کہ اس کی یہی سادگی آج اس کی سب سے بڑی دشمن بن رہی تھی۔

"وجہ نہیں، وجوہات ہیں امی جان۔۔۔!" عدیم لمحہ بھر کو رکا۔ "آپ نے اس کی ہائٹ دیکھی ہے اور اس کا بڑھتا ہوا وزن۔ جس کی تعلیمی قابلیت بھی اتنی نہیں کہ اگر وہ میرے ساتھ کسی پارٹی میں جائے تو فخر سے میں اپنی بیوی کو کسی سے متعارف ہی کرواسکوں۔ گھگھی بندھ جائے گی محترمہ کی۔۔۔ آپ لوگوں نے کیا سوچ کر اسے میرے پلے باندھنے کی کوشش کی۔۔۔ اپنے بیٹے کو تو دیکھ لیا ہوتا۔" ایمان نے ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتے اپنی ذات کی خامیوں کو سنا اور زندہ کھڑی رہی۔ اس قدر بے عزتی، اہانت کے باوجود بھی وہ زندہ کھڑی تھی۔

"یہ سب وجوہات اسے رد کرنے کو ناکافی ہیں عدیم۔۔۔ تم کسی کی ہستی کو یوں نہیں روند سکتے۔۔۔" تایا ابھی بھی اس کے حق میں اس کا دفاع کررہے تھے۔

ایمان نے درد دبا کر آنسوؤں کو پیا اور جانے کس احساس کے تحت نیچے چلی آئی۔ سیڑھیاں اترتے اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ ہاتھ کانپ ہورہے تھے اور وہ خود کہیں پاتال میں گڑی جارہی تھی۔ وہ اندر بڑھی تو عدیم باہر نکل رہا تھا۔ اسے دیکھ کے لمحہ بھر کو ٹھہرا۔ قہربار نظروں سے دیکھا اور سرد برفیلے لہجے میں پھنکارا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم کوئی بھی گھٹیا پلاننگ کرکے میرا ساتھ حاصل کرلوگی۔۔۔ بھول ہے تمہاری۔ تم اس قابل بھی نہیں کہ میرے سامنے ٹھہر سکو، کجا عمر بھر کی ہمراہی اگر تم نے آئینہ دیکھا ہوتا تو اتنی جرات نہ کرتیں۔ ایک بات یاد رکھنا!" وہ غصے میں بھرتے آگے بڑھا اور کھا جانے والے نظروں سے ایمان کو دیکھا۔ "تم چاہے کچھ بھی کرلو۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ میں تمہاری آنکھوں کے سارے خواب نوچ ڈالوں گا۔ میں تم سے ہار نہیں مانوں گا۔ تم سے ہارنا

بہت عزیز ہے۔"

وہ اس پر سارا زہر انڈیل کے آگے بڑھ گیا۔ ایمان اپنا نیلو نیل وجود لیے کھڑی رہ گئی۔ ایک طوفان آکے گزر گیا خوابوں کی کرچیاں آنکھیں لہولہان کرنے لگیں۔ محبت بھرا دل قبرستان بن گیا۔ یادیں تو دامن میں کوئی بھی خوشگوار جمع نہ تھیں۔ صرف ایک آس ہی تھی جو اس کے وجود کو کسی تتلی کی مانند خوابوں کے حسین نخلستان میں اڑائے پھرتی تھی۔ خواب دیکھنے کی اکثر بہت بڑی قیمت چکانی پڑتی ہے۔ ایمان نے بھی چکائی۔۔۔ اسے تایا، تائی کی محبت پر کوئی شک نہیں تھا اور اب تو عدیم سے بھی کوئی گلہ نہیں تھا۔ کچھ لوگ روشن پیشانی ہونے کے باوجود سیاہ نصیب رکھتے ہیں۔ ایمان نے مان لیا۔ وہ بھی ان ہی میں سے ایک تھی۔

بولتی تو وہ پہلے بھی کم تھی، اب اسے چپ لگ گئی تھی۔ تائی اسے اکثر خود سے لپٹا کے رو دیا کرتیں۔ عدیم نے اپنی مرضی سے انگلینڈ جانے کا قصد کرلیا اور تیاری میں مگن ہوگیا۔ اس کے لیے اپنی زندگی، اپنی خواہشات، اپنے خواب اور اپنی خوشی اہم تھی۔ اسے اسی کے لیے جینا تھا۔ محنت کرنی تھی اور کامیاب ہونا تھا۔ یہی اس کی زندگی گزارنے کے مروجہ اصول تھے پر وہ بڑی سختی سے عمل پیرا تھا۔ ایک ماہ بعد وہ چلا گیا۔

تائی کو سکتہ سا ہوگیا۔ وہ کافی دن بیمار رہیں۔ فرق ہی نہ پڑتا کسی دوا سے۔۔۔ ڈاکٹرز دوا کرتے کرتے تھک گئے۔ مگر ایمان خدمت کرتے نہیں تھکتی۔ اس کے امی، ابا نے بھیا، بھابھی کو کچھ نہیں کہا۔ ضرورت ہی نہیں پڑی ان دونوں بھائیوں کی محبت اور ہم آہنگی نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے سامنے سر جھکانے دیا نہ ہی ٹوٹنے۔۔۔ تایا نے کچھ کہنا چاہا، مگر ابا نے آگے بڑھ کے انہیں گلے سے لگا کے بات ختم کردی۔ اب یہ ایمان کا دل جانتا تھا کہ ابا کس مشکل سے مسکرائے ہوں گے۔

ایمان اندر ہی اندر گھلتی رہی۔ سانولی رنگت مزید کملا گئی۔ ہونٹوں پر جامد چپ کا قفل اور مسکراتی

آنکھوں میں ہمہ وقت چھلکتی اہانت و بے عزتی کا احساس دلاتی نمی۔ تائی اسے خاموشی سے کام میں مگن دیکھتیں تو نادم ہوجاتیں۔ اس کی آنکھوں میں خواب سجانے والی تو وہ خود ہی تھیں۔ اندھا اعتبار یوں ہی رسوائی دیتا ہے۔ اعتبار چاہے، جس پہ بھی ہو، اعتدال میں ہی اچھا لگتا ہے۔ مگر اس سب میں ایمان کا قصور کیا تھا۔ عدیم چاہتا تو اسے اپنی پسند کے سانچے میں ڈھال سکتا تھا۔ ایمان تو پانی جیسی تھی۔ مگر اسے چیزوں اور لوگوں پہ محنت کرنے، انہیں ری سیٹ کرنے کی عادت نہیں تھی۔ وہ پہلے سے پرفیکٹ لوگوں اور چیزوں کی طرف بڑھتا تھا۔

ماریہ بھی ان ہی میں سے تھی، حسن، دولت، تعلیم، معیار میں اعلا و برتر۔۔۔ اس تک پہنچنے کے لیے عدیم نے واقعی محنت کی اور خوب کی، تب ہی آج انگلینڈ میں اس کے ساتھ نئی زندگی کی شروعات کیے ہوئے تھا۔ اس کے اچانک گھر چھوڑنے پر اس کے ماں، باپ کا کیا حال ہوا تھا یا اب وہ کس حال میں ہوں گے، اس نے جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ایمان تائی کو دوا دے کر باہر نکلنے ہی لگی تھی کہ تائی کے سرہانے رکھا موبائل فون بجنے لگا۔ تایا آج کل اپنا موبائل گھر میں چھوڑ جایا کرتے تھے۔ تاکہ آفس جاکے وہ تائی کا حال احوال پوچھ سکیں۔ ایمان کو ابھی بھی یہی لگا کہ تایا کی ہی کال ہوگی۔ اس نمبر پہ صرف تایا ہی کی کالز آیا کرتی تھیں۔ تائی ابھی جاگ رہی تھیں۔ انہوں نے کال ریسیو کرلی تھی۔ ایمان خالی برتن اٹھاکے کچن کی طرف بڑھ رہی تھی مگر تائی کے منہ سے نکلے ہوئے نام نے اسے آگے بڑھنے نہیں دیا۔ اس کا پورا وجود برف کی سل میں تبدیل ہوگیا۔ احساسات منجمد ہونے لگے۔

"عدیم میرا بچہ۔" تائی فون پہ رو رہی تھیں ایمان کا دل سینے میں زخمی کبوتر کی مانند پھڑپھڑانے لگا۔ اس کی سانس معمول سے زیادہ ہوگئی۔

"ساری عمر تعلق تھوڑی توڑے رکھیں گے وہ میری خاطر، ان کی اولاد ہے وہ، رابطہ تو رہے گا ہی۔"

اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش میں اپنے آپ کو تسلی دی، ایمان کو برا نہیں لگا کہ تائی نے اس سے بات کی تھی۔ مگر اچھا بھی نہیں لگا، مگر یہ ہوا کہ تائی کی طبیعت سنبھل گئی۔ جو کام دوا اور ڈاکٹر نہ کرسکے، وہ عدیم کی فون کال نے کردیا تھا۔

وقت کے کشکول میں چند دن مزید کھنکتے سکوں کی مانند اس طرح گرے کہ ایمان کی زندگی کا فیصلہ بھی کردیا گیا۔ وہ ایک گلابی شام تھی، جو اپنی پوری رعنائی ایمان کے وجود پر پیرہن بنا کے اوڑھ گئی تھی۔ مگر ایمان کو اب رنگ اچھے نہیں لگتے تھے۔ اسے رنگوں سے خوف آتا تھا۔ رنگ ہوں تو آنکھیں خواب دیکھنے لگتی ہیں اور ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں بہت تکلیف دیتی ہیں۔ وہ بار بار اس اذیت سے گزرنا نہیں چاہتی تھی سو اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ نہ رنگ دیکھے گی، نہ ہی خواب۔ مگر فیصلہ تایا، تائی نے کیا۔ تایا جی کے اپنے ایم ڈی کے ساتھ خاصے گہرے مراسم تھے۔ وہی ایم ڈی اپنے امریکا پلٹ بیٹے کے لیے ایمان کے خواہاں ہوئے۔ تایا نے ابا کو اتنا ہی کہا۔

"ایمان میری بیٹی اور میری ذمہ داری ہے۔ جو کچھ عدیم نے کیا اس کے لیے چاہوں بھی تو معافی نہیں مانگ سکتا۔ کیونکہ اس نے مجھے معافی مانگنے کے بھی قابل نہیں چھوڑا۔ مگر ایمان کو اپنی ذمہ داری سمجھ کر ایک باپ کی حیثیت سے اچھے گھر میں بیاہ کر میں کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں اور کچھ اپنے دل کا بوجھ بھی۔۔۔"

ایمان پھوٹ پھوٹ کے رودی۔

فرجاد اچھا اور وجیہہ لڑکا تھا۔ غرور سے اٹھی ناک روشن پیشانی، گندمی کھلی کھلی رنگت۔۔۔ اونچا لمبا قد، کسرتی بدن، وہ بلاشبہ عدیم سے زیادہ اسمارٹ اور وجیہہ تھا۔ ایمان نے اسے مبہوت ہوکے دیکھا۔

سسرال پہنچتے ہی اس کا خیر مقدم خاصی گرم جوشی سے ہوا تھا۔ پورا گھر سجا ہوا تھا۔ بہترین فرنیچر اور ڈیکوریشن مکینوں کی امارت کو واضح کررہا تھا۔ ایمان نے سرسری نظر سے پورے گھر پہ طائرانہ نگاہ ڈال کر فرجاد کو دیکھا، جو کسی یونانی دیوتا کی طرح پر غرور اور فاتح نظر

آرہا تھا۔ پہلی بار اسے بھی اپنے خوش قسمت ہونے کا گمان ہوا۔ اپنے کمرے میں پہنچنے کے بعد اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ فرجاد کے آنے کا انتظار کیا۔ پہلی بار اسے انتظار کرنا اچھا لگا۔ آدھی رات کے بعد فرجاد کمرے میں آیا۔ اسے بیڈ پہ سجے سنورے اپنے انتظار میں بیٹھے دیکھ کے زور سے ہنسا۔ وہ اتنی دیر تک اور اتنی زور سے ہنسا کہ ایمان کو لگا وہ پاگل ہے۔ ایمان کے چہرے پر خوف زدہ تاثرات دیکھ کے اس نے اپنے بے ہنگم قہقہے کا گلا گھونٹا اور اس کے قریب چلا آیا۔ بیڈ پہ بیٹھا اور اسے مسکراتی نگاہوں سے غور سے دیکھا۔ ایمان کو ان آنکھوں میں تبسم نہیں تحقیر نظر آیا۔ جانچتی ہوئی اور مذاق اڑاتی ہوئی۔۔۔ ایمان کی آنکھیں سر کے ساتھ جھک گئیں۔

"اتنی بری بھی نہیں ہو۔" ایمان نے ایسی تعریف پر چونک کے دیکھا۔ وہ اب بھی ہنس رہا تھا۔

"گڈ لکنگ ہو بس تھوڑی گرومنگ کی ضرورت ہوگی۔" ایمان خاموش رہی۔

"ایک تو تم مشرقی عورتیں خوامخواہ کا شرم لحاظ رکھتی ہو، میں تمہارا شوہر ہوں، تمہارا لباس۔" وہ پھر قہقہہ لگا کے ہنسا۔ ایمان کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔ فرجاد کو غصہ آگیا۔

"تم مجھے بہت بور کر رہی ہو۔" اس نے فوراً" ہی اگلا جرم داغا۔

"آئم سوری۔" ایمان کو ناچار اپنے ناکردہ جرم کی معافی مانگنی پڑی۔

"سنو۔۔۔ اگر میرے ساتھ خوش رہنا ہے تو میری ہاں میں ہاں ملانی ہوگی تمہیں۔ اوکے۔" وہ انگلی اٹھا کے وارن کر رہا تھا۔

"جی۔۔۔"

"مجھے زبان چلانے والی عورتیں پسند نہیں ہیں۔ سمجھ گئیں؟"

"جی سمجھ گئی۔"

"اور مجھے صرف جی حضوری کرنے والی عورتیں بھی پسند نہیں۔"

"جی۔۔۔" ایمان کا جھکا سر جھٹکے سے اٹھا۔ شخصیت کا اتنا کھلا تضاد۔

"لیکن ابھی تو آپ نے کہا کہ آپ کو ہاں میں ہاں ملانے والی۔۔۔" ایمان کا حیرت سے فقرہ ہی ادھورا رہ گیا۔

"اچھا بس کرو، فضول باتیں نہ کرو۔" اس نے اکتا کر کہا۔ پھر اس نے جیب سے ایک نیلے رنگ کا مخملی کیس نکالا۔ اس میں جڑاؤ کنگن تھا۔ فرجاد نے بہت نرمی سے اس کی کلائی میں پہنایا۔

"کافی اچھی پسند ہے میری۔۔۔ دیکھو کتنا خوب صورت کنگن خرید کے لایا ہوں میں تمہارے لیے۔"

ایمان کو دوسری بار تعریف کے اس انداز پر جھٹکا لگا۔ خاصا خود پسند شخص تھا احساس برتری جس میں کوٹ کوٹ کے بھری تھی۔

"تمہیں اچھا نہیں لگا کیا؟" اس نے حیرت سے پوچھا تو ایمان نے جھٹ نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر۔۔۔" تیکھے ابرو اچکائے گئے۔

"بہت اچھا ہے۔" ایمان نے اٹکتے ہوئے جملہ مکمل کیا۔ اسے فرجاد کی خود پہ جمی نگاہوں کا مطلب بالکل بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"ہوں۔" کافی پرسوچ انداز میں لمبا ہنکارا ابھر آگیا۔ وہ اضطرابی انداز میں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں جکڑ رہا تھا۔ کبھی انہیں مروڑنے لگتا۔ ایمان نے اس کے اضطراب چھلکاتے انداز و اطوار کو ناپسندیدگی سے دیکھا۔ کچھ تھا جو اسے کافی دیر سے بے چین کر رہا تھا۔

"سنو۔" وہ اٹھ کے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ جیسے کسی بات نے اسے بہت پریشان کر دیا تھا۔

"اگر میرے ساتھ خوش رہنا چاہتی ہو تو کبھی میری لائی چیز کی تعریف کرنے میں کنجوسی سے کام مت لینا۔" وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔ اس کے بعد انگریزی کا طوفان تھا جو اس کی زبان سے تیز دھار فوارے کی مانند برسنے لگا تھا۔ اسے کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا۔

"اٹھو۔۔۔ اور جا کے چینج کر کے آؤ۔" یک دم وہ بولا تھا۔ ایمان خاموشی سے واش روم کی جانب بڑھ گئی۔

واپس آئی تو وہ وہیں کھڑا تھا۔ ایمان ہلکے گلابی رنگ کے شلوار کرتے میں تھی۔

"جو لک تمہارا ہے۔ بالکل ہی اولڈ فیشن ہے۔ تمہیں خود کو چینج کرنا ہوگا۔ اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو۔۔۔ خیر صبح دیکھیں گے۔ فی الحال تو مجھے نیند آرہی ہے۔ آجاؤ۔۔۔" وہ یہ سب نہ بھی بولتا تب بھی ایمان کو بہت کچھ سمجھ میں آگیا تھا۔ وہ کسی طور پر بھی فرجاد کے معیار پر پوری نہیں اتری تھی۔ اس کا اندازہ قدم قدم پر ہونے والی تذلیل نے اسے بخوبی کروا دیا تھا۔ اس کی قسمت عجیب تھی اور سہاگ رات عجیب تر۔۔۔

☼ ☼ ☼

فرجاد کے ساتھ اسے اپنے ازدواجی تعلق کی نوعیت کی سمجھ کبھی نہیں آئی تھی۔ ولیمہ کے روز ہی اس کے بال کاٹ دیے گئے اور شادی کے تیسرے ہی دن اسے شہر کے مہنگے اور مشہور انسٹی ٹیوٹ میں مختلف کورسز کروائے جانے لگے۔ ساتھ ہی جم انسٹرکٹر کو ہائر کرلیا گیا۔ فرجاد کو اسے اپنی پسند میں ڈھالنا تھا۔ اس کی کیا خواہش تھی۔ فرجاد کو اس سے غرض نہ تھی۔

ایمان نے بہت خاموشی سے اپنے اندر کچھ ٹوٹنے اور مرتے محسوس کیا تھا۔ اس کے لبوں پر ایک جامد چپ لگ گئی۔ فرجاد بہت باتونی شخص تھا۔ خود ہی بولتا خود ہی اپنی کہی باتیں رد کر دیتا۔ شادی کے چھ ماہ کے عرصے میں ایمان انگلیوں پہ گن کے بتا سکتی تھی کہ وہ دو سے تین مرتبہ ہی اپنی کوئی بات کہہ پائی ہوگی۔ اس پر بھی فرجاد کو شدید اختلاف ہوتا تھا۔ ایمان اندر باہر سرتا پیر بدل گئی۔ والدین اسے دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتے۔ تایا، تائی گہرائی میں نہیں پڑے۔ وہ بس اسے اپنے گھر بار کا کرکے خوش تھے۔ عدیم نے جو شرمندگی ان کے چہرے پر کالک بنا کے ملی تھی۔ وہ فرجاد کے ساتھ ایمان کو بیاہ کے انہوں نے دھولی تھی۔

فرجاد ایک متلون مزاج بندہ تھا۔ کسی وقت اسے چائے کی طلب ہوتی۔ ایمان چائے لے کر آتی تو اسے آئس کریم کی خواہش ہونے لگتی۔ ایمان آئس کریم لاتی تو وہ بیٹھا ٹھنڈی چائے کے مزے لوٹ رہا ہوتا۔ کبھی ایمان کو اسے سرمئی رنگ میں دیکھنے کی خواہش ہوتی۔ ساتھ میں لائٹ میک اپ۔ ایمان حکم کی تعمیل کرتی تو اسے اچانک یاد آتا کہ کتنے دنوں سے اس نے ایمان کو ریڈ کلر کی ساڑھی میں نہیں دیکھا۔ اگلے پل وہ ایمان کو زچ کر دیتا سرخ رنگ کی ساڑھی پہننے کو۔ روز اسے آفس جاتے وقت ہالی ووڈ کی فلموں کی سی ڈیز کا ڈھیر دے جاتا اور واپسی پر اسے ان فلموں کے خاص ڈائیلاگز اسی انداز اور لب و لہجے میں ایمان سے سننے بھی ہوتے۔ وہ ایمان کو کیا بنانا چاہتا تھا۔ ایک فیشن ڈول یا ایک ماڈل، وہ کبھی سمجھ نہیں پائی۔ گزرتے وقت میں ایمان نے خود کو ماڈل سے روبوٹ بنتے دیکھا تھا۔ اس کا صرف ظاہر ہی نہیں بدلا تھا اس کا باطن بھی بدل گیا تھا۔ عدیم دیکھتا تو حیرت سے پاگل ہو جاتا۔ جیسے ایمان ہوگئی تھی۔

شدید سردی میں وہ اس کے ساتھ بائیک پر رات کو قلفی کھانے کے لیے مچل اٹھتا۔ گرم گرم بستر سے اٹھ کے جانا ایمان کو موت محسوس ہوتا۔ مگر اسے کچھ کہنے کی اجازت کہاں تھی۔ اس کے کچھ کہنے کا مطلب تھا۔ فرجاد کی کئی دن کی ناراضی، بھوک ہڑتال اور طنز و تشنیع ایمان سردی سے سن پڑ جاتی۔ کپکپاتے کہرے میں اسے قلفی کھلائی جاتی اور ساتھ ہزاروں کی تعداد میں گالیاں۔۔۔ جو اس کے خاموش رہنے پر دی جاتیں۔

"تم ایک احمق عورت ہو جو میرے پلے باندھ دی گئی ہو۔" فرجاد چڑنے لگتا۔

"انتہائی نااہل، جو شوہر کو خوش رکھنا نہیں جانتی۔" مزید گوہر افشانی کی جاتی۔

"کتنی بدصورت ہو تم۔۔۔ بد مزاج بھی، تم قابل کہاں تھیں میرے۔" وہ اس کی خاموشی۔ آخر میں چلانے لگتا۔ ایمان خواہش کے باوجود کبھی کہہ نہیں پائی کہ وہ واقعی تم جیسے شخص کے قابل نہیں ہے۔ جسے محبت نہیں کرنا آئی۔ خواہشوں کا احترام کرنا نہیں آتا۔ جسے احساس کرنا نہیں آتا اور سب سے بڑی بات جسے مقابل کو بولنے کا اور اسے سننے کا حق دینا نہیں آتا۔ مگر

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ کچھ بھی نہیں بول پائی' گھر بنائے [illegible] نے زبان کو کہیں گروی رکھ دیا تھا۔ مگر خوشی تو پھر بھی نہیں ملی تھی۔

تائی کی زبانی سنا تھا کہ عدیم خاصا خوش ہے۔ مہنگا گھر' گاڑی' بینک بیلنس' خوب صورت ہم مزاج بیوی دنیا کی تمام نعمتوں سے مالا مال ہے۔ ایمان کو عدیم پر رشک آتا۔ اس نے بروقت اپنی خوشیوں اور خواہشوں کے لیے زبان کھولی تھی۔ آج آسودہ حال تھا۔ ایمان کو خود پہ رونا آتا اور بے شمار آتا۔

"یہ کیا' ہروقت رونی صورت بنائے رکھتی ہو منحوس عورت!" جس دن وہ روتی' فرجاد کا گھر میں داخل ہوتے ہی پہلا جملہ یہ ہوتا۔

"کون مرگیا ہے تمہارا۔ بولتی کیوں نہیں ہو تم۔" ایک دن وہ اس کی خاموشی سے چڑ گیا۔ ایمان نے اپنی سسکی دبائی۔

"تمہیں میری زندگی میں شامل کرکے میرے والدین نے مجھے زندہ ہی جہنم رسید کردیا ہے۔" وہ بول نہیں پھنکار رہا تھا۔ ایمان کو اس روز پہلی بار فرجاد میں عدیم کی جھلک نظر آئی۔ وہی نفرت' ویسی ہی بے زاری۔ مگر یہ سب بند کمرے میں ہوتا۔ سب کے سامنے وہ ایمان کا والہ و شیدائی تھا۔ ایمان اس کی متضاد شخصیت کو کبھی سمجھ نہیں پائی۔ دو سال وہ اس کے ساتھ رہی اور دو سال میں ایک دن بھی وہ ایمان سے متاثر نہیں ہوپایا۔ کبھی اس کی تعریف نہیں کی۔ محبت کا اظہار تو بہت دور کی بات تھی۔ ہاں مگر جب وہ امریکا جارہا تھا پورے ایک سال کے لیے۔ تب اس کے ممّا' پاپا نے اس سے کتنا اصرار کیا تھا کہ وہ ایمان کو بھی ساتھ لے جائے۔ مگر وہ نہیں مانا تھا اور جانے کیوں پہلی بار ایمان کا بھی دل چاہا وہ اس سے فرمائش کرے کہ اسے بھی ساتھ لے جائے۔ مگر وہ دل کی دل میں ہی دبا گئی۔ کچھ نہ بولی' حتیٰ کہ اس کے جانے کا دن آگیا۔ جاتے وقت وہ اس کے پاس آیا۔ مسکرا کے اسے دیکھا اور تب ان دو سالوں میں پہلی مرتبہ ایمان کو اعتراف تھا کہ ایمان نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے ایک عجیب سی روشنی دیکھی تھی۔ ایمان سمجھ نہیں پائی۔ مگر وہاں ایک نرمی کا تاثر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے اسی نرمی سے اس کے گالوں کو دونوں ہاتھوں سے چھوا تھا۔

ایمان کو عجیب سا محسوس ہوا۔ اس نے بے اختیار فرجاد کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور جیسے اس لمحے کو قید کرنے کی کوشش کی۔

"تم ایک اچھی اور صابر لڑکی ہو۔ ہمیشہ ایسے ہی رہنا اور ایسے ہی صبر کا مظاہرہ کرنا۔ تم بہت مضبوط لڑکی ہو' تمہیں ہرانا آسان کام نہیں ہے۔ میں نے تمہیں بہت تنگ کیا۔ مگر میں مجبور تھا۔ میں کبھی تم سے محبت نہیں کرپایا۔"

ایمان کو اپنی سانسیں ٹوٹتی محسوس ہوئیں۔

پھر وہ چلا گیا۔ ایمان کو اس کی باتیں سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔ مگر جب آئیں' تب تک پانی سر سے اونچا ہوکے گزر گیا تھا اور ایمان کا سب کچھ بہہ گیا۔

اسے ایک بار پھر عدیم جیسے مرد نے ڈس لیا تھا۔ اس کی ذات کا غرور خاک میں ملا۔ تو وہ ریزہ ریزہ ہوگئی۔ کیا کبھی کسی کے ساتھ ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی کڑی سزا پائے۔ ایمان کو حیرت ہوتی۔ کتنے احترام سے فرجاد نے اسے اجاڑ دیا تھا۔ عدیم نے جو کچھ کیا۔ ایمان برداشت کرگئی تھی۔ مگر فرجاد کا کیا' ایمان سہہ نہیں پائی تھی۔ اس نے بہت خاموشی سے کسی امریکن لڑکی سے جاکے شادی کرلی تھی اور ستم یہ ڈھایا کہ بغیر کسی وجہ کے ایمان کو اپنی زندگی سے خارج کردیا۔

کیا وہ واقعی کسی قابل نہیں تھی کہ کوئی ایک مرد ہی اس سے محبت کرپاتا یا کسی ایک مرد کی ہی ضرورت بن پاتی۔ کمزوری تو خیر بہت بڑی بات تھی۔ دو سال وہ فرجاد کے ساتھ رہی۔ اس کی ہر بات کو حکم کا درجہ دیتے تعمیل کی۔ اسے حتی الامکان خوش رکھنے کی کوشش بھی کی۔ مگر کیا ایک دن بھی فرجاد نے اس کے ساتھ انس محسوس نہ کیا ہوگا۔ مزے کی بات یہ کہ فرجاد شرمندہ و پشیمان بھی نہیں تھا۔ اس کے بقول ایمان سے شادی اس نے ماں' باپ کی رضا کی خاطر کی تھی۔

تب وہ باپ کا محتاج تھا۔ اب ایسی کوئی مجبوری نہیں تھی۔ وہ اپنی پسندیدہ زندگی شروع کرسکتا تھا۔ سو وہ کسی فالتو شے کی مانند ڈسٹ بن میں پھینک دی گئی ماں غم سے پتھر ہوگئی۔ وہ تو اپنی بیٹی میں آتی تبدیلی دیکھ کے سمجھ رہی تھی۔ کہ شاید امیروں کے چونچلے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کم بولنا' کم ہنسنا۔ اسے کیا خبر تھی کہ بیٹی اپنے اندر غموں کے پہاڑ دبائے پھر رہی ہے۔ تایا' تائی اس برف کے مجسمے کو سینے سے لگا کے ڈھیر سارا روئے۔ وہ دوسری بار شرمندہ ہوئے تھے۔ مقام حیرت پہلے کی طرح اب بھی کوئی شکوہ نہ کیا گیا۔ بس اسے ایمان کا نصیب سمجھ کر قبول کرلیا گیا۔ ایمان کے اندر کیا تھا۔ کسی کو خبر نہ ہوسکی' اس نے چپ کی صبر والی ردا اوڑھ لی' جو اس کا سارا وجود چھپا گئی۔ مگر آنکھوں کی ویرانی' سوکھا پن دیکھنے والوں کی آنکھوں میں دراڑیں ڈال دیتا۔

☼ ☼ ☼

چھ ماہ وقت کے کشکول میں آہیں بن کے گرے۔ سب نے ایمان کے نصیب سے سمجھوتا کرلیا تھا۔

تب ہی ایک شام بغیر بتائے عدیم چلا آیا۔ نڈھال' پژمردہ اور ویران۔۔۔ دروازہ ایمان نے ہی کھولا تھا۔ دونوں کی نظریں آپس میں لحہ بھر کو ملیں۔ عدیم نے ان آنکھوں کا پتھریلا پن لمحوں میں نوٹ کرلیا۔ وہ بہت بدل گئی تھی۔ اداسی اس کے وجود کو حسین بنا گئی تھی۔

"کیسی ہو ایمان۔" ایمان نے اس کے لہجے میں بے تابی محسوس کی۔ ایمان کا دل چاہا وہ اسے جواب نہ دے۔ کلام بھی نہ کرے۔ اسے دیکھے بھی ہرگز نہیں۔ مگر۔۔۔ وہ یہ سب نہیں کرسکی۔

"ٹھیک ہوں۔" اختصار سے کام لیتے وہ دروازے سے ہٹ گئی۔ گھر بھر میں ایک بھونچال آگیا۔ وہ اکیلا کیوں آیا تھا۔ وہ تو اتنا آسودہ حال تھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں ویرانیاں وحشت بن کے کیوں چکراتی پھر رہی ہیں مگر حیران ہونے والے یہ بھول رہے تھے۔ کہ کسی کا دل اجاڑ کے اس کی قبر پہ اپنی خوشیوں کی عمارت تعمیر نہیں کی جاسکتی۔ عدیم بھی نہیں کرسکا۔ جس سراب کے وہ پیچھے بھاگا تھا۔ اس نے اسے صحرا کی ریت پھانکنے کو دی تھی۔ ماریہ اس کے ساتھ نوکروں سے بھی بدتر سلوک رکھتی تھی۔ عدیم بہت موڈی اور نخریلا تھا۔ ماریہ نے اس کے سارے کس بل نکال دیے تھے۔ ایک بار غصے میں عدیم نے اسے تھپڑ مارا تھا اور پھر چھ ماہ تک وہ جیل میں بھی سڑتا رہا تھا۔ کسی نے اس کی ضمانت نہیں کروائی تھی۔ بالآخر اس نے ماریہ کی ہی منت سماجت کی اور دوبارہ کبھی اس پر ہاتھ نہ اٹھانے کا پیپر بھی لکھ کردیا تھا۔ تب کہیں جاکر اس کی خلاصی ممکن ہوئی تھی۔ عدیم کا بچہ بھی اس نے گرادیا تھا۔

"میں کبھی بھی تمہارے جیسے خود غرض' کم ظرف اور مطلبی شخص کی اولاد پیدا نہیں کروں گی۔ کیونکہ میں کبھی بھی نہیں چاہوں گی کہ کوئی دوسرا عدیم پیدا ہو اور پھر کسی ماریہ کا نصیب پھوٹے۔" انگریزی لب و لہجے میں وہ پھنکاری تھی۔

عدیم سکتے میں رہ گیا تھا۔

"تم کسی سے محبت نہیں کرسکتے عدیم۔۔۔ تم اپنے آپ سے محبت کرنے والے ایک خود غرض انسان ہو۔" پھر اس نے عدیم کو اپنی زندگی سے نکالنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔ عدیم بہت اونچائی سے گرا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اتری غرور کی دھند چھٹ گئی۔ سب صاف اور واضح ہوگیا۔ وہ خود سے بھی نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا تھا۔ ماریہ کے ساتھ زندگی گزارتے اسے کئی بار ایمان یاد آئی۔ اسے ایمان کی شادی کا بالخصوص بتایا گیا تھا کہ شہر کے سب سے بڑے انڈسٹریلسٹ کے بیٹے سے اس کا بیاہ بہت دھوم دھام سے ہوا ہے اور وہ بہت خوش ہے۔

اور اب اس نے دیکھا' ایمان واقعی میں بہت بدل گئی تھی۔

خوب صورت' طرح دار۔۔۔ مگر اسے ایمان کی آنکھوں میں ایک درد سا بھی نظر آیا تھا۔ وہ اس کے غم اس کے ساتھ مل کے رونا چاہتا تھا۔ مگر ایمان نے اپنی

ذات کے گرد اتنی کڑی اور اونچی فصیلیں تعمیر کی ہوئی تھیں کہ وہ باوجود کوشش کبھی ان فصیلوں کو پاٹ نہیں سکا۔

☼ ☼ ☼

وہ ماں کی گود میں سر رکھے لیٹا تھا۔ تائی اس کے بالوں میں آہستگی سے انگلیاں پھیر رہی تھیں۔ ایمان نے دروازے میں اپنے قدم رکھے مگر عدیم کو دیکھ کر وہ پلٹنے لگی کہ تائی نے پکار لیا۔

"ایمان کہاں جا رہی ہو' اندر آؤ نا بیٹے۔"

"میں بعد میں آجاؤں گی تائی۔ ابھی مصروف ہوں۔" اس نے عذر تراشا۔ مگر عدیم جانتا تھا۔ وہ صرف اس کی وجہ سے آنے میں متامل ہے۔ تائی نے اصرار نہیں کیا۔ وہ پلٹ گئی۔ "تم نے بہت غلطی کی عدیم! ایمان جیسے ہیرے کی قدر نہ کر کے۔"

"خطا کار کو ایک موقع تو اور دینا ہی چاہیے نا ماں۔" عدیم لہو آنکھوں میں لیے ماں کو دیکھ رہا تھا۔

"میں تمہارے لیے دعا کروں گی۔ مگر ایک بات مت بھولنا عدیم! ایمان جو بھی سلوک کرے۔ وہ تمہارے کیے سے کم ہی برا ہوگا۔"

"جانتا ہوں ماں۔" عدیم دوبارہ گود میں سر رکھ کے لیٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

اور وہ پچھلے ڈیڑھ سال سے معافی کے انتظار میں تھا۔ ایمان اس کے سارے کام کرتی مگر اپنے ذات کے اندر اسے جھانکنے کا موقع ہرگز نہ دیتی۔ وہ تھکا نہیں تھا۔ ایمان کا ہر فعل عدیم کے ارادے کو مضبوط کرتا۔ تایا' تائی ایک بار پھر اس کے گھر مٹھائی لے کر پہنچے تھے۔ کسی کو کیا اعتراض ہونا تھا۔ اب کی بار تو وہ زیادہ خوش تھے۔ دو اجڑے لوگوں کا دوبارہ گھر بسانا ان کے دیرینہ خواب کی تکمیل ہو رہی تھی۔ عدیم خوش تھا۔ وہ ایمان کے ساتھ اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کرنے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ وہ اس سے معافی مانگے گا اور اس سے بے پناہ محبت کرے گا۔ لیکن اسے حیرت نہیں دھچکا لگا تھا۔ ایمان سب کے سامنے رشتے سے انکار کر کے باہر چلی آئی۔ تایا' تائی گم صم سے بیٹھے رہ گئے۔

تھوڑی دیر بعد شرمندہ شرمندہ سا وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ دروازے سے نکلا تو ایمان ٹیرس پر کھڑی نظر آئی۔

وہ آہستگی سے بنا چاپ پیدا کیے آگے بڑھا تھا۔ ایمان اسے دیکھ کے جانے لگی تو اس نے سرعت سے ایمان کا بازو تھام لیا تھا۔ اسے خود بھی ایک بار ایمان سے بات کرنی تھی۔

"پھانسی پر چڑھائے جانے والے کی بھی آخری خواہش کا احترام کیا جاتا ہے ایمان! تم تو مجھ سے میرا وہ حق بھی چھین رہی ہو۔" عدیم کے لہجے میں درد تھا۔

"میں اپنی صفائی میں کچھ نہیں بولوں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میں تم پر اپنا اعتبار کھو چکا ہوں۔ مگر پھر بھی اتنا کہوں گا ایمان کہ مجھے صرف ایک موقع دے دو ازالہ کرنے کے لیے ... میں تمہارے تمام دکھوں کا مداوا کر دوں گا۔ ہم دونوں مل کر مضبوط آشیانے کی بنیاد ڈالیں گے۔ اور ..."

"بس ہو گئی آپ کی تقریر ختم ..." ایمان ہاتھ اٹھا کے اسے ٹوک گئی۔

"ایمان ... میں ..."

"مسٹر عدیم حیات ... نہیں بھول سکتی میں وہ شام جب میری خودی' میری نسوانیت کا غرور آپ کی وجہ سے خاک میں ملا تھا۔ صرف آپ کی وجہ سے زندگی مجھ سے منہ موڑ گئی۔ آپ کی وجہ سے نہ میں اپنا اعتماد کھوتی' نہ میرے ماتھے پہ یہ طلاق کا ٹیکا لگتا۔ آپ مجھے پہلے اپنے قابل نہیں سمجھتے تھے۔ آج میں کہتی ہوں کہ آپ میرے قابل نہیں ہیں۔"

وہ حلق کے بل پوری قوت سے چلائی تھی۔ پھر نیچے بیٹھ کے منہ پہ ہاتھ رکھ کے دھاڑیں مار مار کے رونے لگی۔ عدیم حیرت کے عالم میں اسے بولتے دیکھتا رہا تھا۔ اسے چپ بھی نہ کرا سکا' پھر تھکے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

سیہ کار

قرۃ العین خرم ہاشمی

"کہاں مر گئے ہیں سارے' وے فرید' وے کمالے بوڑھی ماں کو اکیلا چھوڑ کر کدھر رہ گئے ہو۔" بے بے کی آوازیں' رات کے اندھیرے کو چیرتی ہوئی کلثوم کے کانوں تک بہ آسانی پہنچ رہی تھیں۔ مگر وہ بے حس و بے پروا پڑی سنتی رہی۔

"کتنا گھپ اندھیرا ہے۔ میری لاٹھی بھی نظر نہیں آرہی ہے۔ جوتی بھی پتا نہیں کہاں پڑی ہے۔ سوتے ہوئے تو یہاں ہی اتار کر رکھی تھی۔"

اسی سالہ بے بے اندھیرے میں ہاتھ ہلاتی اپنی لاٹھی اور جوتی کو ڈھونڈ رہی تھی۔ اس نے صحن کے کونے میں بنے واش روم تک جانا تھا۔ مگر بے بے کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا اندھیرے میں۔ اسی لیے وہ اپنے دونوں بیٹوں فرید اور کمال عرف کمالے کو آوازیں دے رہی تھی۔ جب ان کی طرف سے کوئی

جواب نہ آیا تو اپنی دونوں بہوؤں فرخندہ اور کلثوم کو پکارنے لگی۔

ان کو پکارتے وقت بے بے یہ بھول چکی تھی کہ بڑا بیٹا فرید اپنی بیوی بچوں کے ساتھ اپنے سسرال گیا ہوا ہے۔ اس کی سالی کی شادی تھی۔

جبکہ چھوٹا بیٹا کمال عرف کمالے، آج رات گھر ہی نہیں آیا تھا۔ اس کی وجہ بھی بے بے ہی تھی۔ دوپہر کے وقت جب کمال کھانا کھانے گھر آیا تھا اور کلثوم ہنستے مسکراتے ہوئے اسے کھانا پیش کر رہی تھی۔ بے بے سے دونوں کا سکون نہیں دیکھا گیا اور اس نے کلثوم کی جھوٹی سچی شکایتیں لگانی شروع کردی تھیں۔ جسے سن کر کمالے کا موڈ آف ہو گیا تھا اور وہ غصے میں روٹی چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس وقت سے کلثوم بھی منہ پھلائے ہوئے پھر رہی تھی۔

"اے اللہ! تو ہی میری سن لے۔" تنگ آکر بے بے نے دہائی دی۔

"اونہہ۔۔۔۔" کہہ کر کلثوم نے کروٹ بدلی اور رضائی کے اندر منہ کرلیا۔

☼ ☼ ☼

چھوٹے سے اس گاؤں میں بمشکل بیس سے پچیس گھر ہوں گے۔ سب ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ سب کے دکھ سکھ سانجھے تھے۔

اس گاؤں میں زیادہ سہولتیں نہیں تھیں۔ بجلی یہاں تک ضرور پہنچی تھی مگر کئی کئی گھنٹوں کی لوڈشیڈنگ کے بعد ہی آتی تھی۔ وہ بھی بہت تھوڑی دیر کے لیے۔

گیس کی جگہ ابھی بھی یہاں لکڑیاں ہی استعمال ہوتی تھیں۔ ہاں، کچھ گھرانے جو خوش حال تھے جن میں سے ایک گھر بے بے کا بھی تھا۔ وہاں گیس سلنڈر بھی موجود تھے۔ جو بہت کم ہی استعمال ہوتے تھے۔ صحن کے کونے میں پکا واش روم بھی بنا ہوا تھا۔ بے بے کا گھر دو منزلہ اور کافی وسیع تھا۔ وسیع صحن تھا۔ جس کے بائیں طرف مرغیوں کے ڈربے کے ساتھ ساتھ کچھ بکریاں اور دو عدد بھینسیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔

اوپر والی منزل پہ بڑا بیٹا فرید اپنی بیوی فرخندہ اور پانچ بچوں کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔

بے بے اپنے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے کمال اور اس کی بیوی کلثوم کے ساتھ رہتی تھی۔ جن کی شادی کو ابھی صرف چھ مہینے ہی ہوئے تھے۔ یہ کمالے کی پسند کی شادی تھی۔ کلثوم بے بے کی بھتیجی تھی۔ ان سے کچھ گھر چھوڑ کر ہی کلثوم کے ابے کا گھر تھا۔ بے بے کا بھائی کافی غریب تھا اور اوپر سے پانچ بیٹیاں، بیٹا کوئی تھا نہیں۔ اس طرح کمالے کے رشتے کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ ویسے بھی اس میں کوئی عیب بھی نہیں تھا۔ اونچا لمبا گبھرو جوان تھا۔ اپنا گھر تھا۔ کھیت تھے۔ جن کی پیداوار بہت اچھی تھی۔ آٹھ جماعتیں پاس تھا اور سب سے بڑی بات وہ کلثوم کو بہت پسند کرتا تھا۔

کلثوم سانولی، سلونی سی جاذب نظر لڑکی تھی۔ سب بہنوں میں بڑی۔ سمجھ دار اور سلیقہ مند۔ چپکے چپکے وہ بھی کمالے کو بہت پسند کرتی تھی۔ مگر وہ اپنی پھوپھی کی تنگ مزاجی سے بھی بہت اچھی طرح واقف تھی۔ بے بے کا ارادہ اپنی بہن کی طرف تھا۔ کیونکہ بے بے کی بہن زمین داروں کے گھر بیاہی ہوئی تھی اور اس کی اکلوتی بیٹی بہت جہیز لاتی۔

مگر جب کمالے نے بے بے کو اپنے دل کی خواہش بتائی تو ایک لمحے کے لیے وہ سوچ میں پڑ گئی۔ وہ بہت اچھی طرح کمالے کی ضدی فطرت سے آگاہ تھی۔ وہ ایک بار جو ٹھان لیتا تھا۔ وہ کر کے چھوڑتا تھا۔ پھر بے بے جہاں دیدہ عورت تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ پہلی محبت کا خمار اسی طرح سر کو چڑھتا ہے، جس میں نہ کچھ سجھائی دیتا ہے اور نہ دکھائی دیتا ہے۔

کمالے کو بھی محبت کا نیا نیا بخار ہوا تھا۔ بے بے جانتی تھی کہ وہ کتنا بھی لڑے، جھگڑے، ماننی اسے آخر میں کمالے کی ہی تھی۔ پھر کیوں وہ منع کرکے اس کے سامنے بری بنتی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی بے بے اپنے بھائی کے گھر رشتہ ڈال آئی۔ جسے فوراً" منظور کرلیا گیا۔ بھائی کی نظر میں بھی بہن کی قدر اور بڑھ گئی کہ جس

نے غریب بھائی کی ایک ذمہ داری کم کردی اور دوسری طرف کمالے کا دل مزید ماں کی محبت و تکریم سے لبریز ہو گیا کہ اس کی ماں نے اسے دل کی خوشی عطا کی ہے۔

شادی بخیر و عافیت ہو گئی۔ کمالے اور کلثوم ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش تھے۔ کمالے کی محبت اور وارفتگی کلثوم کو آسمان پہ لے گئی۔ وہ ہر وقت اڑی اڑی سی پھرتی۔ اس کی چال میں عجیب ترنگ سی ہوتی۔

بے بے بہت گہری نظروں سے سب دیکھتی۔ بیٹے کی اتنی دیوانگی دیکھ دیکھ کر اندر ہی اندر کھولنے لگتی۔

بے بے کا رویہ کلثوم کے ساتھ بہت سخت تھا۔ پہلی بہو فرخندہ، غیر برادری کی تھی۔ جسے بے بے نے تگنی کا ناچ نچایا تھا۔ مگر وہ بھی کم نہیں تھی۔ اپنی چالاکی اور مکاری سے اس نے شوہر کو بھی اپنے قابو میں کرلیا تھا اور بے بے کے ساتھ بھی پورا مقابلہ کرتی تھی اور بے بے کے شکایت لگانے سے پہلے ہی شوہر کے سامنے رو دھو کر سچی بن جاتی تھی۔

اسی وجہ سے فرید بھی بے بے سے کھنچا کھنچا رہتا تھا اور اوپر کا پورشن تعمیر کروا کے کمالے کی شادی سے کچھ پہلے وہاں شفٹ ہو گیا۔ بے بے کو اندازہ ہو چکا تھا کہ بڑا بیٹا ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اسی لیے وہ کمالے کو اپنے ہاتھوں میں رکھنا چاہتی تھی۔

وہ کمالے کے سامنے ایسے ظاہر کرتی تھی کہ جیسے وہ بہت اچھی ساس ہے، مگر کلثوم ہی ناسمجھ اور کم عقل ہے۔ اسی لیے گھر اور بے بے کا ٹھیک سے خیال نہیں رکھ پاتی ہے۔ پہلے پہل تو کمالے نے اثر نہیں لیا۔ مگر آخر کب تک۔ آہستہ آہستہ وہ بے بے کی باتوں میں آنے لگا وہ بلاوجہ ہی کلثوم کے ساتھ تلخ ہونے لگتا۔ وہ غصے کا تیز تھا۔ اسی لیے فوراً" رد عمل کا اظہار کرتا۔ مگر جب غصہ اتر جاتا تو پھر وہی پہلے والا کمال بن جاتا۔ جس کی محبت کا نشہ کلثوم کو پہروں مگن رکھتا تھا۔

کلثوم، کمالے کے دھوپ چھاؤں جیسے مزاج سے واقف ہو چکی تھی۔ اسی لیے ہر ممکن کوشش کرتی کہ گھر میں کوئی ایسی اختلافی بات نہ ہو جائے جس سے بے بے کو موقع ملے اور وہ پھر سے کمالے کو اس سے بدظن کرنے کی کوشش کرے۔

مگر بے بے کو موقع نہیں چاہیے ہوتا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو موقع خود بنا لیتے ہیں۔

صبح کمالے کے جانے کے بعد بے بے اپنی باتوں کے تیروں سے کلثوم کو زخمی کرتی رہتی تھی۔ اس کا لہجہ بہت ہتک آمیز ہوتا تھا۔ کلثوم ہر کام بہت مستعدی سے کرتی۔ مگر بے بے پھر بھی اسے نکمی، سست اور کام چور کہتی تھی۔

محلے میں سے کوئی بھی بے بے کے پاس آجاتا تو وہ کلثوم کی برائیاں شروع کردیتی۔ کلثوم کی جٹھانی فرخندہ اس صورت حال سے بہت خوش ہوتی اور جلتی پہ تیل چھڑکتی رہتی۔ کبھی بے بے کی ہمدرد بنتی اور کبھی کلثوم کو باتوں ہی باتوں میں بہت کچھ کہہ جاتی۔

کلثوم اپنی اچھی اور صابر فطرت کی وجہ سے درگزر کردیتی تھی۔ کیونکہ اس کے نزدیک سب سے اہم اس کا شوہر کمالے اور اس کی خوشی تھی۔ وہ اپنے گھر کے لیے دل و جان سے اور خوشی سے کام کرتی تھی۔ بغیر ماتھے پہ شکن ڈالے۔

کلثوم کے لیے سب سے تکلیف وہ کمالے کی ناراضی یا لاتعلقی ہوتی تھی۔ وہ سب کچھ برداشت کرلیتی تھی ہنس کے۔ مگر کمال کی ذرا سی ناراضی اس کی جان پہ بن آتی تھی۔

اور اس کی یہ کمزوری بے بے جان چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

پچھلے کچھ دنوں سے شدید سردی پڑ رہی تھی۔ سورج کم کم ہی اپنا دیدار زمین کو کراتا تھا۔ اس ٹھنڈ اور کہرے میں بے بے کو شدید بخار چڑھ گیا۔ جو کافی دن رہا۔ اس دوران کلثوم نے دل و جان سے بے بے کی خدمت کی اتنی کہ ایک لمحے کے لیے بے بے بھی اپنے رویوں پہ شرمندہ سی ہو گئی۔ مگر وہی روایتی سوچ کہ کہیں بیٹا ہاتھ سے نہ نکل جائے وہ اپنی حرکتوں پہ واپس آگئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

کمالے بھی' اس دوران ماں کی پٹی سے لگا رہا۔ بے بے کا بخار تو اتر گیا۔ مگر کمزوری اور نقاہت بہت تھی۔ ساتھ ہی شدید ٹھنڈ' جوان بوڑھی ہڈیوں کے لیے اور بھی تکلیف دہ تھی۔ وہ بمشکل لاٹھی کے سہارے آہستہ آہستہ چلتی صحن کے کونے میں بنے باتھ روم تک جاپاتی تھی۔

سارا دن تو کلثوم ان کے ساتھ ساتھ ہوتی۔ ان کو سہارا دے کر باتھ روم لے جاتی۔ رات کو بھی وہ پوری طرح مستعد رہتی اور اس سے زیادہ کمالے کو ماں کا خیال رہتا۔ وہ رات کو اٹھ اٹھ کر بے بے کو دیکھتا۔ بے بے کا کمرہ کچھ ہٹ کر تھا۔ اسی لیے اسے فکر رہتی کہ بے بے آواز دیتی رہ جائے اور اسے پتا ہی نہ چلے۔ اس دن بے بے کی طبیعت کافی بہتر تھی اور کافی دنوں کے بعد دھوپ بھی نکلی ہوئی تھی۔ اسی لیے بے بے صحن میں بیٹھی دھوپ سینک رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ اپنی مرغیوں کو ادھر سے ادھر دانہ چگتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ مگر اس کا سارا دھیان اندر سے باہر جاتی کاموں میں مصروف کلثوم پہ تھا۔ جو جلدی جلدی کام نپٹا رہی تھی۔ تاکہ کمالے کے آنے سے پہلے فارغ ہو کر اس کے پاس بیٹھ سکے۔

کمالا دوپہر کی روٹی کھانے گھر آیا تو کلثوم کے چہرے پر چمک آگئی اور اس چمک نے بے بے کے اندر آگ لگادی۔

کمالے ماں کے پاس ہی بیٹھ گیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے کھانا کھانے لگا۔

"ویسے تو کلثوم میرا بہت خیال رکھتی ہے۔ مگر آج نجانے کیوں میری روٹی اتنی موٹی اور کچی بنائی کہ مجھ سے کھائی ہی نہیں گئی۔ حالانکہ اس کو اچھی طرح پتا ہے کہ میرے دانت سارے خراب ہیں۔ ٹھیک طرح سے روٹی چبائی بھی نہیں جاتی۔ بڑی مشکل سے تھوڑی سی کھائی ہے اور تب سے میرے پیٹ میں شدید درد ہے۔"

بے بے نے چہرے پہ مصنوعی تکلیف کے تاثرات سجاتے ہوئے کہا۔ روٹی کی طرف جاتا کمالے کا ہاتھ رک گیا۔ وہ پہلے ہی تھکا ہارا آیا تھا۔ بے بے کی بات سن کر ایک دم سے اسے غصہ آگیا ہے اور ایک ہاتھ سے ٹرے پرے کرتا ہوا غصے سے اٹھ گیا۔

"کلثوم..." کمالا غصے سے دھاڑا تو کچن میں گلاس میں لسی ڈالتی کلثوم کا ہاتھ لرز گیا اور لسی چھلک گئی۔

"یا اللہ خیر..." وہ کمالے کے غصے سے اچھی طرح واقف تھی۔ اسی لیے ڈرتی ڈرتی پریشان سی صحن کی طرف لپکی۔

"کیا ہوا کمالے۔" کلثوم نے کھانا جوں کا توں پڑا دیکھ کر فکر مندی سے پوچھا۔

"تجھے پتا بھی ہے اچھی طرح کہ میری بے بے بیمار ہے۔ تجھ سے ایک بیمار بندے کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ جان کر بے بے کو کچی اور جلی ہوئی روٹی بنا کر دی' تاکہ وہ بیمار ہو کر بالکل ہی چارپائی سے لگ جائے۔"

کمال نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

"مگر میں نے تو بالکل ٹھیک روٹی بنا کر دی تھی بے بے کو۔" کلثوم نے پریشانی سے وضاحت کی۔ اسی وقت کمالے کا ہاتھ اٹھا اور کلثوم کے چہرے پہ نشان چھوڑ گیا۔

"بکواس کرتی ہے۔ تیرا مطلب ہے کہ میری ماں جھوٹ بول رہی ہے۔"

کمال غصے سے بپھر گیا۔

"نہیں' میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ میں تو..." کلثوم چہرے پہ ہاتھ رکھے بے یقینی اور دکھ کی شدت سے ہکلا کر بولی۔

مگر اپنی بات مکمل ہی نہ کر سکی اور بے بسی اور ذلت کے شدید احساس کے ساتھ نیچے بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ اسے اس طرح روتے دیکھ کر کمالے کا غصہ' جھنجلاہٹ میں بدل گیا اور وہ پچھتاوے اور شرمندگی کے احساس کے ساتھ گھر سے نکل گیا۔

یہ سارا تماشا اس کی جٹھانی فرخندہ سیڑھیوں پہ کھڑی دیکھ رہی تھی۔ کلثوم روتے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی۔ وہ اپنی جٹھانی اور ساس کی آنکھوں میں تمسخر دیکھ چکی تھی۔

"مہارانی کے نخرے دیکھو۔ ارے مرد تو اس سے زیادہ بھی مار لیتے ہیں رو تو ایسے رہی ہے جیسے ماں مرگئی ہے۔"

بے بے کی زہریلی آواز کلثوم کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ تلملا اٹھی۔ غم و غصے نے ایک آگ سی اس کے اندر لگادی تھی۔ جی تو چاہا کہ ابھی جا کر کھری کھری سنا دے۔ مگر اچھی تربیت آڑے آگئی اور وہ کمرے میں بند ہی رہی۔

جٹھانی' ساس کے ساتھ تبادلہ خیال کرکے اپنے میاں اور بچوں کے ساتھ میکے سدھاری۔ پیچھے گھر میں بے بے اور کلثوم رہ گئے۔ شام کو کلثوم کمرے سے نکلی اور پھولے منہ کے ساتھ بے بے کو کھانا دے کر آگئی۔ کمالے نے ایک بچے کے ہاتھ پیغام بھجوا دیا تھا کہ وہ آج رات گھر نہیں آئے گا۔ ڈیرے پہ ہی رکے گا۔ کچھ دوست شہر سے آئے ہوئے ہیں۔

مگر کلثوم جانتی تھی کہ کمالا اپنی شرمندگی چھپانے کی وجہ سے گھر نہیں آرہا تھا۔ کلثوم نے بے دلی سے کچن سمیٹ کر لائٹ بند کی۔ اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ آج اس کے وجود کے ساتھ ساتھ سوچیں بھی زہریلی ہو رہی تھیں۔ بے بے کے خلاف غصہ اور عناد بڑھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات کا آخری پہر چل رہا تھا۔ جب کلثوم کی آنکھ بے بے کی آواز سے کھلی۔ پہلے تو وہ بے خیالی میں فوراً" اٹھی۔ مگر پھر دوپہر کا واقعہ ذہن میں لہرایا تو رک گئی۔ لائٹ حسب معمول کبھی کی جاچکی تھی۔ بے بے کے سرہانے موم بتی اور ماچس موجود ہوتی تھی۔ مگر شاید اندھیرے کی وجہ سے اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

کلثوم بے حس و حرکت بیٹھی اس کی پکار سنتی رہی۔ پھر رضائی میں دوبارہ گھس کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

"اچھا ہے... بے بے کو بھی پتا چلے۔ بہت زیادتی کرتی ہے میرے ساتھ۔" کلثوم نے تنفر سے سوچا اور آنکھیں بند کرکے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

"اے اللہ! تو ہی سن لے۔ کتنا اندھیرا ہے۔ جیسے جیتے جی قبر میں ڈال دیا ہو۔ اے میرے رب! میری پکار سن لے۔ بے شک تو ہی سننے والا ہے۔"

سب سے مایوس ہو کر بے بے اللہ سے ہمکلام ہو چکی تھی اور ہاتھوں سے ٹٹولتی ہوئی بستر سے اٹھ کر چلنے لگی۔

"اور اگر کبھی ایسا ہو کہ میں بھی اللہ کو ایسے ہی پکاروں' ایسے ہی مدد مانگوں اور وہ میری نہ سنے۔ میری ہر پکار کو ان سنا کردے تو..."

ایک سوچ سی اچانک ذہن میں ابھری تو کلثوم ایک دم سے چونک کر اٹھ بیٹھی۔

"بندے نہ سنیں تو گزارا ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ ہمیشہ ایک سہارا اول و آخر اس ذات کا رہتا ہے۔ اسی لیے ہم گر کر بھی بار بار سنبھل جاتے ہیں۔ مگر اللہ ہی ہم سے ایسے ناراض ہو جائے اور ہماری پکار کا جواب نہ دے۔ تو پھر ہم کہاں جائیں گے۔ ایسے تو ہمارے پاس زمین رہے گی نہ آسمان۔"

کلثوم بے اختیار اللہ کے خوف سے لرز گئی۔ جلدی سے اٹھ کر موم بتی جلائی اور بھاگتی ہوئی بے بے کے پاس پہنچی۔ جو ٹھوکر کھا کر گرنے ہی والی تھی۔ کلثوم نے جلدی سے اسے سہارا دیا اور آگے بڑھ کر اسے پلنگ کے ساتھ پڑی لاٹھی پکڑائی اور جوتی پاؤں میں پہنا کر سہارا دیتی باتھ روم تک لے آئی۔

بے بے مسلسل اسے کوستی جارہی تھی کہ اتنی دیر سے آئی ہے کب سے آوازیں دے رہی تھی۔

مگر کلثوم لبوں پہ مسکراہٹ سجائے سنتی رہی۔ اسی وقت لائٹ بھی آگئی۔ کلثوم بے بے کو دوبارہ اس کے کمرے میں لٹا کر ہر چیز پاس رکھ کر دھیرے دھیرے بے بے کی ٹانگیں دبانے لگی۔ بے بے اب چپ ہو چکی تھی۔ اس کے دل میں ہلکی ہلکی شرمندگی ہلکورے لینے لگی تھی۔ بلاوجہ ہی گھر میں لڑائی کروائی۔ کمالا بھی بغیر کھائے گھر سے چلا گیا۔ کلثوم کی زبانی ہی پتا چلا کہ کمالا رات کو گھر نہیں آیا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آنے دو کمالے کو، اچھی طرح خبر لوں گی۔ کوئی ایسے بھی بھلا اپنی بیوی کو مارتا ہے اور بجائے شرمندہ ہونے کے رات کو گھر ہی نہ آئے۔"

بے بے کو پینترا بدلتے دیکھ کر کلثوم دھیرے سے مسکرا دی۔

فجر کی اذانوں کی صدا بلند ہوئی۔ بے بے کی آنکھ لگ چکی تھی۔ کلثوم دھیرے سے اٹھی اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگی۔ دعا کے وقت اس کی آنکھیں بے ساختہ بھیگ گئیں۔

"اے میرے مولا! یہ تیرا کرم ہے کہ تو نے مجھے بروقت صحیح اور درست راستہ دکھایا۔ وقتی طور پر میرے دل و دماغ پر بھی منفی سوچیں حاوی ہو گئی تھیں۔

میرے رب! آج میں نے اپنے غصے اور تنفر کو ایک طرف رکھ کر بے بے کی پکار کا جواب دیا کہ جب جب مجھے تیری ضرورت پڑے اور میں تجھے پکاروں تو، تو میری پکار کو ضرور سنے۔"

کلثوم نے دعا مانگ کر جائے نماز تہ کی اور کچن کی طرف جانے لگی کہ اسی وقت دروازہ بجا۔

"کون ہے؟" کلثوم نے پوچھا۔

"میں ہوں کمال۔" کمال کی دھیمی سی آواز آئی اور کلثوم دروازہ کھول کر سائیڈ پہ ہو گئی اور اسے مکمل نظر انداز کیے کچن میں آ گئی۔ آٹا گوندھ کر ہاتھ دھو کر پیچھے مڑی تو کمالے کو دروازے پہ کھڑا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ جو شرمندہ شرمندہ سا کلثوم کے گال پہ انگلیوں کے نشان دیکھ رہا تھا۔

پھر ایک دم وہ آگے بڑھا اور کلثوم کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ کلثوم اس کے سینے سے آ لگی۔ وہ کلثوم کے بالوں پہ منہ چھپا کر بولا۔

"تم جانتی ہو کہ میں ایسا ہی ہوں۔ بہت برا، مگر تم بہت اچھی ہو اور میں اس اچھی لڑکی سے بہت محبت کرتا ہوں۔ جو میری سب خامیوں کو اپنی محبت کی چادر تلے چھپا لیتی ہے۔"

کلثوم اس کے خوب صورت اظہار پر مسکرا دی اور دھیرے سے اس سے الگ ہو کر آملیٹ کے لیے پیاز کاٹنے لگی پھر بولی۔

"بے بے کے پاس ہو آئیں۔ آپ کو یاد کر رہی ہے کافی دیر سے۔"

"تم... اب بھی مجھ سے ناراض ہو؟" کمالے نے کلثوم کو خاموش دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔ کلثوم نے ایک لمحہ کے لیے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ جس پہ پریشانی رقم تھی اور پراٹھے کے لیے پیڑا بناتے ہوئے بولی۔

"نہیں... اس لیے کہ مجھے پکار کا جواب دینا آ گیا ہے۔"

کلثوم نے ہاتھ بڑھا کر آنچ تیز کر دی اور پراٹھا توے پر ڈال کر اسے سینکنے لگی۔

کمال کلثوم کی بات سمجھ تو نہیں سکا تھا۔ مگر اس کے لیے یہ ہی کافی تھا کہ وہ ناراض نہیں ہے۔

"ناشتا لے کر کمرے میں ہی آ جانا۔ آج ہم مل کر ناشتا کریں گے۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ میری طرح تم بھی کل سے بھوکی ہو گی۔ تب تک میں بے بے دیکھ کر آتا ہوں۔"

کمالے نے کہا تو کلثوم نے اثبات میں سر ہلا دیا اور جلدی جلدی ہاتھ چلا کر ناشتا بنانے لگی۔

دوسری طرف بے بے کمالے کو ڈانٹ رہی تھی کہ کیوں اس نے چھوٹی سی بات پہ کلثوم پہ ہاتھ اٹھایا تھا۔ کمال سر جھکائے سنا جا رہا تھا۔ جب کلثوم نے ناشتا لگنے کی اطلاع دی۔

"یہ کایا کیسے پلٹ گئی؟" کمال نے حیرانی سے کلثوم کے ساتھ چلتے ہوئے دھیرے سے سوال کیا تو کلثوم مسکرا دی۔

"اس لیے کہ آج ان کے دل نے بھی سچ کی پکار پہ لبیک کہا ہے۔"

کلثوم نے دھیرے خود کلامی کی اور کمالے کے ساتھ ناشتا کرنے میں مصروف ہو گئی۔

☼

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAK...CIETY.COM

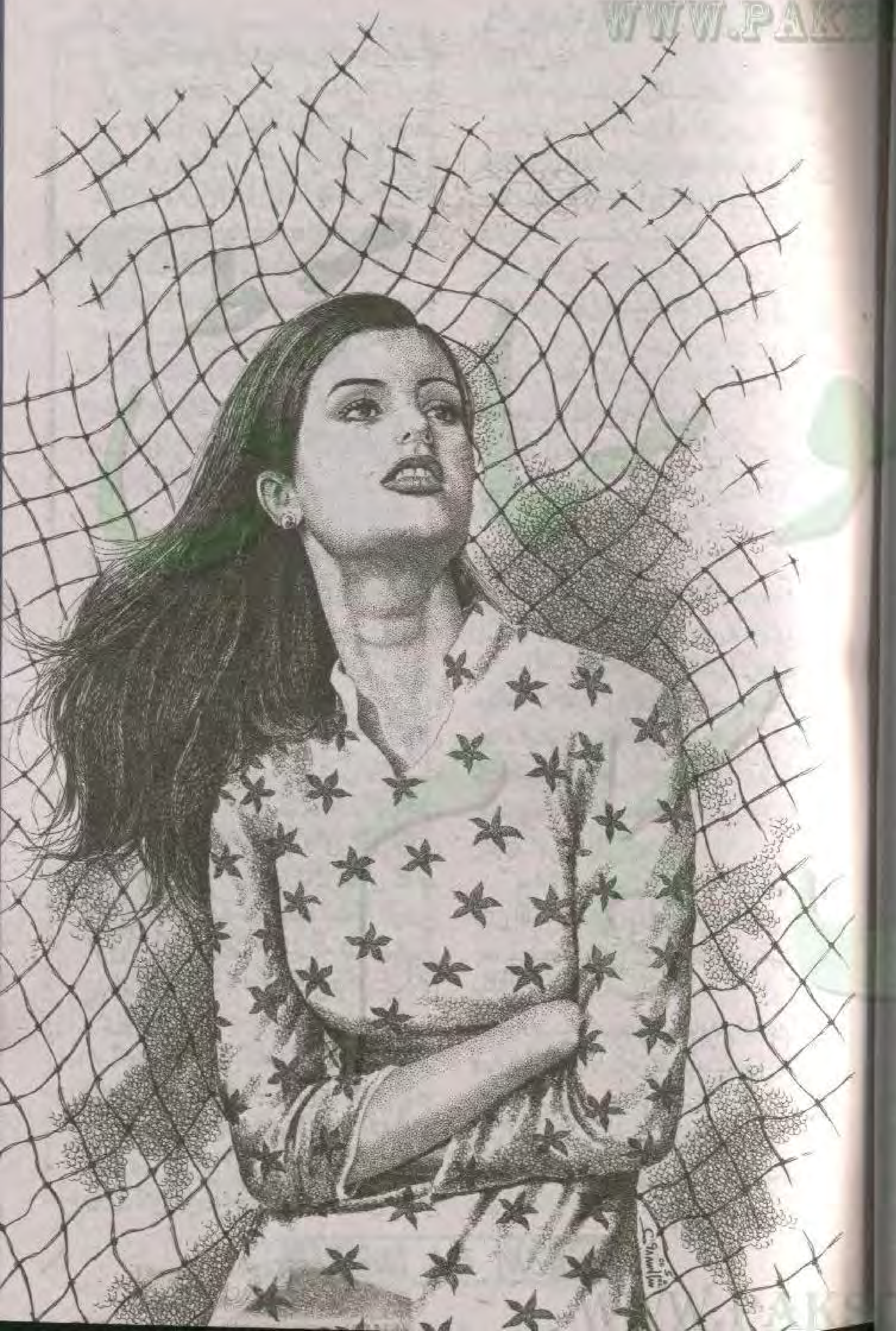

راشدہ رفعت

کہانی ایک گھڑی کی

موبائل فون کی مسلسل بجنے والی گھنٹی اس کے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی اسے دفتر آئے ابھی صرف دو گھنٹے ہوئے تھے اور ان دو گھنٹوں میں گھر سے آنے والا یہ چوتھا فون تھا۔ اس سے پہلے فون خاموش ہوتا اس نے جھنجلا کر فائل بند کی اور موبائل آن کر کے کان سے لگالیا۔

"میری پیاری امی جان! میں آپ کو کن الفاظ میں یقین دلاؤں کہ مجھے گاڑی کا نام بھی یاد ہے۔ اسٹیشن کا

ناولٹ

راستہ بھی معلوم ہے اور گاڑی پہنچنے کا وقت بھی۔ پچھلے ڈیڑھ برس میں خالہ، خالو کے حلیے میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں ہوئی ہوگی تو میں انہیں بھی پہچان لوں گا۔ جو ذمہ داری آپ نے میرے سر ڈالی ہے، اسے میں ہر حال میں نبھاؤں گا چاہے اس کے لیے مجھے جان کی بازی ہی کیوں نہ...."

"اچھا بس۔ مزید اول فول بکنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے تو بس یاددہانی کے لیے فون کیا تھا۔ اتنے عرصے بعد تمہارے خالہ، خالو آرہے ہیں ویسے تو انہیں گھر کا راستہ معلوم ہے، رکشہ، ٹیکسی میں بھی آسکتے ہیں، لیکن بیٹا اچھا نہیں لگتا کہ مہمانوں کو ریسیو کرنے کوئی اسٹیشن تک بھی نہ جائے۔ اس بار تو ان کی آمد خاص مقصد کے تحت ہے بس اللہ کرے تمہاری بات یہیں بن جائے۔"

عفیفہ بیگم فون پر اپنے من پسند ٹاپک پر بولنا شروع ہوگئی تھیں۔ عون نے گہری سانس اندر کھینچی۔

"خالہ، خالو کو اسٹیشن پر سے لانے کے لیے مجھے شام کو دفتر سے کچھ جلدی اٹھنا ہو گا امی! ابھی بہت کام باقی ہے۔ آپ اجازت دیں تو کام نمٹالوں۔" اس نے بہت تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔

"ہاں ہاں۔ میں فون رکھ رہی ہوں۔ تم کام نمٹاؤ اپنا، اور دیکھو ذرا وقت پر دفتر سے نکلنا گاڑی کو ہوائی جہاز بنا کر چلانے کی ضرورت نہیں۔" انہوں نے عادت سے مجبور ہو کر روزانہ والی نصیحت دہرائی۔

"بہت بہتر امی جی!" عون نے مؤدبانہ انداز اختیار کیا۔ عفیفہ بیگم نے فون بند کیا تو اس نے دونوں ہاتھوں

میں سر گرالیا۔
اس کی شادی اس کی ماں بہنوں کو مقصد حیات لگنے لگی تھی۔ ہر وقت گھر میں اس کی شادی کا تذکرہ رہتا تھا۔ چاروں بہنیں خیر سے شادی شدہ تھیں چاروں خاندان میں ہی نمٹ گئی تھیں۔ امی تو اکلوتے بیٹے کے لیے بھی خاندان کی ہی کوئی لڑکی لانا چاہ رہی تھیں لیکن جانے کیوں خاندان والے اسے اپنی بیٹی دیتے ہوئے ہچکچا جاتے تھے حالانکہ وہ قبول صورت نہیں بلکہ ٹھیک ٹھاک خوب صورت تھا۔ بلا کا ذہین، تعلیم یافتہ، بہترین جاب، انتہائی شریف عادتیں، ہاں عادتوں میں سے ایک عادت وجہ اعتراض بن جاتی۔ بے تحاشا سست الوجود، ہر کام میں انتہا کی دیر کر دیتا۔ کبھی کبھار ہونے والی دیر کو تو برداشت کیا جا سکتا تھا، لیکن ہر بار کی جانے والی دیر ہر کسی کو کھٹکتی تھی۔ عفیفہ بیگم تو ماں تھیں۔
"میرے بچے کا کیا قصور، قدرت کی طرف سے عادتیں آئی ہیں۔" کہہ کر اس کا دفاع کرنے کی کوشش کرتیں۔ لوگ مانتے یا نہ مانتے ان کے پاس اپنی بات کو درست ثابت کرنے کے لیے بہتیری دلیلیں تھیں۔
شادی کے بعد عفیفہ بیگم پہلی بار امید سے ہوئیں تو فطری طور پر انہیں بیٹے کی خواہش تھی۔ صبوحی گود میں آئی تو بیٹی بھی بہت پیاری لگی مگر بیٹے کی خواہش سے دستبردار نہ ہوئیں۔ صبوحی کے بعد عارفہ، پھر افشاں اس کے بعد نوریہ، اکمل صاحب کو بھی بیٹے کی خواہش تو تھی، چار بیٹیاں پا کر رب کی رضا میں راضی تھے اور پانچویں بچی ہونے کے خدشے کے تحت چار بیٹیوں پر بخوشی اکتفا کر بیٹھے تھے۔ مگر عفیفہ بیگم خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں کہہ کر اگلے بچے کی تیاری کیے بیٹھی تھیں۔
"میری بیٹیاں میری آنکھوں کا نور ہیں۔ تم اب دیر، اندھیر کے فلسفے سے نکلو اگر ہم ان ہی کو اچھی تعلیم و تربیت دلوالیں تو غنیمت، پھر ماشاء اللہ لڑکیاں بڑی ہوتے دیر نہیں لگتی ایک کو وداع کریں گے تو اگلی قد نکالے بیٹھی ہوگی۔ اپنی گنجائش دیکھو اور سوچو اگر اس بار بھی بیٹی ہو گئی تو کیا چھٹا بچہ کرنے کی سوچو گی۔ عقل کے ناخن لو بیگم!"
اکمل صاحب بیگم کو سمجھاتے مگر وہ 'خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں' کا راگ لاپتی رہتیں اور آخر دیر سے ہی سہی ان کی کوکھ میں بیٹا آ گیا۔ الٹرا ساؤنڈ رپورٹ سے جب یہ خوش خبری ملی تو عفیفہ بیگم کے پاؤں زمین پر ہی نہ ٹک رہے تھے مگر بیٹے صاحب نے کوکھ سے گود میں آنے میں بھی ٹائم لے لیا تھا۔ چاروں بیٹیاں تو نواں مہینہ شروع ہوتے ہی ڈاکٹر کی دی گئی تاریخ سے بھی پہلے پیدا ہوئی تھیں، لیکن عون کی بار تو نواں ختم ہو کر دسواں لگ گیا تھا، وہ متوحش ہو کر گائنا کولوجسٹ کے پاس چکر لگاتیں۔
"فکر کی کوئی بات نہیں مسز اکمل! الٹرا ساؤنڈ کر لیا ہے، ہر چیز نارمل ہے۔ بعض بے بیز کی ڈلیوری میں دیر لگتی ہے ابھی ہم کچھ انتظار اور کر سکتے ہیں ورنہ پھر آپریشن کرنا پڑے گا۔"
ڈاکٹر پیشہ ورانہ انداز میں سمجھاتی۔ عفیفہ بیگم سر ہلا کر ڈاکٹر کی بات سن لیتیں، لیکن دل کو کسی طور چین نہ مل رہا تھا۔ آخر بیٹا دنیا میں آنے میں اتنی دیر کیوں لگا رہا تھا آخر انتظار ختم ہوا اور عون صاحب نے دنیا میں قدم رنجہ فرمالیا۔ ماں کا لاڈلا، باپ کا پیارا تو بہنوں کا چہیتا بلکہ اتنا گول مٹول پیارا سا بچہ تھا کہ جو دیکھتا، بے ساختہ پیار کرتا، لیکن پیارا سا بیٹا پا کر بھی عفیفہ بیگم کی پریشانی ختم نہیں ہوئی تھی۔
"چھ ماہ کا ہو گیا ہے صبوحی کے ابو، ابھی تک بیٹھنے نہیں لگا، عارفہ، صبوحی وغیرہ تو اتنی عمر میں اپنے سہارے سے بیٹھنے لگتی تھیں۔" وہ اکمل صاحب سے پریشانی شیئر کرتی۔
"بلاوجہ کے وہم مت پالو۔ ماشاء اللہ ایک دم ایکٹو اور فٹ بیٹا ہے ہمارا دیکھو کیسے لیٹے لیٹے میری گود میں آنے کے لیے پاؤں چلا رہا ہے۔ بیٹھنا بھی سیکھ لے گا۔" اکمل صاحب نے بیٹے کو گود میں لے کر پیار کیا۔ بہنوں کے مقابلے میں اس نے بہت دیر سے بیٹھنا سیکھا تھا۔

"آٹھ ماہ کا ہو گیا ہے، ابھی تک ایک دانت نہیں نکلا، افشاں، نوریہ تو....."
"نکال لے گا دانت بھی۔ تم نے کون سا ابھی سے اسے سری پائے کھلانے ہیں۔"
اکمل صاحب ان کی بات کاٹ دیتے اور دانت نکالنے پر ہی کیا موقوف عون نے چلنا بھی دیر سے سیکھا تھا تو بولنا اس سے بھی دیر سے۔ کند ذہن نہیں تھا۔ ذہین تھا، ہر بات سمجھتا تھا۔ اکمل صاحب تو ہنستے تھے کہ اپنی ماں کو تنگ کرنے کے لیے ہر کام دیر سے سیکھا ہے۔
اسکول جانے کی عمر ہوئی تو عفیفہ بیگم نے شہر کے بہترین اسکول میں بیٹے کا ایڈمیشن کروایا، لیکن اسے وقت پر تیار کر کے اسکول بھیجنا ہی ان کے لیے سب سے بڑا مسئلہ بن جاتا تھا۔ چار بیٹیوں نے انہیں ایسے نہ ستایا تھا، انہیں لگتا کہ وہ پہلا بچہ پال رہی ہیں۔ الارم لگا کر سوتیں مگر عون کی اسکول وین مس ہونے کے خوف سے الارم بجنے سے پہلے ہی اٹھ جاتیں۔ عون کو جگاتیں، تھوڑا سا رو دھو کر وہ بھی اٹھ جاتا پھر پتا نہیں کیسے گھڑی کی سوئیاں ٹک ٹک کرتی آگے بڑھتی جاتیں اور عون کی تیاری مکمل ہونے کا نام ہی نہ لیتی۔ پندرہ، بیس منٹ سے پہلے وہ باتھ روم سے نہ نکلتا، ناشتا کرنے میں بھی بہت دیر لگا دیتا۔ چاروں بیٹیاں ناشتا کر کے، تیار ہو کر بستے اٹھائے اپنے اسکول روانہ ہو جاتیں اور عون صاحب کی تیاری مکمل ہونے کا نام نہیں لیتی۔
وین والا ہارون پر ہارن دیتا اور وہ جلدی جلدی اسے جرابیں، جوتے پہنانے کی کوشش کر رہی ہوتیں۔
"جا کر کہیں نا اسے ذرا دو منٹ صبر کرے۔ ابھی بھیج رہی ہوں عون کو۔ ہارن دے دے کر کان کے پردے پھاڑ رہا ہے۔" وہ زچ ہو کر اخبار پڑھتے میاں کو مخاطب کرتیں۔
اکمل صاحب کبھی اٹھ کر وین والے کو انتظار کرنے کا کہہ آتے تو کبھی بیوی کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بیٹھے اخبار پڑھتے رہتے۔ وین والا بھی تو بڑبڑ ہی

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل
SOHNI HAIR OIL

❀ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
❀ نئے بال اگاتا ہے۔
❀ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
❀ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
❀ ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔
قیمت =/100 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/100 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوا لیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔
2 بوتلوں کے لئے .... =/250 روپے
3 بوتلوں کے لئے .... =/350 روپے
نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔
منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:
بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں
بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرتا تھا۔

"آپ کے بیٹے کی وجہ سے سب بچے لیٹ ہوجاتے ہیں۔ دوسرے بچوں کے والدین شکایت کرتے ہیں جی کہ ہمارے بچے وقت پر تیار ہونے کے باوجود اسکول سے لیٹ ہوجاتے ہیں۔ کل سے یا تو بیٹے کو وقت پر تیار کریں ورنہ کوئی اور انتظام کریں۔" وین کے ڈرائیور نے لحاظ اور مروت بالائے طاق رکھتے ہوئے انہیں وارننگ دے دی تھی۔

"کل سے مزید جلدی اٹھنا' پتا نہیں کیوں اتنی دیر کردیتی ہو۔" اکمل صاحب نے بیوی کو مخاطب کیا۔

"تم کیا آدھی رات کو اٹھ کر بیٹھ جایا کروں۔" وہ بری طرح چڑ ہی تو گئی تھیں۔

"یونیفارم اس کا رات کو پریس کرکے رکھتی ہوں۔ جوتے رات کو پالش کرکے سوتی ہوں۔ بیگ تک خود چیک کرکے رات کو یہاں میز پر لاکر رکھ دیتی ہوں کہ صبح کسی چیز کی ڈھنڈیا نہ مچے لیکن آپ کا صاحبزادہ ایک نمبر کا پوستی ہے' اس کی سستی کا میرے پاس تو کوئی علاج نہیں۔"

عفیفہ بیگم بھی لاڈلے کی سستی سے عاجز آئی ہوئی تھیں اور دو چار وارننگز کے بعد وین والے نے اپنی دھمکی پر عمل کر ڈالا۔ ایڈوانس کرایہ واپس تھماتے ہوئے اکمل صاحب کو کسی اور وین کا انتظام کرنے کا کہہ دیا۔ دو' تین دن اکمل صاحب کو بیٹے کو اسکول چھوڑنے کی ذمہ داری اٹھانے پڑی تھی پھر اگلی وین کا انتظام ہوگیا' لیکن عون کی سستی کا پھر بھی کوئی علاج نہ ہوسکا۔ جب دوسری کے بعد تیسری وین نے بھی عون کو لے جانے سے انکار کردیا تو اسے اسکول لانے' لے جانے کی ذمے داری مستقل اکمل صاحب کے کندھوں پر آن پڑی۔

"قریب کے کسی اسکول میں داخل کروادیتیں تو یہ مسئلہ تو نہ ہوتا۔ صبح صاحبزادہ جلدی اٹھے نہ اٹھے مجھے اٹھا کر بٹھا دیتی ہو۔ صبح کے وقت اخبار پڑھنا ہی مشغلہ تھا' وہ چھوٹ گیا۔ دوپہر کو لنچ بریک میں آفس سے جلد بھاگتا ہوں کہ بیٹے کو اسکول سے لینا ہوتا ہے۔ پورا اسکول خالی ہوجاتا ہے جب تمہارا بیٹا بستہ لٹکائے خراماں خراماں تشریف لاتا ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے واپس آفس پہنچنے میں دیر ہوجاتی ہے۔ زندگی مشکل بنادی ہے تم نے اور تمہارے بیٹے نے۔" اکمل صاحب کا ضبط کبھی کبھار جواب دے جاتا تو بیگم پر برس پڑتے۔

"اپنی اولاد کے لیے ہم مشقت نہیں اٹھائیں گے تو کیا پڑوسی اٹھائیں گے۔ ہمارا بیٹا ہمارا مستقبل ہے اکمل۔ اچھی اسکولنگ ہوگی تو آئندہ زندگی میں مشکل پیش نہیں آئے گی۔ بچے کی بنیاد مضبوط ہو تو آگے کی مشکل پڑھائی بھی مسئلہ نہیں بنے گی۔ ایک ہی تو بیٹا ہے ہمارا۔ ہمارے بڑھاپے کا سہارا۔" عفیفہ بیگم روایتی ماؤں والے فقرے دوہراتیں۔

"اللہ تمہاری خوش گمانیوں کو قائم رکھے۔ ورنہ جوان ہونے کے بعد بیٹے بوڑھے ماں باپ کو کم ہی لفٹ کراتے ہیں۔" اکمل صاحب نے انہیں آنے والے وقت سے ڈرایا۔

"میرا عون ایسا نہیں نکلے گا۔ ان شاءاللہ۔" عفیفہ بیگم کو بیٹے پر پورا بھروسا تھا اور بیٹے نے بھی زندگی کے کسی موقع پر ماں کا مان نہیں توڑا وہ بہت ذہین اور قابل تھا۔ فرسٹ پوزیشن تو گویا بنی ہی اس کے لیے تھی' لیکن عفیفہ بیگم جب بھی اس کی پروگریس رپورٹ لینے اسکول کا رخ کرتیں جہاں ٹیچرز ان کے بیٹے کی ذہانت کے گن گاتیں وہاں ایک فقرے کا اضافہ کرنا نہ بھولتیں۔ عون بہت بریلینٹ بچہ ہے مسز اکمل' لیکن تھوڑا Lazy (سست) بھی ہے دیر سے آنے کی وجہ سے ہمیشہ بیک بنچز پر بیٹھتا ہے۔ ہر کام بہت سستی سے کرتا ہے۔ اس کی یہ عادت بدلنے کی کوشش کریں۔"

عفیفہ بیگم ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے سرہلا دیتیں' لیکن عون کی یہ عادت بدلنا ان کے بس سے باہر تھا۔ اسکول سے کالج اور کالج سے یونیورسٹی۔ وہ ہر جگہ اپنی ذہانت کی وجہ سے ممتاز ہوتا تھا تو ہر کام میں دیر کرنے کی وجہ سے نمایاں۔ اس کے یار دوست تو اس کی شکل دیکھتے ہی "ہمیشہ دیر کردیتا ہوں" والا شعر گنگنانے لگتے تھے۔

وہ اپنی اس عادت سے خود بھی تنگ تھا' بدلنا چاہتا تھا مگر چاہنے کے باوجود بدل نہ پاتا تھا۔ پتا نہیں بہنوں کے لاڈ نے اسے ایسا بنادیا تھا یا پھر عفیفہ بیگم کی بات درست تھی کہ وہ پیدائشی طور پر ہی ایسا تھا۔ ہر کام میں دیر کرنے والا' ست الوجود' پوستی اور جانے کیا کچھ القاب دیے جاتے تھے اسے۔ وہ کبھی ہنس پڑتا' کبھی چڑ جاتا اور کبھی تو بری طرح بھنا ہی جاتا۔ دیر سویر ہر انسان سے ہوجاتی ہے۔ اکثر تو اس کا قصور نہ ہوتا' وہ پھر بھی قصوروار گردانا جاتا۔

صبوحی آپا کی ساس فوت ہوئیں' امی ابا جھٹ بیٹی کی سسرال پہنچے' اسے بھی آفس فون کرکے سانحے کی اطلاع دی۔

"کلوتے بھائی ہو صبوحی کے' ذرا وقت سے پہنچ جانا۔ عصر کے وقت جنازہ ہے۔ میت کو تمہیں بھی کندھا دینا ہے۔"

عفیفہ بیگم نے تاکید کی تھی اسے آپا کی ساس کا جسم یاد آیا۔ جھرجھری سی چڑھی مگر "میں بس پہنچ رہا ہوں" کہہ کر فون بند کردیا۔ راستے میں تیز رفتاری کے باعث خود کا چھوٹا موٹا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ گاڑی ورکشاپ پہنچا کر اپنی چولوں کی ڈاکٹر سے ڈریسنگ کروائی جس وقت صبوحی آپا کے ہاں پہنچا۔ جنازہ اٹھ چکا تھا۔ امی خشمگیں نگاہوں سے گھور رہی تھیں گویا کہہ رہی ہوں۔ "کردی نا دیر؟"

عارفہ آپی کے بیٹے کی سالگرہ تھی۔ باس نے آفس میں ایمرجنسی میٹنگ کال کرلی۔ میٹنگ بھگتا کر بھاگم بھاگ عارفہ آپی کے ہاں پہنچا' کیک کٹ چکا تھا اور دیر اس کے کھاتے میں درج ہوچکی تھی۔ بجلی' گیس کے بل جمع کروانے کی ذمہ داری اس کے کندھوں پر ڈال کر واپس لے لی گئی تھی کیونکہ وہ اس ذرا سے کام میں بھی بہت دیر کردیتا تھا۔ بازار سے سودا سلف منگواتا ہوتا تب بھی ماں کو اسے کئی بار تاکید کرنی پڑتی جلد واپس آنا۔ دیر مت کرنا' مگر اکثر دیر ہو ہی جاتی تھی۔ راستے میں کوئی پڑوسی یا شناسا نظر آجاتا۔ وہ سلام دعا کے لیے رکتا مگر اگلا بندہ سلام دعا کے بعد باتیں چھیڑ دیتا اب بھلا اس میں اس کا کیا قصور تھا۔ بازار میں کوئی اپنا ہی دوست ٹکرا جاتا یا پھر قصائی کی دکان پر ابا کا کوئی واقف کار کھڑا مل جاتا۔ جانے ایسے اتفاقات اس کے ساتھ ہی کیوں ہوتے تھے۔

اس سے دو برس بڑی نویرہ جو بہنوں میں سب سے چھوٹی تھی' عون کے ساتھ اس کی بہت دوستی تھی' وہ کسی حد تک اس کا مسئلہ سمجھتی تھی اور پھر اسے بھی سمجھانے کی کوشش کرتی۔

"بندے میں اتنا بھی لحاظ اور مروت نہیں ہونا چاہیے۔ محلے کے سب بزرگوں اور ساری آنٹیوں کو سلام کرنا ضروری تو نہیں۔ بوڑھے لوگوں کے پاس بہت فارغ وقت ہوتا ہے' ان سے ایک بات کرو' وہ بات کو کہاں سے کہاں لے جائیں گے۔ تم اپنے کام نمٹانے کی سوچا کرو۔ راستے میں ہر کسی سے گپیں ہانکنے مت لگ جایا کرو۔ امی کو خواہ مخواہ خفا ہونے کا موقع ملتا ہے۔"

وہ سرہلا کر بہن کی بات سے اتفاق کرتا مگر ہر کام میں دیر کردینے والی عادت اتنی پختہ ہوچکی تھی کہ چھوٹتے چھوٹتے بھی دیر تو لگنی تھی۔ عفیفہ بیگم چاروں بیٹیوں کے فرض سے سبک دوش ہوکر اب اس کے سر پر سہرا سجانے کی خواہش مند تھیں اور وہ اس کام میں دیر نہ چاہتی تھیں۔ خاندان میں اکثر لڑکیاں عون سے بڑی تھیں جو دو چار ہم عمر تھیں عفیفہ بیگم نے ان ہی سے بات چلانے کا سوچا۔ پہلے وہ اپنے دیور کے گھر گئی تھیں ان کی بیٹی عون سے دو برس چھوٹی تھی۔ خوب صورت اور پڑھی لکھی بچی تھی۔ بہت چاؤ اور ارمان سے وہ اس کا رشتہ مانگنے گئیں۔

"اللہ' بھابھی! آپ نے دیر کردی۔ پچھلے ہی ہفتے ظہیرہ بھابھی نے قاسم کے لیے رشتہ مانگا ہے عظمیٰ کا۔ ہم آج کل میں چھوٹی موٹی رسم کرنے کا سوچ رہے تھے تاکہ خاندان بھر کو پتا لگ جائے۔ آپ اگر پہلے کہتیں تو ظاہر ہے' عون سے بڑھ کر ہمیں کون پیارا

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھا۔"

ان کی دیورانی نے رسانیت سے انکار کردیا۔ عفیفہ بیگم دل گرفتہ سی واپس لوٹی تھیں۔

پھر عون کی بڑی پھوپھی کے پاس دست سوال لے کر گئیں۔ ان کی چھوٹی بیٹی عون کی ہم عمر تھی۔ اکنامکس میں ماسٹرز کرکے ایک پرائیویٹ کالج میں پڑھانا شروع کیا تھا۔ بہت زندہ دل شوخ اور پارہ صفت لڑکی تھی۔ عون کی اس سے اچھی دوستی تھی۔ عفیفہ بیگم کو لگتا تھا بیٹا اس میں دلچسپی بھی رکھتا ہے۔ بیٹے نے شادی کے حوالے سے ہر طرح کا اختیار ماں بہنوں کے حوالے کرہی رکھا تھا سو صبوحی اور عارفہ کو لے کر وہ بڑی نند کے ہاں پہنچ گئی تھیں۔

"ہائے اللہ ممانی! کیسی بات کررہی ہیں آپ! عون تو میرے لیے بالکل بھائیوں جیسا ہے۔ میں اس سے شادی کا سوچ بھی کیسے سکتی ہوں۔" سویرا کو جیسے ہی ان کی آمد کے مقصد کا پتا چلا۔ شرم جھجک بالائے طاق رکھتے ہوئے خود ہی صاف انکار کردیا۔

"بیٹا! شادی سے پہلے کزنز بہن بھائیوں کی طرح ہی ہوتے ہیں' رشتہ بدلتا ہے تو احساسات بھی بدل جاتے ہیں۔" انہوں نے پیار سے اسے سمجھانا چاہا۔

"ارے عفیفہ' سویرا صحیح کہہ رہی ہے۔ دونوں میں بہن بھائیوں والا پیار ہے' میں نے خود عون کو اپنی اولاد کی طرح ہی چاہا ہے پھر سویرا اور عون کے مزاج میں فرق بھی تو دیکھو' یہ ایک پل ٹک کر بیٹھنے والی لڑکی نہیں۔ مانو پارہ بھرا ہوا ہے اس کے اندر۔ ہمارا عون تو تمہیں پتا ہی ہے' ذرا مختلف مزاج کا بچہ ہے طبیعتوں میں اتنا تضاد ہو تو رشتے نہیں جوڑنے چاہئیں۔"

نگہت مقامی گرلز کالج میں فلسفے کی استاد تھیں' ان کی دلیل کو رد کرنا عفیفہ بیگم کے بس کی بات نہ تھی سو یہاں سے بھی مایوس و نامراد لوٹ آئیں۔

اگلے ہفتے اپنے بھائی بھاوج کے پاس گئی تھیں۔ ان کی چھوٹی عشنا بھی بڑی پیاری اور سلیقہ مند بچی تھی۔

"ہمیں سب خبر ہے عفیفہ! کہ پہلے عون کے لیے اس کے ددھیال میں لڑکی ڈھونڈتی رہی ہو۔ جب پہلے بھتیجی کا خیال نہیں آیا تو اب کیسے آگیا۔ ہر جگہ انکار سن کر آخر میں ہماری دہلیز پر رشتہ مانگنے آگئیں۔ اتنی بھاری نہیں ہے ہماری بیٹی ہمارے اوپر نہ ہی عون میں کوئی خاص سرخاب کے پر لگے ہیں کہ ادھر تم نے رشتہ مانگا اور ادھر ہم نے ہاں کردی۔ میری طرف سے صاف انکار۔"

ان کی بھاوج بہت بدمزاج اور فتنہ پرور شخصیت کی مالک تھیں' ان کے مزاج کے ڈر سے ہی انہوں نے پہلے یہاں کا رخ نہیں کیا تھا اور یہی قصور ان کی بھابھی معاف کرنے کو تیار نہ تھیں حالانکہ ان کے بھائی بہت شرمندہ بھی ہوئے۔ عفیفہ بیگم سے علیحدگی میں معذرت بھی کی اور اپنی مجبوری کا اظہار بھی کیا۔

"الٹے دماغ کی عورت ہے تمہاری بھابھی۔ تمہیں علم تو ہے۔ ساری زندگی میں نے اس بدمزاج عورت کے ساتھ کیسے نباہ کیا ہے' میں نے تمہاری خاطر اسے سمجھانے کی کوشش کی تو اور ہتھے سے اکھڑ جائے گی' تم میری طرف سے دل میلا نہ کرنا' میں گھریلو سکون کی خاطر مجبور ہوں ورنہ تمہارے ساتھ اتنی بدکلامی کرنے پر اس کی طبیعت صاف کردیتا۔"

"ارے نہیں بھائی! جو ہوا سو ہوا۔ بھابھی کے مزاج کی وجہ سے ہی تو میری پہلے یہاں آنے کی ہمت نہیں پڑی تھی ورنہ عشنا سے بڑھ کر مجھے کون پیارا ہو سکتا تھا۔ میری اپنی بھتیجی' میرا اپنا خون۔" عفیفہ بیگم بھاوج کے رویے پر آبدیدہ ہوکر گھر واپس پلٹ گئیں۔ اب عون کی برداشت کا پیمانہ بھی لبریز ہونے کو تھا۔

"آئندہ آپ خاندان میں کہیں رشتہ مانگنے نہیں جائیں گی۔ غضب خدا کا لوگ بیٹیوں کے رشتوں کی وجہ سے پریشان ہوتے ہیں۔ آپ بیٹے کی وجہ سے پریشان ہورہی ہیں۔ میرے حساب سے تو ابھی میری شادی کی عمر ہی نہیں۔ ذرا اسٹیبلش ہونے دیں پھر ہوجائے گی شادی وادی بھی۔" عون ماں کی پریشان شکل دیکھ کر برہم ہوجاتا تھا۔

"ہاں تمہارے حساب سے تو شادی کی عمر ہی نہیں گویا اس کام میں بھی دیر کرنے کا ارادہ ہے۔ ہم پوتے'

پوتیاں کھلانے کی آرزو لیے ہی اس دنیا سے رخصت ہوجائیں۔" عفیفہ بیگم بیٹے کی بات سن کر اس سے زیادہ خفا ہوئی تھیں۔

"آپ کو اتنی جلدی دنیا چھوڑنے کو کون کہہ رہا ہے میری ماں ہیں۔ یہ کام بھی جتنی دیر سے کریں اتنا ہی اچھا۔" عون نے شرارت سے ماں کے گرد بازو حمائل کیے۔

"ملک الموت ہماری تمہاری کب مانے گا' وہ تو جب آئے گا جان لے کر ہی ٹلے گا۔"

"امی' یار! دیکھیں فالتو باتیں نہ کریں۔" عون نے خفگی سے ماں کو گھورا۔

"اچھا دیکھیں نا' شادی کرنی ہی ہے تو ضروری تھوڑی ہے کہ خاندان سے ہی بہو لائیں۔ دنیا بھری پڑی ہے لڑکیوں سے۔ خاندان والوں کی تو نزدیک کی نظر کمزور ہے ورنہ آپ کے ہینڈسم اور ڈیشنگ بیٹے کو کون ناپسند کرنے کی حماقت کرے گا۔"

"ہینڈسم' ڈیشنگ اور ست الوجود۔" اکمل صاحب نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ٹکڑا لگایا۔

"ابا! آپ بھی۔" عون نے انہیں گھورا۔ وہ ہنس پڑے تھے۔

"صحیح کہہ رہا ہے بیٹا عفیفہ بیگم! خاندان کو گولی ماریے ویسے بھی میڈیکل سائنس کزن میرج کو نقصان دہ قرار دیتی ہے' باہر سے بہو ڈھونڈیے۔" اکمل صاحب نے بیٹے کی تائید کی۔

عفیفہ بیگم کچھ نہ بولیں بس پرسوچ انداز میں ہنکارا بھر کر رہ گئیں۔ ابھی ان کا خاندان کو گولی مارنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ ان کی بڑی بہن کی ایک بیٹی ہنوز غیر شادی شدہ تھی۔ عون سے چند ماہ چھوٹی تھی۔ دھیمے مزاج کی سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔ بے تحاشا خوب صورت نہ تھی مگر عفیفہ بیگم کو تو پیاری ہی لگتی تھی' دراصل وہ اکلوتے بیٹے کی شادی کسی دیکھی بھالی لڑکی سے کرنا چاہتی تھیں۔ باہر سے بہو لانا انہیں رسک لگتا تھا۔ ایک دو ملاقاتوں میں کون کسی پر کھلا ہے۔ صرف شکل و صورت دیکھ کر لڑکی پسند کرنی پڑتی ہے اور اس کے اصل جوہر تو شادی کے بعد کھلتے ہوتے ہیں' جس کے دو' تین بیٹے ہوں' وہ یہ رسک لے سکتا ہے کہ قسمت سے کوئی ایک بہو تو اچھی نکل ہی آئے گی' لیکن اکلوتے بیٹے کی ماں کو سو طرح کے خدشے ستاتے ہیں عفیفہ بیگم ان ہی خدشات کا شکار تھیں سو "باہر" سے بہو ڈھونڈنے سے پہلے انہوں نے خاندان میں ہی آخری بار قسمت آزمانے کا سوچا۔

بڑی بہن کراچی رہتی تھیں۔ ان کے پاس اتنی دور جانے کے بجائے انہوں نے فون پر ہی عرض مدعا پیش کیا۔

"ہمارا ارادہ تو یہیں کراچی شادی کرنے کا تھا۔ نعیمہ' نسیمہ بھی پاس پاس بیاہی ہیں' حبیبہ کے لیے بھی یہاں رشتہ تلاش کررہے تھے۔ تم تو جانتی ہو لڑکیوں کا کوئی بھائی تو ہے نہیں۔ اتنی دور بیاہ دیں تو لانے' لے جانے کے ہی بڑے مسئلے ہوتے ہیں۔" نزہت بیگم بہن کی بات سن کر رسانیت سے گویا ہوئی تھیں۔

"ارے آپا! آپ ایسی فکر کیوں کرتی ہیں' عون آپ کا اپنا بچہ ہے اور میں حبیبہ کی سگی خالہ' سسرال کے روایتی تقاضے کا ہے کو پورے کرنے پڑیں گے جب حبیبہ کا جی چاہے گا' عون خود آپ سے ملوانے لے آیا کرے گا۔ اتنی اچھی نوکری لگی ہے آپ کے بھانجے کی۔ ٹرینوں کے دھکے کھانے کے بجائے جہاز میں آیا جایا کریں گے دونوں۔" عفیفہ بیگم نے انہیں قائل کرنے کی اپنی سی ہر ممکن کوشش کرلی تھی۔

"چلو' تمہارے بہنوئی سے بات کرکے دیکھتی ہوں۔" نزہت آپا نے بات میاں پر ڈال دی تھی۔

"جی' جی ضرور آپا! بھائی جان سے بات کریں بلکہ انہیں قائل کرنے کی کوشش کریں اور دیکھیں' دوری کو جواز بنا کر انکار مت کیجیے گا۔ ملتان اور کراچی ایک ہی ملک کے شہر ہیں' لوگ تو بیٹیوں کے اچھے مستقبل کے لیے ان کی شادیاں بیرون ملک تک کردیتے ہیں۔" عفیفہ بیگم نے انہیں مخاطب کیا۔

"ہاں کہتی تو تم صحیح ہو' اچھا یہ بتاؤ عون کیسا ہے طبیعت میں کچھ ذمہ داری آئی یا ابھی تک ویسا ہی لا

لاابالی پن ہے۔" نزہت بیگم نے بھانجے کے متعلق دریافت کیا۔

"ارے نہیں آپا! اب تو بہت بدل گیا ہے۔ لاپروائی اور سستی جب تک تھی جب تک سر پر ذمہ داری نہیں پڑی تھی، جب سے جاب لگی ہے، بہت ڈسپلنڈ ہو گیا ہے۔" عفیفہ بیگم نے بہن کو اطمینان دلایا۔

"اچھا عفیفہ! ٹھیک ہے۔ حبیبہ کے ابو سے بات کرتی ہوں۔ اگر وہ مانے تو ہم جلد ہی ملتان کا چکر لگائیں گے۔"

"ٹھیک ہے آپا!" عفیفہ بیگم خوش ہو گئی تھیں اور اب اسی سلسلے میں ان کے بہن، بہنوئی کی ملتان آمد تھی۔ وہ بار بار عون کو اسٹیشن پر وقت سے پہنچ جانے کی تاکید کر رہی تھیں۔

عون کا ماں کی حکم عدولی کا کوئی ارادہ نہ تھا اگرچہ اسے بڑی خالہ کی حبیبہ میں چنداں دلچسپی نہ تھی بلکہ شاید اسے ابھی شادی میں ہی دلچسپی نہ تھی اس کا کیریئر جو ابھی اسٹارٹ ہوا تھا، وہ اس پر اپنی توجہ مرتکز رکھنا چاہتا تھا، لیکن ماں اسے جلد از جلد شادی کے بندھن میں باندھنا چاہ رہی تھی۔ آج اس کا کام کی طرف بھی دھیان نہ لگ رہا تھا۔ کہیں دیر نہ ہو جائے۔ نگاہیں بار بار گھڑی کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اپنی دانست میں وہ وقت سے بہت پہلے آفس سے اٹھ گیا تھا۔ آفس سے اسٹیشن تیس پینتیس منٹ کے فاصلے پر تھا وہ گاڑی آنے کے وقت سے گھنٹہ بھر پہلے ہی اسٹیشن کے لیے نکل چکا تھا مگر شاید قسمت ہی خراب تھی۔ گاڑی بدترین ٹریفک جام میں پھنس گئی اور جس وقت وہ ریلوے اسٹیشن پہنچا ٹرین ملتان اسٹیشن پر اترنے والے مسافر اتار کر اگلی منزل کی طرف روانہ ہو چکی تھی۔ ماں کی شدید ناراضی کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کرتا وہ گھر پہنچا تھا۔

"ٹریفک جام ہو گیا تھا امی! بس اسی لیے دیر ہو گئی۔" خالہ، خالو سے ملنے کے بعد اس نے ناراض ماں کو وضاحت دی۔

"میاں! کراچی ہوتا تو یہ بہانہ چل سکتا تھا، یہاں ملتان میں کہاں اتنی ٹریفک ہوتی ہے۔" خالو مخصوص تمسخرانہ لہجے میں مخاطب تھے۔

"خالو جان! ملتان بھی کوئی قصبہ نہیں، اچھا خاصا بڑا شہر ہے۔ ہر دوسرے شخص کے پاس موٹر سائیکل اور ہر بارہویں شخص کے پاس گاڑی ہے۔" اس نے بھی چڑ کر جواب دے ہی دیا۔

"اور وہ سب اپنی موٹر سائیکلیں اور گاڑیاں لے کر اسی دن گھر سے نکلے جب تم نے ہمیں لینے اسٹیشن پر جانا تھا۔" خالو جان قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔

"ہمارے کمپارٹمنٹ میں دو، تین فیملیز اور بھی تھیں عفیفہ اور سب کو لینے کے لیے کوئی نہ کوئی اسٹیشن پر موجود تھا۔"

خالو جان نے عفیفہ بیگم کو مخاطب کیا تھا، ان کا انداز طنزیہ اور جتاتا ہوا تھا۔ عون کا غصے سے برا حال ہو رہا تھا۔ خالو کے اس مزاج کی وجہ سے ہی تو وہ ان کی بیٹی کو اپنا شریک سفر نہیں بنانا چاہتا تھا۔ ایسے نامعقول سسر کا داماد ہونے سے بہتر تھا کہ بندہ کنوارہ ہی رہ لے۔ اکمل صاحب کو بھی ہم زلف کا انداز پسند نہ آیا تھا، وہ مداخلت کیے بنا نہ رہ پائے۔

"بھائی صاحب! ٹرین کے ایک ڈبے میں بیٹھے مسافر ضروری نہیں ٹرین سے اتر کر ایک ہی طرف کو جائیں۔ ان کو ریسیو کرنے والے شہر کے مختلف علاقوں سے آئے ہوں گے۔ جس روٹ سے عون گیا تھا وہاں واقعی ٹریفک بلاک ہو گا۔ آج کل اکثر ایسی صورت حال پیش آجاتی ہے۔"

"ارے اچھا بھئی۔ کیا ٹریفک بلاک کو لے کر بیٹھ گئے۔ ہم رکشے میں بیٹھ کر ہی سہی گھر تو پہنچ گئے نا۔ عفیفہ بھئی، اب جلدی سے کھانا لگا لو بہت بھوک لگی ہے۔" خالہ خود شوہر کی ہر وقت کی جانے والی طنزیہ گفتگو سے عاجز آئی رہتی تھیں سو انہوں نے مداخلت کر کے گفتگو کا موضوع بدلا۔

"ہاں، بس میں کھانا لگاتی ہوں، عون! تم بھی جلدی سے فریش ہو کر آجاؤ۔"

عفیفہ بیگم نے بیٹے کو مخاطب کیا اور بیٹے صاحب کا دماغ اس قدر تپ رہا تھا کہ اس نے ہاتھ منہ دھونے کے بجائے نہانے کو ترجیح دی تھی اور وہ ایک بار نہانے گھس جاتا تو ذرا دیر سے ہی غسل خانے سے نکلتا تھا۔

"عون! اور کتنی دیر کرو گے، سب کھانے کی میز پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" عفیفہ بیگم نے آخر اس کے باتھ روم کا دروازہ ہی پیٹ ڈالا۔

"آ تا ہوں امی!" وہ بہت اطمینان سے تولیے سے بال رگڑتا باتھ روم سے برآمد ہوا پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ہو کر فرصت سے بال بنانے لگا۔

"باقی سنگھار بعد پر اٹھا رکھو۔ تمہارے خالو پہلے ہی بول رہے ہیں کہ عون کی عادتیں بالکل نہیں بدلیں۔" عفیفہ بیگم روہانسی ہو رہی تھیں۔ فریقین کے رویوں کی وجہ سے انہیں یہ رشتہ بھی ہاتھ سے نکلتا محسوس ہو رہا تھا۔ ڈنر تو جیسے تیسے اختتام پذیر ہوا۔ اگلی صبح عون جان بوجھ کر دیر سے اٹھا تھا۔

"کیوں میاں! اتنی دیر سے آفس جاتے ہو۔ آفس والے برداشت کر لیتے ہیں۔" خالو کی زبان میں پھر کھجلی ہوئی تھی۔

"کہاں برداشت کرتے ہیں خالو جان! تین چار بار وارننگز مل چکی ہیں کوشش تو کرتا ہوں جلد اٹھنے کی مگر اٹھا نہیں جاتا اسی عادت کی وجہ سے نوکری تک داؤ پر لگی ہے۔"

اس نے لہجے میں مسکینی طاری کی۔ ماں کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔ جانتا تھا وہ قہربار نگاہوں سے گھور رہی ہوں گی مگر اسے ماں کی ناراضی سے زیادہ مستقبل کا سکون عزیز تھا۔

"ہو سکے تو کل کسی بھی گاڑی سے ہماری واپسی کی ٹکٹیں کروا دو میاں!"

خالو ناشتے کی میز پر ہی فیصلے پر پہنچ چکے تھے۔ اس نے تابعداری سے گردن ہلا دی۔ اس نے نہ صرف اگلے روز کی سیٹیں ریزرو کروا دیں بلکہ مقررہ وقت پر خالہ، خالو کو اسٹیشن بھی چھوڑ آیا۔

"اب تو خوش ہیں امی! آج تو میں نے دیر نہیں لگائی نا۔" گھر واپس آکر اس نے شرارت سے ماں کو مخاطب کیا وہ بس ناراضی سے گھور کر ہی رہ گئی تھیں۔

"اگر فارغ ہو تو مجھے عارفہ کے گھر چھوڑ آؤ۔" انہوں نے سنجیدگی سے بیٹے کو مخاطب کیا۔

"اس ٹائم عارفہ آپا کے ہاں، خیر تو ہے۔" اس نے اچنبھے سے دریافت کیا۔

"رات وہیں قیام کروں گی۔" عفیفہ بیگم نے سپاٹ انداز میں جواب دیا۔

"یار امی! ایسی بھی کیا ناراضی بھئی!" عون کچھ پریشان ہوا تھا عفیفہ بیگم نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اور ابا سے لڑائی ہوتی تو گھر چھوڑ کر جانے کی تک بھی بنتی تھی۔ بیٹے سے ناراض ہو کر کون گھر چھوڑ کر جاتا ہے۔ ڈانٹ لیجیے، مار لیجیے مگر خدارا یوں ہمیں چھوڑ کر تو نہ جائیے۔" عون نے جذباتی ہونے کی ایکٹنگ کی۔

"وقت ضائع مت کرو۔ موڈ نہیں ہے تو مت جاؤ۔ کوئی رکشہ لا دو۔" عفیفہ بیگم پر اس کی ایکٹنگ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

"اچھا، اچھا ناراض کیوں ہوتی ہیں۔ آئیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سارے سفر کے دوران ماں کو کن انکھیوں سے دیکھتا رہا مگر وہ سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی رہیں۔

"سوری امی!" آخر اس نے معذرت کرنے میں ہی عافیت جانی تھی۔ عفیفہ بیگم رخ کھڑکی کی جانب موڑے بیٹھی رہیں۔

"اگر آپ کے کھڑوس بہنوئی مجھے شرف قبولیت بخشے بنا چلے گئے تو اس میں میرا کیا قصور۔ میں پھر بھی آپ سے اپنی نادانستہ غلطیوں کی معافی مانگتا ہوں اور دیکھیں اگر آپ نے معاف نہیں کیا تو میں اسٹیئرنگ چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے کان پکڑ لوں گا۔ ایکسیڈنٹ ہوا تو میرا ذمہ توش پوش۔" عفیفہ بیگم نے اس بار بہت مشکل سے مسکراہٹ ضبط کی تھی۔

"مان بھی جائیں امی! آپ جانتی ہیں نا، مجھے لڑکیوں کو منانے کا کوئی خاص تجربہ نہیں پھر بھی روٹھی بیٹھی ہیں۔" وہ بے چارگی سے گویا ہوا۔

"باتیں بنانا کوئی تم سے سیکھے۔" عفیفہ بیگم کو آخر

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہنسی آہی گئی تھی۔

"اور ناراض ہونا کوئی آپ سے سیکھے۔ ویسے والدہ آج کل آپ مجھ سے زیادہ ہی ناراض رہنے لگ گئی ہیں حالانکہ مجھ سا بیٹا چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔ تابع دار' فرماں بردار' دین دار' نیکو کار' برسر روزگار وضع دار..." وہ مذاق کے موڈ میں تھا' مگر عفیفہ بیگم پھر سنجیدہ ہوگئیں۔

"صحیح کہتے ہو۔ آج کل کے لڑکوں میں اتنی خوبیاں کہاں ہوتی ہیں پھر بھی ایک خامی کو بنیاد بنا کر تمہارے خالہ' خالو انکار کرکے چلے گئے۔ اتنی اچھی لڑکی تھی حبیبہ۔ میرا خیال تھا یہاں تو تمہاری بات بن ہی جائے گی۔"

"شکر ہے اللہ کا کہ آپ کا خیال یکسر غلط ثابت ہوا۔ میرا خیال ہے' آپی کا گھر بھی آگیا اور خدا کے واسطے وہاں نئے سرے سے یہ قصہ چھیڑ کر مجھے خفت میں مبتلا مت کیجیے گا اور ہاں سچ سچ بتائیے کیا آپ کا واقعی آپی کے ہاں رکنے کا ارادہ ہے یا مل کر میرے ساتھ ہی واپس چلیں گی۔" اس نے پوچھا۔

"رات یہیں رکوں گی بیٹا! کل عارفہ کے سسر کی برسی ہے۔ گیارہ بجے قرآن خوانی کا اہتمام ہوگا۔ تمہاری کل آفس سے چھٹی ہے۔ ظاہر ہے دیر سے اٹھو گے۔ تمہارے ابو کی ڈرائیونگ پر مجھے بھروسا نہیں۔ اسی لیے آج ہی آگئی۔ عارفہ نے بھی کہا تھا کہ کل کام زیادہ ہوگا۔ بچے آپ سنبھال لیجیے گا۔ وہ اکیلی جان کیسے سارا انتظام کرے گی۔ تمہارے بھانجے بھانجیوں نے اس کی مت ہی مار رکھی ہے۔"

"اچھا جی۔ اصل بات یہ تھی۔ پوز ایسے کر رہی تھیں جیسے مجھ سے ناراض ہو کر جا رہی ہیں۔" عون ہنسا۔

عفیفہ بیگم بھی مسکرا دی تھیں۔ عارفہ ان کی سب سے دھیمے مزاج والی بیٹی تھی۔ داماد بھی بھلا مانس تھا مگر بچے بے حد شرارتی تھے ٹک کر بیٹھنا تو انہوں نے سیکھا ہی نہ تھا۔ عارفہ کے ساس سسر اس کی شادی سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ جیٹھ' دیور سب علیحدہ رہتے تھے۔ لوگ عارفہ کی قسمت پر رشک کرتے تھے کہ اسے سسرال کے جھنجھٹ کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا لیکن عفیفہ بیگم خود عارفہ والے حالات سے گزری تھیں ان کے ساس سسر بھی ان کی شادی سے پہلے اللہ کو پیارے ہوگئے تھے۔ گھر میں بزرگوں کے دم سے کتنی رونق اور برکت ہوتی ہے' اس کا احساس ان لوگوں کو بخوبی ہوتا ہے جو اس نعمت سے محروم ہوتے ہیں۔ دادا' دادی کے بغیر بچے سنبھالنا بھی دنیا کا مشکل ترین کام بن جاتا ہے۔

عارفہ کو یہی مشکل درپیش رہتی تھی۔ بچے جب زیادہ زچ کردیتے تو وہ ایک' دو روز کے لیے ماں کو اپنے پاس بلا لیتی۔ بچے نانو سے خوب مانوس تھے ان کی آمد پر بے تحاشا خوشی کا اظہار کرتے۔ اب بھی نانو اور ماموں کو دیکھ کر خوشی سے اچھلنے لگے تھے۔ عون تھوڑی دیر بچوں کے ساتھ کھیل کر واپس چلا گیا تھا تب عفیفہ بیگم نے بیٹی سے دل کا بوجھ ہلکا کیا تھا۔

"خاندان میں تو تقریباً" ہر جگہ سے جواب مل گیا ہے۔ آخر عون کا رشتہ کہاں اور کیسے تلاش کروں۔" وہ سخت متفکر تھیں۔

"خاندان سے بھولانا ضروری تو نہیں امی! اللہ نے چاہا تو ہمیں عون کے لیے کوئی بہت اچھی لڑکی مل ہی جائے گی۔" عارفہ نے انہیں بھرپور تسلی دی تھی۔

"اللہ کرے بیٹا! ایسا ہی ہوگا۔" عفیفہ بیگم نے ٹھنڈی سانس بھری۔ انہیں ہرگز گمان نہ تھا کہ ان کی دعا اگلے ہی روز پوری ہوجائے گی۔ انہیں عون کے لیے لڑکی مل گئی تھی۔ صبح ناشتے سے فارغ ہوتے ہوتے بھی خاصی دیر ہوگئی تھی۔ عارفہ ملازمہ کے ساتھ مل کر گھر سمیٹنے لگی تو عفیفہ بیگم بچوں کو کہانی سنانے بیٹھ گئیں۔ یہی واحد طریقہ تھا ان شیطان بچوں کو قابو کرنے کا۔ گھڑی پر نگاہ پڑی تو انہیں وقت کا احساس ہوا۔

"گیارہ تو بج بھی چکے عارفہ! قرآن خوانی کے لیے لوگوں کو گیارہ بجے کا ہی ٹائم دیا تھا نا تم نے۔ پہلے ہال کمرے کی صفائی کروا کر وہیں عورتوں کے بیٹھنے کا

WWW.PAKSOCIETY.COM

انتظام کرو۔" انہوں نے بیٹی کو مخاطب کیا۔

"گیارہ کا تو ٹائم دیا تھا نا امی! ایک سے پہلے کوئی نہیں آئے گا۔ چھٹی کا دن ہے۔ کون اتنی جلدی سو کر اٹھتا ہے۔ آس پڑوس کی عورتیں گھر کے تھوڑے بہت کام نمٹا کر آتی ہیں بلکہ اکثر تو عین کھانے کے ٹائم ہی پہنچتی ہیں۔ دو مہینے پہلے جب مدثر کی امی کی برسی تھی۔ یاد نہیں کتنی دیر سے آئے تھے سب۔"

عارفہ کو آس پڑوس کے گھروں کی روٹین کا علم تھا سو اطمینان سے کام نمٹا رہی تھی۔ ساڑھے گیارہ بجے باہر گیٹ پر بیل بجی تھی۔

"دودھ والا ہوگا۔" عارفہ دودھ کا جگ لیے گیٹ تک گئی مگر واپسی پر جگ خالی ہی تھا۔ اس کے پیچھے ایک لڑکی چلتی آرہی تھی۔

"سوری باجی! ذرا دیر ہوگئی۔ آج سنڈے تھا نا۔ گھر والے ذرا دیر سے سو کر اٹھے۔" وہ نازک اندام سی لڑکی معذرت خواہانہ انداز میں عارفہ سے مخاطب تھی۔

"ارے نہیں مناہل! کوئی دیر نہیں ہوئی تمہیں۔" عارفہ زبردستی مسکرائی تھی۔ کہنا تو چاہتی تھی کہ تم وقت سے پہلے آگئی ہو مگر ظاہر ہے۔ کہہ نہ پائی پھر خیال آیا تو اس کا عفیفہ بیگم سے تعارف کروایا تھا جو بہت دلچسپی سے لڑکی کو دیکھ رہی تھیں۔

"امی! یہ مناہل ہے۔ بیگ صاحب والا مکان ان لوگوں نے خریدا ہے ابھی کچھ دن پہلے ہی یہ لوگ یہاں شفٹ ہوئے ہیں اور مناہل! یہ میری امی ہیں۔" عارفہ نے باہمی تعارف کروایا تھا۔ مناہل نے ادب سے انہیں سلام کیا تھا۔ عفیفہ بیگم نے بہت شفقت سے اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔

"مجھے سپارہ دے دیں عارفہ باجی! میں پڑھنا شروع کردوں۔" مناہل نے قرآن خوانی کا آغاز کرنا چاہا تھا۔

"ہاں۔ مناہل! ٹھہرو ایک منٹ۔" عارفہ کو شرمندگی بھی ہو رہی تھی اور پابندی وقت کا مظاہرہ کرنے والی اس لڑکی کی آمد پر جھنجلاہٹ بھی ہو رہی تھی۔ ابھی سارے کام ادھورے تھے' خود عارفہ کا حلیہ ابتر ہو رہا تھا' ایسے لوگوں کے سامنے اپنے امپریشن کی خاصی فکر رہتی تھی ویسے تو مناہل سادہ مزاج سی لڑکی تھی۔ لیکن تھی بہت پیاری اور آج تو وہ آسمانی رنگ کے سوٹ میں آسمان سے اتری کوئی حور ہی لگ رہی تھی۔

"کچھ دیر کو یہاں میرے پاس بیٹھ جاؤ بیٹی! عارفہ تم جلدی سے ہال کمرے میں سپارے وغیرہ رکھو بیٹا!" عفیفہ بیگم بیٹی کی مزاج آشنا تھیں سو نرمی سے مسکراتے ہوئے بیٹی کو منظر سے ہٹایا۔ عارفہ سرہلاتی تیزی سے اندر کی طرف بڑھی تھی۔ بچے نانو کی کہانی ادھوری رہ جانے پر بے چینی سے "آگے کیا ہوا نانو؟" کا راگ الاپ رہے تھے۔

"بچو! تم لاؤنج میں جا کر کارٹون دیکھو۔ باقی کہانی پھر سناؤں گی۔" انہوں نے بچوں کو بھی اندر بھیج دیا پھر مناہل کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"اور بیٹی! کتنے بہن بھائی ہو۔ پڑھتی ہو کیا؟"

باقاعدہ انٹرویو کا آغاز ہوگیا تھا۔ یہ کامنی سی لڑکی پہلی ہی نگاہ میں ان کے دل کو بھا گئی تھی۔ کتنا صبیح چہرہ تھا۔ کیسی مترنم آواز اور سب سے بڑھ کر چہرے کی معصومیت اور بھولپن۔ انہیں اپنے عون کے لیے ایسی ہی لڑکی تو چاہیے تھی۔ عارفہ کے سسر کی برسی نمٹ گئی تو انہوں نے بیٹی کے سامنے دل میں آیا خیال بیان کیا۔

"لڑکی تو واقعی بہت پیاری ہے امی! فیملی بھی سلجھی ہوئی اور پڑھی لکھی ہے۔ دو چار بار ہی ان کے گھر گئی ہوں مگر اندازہ ہوجاتا ہے کہ بہت وضع دار تہذیب یافتہ لوگ ہیں۔ حیرت ہے' یہ خیال میرے اپنے ذہن میں کیوں نہیں آیا۔ عارفہ نے بھی پرجوش انداز میں ماں کے آئیڈیا کی تائید کی تھی۔

"پھر صبوحی' افشاں اور نوریہ کو بھی دکھا دوں لڑکی۔ انہیں بھی پسند آئے گی نا؟" عفیفہ بیگم نے باقی بیٹیوں کا نام لیا تھا۔

"کیوں نہیں امی! سب کو فون کریں کہ پہلی فرصت میں آپ کے ہاں اکٹھی ہوجائیں پھر آپ سب میری طرف آجایئے گا۔ مل کر مناہل کے گھر چلیں گے اور

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

منابل کی ایک خوبی کا تو میں آپ سے ذکر ہی کرنا بھول گئی امی! اتنی پھرتیلی لڑکی ہے کہ جھٹ پٹ سارے کام نمٹا لیتی ہے' چار بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے۔ گھر کی ساری ذمہ داری اسی کے سر ہے' اپنی امی کو پلنگ سے اٹھنے نہیں دیتی۔ میں جب بھی ان کے گھر گئی ہوں۔ اس کے سلیقے سے متاثر ہو کر آئی ہوں' بہت مہمان نواز لوگ ہیں' تواضع کے لیے جھٹ پٹ میز سجا دیتی ہے۔ سارے گھر میں پھرکی بنی گھومتی ہے مگر مجال ہے جو ماتھے پر کبھی کوئی شکن آئے۔"

عارفہ نے اس کی مزید خوبیوں سے آگاہ کیا۔

"لو بھلا بتاؤ عارفہ! اسے کہتے ہیں۔ بچہ بغل میں ڈھنڈورا شہر میں۔ ایسی اچھی لڑکی تمہارے پڑوس میں بستی ہے اور تمہیں ایک بار بھی بھائی کے بارے میں خیال نہیں آیا۔" عفیفہ بیگم کو بیٹی کی عقل پر تعجب ہوا تھا۔

"صحیح کہتی ہیں امی! لیکن میرا بھی کیا قصور آپ ہی کہتی تھیں کہ خاندان سے بہو لانی ہے۔" عارفہ نے صاف گوئی سے جتایا۔

"ایسی پیاری تو ایک بھی لڑکی اپنے خاندان میں نہیں۔ خاندان والوں نے میرے شہزادے جیسے بیٹے کی قدر ہی نہیں کی اگر یہاں عون کی بات بن جائے تو چاند سورج کی جوڑی ہوگی میرے بیٹے بہو کی۔" عفیفہ بیگم ضرورت سے زیادہ ہی پرجوش ہو گئی تھیں۔

"ٹھیک ہے امی! چلیں گے منابل کے گھر' لیکن پلیز ابھی سے اتنی ایکسائٹڈ مت ہوں۔ ضروری تو نہیں جیسا ہم نے چاہا ہے ویسا ہی ہو۔ ہو سکتا ہے' وہ لوگ اپنی ذات برادری میں ہی شادی کرتے ہوں اور بھی کوئی مسئلہ ہو سکتا ہے اگر بات نہیں بنی تو پھر آپ کو رنج ہوگا۔" عارفہ نے رسانیت سے ماں کو سمجھایا۔

"جانتی ہوں بیٹا! جو ہوگا تو وہی جو منظور خدا ہوگا مگر اپنی سی کوشش کر کے دیکھ لیتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔"

عفیفہ بیگم مسکرائی تھیں' ان کا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ ہی لڑکی ان کے عون کا نصیب ہے اور وقت نے ثابت کر دیا کہ ان کے دل کی گواہی سچی تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلے ہفتے وہ اپنی چاروں بیٹیوں کے ساتھ منابل کا رشتہ مانگنے پہنچ گئی تھیں۔

"دیکھیے آنٹی! انکار مت کیجیے گا۔ ہم نے اپنی امی کے منہ سے منابل کی اتنی تعریف سنی کہ بغیر دیکھے ہی اسے اوکے کر دیا' اسی لیے آج ہم ڈائریکٹ رشتے کی بات کرنے آئے ہیں۔ ہمیں مایوس مت کیجیے گا۔"

سب سے بڑی صبوحی نے بہت اپنائیت اور عاجزی سے منابل کی ماں کو مخاطب کیا۔

"یقین جانیے' آپ لوگوں سے مل کر مجھے بھی بہت خوشی ہوئی ہے۔ منابل کے بھائیوں اور ابو سے مشورہ کر لوں۔ ایک بار آپ کے بیٹے سے مل لیں پھر وقت ضائع کیے بغیر اپنے جواب سے آپ کو آگاہ کر دیں گے۔" منابل کی پروقار سی ماں متانت سے گویا ہوئی تھیں۔

"ضرور بہن! ہمیں شدت سے آپ لوگوں کی آمد کی منتظر ہوں جب آپ کا پروگرام بنے عارفہ کے ساتھ آجائیے گا۔" عفیفہ بیگم نے خوش دلی سے انہیں مخاطب کیا۔

"ان شاء اللہ ایک دو روز میں چکر لگائیں گے۔" منابل کی ماں نے انہیں اطمینان دلایا تھا۔ وہ بیٹیوں کے ساتھ خوش خوش گھر واپس لوٹی تھیں۔ صبوحی' افشاں اور نوریہ کو بھی منابل بے حد پسند آئی تھی۔ وہ بھی اس رشتے کے لیے ماں کی طرح پرجوش ہوئی جا رہی تھیں۔ اکمل صاحب بھی دلچسپی سے تفصیلات جان رہے تھے۔ عون کو بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ اس بار ماں بہنیں اس کی شادی کروا کر ہی دم لیں گی ویسے بھی شادی کا اختیار اس نے اپنی مرضی سے ماں' بہنوں کو دیا ہوا تھا۔ اسٹوڈنٹ لائف میں اس نے کسی لڑکی کے عشق میں مبتلا ہونے کی حماقت سے اس لیے بھی گریز کیا تھا کہ اگر اظہار محبت میں دیر ہو گئی تو کہیں بعد میں پچھتاوے مقدر نہ بنیں اور اب ماں بہنیں جس لڑکی

کے قصیدے پڑھ رہی تھیں فطری طور پر وہ بھی ان باتوں میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"بہت سی لڑکیاں خوب صورت ہوتی ہیں ابا! لیکن منابل کے حسن میں تو عجیب سی تمکنت ہے۔ اسے دیکھو تو دیکھتے رہنے کو جی چاہتا ہے۔" افشاں ذرا ادبی مزاج کی لڑکی تھی سو شاعرانہ انداز میں منابل کی تعریف کی۔

"ہاں اور آج کل کی لڑکیوں جیسی تیزی طراری بھی نہیں۔ کوئی الٹا سیدھا فیشن نہیں کیا ہوا تھا۔ جب ہم گئے تو نماز کے لیے جائے نماز پر کھڑی تھی۔ چہرے پر بچوں جیسی معصومیت تھی۔" نوریہ کو دین سے خاصا لگاؤ تھا سو اسے بھی منابل کو نماز پڑھتا دیکھ کر بہت اچھا لگا تھا۔

"آواز ایسی کہ کانوں میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔ مؤدب' بااخلاق' ملنسار' ہنس مکھ۔" صبوحی نے چند اور خصوصیت کا اضافہ کیا۔

"اور ایک بات تم سب بتانا ہی بھول گئے۔" عفیفہ بیگم مسکرائی تھیں۔

"بھی کوئی اور خاصیت رہتی ہے امی!" عون نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر ماں کو دیکھا۔ عفیفہ بیگم نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آج کل تو اتنی بہت سی خصوصیات بیک وقت ایک موبائل فون میں ہی جمع ہو سکتی ہیں۔ اب یہ نہ کہہ دیجیے گا کہ اس میں ٹارچ اور کیمرا بھی ہے۔"

"بتائیں بیگم! بتائیں آپ کو لڑکی کی کون سی خوبی بھائی۔" اکمل صاحب نے دریافت کیا۔ بیٹیاں بھی سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"بھئی سچی بات ہے کہ ایسی پھرتیلی لڑکی میں نے اپنی زندگی میں کم کم ہی دیکھی ہے' ہم بنا اطلاع ان کے گھر گئے تھے جب ہم پہنچے تو منابل نماز پڑھ رہی تھی' اس کی ماں سبزی بنا رہی تھی۔ نماز پڑھ کر اس نے ہمیں سلام کیا اور سبزی کی ٹوکری اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔ ذرا سی دیر میں اس نے ہماری خاطر مدارت کا ڈھیروں سامان بھی میز پر سجا دیا تھا' تھوڑی دیر کو ہمارے پاس بیٹھی بھی تھی اور واپسی پر میں اس سے ملنے کچن میں گئی تو وہ ساری سبزی بنا کر سالن چڑھا چکی تھی۔ سنک میں ایک بھی بغیر دھلا برتن نظر نہ آرہا تھا۔ ہمارے چائے والے برتن دھل چکے تھے۔ آٹا گوندھ رہی تھی وہ۔ ذرا بتاؤ نا صبوحی! ہم بمشکل ایک گھنٹہ ہی بیٹھے ہوں گے نا وہاں۔ کتنی پھرتی سے اس نے سارے کام نمٹائے تھے۔ عارفہ بھی یہی بتاتی ہے کہ منابل کے کام کرنے کی رفتار بہت تیز ہے۔" عفیفہ بیگم نے اس کی سب سے "اہم" خاصیت گنوائی تھی۔

"خدارا امی! رحم کیجیے مجھ پر۔ ایسی برق رفتار ٹرین جیسی لڑکی سے میری شادی کروانے سے پہلے ایک بار تو سوچ لیں' کیا میرا اس کے ساتھ نباہ ہو بھی سکے گا۔" عون آخری خوبی سن کر بوکھلا ہی تو گیا تھا۔

"ابا! آپ ہی سمجھائیں امی کو۔ یہ سلسلہ یہیں روک دیں۔ دو متضاد طبیعتوں والے لوگ کیسے ایک دوسرے کے ساتھ گزارہ کر سکتے ہیں۔" عون کو واقعی خلجان ہونے لگا تھا۔

"تمہارے لیے ایسی ہی لڑکی موزوں رہے گی عون میاں اور یہ تم سے کس نے کہا کہ متضاد طبیعتوں والے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ نباہ نہیں کر سکتے۔ اپنی امی اور میری مثال لو۔ میں فضول خرچ ہوں تو یہ کفایت شعار۔ سوچو اگر دونوں فضول خرچ ہوتے تو آج کس حال میں ہوتے یا اگر تمہاری ماں کی طرح میں بھی کنجوس ہوتا تو تمہاری بے جا فرمائشیں کون پوری کرتا۔ تمہاری ماں کو بولنے کا شوق ہے اور مجھے سننے کا۔ یہ بولتی ہیں میں سنتا ہوں' یہی ہماری کامیاب ازدواجی زندگی کا راز ہے۔" اکمل صاحب مسکراتے ہوئے گویا ہوئے۔

"اچھا یہ اوٹ پٹانگ مثالیں دینا بند کریں اگر اس کو کم بولنا کہتے ہیں تو پتا نہیں زیادہ بولنا کیا ہوتا ہے۔" عفیفہ بیگم چڑ کر بولی تھیں۔ بچوں کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"کان کھول کر سن لو عون! اگر لڑکی والے تمہیں پسند کر گئے تو تمہاری شادی یہیں ہوگی۔ کوئی اگر مگر کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

ضرورت نہیں۔" عفیفہ بیگم اسے ڈپٹ کر بولی تھیں۔

"اچھا ٹھیک ہے لیکن آپ لڑکی والوں کو ایک بار میرے متعلق بتا دیجیے گا۔" اس نے رسانیت سے ماں کو مخاطب کیا۔

"لڑکی والوں کو میں کیا بتاؤں۔ وہ خود آکر دیکھ لیں گے۔ خوبصورت ہو، تعلیم یافتہ ہو، برسرروزگار ہو۔"

"اور بھی تو بہت کچھ ہوں امی۔" اس نے ان کی بات کاٹی۔

"سستی کا مارا، کاہل، یوستی، ہر کام میں بلاوجہ کی دیر کرنے والا وغیرہ وغیرہ۔" اس نے ماں کو ان کے دیے گئے القاب یاد کروانا چاہے تھے۔

"دیکھ رہے ہیں عون کے ابا! یہ کوئی بتانے والی باتیں ہیں۔ آپ کا بیٹا مجھے تنگ کرنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔" انہوں نے میاں سے شکایت لگائی۔

"امی صحیح کہہ رہی ہیں عون! بلاوجہ کی باتیں بنا کر تنگ مت کرو انہیں، مناہل جیسی لڑکی کا ساتھ ملے گا تو تمہاری عادتوں میں خود بخود سدھار آجائے گا۔ اگر تمہاری جیسی کوئی ست الوجود لڑکی اس گھر کی بہو بن کر آگئی تو اس گھر کا تو پھر اللہ ہی حافظ ہوگا۔" صبوحی نے بھی بھائی کو گھر کا۔

"اچھا ٹھیک ہے جی۔ یہ رشتہ آپ اپنی ذمہ داری پر جوڑیے۔ بعد میں اگر کوئی اونچ نیچ ہوئی تو میرا ذمہ تو ش پوش۔" اس نے اپنا مخصوص فقرہ دہرایا تھا۔

دو دن بعد مناہل کے گھر والے بھی عون کو دیکھنے آن پہنچے تھے۔ عفیفہ بیگم مغرب کی نماز کے بعد تسبیح اور وظائف کے ورد میں مشغول تھیں جب عارفہ کا فون آیا۔

"امی! عون آفس سے گھر آگیا نا۔" اس نے پہلی بات یہ ہی پوچھی۔

"ہاں بیٹا! ابھی آیا ہے، خیر تو ہے؟"

"بس آپ عون کو گھر پر ہی روک کر رکھیے میرے ساتھ مناہل کے امی ابو اور دو بھائی آرہے ہیں۔"

"ہائیں! اتنی اچانک دوپہر کو تم سے فون پر بات ہوئی تھی جب تک تو کوئی پروگرام نہ تھا۔" عفیفہ بیگم ذرا بوکھلا گئی تھیں۔

"بس ابھی پانچ منٹ پہلے مناہل کی امی میرے پاس آئی تھیں، پوچھ رہی تھیں کہ اگر میں فارغ ہوں تو ان کو ساتھ لے کر آپ کے ہاں چل پڑوں۔ میں نے ہامی بھر لی جیسے ہی وہ گھر سے نکلیں، میں نے آپ کو فون کھڑکا دیا۔" عارفہ نے جلدی جلدی ماں کو آگاہ کیا۔

"چلو وہ تو تم نے اچھا کیا جو مجھے بتا دیا لیکن اگر پہلے سے پروگرام کا پتا ہوتا تو میں کچھ اہتمام ہی کر لیتی۔ رات کے کھانے کا وقت ہونے والا ہے۔"

"امی! ہم بھی تو بغیر کسی پروگرام کے ہی ان کے ہاں پہنچے تھے۔" عارفہ نے یاد دلایا۔

"وہ تو میں نے اس لیے اپنی آمد کی اطلاع نہیں دی تھی بیٹا! کہ وہ لوگ غیر ضروری تکلفات میں نہ پڑ جائیں۔ لڑکی والوں کے ہاں جا کر خاطر مدارت کروانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"وہ بھی وضع دار لوگ ہیں امی! یہی سوچ کر پہلے سے اپنا پروگرام نہیں دیا اور کھانے وغیرہ کا تو اہتمام کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ ہماری طرح رات کو دیر سے کھانا نہیں کھاتے نہ ہی رات کو دیر سے سونے کے عادی ہیں۔ مغرب کے فوراً بعد ان کے ہاں رات کا کھانا کھا لیا جاتا ہے اور عشاء پڑھ کر سونے کی کرتے ہیں۔ سحر خیز فیملی ہے امی! فجر کے وقت گھر کا ہر بندہ اٹھ جاتا ہے۔" عارفہ پڑوس میں بسنے کی وجہ سے ان کے معمولات زندگی سے بخوبی آگاہ تھی۔

"امید ہے، کھانا تو ان لوگوں نے اب تک کھا لیا ہوگا بس آپ چائے پر اچھا سا اہتمام کر لیجیے۔ میں بھی جلدی سے تیار ہو کر گاؤن پہن رہی ہوں۔ بچوں کو تو گھر مدثر کے پاس چھوڑ کر آرہی ہوں بس ہم لوگ نکلنے ہی والے ہیں۔" عارفہ نے اطلاع دے کر فون بند کر دیا۔ عفیفہ بیگم لپک کر لاؤنج میں گئی تھیں۔

عون جوتوں سمیت صوفے پر نیم دراز تھا۔ توجہ ٹی وی کی جانب تھی۔ اکمل صاحب بھی پاس بیٹھے تھے دونوں باپ بیٹا بہت انہماک سے کرکٹ میچ دیکھ رہے تھے۔

"اتنی دیر ہو گئی ہے عون! تمہیں آفس سے آئے ہوئے۔ ابھی تک نہ کپڑے بدلے، نہ جوتے اتارے بیٹا! حد ہوتی ہے سستی کی۔" عفیفہ بیگم ناراضی سے گویا ہوئیں۔

"یار امی! گھر آکر بندہ تھوڑی دیر تو ریلیکس کر سکتا ہے نا۔ آج بہت تھکا ہوا ہوں۔" اس نے کسل مندی سے جواب دیا۔ عفیفہ بیگم نے اسے نظر بھر کر دیکھا۔ اس نے گھر آکر شاید صرف کوٹ اتارنے کی زحمت کی تھی۔ ٹائی ڈھیلی کر کے گلے میں لٹک رہی تھی۔ آستینیں فولڈ کی ہوئی تھیں بغیر دھلے چہرے پر دن بھر کی تھکن رقم تھی۔ اس سب کے باوجود ان کا بیٹا کتنا وجیہہ لگ رہا تھا۔ انہیں بے ساختہ اس پر ڈھیروں ڈھیر پیار آیا۔

"عارفہ کا فون آیا تھا۔ اس کے ساتھ تمہارے سسرال والے آرہے ہیں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے آگاہ کیا۔

"ابھی کہاں سے وہ میرے سسرال والے بن گئے۔" عون بدکا تھا۔

"نہیں بنے تو جلد ہی بن جائیں گے۔" عفیفہ مسکرائی تھیں۔

"اچھا اب آپ باپ بیٹا ٹی وی دیکھنا بند کریں، عون! تم جلدی سے فریش ہو کر کپڑے چینج کرو اور آپ مجھے بازار سے کچھ سامان لا دیں اتنی جلدی گھر میں کیا بناؤں۔ بازار سے منگوانا پڑے گا۔" عفیفہ بیگم نے پہلے عون اور پھر اکمل صاحب کو مخاطب کیا تھا۔

"اتنا زبردست میچ آرہا تھا یار! تمہارے سسرال والوں کو بھی آج آنا تھا۔" اکمل صاحب بدمزہ ہوتے ہوئے اٹھے تھے۔

"ابھی وہ صرف ہم سے ملنے آرہے ہیں۔ ہو سکتا ہے، مجھے ریجیکٹ کر جائیں۔ آپ لوگ ابھی سے سسرال سسرال مت کریں۔" عون خفگی سے بولا تھا۔

"منہ سے اچھی بات نکالا کرو عون!" عفیفہ بیگم نے اسے گھورا۔

"اور اب اٹھ جائیں آپ بھی۔ جلدی سے مجھے سامان لا دیں۔" انہوں نے ایک بار پھر اکمل صاحب کو مخاطب کیا۔

"ابا کو کیوں بے آرام کر رہی ہیں۔ مجھے بتائیں۔ کیا لانا ہے۔" عون اٹھا تھا۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ ماں باپ کا فرماں بردار بیٹا تھا لیکن اس وقت عفیفہ بیگم بیٹے کی فرماں برداری آزمانے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

"اپنے ابا کو جانے دو۔ تم گھنٹہ لگا دو گے پھر تم نے تیار بھی ہونا ہے۔"

"افوہ امی! میں کوئی لڑکی ہوں جس نے رشتہ دیکھنے والوں کی آمد پر سولہ سنگھار کرنے ہوں۔ آپ میرے کپڑے نکال کر رکھیے میں بائیک پر جاتا ہوں۔ بتائیے کیا لانا ہے، یوں گیا اور یوں آیا۔ ابا کو میچ دیکھنے دیں۔"

"اچھا لیکن جلدی آنا بیٹے!" عفیفہ بیگم نے اس پر اعتبار کر ہی لیا تھا۔

وہ ماں کو اطمینان دلاتا بائیک لے کر گھر سے نکلا تھا۔ مین روڈ پر آیا تو پڑوس کے رفیق صاحب کو رکشے کے انتظار میں کھڑا دیکھا تھا، ان کی گود میں ان کا ڈھائی سالہ پوتا تھا۔ وہ رکنا نہیں چاہتا تھا مگر رفیق صاحب نے اسے دیکھ لیا تھا۔ مروت کا تقاضا تھا کہ بائیک روک کر اس وقت ان سے سڑک کنارے کھڑے ہونے کا سبب پوچھا جائے۔

"خیریت تو ہے انکل!" اس نے بائیک ان کے قریب روک کر سلام کے بعد پوچھا تھا۔

"رکشے کے انتظار میں کھڑا تھا بیٹا۔ کاشان کو ڈاکٹر کے ہاں لے کر جانا ہے۔ تیز بخار ہو رہا ہے اسے۔" انہوں نے پوتے کا نام لیتے ہوئے بتایا تھا۔

"ریاض بھائی نہیں ہیں گھر پر؟" عون نے ان کے بیٹے کے متعلق دریافت کیا تھا۔

"وہ آفس کے کام سے لاہور گیا ہوا ہے۔ وہ ہوتا تو مجھے کاہے کو پریشانی ہوتی۔ رکشہ کوئی آتا نظر نہیں آرہا۔ ڈاکٹر تنویر کہیں کلینک بند کر کے چلے نہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

جائیں۔" رفیق صاحب پریشانی سے گویا ہوئے تھے۔
"آئیں انکل! بیٹھیں میں چھوڑ دیتا ہوں آپ کو ڈاکٹر تنویر کے کلینک تک۔" عون نے مروت میں آفر کی۔

"اللہ خوش رکھے بیٹا!" رفیق انکل تو جیسے اسی آفر کے انتظار میں تھے جھٹ پوتے سمیت بائیک پر اس کے پیچھے بیٹھ گئے۔ عون نے گہری سانس اندر کھینچتے ہوئے بائیک اسٹارٹ کردی۔

ڈاکٹر تنویر کا کلینک بہت زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ انہیں وہاں چھوڑنے کے ساتھ ہی واپس ہولے گا۔ اس نے دل میں سوچا تھا لیکن ضروری تو نہیں جیسا سوچا جائے ویسا ہو بھی جائے۔ ڈاکٹر تنویر کا کلینک بند ہوچکا تھا۔

"اب انکل؟" عون نے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

"اب تو ڈاکٹر فیاض کے ہی پاس جانا پڑے گا۔" رفیق انکل نے کہا تھا۔ عون کو نیکی گلے پڑتی نظر آرہی تھی۔

"انکل! میں کوئی رکشہ ڈھونڈتا ہوں' دراصل گھر پر کچھ گیسٹ آنے والے ہیں۔ امی نے ان کی خاطر مدارت کے لیے مجھ سے سامان منگوایا تھا۔ دیر نہ ہوجائے۔" اس نے اس بار لحاظ اور مروت بالائے طاق رکھتے ہوئے مجبوری سے آگاہ کیا۔

"دس منٹ لگیں گے یہاں۔ دیکھو کاشان کیسے کپکپا رہا ہے۔ رکشہ جانے کتنی دیر میں آئے۔"

رفیق انکل نے بائیک سے اترنے سے گریز کیا تھا۔ عون دل ہی دل میں بری طرح جھنجلا گیا تھا لیکن ابا کی عمر کے بندے سے کیا بحث کرتا' اس نے پھر موٹر سائیکل اسٹارٹ کردی تھی۔ ڈاکٹر فیاض کا کلینک اچھے خاصے فاصلے پر تھا' انہیں وہاں اتار کر وہ فوراً" واپس پلٹنا چاہتا تھا۔

"دو منٹ ٹھہرنا بیٹے! اگر زیادہ مریض نہیں ہوئے تو میں کاشان کا چیک اپ کروانے کے بعد تمہارے ساتھ ہی واپس چل پڑوں گا۔"

رفیق انکل کا شمار شاید ان لوگوں میں ہوتا تھا جن کے ساتھ کی گئی نیکی واقعی گلے پڑجاتی ہے۔

"بات دراصل یہ ہے انکل! کہ گھر پر میرے سسرال والے آنے والے ہیں بلکہ شاید اب تک تو پہنچ بھی چکے ہوں گے۔ مجھے پہنچنے میں دیر ہوگئی تو امی سخت خفا ہوں گی۔"

اس نے بمشکل غصہ ضبط کرتے ہوئے رفیق انکل کو مخاطب کیا۔ اسے خود کو احساس تک نہ ہوا کہ جن مہمانوں کو اتنی جلد سسرال والا قرار دینے پر وہ ماں باپ سے الجھ پڑا تھا' وہ خود انہیں اپنا سسرال والا کہہ چکا ہے شاید گھر والے اس رشتے کے لیے جتنے پرجوش تھے' وہ ذہنی طور پر تسلیم کرچکا تھا کہ یہاں رشتہ پکا ہو ہی جائے گا۔ رفیق انکل اس کی بات سن کر مسکرائے تھے۔

"واہ میاں! چپکے چپکے بات پکی کروالی۔ تمہارے باپ نے ہمیں مٹھائی تک نہ کھلائی۔" ان کا شمار ابا کے اچھے دوستوں میں ہوتا تھا' شاید اسی بات کا لحاظ کرتے ہوئے اس نے انہیں آج اتنی طویل لفٹ دی تھی لیکن اب وہ مزید مروت نبھالینے کے موڈ میں نہ تھا۔

"اگر میں دیر سے گھر پہنچا تو رشتہ پکا ہونے سے پہلے ہی ٹوٹ سکتا ہے انکل!" کہنے کے ساتھ ہی وہ زن سے بائیک بھگا کر لے گیا۔ کچھ آگے گیا تو خیال آیا' گھر فون کرکے ابا سے کہہ دے کہ امی کو سامان وہی لادیں اسے ابھی گھر پہنچنے میں کچھ دیر تو ضرور لگنی تھی۔ جیب سے موبائل نکالا تو چار مسڈ کالز موجود تھیں۔ آفس میں میٹنگ کے دوران موبائل سائلنٹ پر لگایا تھا' اسی لیے بیل سنائی نہ دی۔ بائیک ایک طرف روک کر اس نے ڈرتے ڈرتے گھر کا نمبر ملایا تھا۔ فون ابا نے ہی اٹھایا تھا۔

"کہاں رہ گئے برخوردار! کیوں اپنی ماں کے صبر اور ضبط کا امتحان لیتے ہو۔" ابا شدید خفگی کے عالم میں مخاطب ہوئے۔

"بس آرہا ہوں ابا! آپ امی کو سامان لادیں۔ مجھے آنے میں کچھ دیر لگے گی۔"

"مہمان پہنچ چکے ہیں عون! سامان کو گولی مارو اور تم

فوراً" آجاؤ ورنہ تمہاری ماں کے عتاب سے آج میں بھی تمہیں نہ بچاپاؤں گا۔" ابا نے وارننگ دی۔

"آتا ہوں ابا۔" اس نے پھر بائیک بھگائی تھی۔

٭ ٭ ٭

عفیفہ بیگم کے خوشی کے مارے زمین پر پاؤں نہ ٹک رہے تھے۔ مناہل کے گھر والوں کا ردعمل بہت ہی حوصلہ افزا تھا۔ دھول مٹی سے اٹا' تھکا ہارا عون بھی نہیں پسند آگیا تھا اور جب ماں کے پوچھنے پر عون نے مختصرا" انہیں رفیق انکل کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جانے کا بتایا تھا تو مہمانوں کی آنکھوں میں واضح طور پر پسندیدگی کا تاثر دیکھا جاسکتا تھا اور جب عون کے حواس بھی قدرے بحال ہوئے تو اسے مناہل کے ایک بھائی کی شکل کچھ جانی پہچانی لگی اسے دماغ پر زیادہ زور نہیں دینا پڑا تھا۔ شعیب ہائی اسکول میں اس کا کلاس فیلو تھا۔

"آپ بی سیکشن میں ہوتے تھے۔ ناصر صاحب آپ کے انچارج تھے ہم زیدی صاحب کی کلاس میں ہوتے تھے۔" وہ عون کو نہ پہچان پایا تھا تب عون نے اسے یاد دلانا چاہا۔

"یار! اس بات کو برسوں گزر گئے' آپ کی یادداشت واقعی کمال کی ہے کہ آپ کو دوسرے سیکشن میں ہونے کے باوجود میری شکل یاد رہ گئی۔ مجھے تو اپنے سیکشن سے لڑکے بھی بھول بھال گئے۔" شعیب اس کی یادداشت سے بہت متاثر نظر آرہا تھا۔

"حسان' اسد اور حارث یہ بھی آپ ہی کے گروپ میں تھے نا۔ حارث بہت اچھا کرکٹر تھا اور حسان بیت بازی کے مقابلوں میں حصہ لیتا تھا۔" عون نے اسے اپنی یادداشت سے مزید امپریس کردیا تھا۔ مناہل کے والدین بھی متاثر لگ رہے تھے۔

"ماشاء اللہ بیٹے! آپ کا حافظہ تو قابل تعریف ہے۔" مناہل کے والد نے برملا تعریف بھی کرڈالی۔ عفیفہ بیگم خوش ہوگئی تھیں' دل میں خدا کا شکر بھی ادا کیا کہ ان کے ذہین فطین بیٹے کی خوبی ہی ان لوگوں پر آشکار ہوئی۔ خاندان والے تو صرف ایک عادت کے پیچھے پڑے رہتے تھے۔

"آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ ہمیں اپنی بچی کے لیے ایسے ہی گھرانے کی تلاش تھی' اب آپ لوگ ہمارے ہاں آیئے' ساتھ کھانا کھائیں گے پھر ان شاء اللہ باقی معاملات طے کریں گے۔"

مناہل کے والد نے جاتے جاتے اکمل صاحب کو مخاطب کیا تھا۔ اکمل صاحب کو بھی یہ شریف اور وضع دار فیملی بہت اچھی لگی تھی۔ بہت تپاک سے مہمانوں کو رخصت کیا گیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد بیٹیوں کو فون کھڑکا کر جھٹ سے خوشخبری سنائی تھی۔

"بس امی! اگلی ملاقات پر شادی کی بات کرلیجئے گا۔ انہیں باور کروادیں کہ ہمیں شادی جلد کرنی ہے۔" صبوحی کا بس نہ چل رہا تھا کہ ابھی آکر اکلوتے بھائی کے سر پر سہرا سجادے' یہی حال باقی بیٹیوں کا تھا۔ عارفہ نے بھی گھر جانے کے ساتھ ہی فون کیا تھا۔

"مبارک ہو امی! عون ان لوگوں کو بے حد پسند آیا ہے۔ مناہل کی امی واپسی کے سفر میں بہت خوش تھیں۔ مجھے رشتہ پکا ہی ہوگیا بس اب شادی کی تیاری کریں۔

"رات بہت ہوگئی ہے آپی! شادی کی تیاریاں صبح سے شروع نہ کردیں۔ اب سونے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" موبائل کا اسپیکر آن تھا عون نے جمائی روکتے ہوئے بہن کو مخاطب کیا۔ عارفہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ عفیفہ بیگم بھی مسکرادیں۔

٭ ٭ ٭

اور پھر مناہل کے گھر والوں نے ان کی خواہش کا احترام کیا تھا۔ باضابطہ طور پر ہاں کرنے کے بعد عفیفہ بیگم کی تجویز کردہ شادی کی تاریخ بنا روکد کے مان لی تھی۔ عارفہ کی کوششوں سے عون کو مناہل کی تصویر مل گئی تھی۔ پہلی نگاہ میں ہی دل اس کی من موہنی صورت کا اسیر ہوگیا۔ ماں بہنیں زور و شور سے شادی کی تیاریاں کرنے لگیں پھر وہ دن بھی آگیا جب عون دولہا

WWW.PAKSOCIETY.COM

راجہ بنا شہزادیوں جیسی بیوی کو اپنے سنگ رخصت کروا کر لے آیا۔

خاندان میں سب نے ہی اس جوڑی کو خوب سراہا۔ عفیفہ بیگم خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھیں دل ہی دل میں رب کی شکر گزار بھی تھیں جس کی رحمت سے انہیں یہ خوشی کا دن دیکھنے کا موقع ملا۔ بیٹے کی بارات لے کر گھر لوٹیں۔ رسموں کے بعد دلہن کو بیڈ روم میں پہنچایا۔ بیٹیاں اپنے اپنے بچوں کو لے کر سونے لیٹ گئیں۔ تو بے تحاشا تھکن کے باوجود عفیفہ بیگم نے عشاء کی نماز پڑھ کر دو نفل شکرانے کے ادا کیے تھے۔ صبح فجر کے وقت ان کے علاوہ کوئی نہ اٹھ سکا تھا۔ تھکن سے سب کا برا حال تھا اور تو اور اکمل صاحب بھی گھوڑے گدھے بیچ کر سو رہے تھے۔

عفیفہ بیگم خاموشی سے جائے نماز لے کر نماز پڑھنے صحن کی طرف جانے لگیں کہ عون کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز پر ٹھٹک کر مڑیں۔ نہائی دھوئی نکھری ستھری سی مناہل دروازے میں سے باہر جھانک رہی تھی۔

"کچھ چاہیے بیٹا!" عفیفہ بیگم لپک کر اس کے پاس پہنچیں۔

"کمرے میں جائے نماز نہیں ہے امی۔ مجھے نماز پڑھنی ہے۔" اس نے کچھ جھجکتے، کچھ شرماتے ہوئے بتایا تھا۔

"ماشاءاللہ خوش رہو۔" عفیفہ بیگم نے بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی۔

"یہ لو جائے نماز، میں دوسری پر پڑھ لوں گی۔" انہوں نے اسے جائے نماز تھمائی تھی پھر ہر گزرتے دن کے ساتھ مناہل کی مزید خوبیاں ان پر آشکار ہوتی گئی تھیں، وہ اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکتیں جس نے انہیں حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت رکھنے والی بہو سے نوازا تھا۔ وہ اسے بمشکل ایک ہفتے ہی دلہنوں والا پروٹوکول دے سکی تھیں۔ آٹھویں دن وہ زبردستی کچن میں گھس گئی تھی۔

"مجھ سے واقعی فارغ نہیں بیٹھا جاتا امی! آج کھانا میں بناؤں گی۔" ان کی خواہش پر وہ آنٹی کے بجائے انہیں امی کہنے لگ گئی تھی۔ روکنے کے باوجود وہ دوپہر کے کھانے کی تیاری کرنے لگی۔ عون بھی آج گھر پر ہی تھا۔

"یار امی! پکانے دیں نا اپنی بہو کو۔ آئیں ہم اچھی سی مووی دیکھتے ہیں۔" وہ ماں کا ہاتھ پکڑ کر لاؤنج میں لے گیا۔

"ساری زندگی اسی نے ہی پکانا ہے، یہ شروع شروع کے تو دن ہیں بیٹا! جب دولہن کے چاؤ چونچلے اٹھائے جاتے ہیں۔ تمہارے دادا، دادی میری شادی سے پہلے اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ ولیمہ کے دوسرے دن جب مہمان رخصت ہو گئے تو گھر کی ذمہ داری میرے سر پڑ گئی تھی۔ یقین مانو، میں نے سوچ رکھا تھا کہ میں اپنی بہو کو پورا ایک ماہ بستر سے پاؤں نیچے نہیں اتارنے دوں گی لیکن میری بہو ہی انوکھی ہے، مجھے اپنے چاؤ پورے ہی نہیں کرنے دے رہی۔" وہ بظاہر خفگی سے بولیں مگر لہجے میں مناہل کے لیے ڈھیروں پیار چھپا تھا۔

"انوکھی ساس کی انوکھی بہو۔" عون مسکرایا تھا۔ عفیفہ بیگم بھی ہنس پڑیں۔

"اور یہ بتاؤ۔ دولہن کو ہنی مون پر کب لے کر جاؤ گے۔" انہیں اچانک خیال آیا تو پوچھ بیٹھیں۔ عون سر کھجا کر رہ گیا۔

"آپ کو تو پتا ہے نا، میرے آفس کولیگ شمس کی شادی بھی ابھی ہوئی ہے اس نے ہنی مون کی چھٹیوں کے لیے مجھ سے پہلے اپلائی کر دیا۔ دو لوگوں کو بیک وقت چھٹی تو نہیں مل سکتی نا۔ اب وہ آئے گا تب ہی میں جا سکتا ہوں۔" عون نے مجبوری سے آگاہ کیا۔

"حد ہوتی ہے عون! یعنی اس بار بھی تم نے دیر کر دی۔ شادی ہو گئی ہے تمہاری، اب تو عادتیں بدل ڈالو۔ دولہن سے کہوں گی، وہ ہی تمہارے کان کھینچے۔" عفیفہ بیگم کو بیٹے کی سستی پر تاؤ چڑھا تھا۔

"آپ اور ابا کم ہیں میرے کان کھینچنے کو جو اسے بھی اس کام پر لگائیں گی۔" وہ خفا ہوا۔ عفیفہ بیگم مسکرا دی تھیں۔

لنچ پر مناہل نے خاصا اہتمام کر لیا تھا۔ وہ واقعی بہت پھرتیلی لڑکی تھی، عفیفہ بیگم کو اس کے کام کی رفتار دیکھ کر حیرت بھی ہو رہی تھی اور خوشی بھی۔ اس نے عفیفہ بیگم کو ایک بھی کام کو ہاتھ نہ لگانے دیا تھا۔ دسترخوان پر کھانا چن دیا تب سب کو کھانے کے لیے بلایا۔

"چکن بریانی۔ واہ مزہ آ گیا۔" اکمل صاحب نے پہلا نوالہ لیتے ہی دل کھول کر تعریف کی تھی۔

"لاجواب بریانی بنائی ہے بہو۔ کھانے کے بعد انعام ملے گا تمہیں۔" وہ خوش دلی سے بولے تھے۔

"تھینک یو ابا!" مناہل شاباش ملنے پر خوش ہو گئی تھی۔ میاں کی طرح عفیفہ بیگم کو بھی چاول مرغوب تھے سو پلیٹ میں بریانی نکالی اور واقعی بہو کے ہاتھ میں بہت ذائقہ تھا۔ انہوں نے بھی برملا تعریف کی تھی۔ عون چاول شوق سے نہ کھاتا تھا۔ مناہل نے اس کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے کوفتوں کا سالن بنایا تھا۔ شکل سے وہ بھی بہت مزے دار لگ رہا تھا لیکن پہلا نوالہ لینے کے بعد عون کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہوئے تھے۔

"ذائقہ کچھ عجیب سا ہے۔" اس نے خود کلامی کی۔

"کہیں تم نمک ڈالنا تو نہیں بھول گئیں، ہے نا؟" عون نے ہی اندازہ لگایا کہ عجیب ذائقے کی وجہ سالن کا پھیکا پن ہے۔ مناہل ہانڈی میں سرے سے نمک ڈالنا ہی بھول گئی تھی۔

"سوری۔ جلدی میں نمک ڈالنا بھول گئی۔" وہ غلطی تسلیم کرتے ہوئے بری طرح شرمندہ ہوئی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! بھول چوک انسان سے ہی ہوتی ہے۔" عفیفہ بیگم نے اسے پیار سے مخاطب کیا تھا پھر عون کی جانب نمک دانی بڑھائی۔

"ہاں اب مزہ آیا نا۔ کوفتے بھی بہت مزے کے ہیں۔" عون نے سالن میں نمک چھڑک کر نوالہ لیا اور پھر فراخدلی سے تعریف بھی کر ڈالی۔ مناہل زبردستی مسکرا دی۔ عفیفہ بیگم کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بہو پہلی بار کھانا پکانے میں کی جانے والی غلطی کی وجہ سے شرمندہ ہو رہی ہے شاید پہلی بار سسرال میں کھانا پکاتے ہوئے ہر لڑکی ہی کنفیوز ہو جاتی ہے۔ انہوں نے دوسری باتیں چھیڑ کر اس کا دھیان بٹانا چاہا تھا اور وہ اس کوشش میں کامیاب بھی ہو گئیں۔

"شام کو تمہاری پھوپھو کے ہاں دعوت ہے عون! دیر مت کرنا وقت پر تیار ہو جانا۔" کھانے کے بعد عون آرام کرنے کی غرض سے بیڈ روم کی طرف جا رہا تھا جب عفیفہ بیگم نے یاد دہانی کروائی۔

"رات میں ابھی بہت دیر ہے امی۔ ڈونٹ وری ہم وقت پر تیار ہو جائیں گے۔" عون نے انہیں تسلی دی تھی لیکن شام کو ایک اور ایمرجنسی پڑ گئی تھی۔ عون نے مناہل کو منہ دکھائی میں نازک سی ڈائمنڈ رنگ دی تھی اور وہ مناہل کہیں رکھ کر بھول گئی تھی۔

"اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو بیٹا! ڈھونڈ رہے ہیں نا۔ مل جائے گی انگوٹھی۔ ظاہر ہے گھر میں ہی ہو گی۔" عفیفہ بیگم نے اس کی پریشان شکل دیکھ کر تسلی دی۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل کی درازیں الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ چہرے سے پریشانی مترشح تھی۔ عون بھی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر دھری اشیا ادھر ادھر کرتے ہوئے انگوٹھی ڈھونڈ رہا تھا۔ عفیفہ بیگم نے بیڈ شیٹ جھاڑ کر دوبارہ بچھائی۔

"اتنی قیمتی انگوٹھی تھی۔ اور پھر منہ دکھائی میں ملی تھی۔ کہیں کھو ہی نہ گئی ہو۔" مناہل روہانسی ہو رہی تھی۔

"یار مسز! اتنی پریشانی کی بھی کوئی بات نہیں۔ آپ کا منہ دیکھ کر میرا ابھی تک دل نہیں بھرا۔ میں کچھ دن میں پیسے جوڑ کر آپ کو ایک اور رنگ گفٹ کر دوں گا۔" عون نے اسے اپنے انداز سے تسلی دی تھی، عفیفہ بیگم کو ہنسی آ گئی لیکن مناہل کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں ابھر سکی تھی۔

"بہو بہت ہی حساس ہے، اتنی جلد پریشان ہو جاتی ہے۔" انہوں نے دل میں سوچا تھا۔

"دعوت میں بھی جانا ہے، دیر ہو رہی ہے لیکن کہیں بھی جاؤں لوگ سب سے پہلے سوال یہی کرتے

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہیں کہ منہ دکھائی میں کیا ملا؟" مناہل کو پریشان کرنے والی بہتیری باتیں تھیں۔

"ایک انگوٹھی کی کیا اوقات ہے یار! کہہ دینا منہ دکھائی میں مجھے ڈیشنگ سا شوہر ملا۔"

عون ذرا سنجیدہ نہ تھا پھر بھی مناہل کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے اس کے ساتھ مستقل انگوٹھی کی تلاش میں مصروف تھا۔ عفیفہ بیگم کچن میں بھی انگوٹھی ڈھونڈ آئی تھیں پھر انہیں کچھ خیال آیا تو واش روم گئی تھیں۔ واش بیسن کے کنارے پر انگوٹھی پڑی تھی۔ انہوں نے سکون کا سانس لیا۔ انگوٹھی لے جاکر مناہل کو تھمائی۔

"واش بیسن پر پڑی تھی۔" انہوں نے بتایا۔

"تھینک گاڈ! مل گئی اب مجھے یاد آیا' وضو کرتے وقت اتاری تھی۔ پھر پہننا بھول گئی۔" مناہل نے جھٹ انگوٹھی انگلی میں ڈالی تھی۔

"چلو' اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" عفیفہ بیگم نے پیار سے کہا۔

اور تیار وہ واقعی بہت جلدی ہو گئی تھی۔ بہت پیاری بھی لگ رہی تھی عفیفہ بیگم نے بہت محبت سے اپنی بہو کو دیکھا۔ ہر کام پھرتی سے نمٹانے والی مناہل کتنا جلد پریشان ہو جاتی تھی۔ "بہت حساس لڑکی ہے" انہوں نے دل میں سوچا۔

☼ ☼ ☼

عون اور مناہل کا دعوتی پیریڈ جاری تھا۔ روز ہی کہیں نہ کہیں مدعو ہوتے۔ انوائیٹ تو اکمل صاحب اور عفیفہ بیگم کو بھی کیا جاتا تھا لیکن وہ معذرت کر لیتے تھے۔ آج بھی عون اور مناہل ان کے بھائی بھاوج کے ہاں مدعو تھے وہی بھاوج جو عون کے لیے اپنی بیٹی کا رشتہ مانگنے پر جراغ پا ہو گئی تھیں۔ عفیفہ بیگم چاہتی تھیں کہ آج مناہل کی تیاری ہر لحاظ سے مکمل ہو۔ انہوں نے خود اس کے لیے سوٹ منتخب کیا تھا۔ مناہل فطرتاً سادہ مزاج لڑکی تھی اسے زیادہ بھاری کپڑے پہنتے ہوئے

الجھن ہوتی تھی مگر آج عفیفہ بیگم نے اسے فیروزی رنگ کا بہت اسٹائلش کامدانی سوٹ پہننے کا کہا تھا۔ سوٹ اس کے جہیز کا ہی تھا وہ پہلے ایک بار پہن چکی تھی اور اتنی خوبصورت لگی تھی کہ عفیفہ بیگم کو اس کی نظر اتارنی پڑی تھی۔ آج بھی انہوں نے کندن کی جیولری کے ساتھ مناہل کو وہ ہی سوٹ پہننے کا کہا تھا۔ وہ تیار ہو کر آئی تو عفیفہ بیگم نے اس کی پیشانی چوم کر اس پر پڑھ کر پھونکا تھا۔

"کچھ پیار بھری نگاہ ہم پر بھی ڈال لیں۔ ہم بھی کسی سے کم تو نہیں لگ رہے۔" عون مسکراتے ہوئے کمرے سے نکلا۔ وہ بھی آج بہت ڈیشنگ لگ رہا تھا۔

"ماشاء اللہ چاند سورج کی جوڑی ہے میرے بیٹے بہو کی۔" عفیفہ بیگم نے بیٹے کو بھی پیار کیا تھا۔

"اب اس پیار محبت کے سیشن کی وجہ سے دیر ہو تو ہو۔ میں تو آج وقت پر تیار ہو گیا ہوں۔" عون خوشگوار انداز میں مسکرایا۔

"ہاں بیٹا! تیار ہو گئے ہو تو جانے میں دیر مت کرو۔ اپنی ممانی کے مزاج کا اندازہ ہے نا۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی انہوں نے دعوت تو کر دی تمہاری لیکن پہنچنے میں دیر ہو گئی تو طنز کرنے سے باز نہیں آئیں گی۔" عفیفہ بیگم نے کہا۔

"ٹھیک ہے امی! چلتے ہیں' راستے میں کیک یا مٹھائی لینے کے لیے بھی تو رکنا ہو گا۔" عون ماں کو خدا حافظ کہتا پورچ کی طرف بڑھا۔ پیچھے پیچھے مناہل تھی۔ دونوں کو رخصت کر کے عفیفہ بیگم لاؤنج میں آکر بیٹھ گئیں۔ اکمل صاحب بھی کسی دوست سے ملنے گئے تھے۔ وہ فارغ تھیں سو ٹی وی دیکھنے لگیں۔ پندرہ منٹ گزرے تھے کہ ان کی نگاہ سائیڈ والے صوفے پر پڑی۔ اس پر مناہل کا ہینڈ بیگ دھرا تھا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔ جانے سے پہلے جب مناہل عبایا پہن رہی تھی تو اس نے اپنا دوپٹہ تہہ کر کے ہینڈ بیگ میں ڈالا تھا اور جاتے ہوئے

ہینڈ بیگ اٹھانا ہی بھول گئی۔

"عجیب بھلکڑ لڑکی ہے۔ اب وہاں جاکر کسی اور کا دوپٹہ مانگ کر پہننا پڑے گا۔ اتنا خوبصورت سوٹ پہن کر گئی اور دوپٹہ بھول گئی۔ حد ہوتی ہے بھلکڑ پن کی۔" انہیں سخت قلق ہو رہا تھا۔ ان کی بھابھی کو تو مذاق اڑانے کا بہانہ مل جائے گا۔ انہوں نے چند لمحوں کے لیے سوچا تھا پھر عون کا نمبر ملایا۔

"کہاں پہنچے ہو بیٹا؟" انہوں نے پوچھا۔

"امی! ابھی تو قریبی بیکرز سے کیک لینے رکے ہوئے ہیں۔ خیریت تو ہے نا۔" عون نے پریشانی سے دریافت کیا۔

"ابھی گھر سے بہت زیادہ دور نہیں گئے بیٹا۔ گھر واپس آؤ۔ مناہل اپنا دوپٹہ اور بیگ بھول گئی ہے۔"

انہوں نے انہیں واپس بلانے کو ترجیح دی تھی۔ دعوت میں دیر سے پہنچتے تو خیر تھی۔ عون کی دیر کرنے والی عادت سے خاندان والے بخوبی آگاہ تھے لیکن ان کی بہو کے بھلکڑ پن پر کوئی بات بنائے' یہ انہیں گوارا نہ تھا۔ چند منٹ میں ہی عون اور مناہل واپس آگئے تھے۔

"میری وجہ سے دیر ہو گئی۔ جاتے ہوئے بیگ اٹھانا ہی بھول گئی۔" مناہل حد سے زیادہ شرمندہ ہو رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! بھول چوک انسان سے ہی ہوتی ہے اب خیر سے جاؤ اور خبردار عون! جو جلدی پہنچنے کے چکر میں تیز ڈرائیونگ کی۔" وہ عون کو نصیحت کرنا نہ بھولی تھیں۔ وہ ماں کو تسلی دیتا مناہل کے ساتھ واپس چلا گیا۔

عفیفہ گہری سانس کھینچ کر رہ گئی تھیں۔

اور دو تین دن بعد کی ہی بات تھی۔ شام کا وقت تھا۔ وہ مناہل کو عون کے بچپن کی باتیں اور شرارتوں کے قصے سنا رہی تھیں۔ مناہل بہت محویت سے ساس کی باتیں سن رہی تھی۔ عون مغرب کی نماز پڑھ کر گھر آیا تو وہ بھی گفتگو میں شامل ہو گیا۔

"ایسے مزہ نہیں آرہا۔ میں پرانے البمز نکال کر لاتا ہوں تاکہ تم بھی تو میرے حسین بچپن کی تصویریں دیکھو۔" عون البمز نکال لایا تھا۔ عفیفہ محبت سے عون اور مناہل کو دیکھ رہی تھیں۔ گھر میں اتری کیسی رونق بھری خوشگوار شام تھی۔ تب ہی ان کے موبائل پر صبوحی کی کال آئی تھی۔

"عون سے کہیے گا امی! دیر مت کرے۔ میرے سسرال کا معاملہ ہے۔ یہ نہ ہو کہ دسترخوان سجا کر سب ان کے انتظار میں بیٹھے ہوں۔" صبوحی نے سلام دعا کے بعد پہلی بات یہی کی تھی۔

"کیا کہہ رہی ہو صبوحی! کیا عون نے تمہارے سسرال آنا ہے؟"

عفیفہ نے حیرانی سے دریافت کیا تھا اور اسی لمحے ان کی نگاہ مناہل کے چہرے پر پڑی ان کے منہ سے صبوحی کی سسرال کا ذکر سن کر اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ وہ ہکلاتے ہوئے عفیفہ سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ عون بیوی کی بوکھلاہٹ دیکھ کر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپا کے سسرال میں آج ہماری دعوت ہے۔ کل رات آپا نے فون کر کے بتایا تھا۔ میں آپ کو بتانا بھول

WWW.PAKSOCIETY.COM

گئی۔" وہ دھیمے لہجے میں عون سے مخاطب تھی۔ عفیفہ بیگم کو معاملہ سمجھ میں آگیا تھا۔

"تم فکر نہ کرو صبوحی! عون اور مناہل تیار ہو کر نکلنے ہی والے ہیں۔" انہوں نے بیٹی کو تسلی دے کر کال ڈسکنکٹ کی تھی پھر بہو پر خفگی بھری نگاہ ڈالی۔

"سوری امی! ذہن سے بالکل نکل گیا تھا۔ رات کو جب آپی کا فون آیا۔ عون گھر سے باہر گئے ہوئے تھے آپ اور ابا اپنے بیڈ روم میں تھے۔ آپ لوگوں سے ذکر کرنا یاد نہیں رہا اور ..." وہ وضاحت دیتے دیتے روہانسی ہونے لگی۔

"اچھا چلو کوئی بات نہیں۔ شکر ہے صبوحی کا فون آگیا بس تم لوگ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" انہوں نے اس بار اسے نرمی سے مخاطب کیا۔

"جی امی!" وہ پلکیں جھپک جھپک کر آنسو روکتی کتنی معصوم لگی تھی۔ "میں بس دس منٹ میں ریڈی ہو کر آتی ہوں۔" وہ تیزی سے بیڈ روم کی طرف بڑھی۔ اس کے جانے کے بعد عون اور عفیفہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"میں دس منٹ میں ہرگز تیار نہیں ہو سکتا۔ جانتی ہیں آپ۔ کپڑے میرے ٹھیک ہیں۔ منہ دھو کر بال بنا لوں گا کیونکہ آپ کی بہو واقعی تیار ہونے میں دس منٹ لگائے گی۔" عون نے کہا۔ عفیفہ نے ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ عون کچھ دیر تک ماں کی شکل دیکھتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"یار امی! بھول چوک اور دیر سویر انسانوں سے ہی ہوتی ہے' ہے نا ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں۔" اس نے شرارتی لہجے میں ماں کو مخاطب کیا۔

وہ اس کے لہجے میں شرارت بھانپ گئی تھیں۔ وہ انہیں کیا جتانا چاہتا تھا یہ بھی جان گئی تھیں یعنی جس نتیجے پر وہ پہنچی تھیں۔ عون بھی وہی نتیجہ اخذ کر چکا تھا۔ مناہل کا بار بار کچھ بھولنا محض اتفاق نہیں تھا۔ یہ اس کی عادت تھی۔ ان کی خوب صورت' خوب سیرت چست پھرتیلی اور سگھڑ بہو بلا کی بھلکڑ تھی۔ یہ حقیقت جان کر ان کے دل کو دھچکا ضرور لگا تھا لیکن چند لمحوں میں انہوں نے خود کو سمجھا بھی لیا تھا۔ جب وہ اپنے بیٹے کی سستی اور کاہلی سے مسلسل سمجھوتا کرتی آرہی تھیں تو ڈھیروں خوبیاں رکھنے والی اپنی بہو کی ایک خامی کیوں نظرانداز نہیں کر سکتی تھیں جب انہوں نے مناہل کے منہ سے خود کو آنٹی کہلوانے کے بجائے امی کہلوایا تھا تو ماں کا ظرف تو بہت وسیع ہوتا ہے اولاد کی شخصیت یا عادتوں میں پائے جانے والی چھوٹی موٹی خامی یا کمی بخوشی نظرانداز کر دیتی ہے۔ عفیفہ بیگم عون کی ماں تھیں تو مناہل کے لیے ماں جیسی بننا چاہتی تھیں' سو عون کو شرارت سے مسکراتے ہوئے مخاطب کیا تھا۔

"بیٹا جی! جب میں ست الوجود بیٹا برداشت کر سکتی ہوں تو بھلکڑ بہو کے ساتھ بھی گزارا کر سکتی ہوں' اب کمپرومائز کرنے کی باری ہماری نہیں تمہاری ہے۔ اپنی ان ہی عادتوں کے ساتھ تم دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ نباہ بھی کرنا ہوگا اور ایک دوسرے کی خاطر اپنی عادتیں بدلنے کی کوشش بھی کرنی ہوگی۔"

انہوں نے بیٹے کو پیار سے مخاطب کیا۔ اتنے میں مناہل نے کمرے سے باہر جھانکا تھا۔ وہ کپڑے تبدیل کر چکی تھی اور اب بال بنانے کے لیے برش ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ ریشمی بالوں کا آبشار پشت پر پھیلا ہوا تھا۔

"آپ تو چینج کر لیں۔ دیر نہ ہو جائے۔" وہ عون سے مخاطب تھی۔ عون نے ایک نگاہ بیوی پر ڈالی پھر ماں کے کان میں گھس کر سرگوشی کی۔

"جیون ساتھی اتنا حسین ہو تو نباہ تو خود بخود ہو جائے گا۔ بے فکر رہیں۔ رہی بات عادتوں کی تو عادت چھوٹتے چھوٹتے بھی دیر تو لگتی ہے نا۔"

عفیفہ بیگم مسکرا دی تھیں۔ جانتی تھیں بیٹے کے دل مل گئے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ عادتوں میں بھی سدھار آہی جائے گا۔ ان کی دنیا امید پر تھی۔

"ساس نہیں راس۔"

یہ فقرہ تو آپ نے یقیناً "سنا ہو گا... میں اس فقرے پر من و عن یقین رکھتی ہوں... اس میں شک نہ نہ... ایک فیصد بھی نہیں...

بھئی بات دراصل یہ ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں دو عدد "ساسیں" دیکھی ہیں اور ان سے نبرد آزما ہوتی میری اماں اکیلی... اس محاذ پر میں نے ہمیشہ اماں کو اکیلے ہی لڑتے... لڑتے نہیں منمناتے دیکھا ہے... اور سیانے کہتے ہیں ناکہ... دوسروں کے تجربے سے سیکھنے والا عقلمند ہوتا ہے تو بس میں نے اسی تجربے کی ہزار واٹ کی روشنی میں ایک فیصلہ کیا اور اپنی اماں کو واشگاف الفاظ میں اس سے آگاہ کیا۔ "اماں... میں شادی وہاں کروں گی جہاں ساس سرے سے موجود ہی نہ ہو..." بے شک اس اعلان کے بعد اماں نے چمٹے سے میری تواضع کی مگر میں اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہوئی...

اماں بتاتی ہیں جب ان کی شادی ہوئی تو انہوں نے گھر میں دو عدد ساسیں دیکھیں... ایک دادی اماں اور دوسری پھپھی اماں۔ دراصل پھپھی اماں میرے ابا کی پھپھی اور دادی کی نند تھیں اور نام تھا ان کا "الطاف بیگم"... پھپھی اماں کی شادی جب ہوئی تب دادی بتاتی ہیں انہوں نے حقیقتاً "شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔ دراصل پھپھی اماں کا صرف نام ہی مردانہ نہیں تھا عادتیں بھی خاصی مردمار قسم کی تھیں... سو سسرال والوں کی کھڑی ناک پر پھپھی اماں چار دن نہ ٹک سکیں اور پھسل کے واپس میکے کی دہلیز پر آبیٹھیں... وہ بھی فقط چھ ماہ بعد ہی... خوب ہی واویلا کیا تھا پھپھی اماں نے... دادی نے خاصی دلجوئی کی نند کی... مگر وہ کیا ہے "نند صاحبہ کو ایک آنکھ نہ بھائی... تڑپ کر بولیں "تم کیوں نہ سوئے بھائی ہو تم تو چاہتی ہی یہی تھیں کہ میں بس نہ سکوں۔ واپس آجاؤں۔"

اتنے واضح جھٹکے کے بعد دادی اماں نے بھی نرم دلی

طوبیٰ فاضل

WWW.PAKSOCIETY.COM

کا چولا اتارا اور کود گئیں میدان میں۔۔۔ "ہاں جیسے میں پاگل تھی جو چاہتی تھی کہ تم میرے سینے پر مونگ دلنے کو واپس آجاؤ۔۔۔"

بس وہ دن تھا جب دونوں طرف محاذ آرائی شروع ہوئی اور یہ محاذ آرائی تب تک جاری رہی جب تک میری اماں بیاہ کر اس گھر میں نہ آگئیں۔۔۔ ویسے تو ان نند بھاوج کی آپس میں ٹھنی رہتی۔۔۔ مگر اماں کے معاملے میں جو ایکا ہوا تو پھر تا زندگی کوئی مائی کا لال دراڑ نہ ڈال سکا۔۔۔

اماں بے چاری ابا کی پسند تھیں اور ابا ٹھہرے گھر کے واحد کفیل۔ کماؤ پوت کو قبضے میں رکھنے کے لیے دادی نے ابا کی پسند کو پسند تو کرلیا۔۔۔ مگر اپنا نہ سکیں اور ابا بے چارے ساری عمر دادی کے احسان تلے دبے رہے کہ اماں نے اپنی خواہش پس پشت ڈال کر ان کی من مرضی پوری کی اور کبھی دادی کے سامنے سر نہ اٹھا سکے۔

☆ ☆ ☆

اماں بتاتی ہیں کہ۔۔۔ ان کے ہاں میں وارد ہونے والی تھی۔ اماں کا دل چاہا میٹھے چاول کھانے کو۔۔۔ اب دادی سے فرمائش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔۔۔ کچن میں پکاتی اماں تھیں مگر بتاتی دادی تھیں۔

کچن کی اشیا پر ایسا عقابی نگاہوں کا قبضہ تھا دادی اور پھپھی اماں کا کہ چڑیا پر نہ مار سکے۔ اب یہ اماں کی خوش نصیبی کہ خالہ نصیبن۔۔۔ دادی اور پھپھی اماں کی گہری سہیلی کی والدہ ماجدہ فوت ہو گئیں۔۔۔ سو جنازے پر پہنچنا ناگزیر۔۔۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اماں کو گھر میں اکیلے ہی چھوڑ کے جانا پڑا۔۔۔ اماں نے بھی موقع سے خوب فائدہ اٹھایا۔ جھٹ پٹ چاول بنائے کچھ خود کھائے کچھ پرندوں کو ڈال دیے۔۔۔ پھر برتن دھو سکھا کر رکھے اور برآمدے میں لگے تخت پر بیٹھ گئیں۔

"اماں! کیا دادی لوگوں کو شک نہ ہوا کہ آپ نے کچھ کھایا ہے؟"

"ارے بیٹا! ایک تو ثبوت کوئی نہ چھوڑا تھا دوسرا چاول پورے پکے ہی کہاں تھے۔۔۔ کچے پکے چاولوں نے پیٹ میں جا کر وہ ادھم مچایا کہ سارے جسم کی چولیں ہل گئیں۔ تمہاری دادیاں سمجھیں کہ خالی پیٹ کا درد ہے۔

سارے حکیموں کی پھکیاں۔۔۔ گولیاں کھلا دیں تب کہیں جا کے آرام نصیب ہوا اور پھر میں نے تب توبہ کرلی چوری چھپے کھانے سے۔۔۔"

"اماں مگر یہ چوری تو نہیں تھی۔۔۔ آپ کا اپنا گھر تھا۔۔۔ اپنے شوہر کی کمائی۔۔۔ چوری کیسی۔۔۔" میں نے اماں کو کہا۔

"ارے میری بٹیا رانی چوری چھپے کھائی تو تھی نا کسی کے علم میں لائے بغیر۔۔۔" ہائے میری بھولی اماں۔۔۔

"اماں! آپ نے کبھی ابا سے شکایت نہیں کی؟" جوش جذبات میں ایک دن اماں سے کہا۔

"بتایا تھا بیٹا ایک بار۔۔۔ تب تمہارے ابا بولے۔۔۔ شائستہ بیگم! میں اماں کا پہلے ہی بے حد احسان مند ہوں جنہوں نے میری پسند کو مقدم جانا اور مجھے تمہاری ہم سفری بخشی۔۔۔ اب مزید کیا ڈیمانڈ کروں۔"

"اور آپ نے ایسی شائستگی کا ثبوت دیا کہ پلٹ کے پھر کوئی شکایت نہ لگائی۔۔۔" میں جل ہی تو گئی تھی۔

میرے بعد فرخ اور حمدان کی آمد کے بعد اماں ابا کی فیملی تو مکمل ہو گئی مگر دادی اور پھپھی اماں نے ذمہ داریوں کا جو کے ٹو اماں کے سامنے کھڑا کیا تھا۔ اس کا قد مزید اونچا ہو گیا۔

"اماں! آپ کو کبھی یاد ہے دادی نے محبت کے دو بول بولے ہوں۔۔۔"

"ہاں ایک بار ایسا ہوا تھا۔" بہت سوچ چکنے کے بعد اماں نے آخر کوئی خوش کن لمحہ ڈھونڈ نکالا۔۔۔ "ایک بار سنا تھا اماں کسی رشتے دار سے کہہ رہی تھیں کہ ارے لاکھوں میں ایک ہے میری بہو۔۔۔ سیاہ کروں یا سفید مجال ہے جو چوں بھی کرسکے۔"

"ہاہاہا۔۔۔ اماں یہ محبت کے بول ہیں؟" میری تو ہنسی ہی نکل گئی۔

کئی کارگزاریاں تو میرے سامنے کی تھیں۔ جیسے ایک دن اماں کی طبیعت کچھ ناساز تھی مگر پھپھی اماں حکم نامہ جاری کر گئیں کہ وہ غسل فرمانے جارہی ہیں شائستہ بہو ان کے کپڑے استری کردے۔ اماں بے چاری کچن میں مصروف۔ بھول گئیں۔۔۔

وہ تو جب باتھ روم سے پھپھی اماں کی دھاڑ سنائی دی تو اماں کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ میں تب کالج سے واپس آئی ہی تھی صورت حال سمجھنے میں مجھے صرف لمحہ ہی لگا تھا۔ پھپھی اماں پرانے کپڑے پہنے باتھ روم سے برآمد ہوئیں اور لگیں ہائے وائے کرنے۔

"ہائے بھاوج۔۔۔ لچھن تو دیکھو بہو بیگم کے۔۔۔ ایک ذرا سا کام کہا تھا وہ بھی کر کے نہ دیا۔۔۔ ہائے یہ قدر ہے میری اس گھر میں۔۔۔ ہائے بھابھی اگر تم نہ رہیں تو کیا بنے گا میرا اور اماں کے لتے لیتی دادی ٹھٹکیں اور دو ہتڑ پھپھی اماں کے جڑ دیا۔

"اے نوج۔۔۔ بندے کا منہ اچھا نہ ہو تو کم از کم بات ہی اچھی کردے۔۔۔ مگر تمہیں کبھی توفیق نہ ہوئی خیر کا کلمہ منہ سے نکالنے کی۔۔۔"

"یہ لیں پھپھی اماں آپ کا جوڑا۔۔۔" میں جھٹ پٹ کپڑے استری کر لائی اور اماں نے حقیقتاً "شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔

☆ ☆ ☆

دادی کو پہلا کمر توڑ جھٹکا تب لگا جب پھپھی اماں ایک رات سوئیں تو پھر اٹھ نہ سکیں۔ دادی خوب ہی روئیں۔ آخر اتنے برسوں کا ساتھ تھا۔ دنوں گم صم رہیں۔ مزید بھی رہتیں مگر انہیں بروقت سوجھ گیا کہ بہو انہیں اکیلا سمجھ کر حاوی ہی نہ ہو جائے۔ اب اسے دادی کی معصومیت ہی کہوں گی۔۔۔ اتنے سال تو شیر بھی پنجرے میں رہے تو بکری بن جائے۔ یہ تو پھر میری بے زبان اماں تھیں۔۔۔ دادی کا دم خم تو واقعی نہیں رہا تھا۔ مگر وہ پھر بھی کوششیں کیے رکھتیں اماں کو تگنی کا ناچ نچانے میں۔۔۔ پہلے تو بات کو اللہ بخشے پھپھی اماں بڑھاوا دیا کرتی تھیں اب دادی خود اس فن میں طاق ہو چکی تھیں۔

"اماں! آپ دادی کو جواب نہیں دیتیں نا۔۔۔ اسی لیے وہ اتنا سر چڑھی ہیں

مم۔۔۔ میرا مطلب ہے اتنی حاوی ہیں کہ ہر وقت ذلیل کیے رکھتی ہیں آپ کو۔۔۔"

اماں کی گھوری سے ڈر کر بات بدل دی میں نے۔

"ارے بیٹا کبھی جوانی میں جواب نہ دیا ڈھنگ سے۔۔۔ اب تو خیر اپنی اولاد جوان ہو گئی ہے۔"

"دیکھا یہی آپ کی بزدلی ہے جو دادی آپ کو خاطر میں نہیں لاتیں۔۔۔"

"ارے بیٹا۔۔۔ تمہاری دادی بیوہ عورت تھیں ان کے اپنے خوف تھے۔ بیٹے کی خواہش تو پوری کردی مگر ساری عمر یہی خوف دامن گیر رہا کہ کہیں بیٹا ان کی طرف سے غافل نہ ہو جائے۔ بیوی کی پڑھائی پٹی پر نہ چڑھ جائے۔ وہ عورت جس کی عمر بھر کی پونجی اس کا بیٹا تھا۔۔۔ اگر اسے یہ خوف تھا تو کچھ عجب نہ تھا۔" "عجب خوف تھا اماں! جس نے آپ کی زندگی کے بیش قیمت سنہری سال کھا لیے۔" میں نے افسوس سے کہا۔

"مگر اماں میری بات سن لیں۔۔۔ آپ کی جیسے بھی گزری مگر میں قطعاً "ایسی نہیں گزاروں گی۔۔۔ میں وہاں ہی شادی کروں گی جہاں ساس سرے سے موجود ہی نہ ہو۔"

"بند کرو یہ بکواس اور فضول فرمائش۔۔۔ چلو جا کر دیکھو کچن میں ہنڈیا چڑھانی ہے۔" اماں نے الٹا مجھے ہی گھرک دیا۔

☆ ☆ ☆

واش بیسن کی طرف جاتے ہوئے میں نے ڈور بیل کی آواز سنی۔۔۔ "جی۔۔۔" گیٹ کھولتے ہی پھاڑ کھانے والے انداز میں تواضع کی تھی میں نے۔ گویا دادی کا سارا غصہ اجنبی پر نکالا۔

گیٹ پر ایک اجنبی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے نہایت مسکراتی آنکھوں سے پوچھ رہا تھا۔۔۔ "جی سلیم اکبر صاحب سے ملنا ہے۔"

"تو ملو جا کر۔۔۔ میں نے کب منع کیا ہے۔"
"کہاں ہوں گے وہ۔"
"آخری آرام گاہ میں۔" "جی؟" وہ حیران ہوا۔
"مطلب یہ کہ یہ راؤ صاحب کا گھر ہے۔" میں نے اسے بات ہی نہ پوری کرنے دی اور کھڑاک سے گیٹ بند کر دیا۔
وہ اجنبی بے چارا پہلے تو حیران ہوا۔۔۔ اور پھر مسکرا دیا۔

✲ ✲ ✲

اور ٹھیک ایک ہفتے بعد تین خواتین ہمارے گھر آئیں۔ اماں نے مجھے چائے بنانے کا کہا۔ میں دینے گئی تو خاتون نے مجھے اپنے پاس ہی بٹھا لیا۔ جاتے جاتے اماں کو کہہ گئیں۔۔۔ "بہن ہمیں جواب ہاں میں چاہیے۔۔۔ جیسی چاہے چھان بین کروا لیں۔۔۔"
"بجو تمہارا رشتہ پکا ہو گیا ہے۔" حمدان چلا کر بولا پھر گانا گانے لگا۔
"کیا بکواس ہے۔۔۔" ایک جھانپڑ اسے رسید کرنے کے بعد پوچھا۔
"اماں سے پوچھ لو۔۔۔" وہ بچارا روہانسا ہو گیا اور میں تن فن کرتی اماں کے سر پر جا پہنچی۔
"اماں حمدان سچ کہہ رہا ہے؟"
"ہاں نہ صرف رشتہ پکا ہوا بلکہ مہینے بعد شادی بھی ہے۔ لڑکے والوں کو جلدی ہے۔"
"لڑکے والوں میں کون کون ہے۔۔۔" میں نے کمر پر ہاتھ جما کر چبا چبا کر پوچھا۔
"چھوٹی سی فیملی ہے دو بہن بھائی اور ماں ہے بس۔۔۔"
"اماں۔۔۔" میں چیخی۔ "ساس" موجود ہے۔"
"ہادیہ! بند کرو یہ فضول بکواس۔۔۔ ایک ساس ہی تو ہے بھلی مانس ہے۔۔۔ بنائے رکھنا اس سے۔۔۔ کل کو بھابھیاں لاؤ گی تو کیا پہلے ماں کا ٹیٹوا دباؤ گی۔۔۔ کہ جی بھابھیوں کی فرمائش ہے "ساس" نہ ہو یا پھر لڑکے سے کہہ دوں اپنی ماں کا گلا دبا دے۔۔۔ حد ہے۔۔۔ بے وقوفی کی اور خود غرضی کی۔۔۔" اماں نے صحیح معنوں میں مجھے آئینہ دکھایا اور اتنا غصہ بھی۔۔۔ میں دبک گئی۔

✲ ✲ ✲

میں اپنے سارے دھیان و گیان صرف کر کے ٹی وی پر ڈراما دیکھنے میں محو تھی کہ فون کی گھنٹی سے جی بھر کے بدمزا ہوئی۔۔۔ بے حد بے زاری سے فون اٹھایا۔
"ہیلو!"
"جی ہادیہ بات کر رہی ہیں۔۔۔"
میرے کان حقیقتاً "کھڑے ہو گئے۔۔۔ یہ کون ہے بھلا جو میرا نام جانتا ہے۔ میں نے قیاس کے گھوڑے دوڑانے شروع کیے۔
"جی۔۔۔ آپ کون؟" لہجہ خود بخود شائستہ ہو گیا۔
"میں عفان احمد بات کر رہا ہوں۔"
ٹن ٹن ٹن۔۔۔ من مندر میں یک دم گھنٹیاں بجنے لگیں۔
"میں دراصل آپ کو بتانا چاہتا تھا کہ میں آپ سے بے حد محبت کرتا ہوں۔۔۔ وہ بھی پہلی نظر کی محبت۔۔۔ جس دن آپ کو گیٹ پر دیکھا تھا۔۔۔ تب سے۔۔۔ میں آپ سے اظہار کرنا چاہتا تھا۔۔۔ تاکہ آپ۔۔۔ آپ بھی میرے بارے میں کچھ خاص جذبات محسوس کریں۔۔۔ جیسا۔۔۔ جیسا میں کرتا ہوں۔" اور چھم سے میرے تصور میں اس دن والا اجنبی اتر آیا۔
"آپ سن رہی ہیں مجھے۔۔۔"
"ج۔۔۔ جی۔۔۔ سن رہی ہوں۔۔۔"
"تو میں یقین رکھوں پھر۔۔۔؟" وہی کانوں میں رس گھولتا لہجہ۔۔۔ استحقاق لیے ہوئے۔
"ج۔۔۔ جی۔۔۔"
"بے حد شکریہ۔۔۔ اللہ حافظ۔۔۔"
ریسور ہاتھ میں پکڑے خاصا وقت لگا سانس ہموار کرنے میں اور جب سانس ہموار ہوئی۔ حواس بحال ہوئے تو۔۔۔
کہاں کی ساس۔۔۔ کیسی ساس۔۔۔ یاد رہا تو وہ نرم مخمور آواز میں کیا گیا اظہار محبت۔۔۔ میں نے خوابوں میں نہیں حقیقت میں ہواؤں میں اڑنا شروع کر دیا اور اسی اڑان میں بابل کی دہلیز پار کر کے پیا کے گھر آنگن میں اتر آئی۔

✲ ✲ ✲

حجلۂ عروسی میں سر جھکائے بیٹھی میں یقیناً "اپنے دولہا کا ہی انتظار کر رہی تھی۔ دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی اور دروازہ کھلا پھر بند ہوا۔۔۔ ساتھ ہی میرا دل بھی سکڑ کر پھیلا۔۔۔ ملبوس کی سرسراہٹ دھیرے سے قریب آتی محسوس ہوئی تھی اور عفان مجھ سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے۔
"السلام علیکم۔۔۔"
ہلکے سے سر کو جنبش دے کر جواب دیا۔
"جانتی ہو ہادیہ۔۔۔ تم سے ملنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ پہلی نظر کی محبت کیسی کیف آگیں ہوتی ہے۔۔۔ کیسا سرور ہوتا ہے اس میں۔۔۔"
میری گردن میں فٹ سے ایک سریا فٹ ہوا تھا۔
ارے بھئی پیا من بھائے والا محاورہ نہیں سنا کیا؟
"میں تمہیں پا کے بہت خوش ہوں اور تم کو بھی بے حد خوش رکھوں گا۔ یہ میرا یقین بھی ہے اور وعدہ بھی۔۔۔"
گردن ہی کیا سارے وجود میں کلف لگ گئی تھی۔
"اور جانتی ہو۔۔۔ ہماری شادی اتنی ایمرجنسی میں کیوں ہوئی۔"
میں نے ذرا کی ذرا پلکوں کی چلمن اٹھائی اور پھر گرا لی۔
"میری سویٹ سی دادی اماں کی وجہ سے۔"
جھکی ہوئی آنکھیں پٹ سے اوپر ہوئیں۔
"ہاں ہادیہ۔۔۔ دراصل دادی اماں کافی بیمار رہتی ہیں تو وہ چاہتی تھیں کہ میری خوشی دیکھ کر جائیں۔"
"د۔۔۔ دادی اماں۔۔۔" نہ چاہنے کے باوجود بھی میں ہکلا گئی۔
"ہاں دادی اماں۔۔۔ تم نہیں ملیں نا ان سے۔ دراصل رخصتی میں دیر ہو گئی اور وہ بیماری کی وجہ سے جاگ نہیں سکتیں۔۔۔ جانتی ہو اس گھر کے در و دیوار نے کتنے سالوں بعد شہنائی سنی ہے۔ ورنہ تو دادی اماں نے اتنے دکھ دیکھے کہ بس۔۔۔"
"ک۔ کیسے دکھ۔۔۔" آواز میرے حلق سے پھنس پھنس کے نکلی تھی۔
"پہلا دکھ تو انہیں پھپھو کی بیوگی کا ملا ہادیہ۔۔۔ جو شادی کے فقط ایک سال بعد ہی بیوہ ہو کر دادی اماں کے گھر واپس آ گئیں۔ پھر دادو نے بڑا زور لگایا وہ شادی کے لیے مگر وہ نہ مانیں۔"
"پھپھ۔۔۔ پھپھو۔۔۔"
"ہاں پھپھو۔۔۔ اور دوسرا دکھ امی کی بیوگی کا۔۔۔ دادی نے جوان بیٹا ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں کھو دیا تب میں صرف بارہ سال کا تھا۔ ساتویں کا طالب علم۔۔۔ بھلا کیا تھا تب میں۔۔۔ مجھے اس مقام پر لانے والی یہی تین عورتیں ہیں انہوں نے بہت محنت کی۔۔۔ انہی کی دعاؤں سے میں آج یہاں ہوں۔ انہوں نے میرا مان کبھی نہیں توڑا۔۔۔ اور میں۔۔۔ میں بھی ہمیشہ یہ مان بنائے رکھنا چاہتا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے اس عمل میں تم۔۔۔ تم بھی میرا ساتھ دو گی۔۔۔ اس مان اعتماد اور یقین کے سفر میں ہم ساتھ ساتھ ہوں گے۔۔۔ دو گی نا میرا ساتھ۔۔۔؟"
دادی ساس۔۔۔ پھپھو ساس اور ذاتی ساس۔۔۔
یک نہ شد تین شد
جی تو چاہا کہ دلخراش چیخ مار کے بھاگ جاؤں۔۔۔ مگر فی الحال خالی بے ہوش ہونے میں ہی عافیت سمجھی۔۔۔ اور تیورا کر عفان کے وعدہ لینے کی صورت میں پھیلے ہاتھ پر ڈھے گئی۔۔۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سمیرا حمید

تم آئے تو

رات کے ڈھائی بجے داؤد اپنی ہیوی بائیک کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ گارڈ نے گیٹ کے کیبن کی چھوٹی کھڑکی کھول کر اسے دیکھا۔ داؤد نے صرف اشارہ کیا کہ گیٹ نہ کھولے، موبائل ہاتھ میں پکڑے وہ نمبر ملا رہا تھا۔ وہ فون نہیں اٹھا رہی تھی یا تو سوتی نہیں تھی یا اتنی گہری نیند۔۔۔

"اب کیوں فون۔۔۔" ناراض انداز۔۔۔

"ٹیرس پر آؤ۔"

"کیوں۔۔۔"

"سنا نہیں۔"

بکھرے بالوں میں ہاتھ گھماتی وہ کمرے سے ٹیرس پر آئی اور موبائل ہاتھ سے گر گیا۔

"تم۔۔۔" چیخ ماری، انگلی سے سڑک پر کھڑے اس کی طرف اشارہ کیا۔ گارڈ نے اس بار گردن کھڑکی طرف نکال کر اوپر ٹیرس پر اسے دیکھا۔

داؤد نے ہاتھ ہلایا۔ ردا کمرے سے بھاگتی آئی، جھٹ گیٹ کھول کر باہر نکلی۔

"تم۔۔۔" وہ اس کے قریب آ کر پھر چلائی۔

"صرف میں۔۔۔ اور کون۔۔۔" داؤد نے منہ اس کے کان کے قریب لا کر سرگوشی کی۔

"اس وقت۔۔۔ ایسے۔۔۔" وہ دونوں سڑک پر اکیلے کھڑے تھے۔ گیٹ کھلا تھا اور گارڈ نے گردن اندر کر لی تھی۔

"تم ناراض تھیں۔"

وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر حیران ہوئی پھر ہنسنے لگی۔ اب کیسی ناراضی وہ آ تو گیا تھا۔

ناولٹ

WWW.PAKSOCIETY.COM

"شہر کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔" اسے سراہا نہیں کہ وہ آگیا ہے۔

"اس دل کے بھی۔۔۔" وہ بائیک پر بیٹھ گیا۔

"اب جا بھی رہے ہو۔" وہ خفا ہوئی۔

"کل پھر آؤں گا۔" داؤد مسکرایا۔

"اندر آجاؤ۔"

"کل دن میں۔۔۔ کھانا تمہارے ساتھ۔۔۔" اس نے بائیک اسٹارٹ کی اور ردا کے گال کو ایک انگلی سے چھو کر چلا گیا۔

کل کا سارا دن وہ رائیڈر گینگ کے ساتھ کرتب دکھاتا رہا تھا۔ وہ منہ اندھیرے نکلے تھے اور آدھا پنجاب گھوم آئے تھے۔ شام کو اسے ردا کے منہ بنائے خفا خفا میسیجز آئے۔ اس نے سارا دن اس سے بات نہیں کی تھی۔ وہ اس کی ہیوی بائیک کو سخت ناپسند کرتی تھی۔ کہاں وہ اسی بائیک پر سارا دن گزار چکا تھا۔ واپسی پر داؤد نے اسے فون کیا۔ لیکن اب وہ کیوں اٹھائے فون، گھر آتے ہی وہ سو گیا۔ پھر خواب میں بھی اسے سڑکیں۔۔۔ ہوا۔۔۔ بائیک۔۔۔ درخت، میدان۔۔۔ سب ناراض ناراض دکھائی دیے تو وہ اٹھ بیٹھا۔ بائیک نکالی اور آگیا اس کے گھر کے باہر۔۔۔

اگلے دن دوپہر تک اس کے گھر رہا اور رات ایک بجے کے قریب پھر اس کے گھر کے باہر پہنچ گیا۔ ردا ٹیرس پر کھڑی پیٹ پر ہاتھ رکھتی کبھی منہ پر۔۔۔ ہنستی ہی جارہی تھی۔ اسے داؤد کی رات کو آنے والی ادا بہت پیاری لگ رہی تھی۔ وہ ایک عرصہ نیویارک رہ کر آئی تھی۔ قریب قریب کسی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اب وہ کر رہا تھا تو اسے بہت پیارا لگ رہا تھا۔

گارڈ جھانک جھانک دونوں کو ایک ایک نظر دیکھتا زیر لب ہنستا۔ وہ بائیک کے ساتھ ٹیک کر ٹانگ پر ٹانگ جمائے کھڑا سینے پر ہاتھ باندھے عین ٹیرس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی کھڑی اسے دیکھے گئی۔ دونوں کچھ دیر ایسے ہی دیکھتے رہے۔ پھر وہ ہاتھ ہلا کر چلا گیا۔ ردا البتہ کافی دیر تک وہیں کھڑی رہی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

مسکراہٹ ہونٹوں سے وجود میں پھیل چکی تھی۔ یہ محبت کی خوش قسمتی ہے کہ اسے اتنے دلربا انداز سے سجایا جائے۔ بنایا جائے اور دل سے لگا کر رکھا جائے، جو محبت قریب قریب آتی آپ میں سما جائے اور بے خود سا کردے۔

چند مہینوں میں ان کی شادی ہونے والی ہے۔ داؤد آسٹریلیا سے اکاؤنٹس پڑھ کر آیا ہے۔ ایم فل کے لیے اسے پھر جانا ہے۔ لیکن شادی کے بعد۔۔۔ ردا نیویارک سے انٹیریئر ڈیزائنر بن کر آئی ہے۔ دونوں آگے پیچھے ہی پاکستان آئے ہیں۔ ادھر ادھر کے دوسرے ملکوں میں پھیلے دونوں کے بہن، بھائی بھی آنے ہی والے ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے شادی تین یا چار ماہ بعد ہے۔

اب ان تفریحی دنوں میں دونوں طرح طرح کے تماشے کرتے ہیں۔ کبھی منہ اندھیرے ردا اس کے کمرے کا دروازہ پیٹنے لگتی۔ کبھی رات گئے داؤد اس کے گھر آکر اس کے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑانے لگتا۔ اسے کافی بنانے کا کہتا اور چپکے سے غائب ہو جاتا۔ وہ کافی کے دونوں مگ پی کر سو جاتی ۔۔۔۔۔۔ مسکراتی ۔۔۔ غصہ نہیں کرتی، ناراض بھی بس ایسے ہی ہو جاتی ہے جیسے کہ ناراضی بھی صرف ایک رنگ ہے۔ جسے ان کی لو اسٹوری میں ہونا ہی ہے تھوڑا سا ہی سہی۔ دونوں کے خاندان خوش ہیں، وہ دونوں بھی بہت خوش ہیں۔

ردا کو ہیوی بائیک سے ڈر لگتا ہے۔ چھپکلی کو ہاتھ میں پکڑنے کے لیے تیار ہے۔ اس پر بیٹھنے کے لیے نہیں اور داؤد اسی پر اسے رخصت کر کے لے جانا چاہتا ہے۔ دلہن بنائے۔ پھر ردا بھی چاہتی ہے کہ وہ رکشے پر بارات اور باراتی لائے۔ داؤد ٹرک کا انتظام کیے جارہا ہے۔ ان دو گھروں میں ہر روز نت نئے قہقہے گونجتے ہیں، لطیفے بنتے ہیں، بگڑتے ہیں، شادی نہیں ڈراما کرنا چاہتے ہیں، بلاک بسٹر ڈراما، جس میں ہر رنگ و نسل کا رنگ چھوٹے اور ہر پٹاخہ پھوٹے۔۔۔ وہ اپنی شادی کے لیے خوش ہوں لوگ ان کی شادی میں شرکت کرنے سے خوش ہوں، بس سب خوش ہی ہوں۔

دو بھائیوں کے بعد گھر میں پہلی لڑکی کی شادی ہورہی ہے اور وہاں تین بہن بھائیوں کے بعد گھر کی آخری شادی ہورہی ہے داؤد کی۔ پہلی لڑکی اور آخری لڑکے کی شادی کا انتظام دھوم دھام سے چل رہا ہے۔ ایک کی ماما اور دوسرے کی مام انتظامات میں لگی ہیں اور یہ دونوں اپنے اپنے ڈراموں میں جتے ہیں۔ گھسی ہوئی جینز اور جوگرز پہنے۔ ایم ایم عالم روڈ سے پیدل چلنا شروع ہوتے ہیں اور دن سے شام اور شام سے رات کرتے۔۔۔ گوال منڈی کے ہر ہر چھوٹے بڑے ہوٹل میں اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ چوک پر رک رک ریڑھیوں، ٹھیلوں سے چیزیں کھاتے اور بنا پیسے دیے بھاگ جاتے، کوئی ایک ان کے پیچھے دوڑتا، اسے خوب گھماتے، پھر اچانک سامنے آکر پیسے ہاتھ میں پکڑا دیتے۔ یہی حال ہوٹل والوں کے ساتھ کرتے، ہوٹل والے ان کی شکلیں پہچاننے لگے تھے۔ پہلے ہی پیسے رکھوا لیتے۔۔۔ اس لیے بھی وہ بار بار ہوٹل بدلتے۔ اتنا عرصہ باہر رہ کر انہیں اپنے ملک سے اور پیار ہو گیا تھا۔ داؤد کو پگڑی والے۔۔۔ ریڑھی والے۔۔۔ رکشوں دکانوں ہوٹلوں والے بہت اچھے لگتے، رک رک کر ان سے گھنٹوں باتیں کرتا۔۔۔ حال احوال پوچھتا۔۔۔ خاندان تک جا پہنچتا۔۔۔ ادھر ادھر کی بہت سی باتیں ایسے کرنے لگتا جیسے پردیس سے آنے کے بعد سیدھا ان ہی سے ملنے آیا ہے۔ وہاں اتنا یاد کرتا رہا انہیں۔۔۔ ان ہی کی فکر میں رہا۔ اب جاکر کہیں ملا انہیں، ردا اس کے اتنے رشتے داروں پر ہنستی جو چلتے پھرتے اس نے بنا لیے تھے۔ وہ چاہتی تھی کہ ان سب کو وہ شادی پر ضرور بلائے اور داؤد سوچتا تھا کہ خیال برا نہیں ہے۔

دونوں ایک دوسرے کے خیالات سے متفق ہی تھے۔ تقریباً" کوئی ایسا اختلاف نہیں بننے دیتے تھے۔

دونوں اگر ایک دوسرے میں کچھ ناپسند بھی کرتے تھے تو وہ اتنا وقتی اور معمولی ہوتا کہ تذکرہ کرنا بھی مذاق لگتا، وقت کے ساتھ ساتھ دوستی، محبت بنی تھی وقت کے ساتھ ساتھ ہی بڑھ رہی تھی۔ اگر وہ فرصت سے محبت بھری داستانیں پڑھ لیتے تو ایک دوسرے کو رومیو۔۔۔ ہیر کہہ دیتے۔۔۔ کوئی بڑی دقت نہیں تھی ان دونوں کے رشتے میں، سب کچھ سلجھا ہوا ہی تھا۔۔۔ بھلا تھا، دونوں کے خاندان آپس میں فیملی فرینڈز تھے۔ اب سمدھی بننے والے تھے۔

☼ ☼ ☼

ردا اپنی دوست کے پاس اسلام آباد گئی ہوئی تھی۔ داؤد ادھر ادھر کار میں گھومتا رہتا، شہر کی حدوں سے نکل جاتا۔ قریب کے چھوٹے شہروں سے ہو آتا، اپنے ملک کو وہ اب گھوم پھر کر دیکھ رہا تھا۔ ایک دن واپسی پر اسے

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساط دل	آمنہ ریاض	500/-
درد موسم	راحت جبیں	750/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	600/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	300/-
مین سے عورت	غزالہ عزیز	200/-
دل اسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ - 37 اردو بازار کراچی۔
فون نمبر: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

رات ہو گئی۔ وہ بارڈر کی طرف گیا تھا۔ قریب کے چند گاؤں دیکھ کر آیا تھا۔ دن میں یہ سڑکیں سنسان رہتی۔ اب تو رات ہو چکی تھی۔ پھر وہ ایک ہوٹل میں بیٹھ گیا۔ کھانا کھایا' چائے پی اور بارہ بجے تک وہیں بیٹھا رہا۔ گھر تک آتے آتے بھی اسے ڈیڑھ گھنٹہ لگ ہی جانا تھا۔ سڑک پر کوئی لائٹ بھی نہیں تھی۔ ویسے دور تک سڑک خالی ہی تھی۔ اس وقت وہاں مقامی اکا دکا لوگ ہی ہو سکتے تھے۔ اب وہ بھی نہیں تھے۔ اس نے کار کی رفتار بڑھادی۔ کار میں تیز انگلش میوزک بج رہا تھا۔ جس کی آواز باہر کے سناٹے میں پھیل رہی تھی۔ کار کی رفتار وہ بڑھاتا ہی جا رہا تھا۔

وہ سی ڈی بدلنے لگا تو سی ڈی ہاتھ سے پھسل کر گر گئی۔ دور صاف سڑک کو دیکھ کر وہ سی ڈی اٹھانے کے لیے جھکا۔ کوئی چیز اس کی کار سے ٹکرائی۔ اس کی کار ڈگمگا گئی۔ یہ اچانک ہوا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ ہوا کیا ہے۔ اس کا وجود سائیں سائیں کرنے لگا۔ کار کی رفتار اتنی زیادہ تھی کہ وہ بہت آگے جا کر رکی' وہ کار سے باہر نکلا۔

وہ مرد تھا' لیکن خوف زدہ ہو گیا تھا۔ وہ جانتا نہیں تھا کہ ہوا کیا ہے' لیکن وہ ڈر گیا تھا۔ اس کے حواس جھنجھنا رہے تھے۔ کار سے پیچھے کی طرف دیکھا۔۔۔ دور تو اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ پیچھے کی طرف چلنے لگا۔ اسے گہرے اندھیرے میں ذرا دور ایک گہرا دھبہ سڑک پر نظر آیا۔ وہ تیز چل رہا تھا' لیکن حقیقتاً "اس کا دل وہاں سے بھاگ جانے کو چاہ رہا تھا۔

یہ کیفیت اس پر اچانک وارد ہوئی تھی۔ ورنہ کار چلاتے' گانا سنتے اسے شک بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ابھی کچھ دیر بعد وہ خوف زدہ ہو جائے گا۔ ماحول پر اسرار سا ہو گیا۔ کار میں ایمنیز کا میوزک بج رہا تھا۔

"گاڈ۔۔۔!" دھبے پر نظر پڑتے ہی وہ کانپ اٹھا۔ منہ پر ہاتھ رکھا۔ خون تیزی سے سڑک پر پھیل رہا تھا۔ ذرا دور آبادی کی ٹمٹماتی روشنیوں میں سڑک پر پھیلتا وہ خون بہت بھیانک لگ رہا تھا پھیلتا ہی جا رہا تھا۔ ایک تیز جھرجھری اس کے وجود کے آر پار ہوئی اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ اس کی کار کی وجہ سے ہوا ہے۔۔۔ ابھی۔۔۔ ابھی۔ اس سے ہوا ہے' ایک زوردار کپکپی نے اسے ہلا ڈالا اور وہ جو بھاگنے کا سوچ رہا تھا۔ بھاگ پڑا۔۔۔ کار بھگا لے گیا۔

داؤد ارسلان اسکائی ڈائیونگ کا شوقین اب بھاگ رہا تھا۔ اس کا مڑا تڑا وجود اور سڑک پر پھیلتا خون چھوڑے جا رہا تھا۔

ایک گھنٹے میں وہ گھر تھا۔۔۔ کانپ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" گارڈ نے کار کو سامنے سے دیکھ کر پوچھا' اس نے گارڈ کی طرف دیکھا۔ جواب نہیں دیا۔

شاور کے نیچے پندرہ بیس منٹ کھڑا خود کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔

"وہ بھاگا کیوں۔" وہ نہیں جانتا تھا۔

کپڑے بدل کر وہ نیچے آیا۔ ٹھنڈا پانی پیا۔ دوبار گلاس اس کے ہاتھ سے پھسلا اور پھر ٹوٹ گیا' وہ گارڈ کے پاس آیا۔

"مجھ سے ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"

"کتنا زخمی ہوا وہ؟"

وہ کنپٹی رگڑنے لگا۔ "معلوم نہیں۔"

"زندہ تھا؟ اسپتال میں ہے؟"

داؤد نے بہت دیر تک گارڈ کی طرف دیکھا۔ وہ اس سے کتنا اچھا سوال کر رہا تھا' کتنا اچھا انسان تھا وہ۔

"آپ اسے وہیں چھوڑ آئے؟" گارڈ جیسے سمجھ گیا۔ اس کی صورت کی طرف دیکھا۔ حیران ہوا جیسے کہہ رہا ہو آپ سے یہ توقع نہیں تھی۔

"زندہ تھا۔۔۔ آپ نے دیکھا بھی نہیں ہے؟"

داؤد نے سر نفی میں ہلایا۔ "میں حواس کھو چکا تھا۔ اس کی طرف دیکھتے ہی میری جان نکل گئی۔" وہ ڈیڈ کی کار کی طرف لپکا۔

"گیٹ کھولو جلدی۔۔۔"

گارڈ نے گیٹ کھولا۔

کتنا بڑا بزدل تھا وہ۔۔۔ بچوں کی طرح ڈر کر بھاگ گیا تھا۔ کیا یہ وہی داؤد تھا؟

سنسان سڑکوں پر بھی ٹریفک سگنل پر رکنے والا۔ آسٹریلیا کے بڑے تعلیمی ادارے کا طالب علم۔۔۔ لاء اینڈ آرڈر کی بات کرنے والا۔۔۔ انسانیت کا رونا رونے والا۔۔۔ انسانوں سے پیار کرنے والا۔

وہ کار کو اسی راستے کی طرف لا رہا تھا۔ اب اسے خود پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ ٹھیک اسی جگہ پر پہنچا تو وہاں خون تو تھا۔۔۔ لیکن زخمی یا مردہ نہیں تھا۔ کوئی اور بھی نہیں تھا۔ وہ اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ آبادی ذرا دور تھی۔ رات تین بجے سے اوپر کا وقت تھا۔ آس پاس کوئی نظر بھی نہیں آ رہا تھا' وہ کس سے پوچھتا۔۔۔ قریبی اسپتالوں میں پتا کرنے لگا۔ تین اسپتال دیکھ لیے۔ ایک اسپتال میں اسے ایمرجنسی کے بارے میں معلوم ہوا۔ جسے رات کو لایا گیا تھا۔

"ایک بیس بائیس سالہ لڑکی کو رات لایا گیا تھا۔"

"ہاں وہ لڑکی ہی تھی۔" اس نے ہکلا کر کہا۔

وہ ایمرجنسی کی طرف لپکا۔ لڑکی آپریشن تھیٹر میں تھی۔ اس کی حالت بہت خراب تھی' اسے بتایا گیا۔

آپریشن تھیٹر کے باہر کھڑے ہو کر داؤد نے ڈیڈ کو فون کیا۔ وہ رونے کے قریب ہو رہا تھا۔ ذرا دور ایک عورت اور دو لڑکیاں کھڑی رو رہی تھیں۔ چند اور لوگ بھی ان ہی کے پاس موجود تھے۔ کچھ ہی دیر میں ڈیڈ اس کے پاس تھے۔

"تم گھر جاؤ داؤد!" وہ آتے ہی بولے۔

"کیوں۔۔۔" وہ حیران ہوا۔

"یہ ایکسیڈنٹ تم سے ہوا ہے نا؟" ان کے اعصاب تنے ہوئے تھے۔

"جی۔۔۔"

"تو تم جاؤ۔۔۔ مجھے ہینڈل کرنے دو۔"

"لیکن کیوں ڈیڈ۔۔۔"

"داؤد! وہاں سے تم بھاگ گئے تھے۔ اب یہاں سے بھی چلے جاؤ' مجھے معلوم کرنے دو۔۔۔ کیا حالت ہے اس کی۔۔۔ کیا حالات ہیں۔۔۔ تم ان معاملات کو ہینڈل نہیں کر سکتے۔ مجھے کرنے دو' تم جاؤ۔۔۔ ہو سکتا ہے میں ڈرائیور کو بلوالوں۔۔۔ تم خاموش رہنا۔۔۔ کار تم نہیں چلا رہے تھے۔۔۔ بس۔"

"ڈیڈ۔۔۔" وہ پریشان ہوا۔

"تم جاؤ۔" وہ سختی سے بولے۔

داؤد گھر آ گیا۔۔۔ ڈیڈ نے کہا یہ پاکستان ہے یہاں معاملات اور طرح سے ہینڈل کیے جاتے ہیں۔ مام سو رہی تھیں' انہیں اٹھایا۔ سب بتایا اور ان کی گود میں سر رکھ کر سو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد اس کی آنکھ دوبارہ کھل گئی۔

"کیا ہوا۔" مام اس کا سر سہلانے لگی۔

"میں وہاں سے بھاگا کیوں؟"

مام اسے دیکھ کر رہ گئیں۔ کیا جواب دیتیں اس سوال کا۔

"جس ڈاکٹر نے اسے پہلے چیک کیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کا بہت خون بہہ چکا تھا۔ اسے بہت دیر سے لایا گیا وہاں۔۔۔ اس کا یہ بھی کہنا تھا کہ اس کا زندہ بچنا بہت مشکل ہے۔۔۔ اگر میں نہ بھاگتا تو وہ وقت پر۔۔۔ سڑک پر وہ۔۔۔ خون۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔"

"سو جاؤ داؤد۔۔۔ تمہارے ڈیڈ ہیں وہاں۔"

"مام ٹھیک نہیں کیا نا۔"

"بہت برا کیا۔۔۔ لیکن اب۔۔۔ اب تم سو جاؤ۔"

"نیند نہیں آ رہی۔۔۔ آئے گی بھی نہیں۔۔۔ مجھے بھاگنا نہیں چاہیے تھا' کیا میں ایسا تھا بھاگنے والا۔۔۔ میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا کبھی ایسا ہو گا' تو میں یہ کروں گا۔۔۔ مام! میں ایسا نہیں ہوں۔۔۔ مجھے معلوم ہے۔۔۔ انسانیت کیا ہے۔۔۔ پھر۔۔۔ ایسے کیوں کیا۔۔۔ میں سمجھ نہیں سکتا' لیکن میں نے بنا سمجھے ہی کر دیا۔۔۔ اس پر نظر پڑتے ہی۔۔۔ مام اگر وہ مر گئی۔۔۔ اوہ۔۔۔ گاڈ۔۔۔ اگر وہ مر گئی تو۔"

وہ کھڑا ہو گیا۔ "اگر وہ مر گئی۔"

"آرام سے داؤد۔۔۔ تمہارے پاپا ہیں وہاں۔۔۔ یہاں آؤ میرے پاس۔"

وہ جوتے پہننے لگا۔ موبائل ڈھونڈنے لگا۔

"پاپا وہاں میرے لیے ہیں مام۔۔۔ مجھے تو اس لڑکی کے لیے جانا ہے۔"

"اگر وہ مر گئی۔۔۔ مر گئی۔۔۔" ہر طرف یہ فقرہ گونجنے لگا۔

یہ ایک سرکاری اسپتال تھا اور آپریشن ابھی تک جاری تھا۔ اسے دوبارہ آتے دیکھ کر ڈیڈ خفا ہو گئے۔ اس نے پروا نہ کی۔ وہ عورت ایک طرف بیٹھی ہاتھ جوڑے دعا کر رہی تھی۔ دونوں لڑکیاں ابھی بھی بنا آواز رو رہی تھیں۔ چند اور لوگ بھی ان کے قریب کھڑے اور بیٹھے تھے۔

"اگر وہ مر گئی۔" داؤد نے سوچا تو یہ عورت جو اس کی ماں لگتی ہے، کیسے روئے گی۔ تڑپ جائے گی اور اس سب کا ذمہ دار وہ ہو گا۔

داؤد چلتا ان کے پاس گیا۔۔۔ عورت نے نظریں اٹھا کر داؤد کی طرف دیکھا۔ اس کی شکل پر چھائی پشیمانی، افسردگی، افسوس یہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ وہی ہے جس نے ان کی بیٹی کو کچل دیا ہے۔ ان کے نظر اٹھا کر داؤد کی طرف دیکھنے نے داؤد کو اندر تک پشیمان کر دیا۔ اس کے سمجھ میں نہیں آیا کہ ان سے کیا کہے، ہمت جمع کی۔

"میری کار سے۔۔۔" وہ رک کر دیکھنے لگا۔

ان کے کندھے سے لگ کر روتی ایک لڑکی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ غصے اور کھا جانے والی نظروں سے، انہوں نے ایک ہاتھ سے لڑکی کے اٹھے سر کو اپنے رخ کیا۔ لڑکی نے سر کو واپس جھکا لیا۔ دونوں نے کچھ بھی نہ کہا۔

ان کا کچھ نہ کہنا ہی داؤد کے لیے بہت بڑا تازیانہ تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹک کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ وہاں سے نہیں جائے گا۔ اب کچھ بھی ہو۔۔۔ اگر زندہ رہی تو بھی، مر گئی تو بھی اب وہ بھاگنے والی غلطی نہیں کرے گا۔

☼ ☼ ☼

اسی دن شام کو داؤد نے لڑکی کو پرائیویٹ اسپتال میں شفٹ کروا دیا۔ وہ آئی سی یو میں تھی۔ پولیس کیس تو کیا بنتا۔ خود داؤد اپنی شرمندگی میں خود ہی گرفتار تھا۔

وہ دونوں ٹانگوں سے معذور ہو چکی تھی۔ دایاں ہاتھ کاٹا نہیں گیا تھا۔ لیکن وہ مفلوج ہو چکا تھا۔ اس کی ٹانگیں چور چور ہو چکی تھیں۔ سر پر چوٹیں آئی تھیں۔ مکمل وجود کہیں کا نہ رہا۔ لڑکی چڑ مڑا کر آدھی رہ گئی۔ اس رات اس کے والد پر فالج کا شدید حملہ ہوا تھا اور اسی رات اس کے ساتھ یہ سب ہو گیا۔

ردا آئی اسپتال اسے دیکھنے۔

"یہ تو تقریباً" ختم ہی ہو چکی ہے۔" شیشے کے پار اسے دیکھ کر ردا کہے بنا نہیں رہ سکی۔

داؤد نے نئے سرے سے مریم کو حساب کتاب کی نظروں سے دیکھا۔

"اس وقت وہ سڑک پر کیا کر رہی تھی؟"

"اس کی مدر کا کہنا ہے کہ اس کے والد کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی۔ وہ گھر سے نکلی، سڑک تک آئی، ان کے لیے رکشہ، ٹیکسی لینے۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ دور سے اس نے میری کار کو آتے دیکھا تو ذرا قریب ہونا چاہا ہو گا، تاکہ مجھے روک سکے، مدد کے لیے۔"

"پھر۔۔۔"

"مجھے تو وہ نظر ہی نہیں آئی۔۔۔ میں اتنی رفتار میں تھا۔۔۔ جیسے جہاز چلا رہا ہوں۔" وہ افسردہ ہو گیا۔

ردا نے اس کی افسردگی پر گہرا سانس لیا۔ "یہ سب اتفاق تھا داؤد!"

"مجھے سب یہی کہہ رہے ہیں ردا! کہ یہ سب اتفاق تھا۔ میرا وہاں سے بھاگنا اتفاق نہیں تھا۔ اس کے فادر کی حالت گھر میں جب بدترین ہو گئی تو اس کا سات سالہ بھائی اسے ڈھونڈنے آیا۔۔۔ اتنے چھوٹے سے بچے نے اسے سڑک پر۔۔۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔۔۔ اگر تھوڑی سی دیر ہو جاتی تو وہ مر جاتی۔"

"وہ جلد ہی ٹھیک ہو جائے گی۔" ردا نے تسلی دی۔

"وہ زندہ تو رہے گی، لیکن ٹھیک کیسے ہو گی۔"

"اب تم خود کو ہلکان کر رہے ہو اتنا سوچ کر۔"

"سب ایسے ہی کہتے ہیں۔۔۔ ایسے نہیں کہنا چاہیے۔۔۔ مجھے لعنت ملامت کرنی چاہیے۔۔۔ کسی نے بھی تمہیں کہا داؤد! تم نے برا کیا۔۔۔ بہت برا کیا۔۔۔ میرا کیا ہے۔۔۔ میں تو ٹھیک ہی ہوں۔"

"تم نے برا کیا۔" ردا نے کہہ ہی دیا۔

"اس سے زیادہ ردا۔"

"ہاں اس سے بھی زیادہ۔ لیکن اب تم اتنا مت سوچو۔"

صبح و شام وہ اسپتال میں ہی رہتا، مریم کے والد دوسرے اسپتال میں ایڈمٹ تھے۔ ان کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ انہیں مریم کے معمولی زخمی ہونے کے بارے میں بتایا گیا تھا۔ داؤد نے مریم کی والدہ سے کہا کہ وہ ان کا علاج بھی مریم کے ہی اسپتال سے کروا دیتا ہے۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

انہوں نے داؤد کو کچھ بھی نہیں کہا تھا، نہ اچھا، نہ برا۔۔۔ کہہ بھی دیتیں تو مریم کو کوئی فرق پڑنے والا نہیں تھا۔ مریم آئی سی یو میں تھی۔ وہ کچھ دیر کے لیے آجاتیں اور پھر اپنے شوہر کے پاس چلی جاتیں۔ مریم کی ایک بہن ہر وقت وہیں موجود ہوتی۔ ایک ہفتے بعد اسے کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ وہ ابھی تک مکمل حواس میں نہیں آئی تھی۔ ہوش میں آتے ہی کراہنے لگتی۔ درد سے چلانے لگتی۔ نیم مدہوشی میں ہی یہ سب کرتی۔۔۔ داؤد کمرے میں ہی ایک طرف بیٹھا ہوتا۔ ایک انگریز ڈاکٹر تھا، جو اس کا علاج کر رہا تھا۔

داؤد ٹکٹکی باندھے مریم کو دیکھتا رہتا۔ اس کے چہرے پر بھی جابجا چوٹیں آئی تھیں۔ گردن میں کالر لگا تھا۔ دونوں ٹانگیں گھٹنے سے کاٹی گئی تھیں۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی کی رپورٹس سے ڈاکٹرز تشویش میں مبتلا تھے۔ ڈاکٹر سے تو اس کی بہت لمبی چوڑی بات چیت ہوتی۔

مریم کی والدہ کو البتہ وہ صرف چند باتیں ہی بتاتا تھا۔ جسے سن کر ہی وہ گیلی آنکھیں پونچھنے لگتیں۔ جب مریم تکلیف سے چلاتی اس کا تکلیف زدہ چہرہ اور سارا وجود ہی داؤد کے ساتھ لپٹ جاتا کہ دیکھو میں تمہارا ہی کیا دھرا ہوں۔ دیکھو میں کتنی تکلیف میں ہوں۔

مقدس خاموشی سے ایک طرف بیٹھی رہتی، مریم پر پڑھ پڑھ کر پھونکیں مارتی۔۔۔ کوئی بھی داؤد سے زیادہ بات نہیں کرتا تھا۔ شاید وہ اسے سخت ناپسند کرتے تھے۔ ایک بار اس نے خود سے ہی اسے مخاطب کر لیا۔

وہ اپنی کورس کی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔

"کس کلاس میں ہو تم۔۔۔؟" اس نے سر اٹھایا۔ داؤد کی طرف دیکھا۔ داؤد کو سمجھ نہیں آئی۔

"نائنتھ میں۔" وہ مسکرائی تو داؤد بھی مسکرانے لگا۔

"اور یہ۔۔۔" داؤد نے مریم کی طرف اشارہ کیا۔ وہ مقدس سے ایک ڈیڑھ سال بڑی ہی لگتی تھی۔

"یہ اسکول میں پڑھاتی ہیں۔"

"یہ ٹیچر ہیں؟" داؤد حیران رہ گیا۔

"جی۔۔۔ گھر کے قریب ہی اسکول ہے، وہاں۔۔۔"

"تمہارے ابو کیسے ہیں اب؟"

"وہ ویسے ہی ہیں۔" مقدس کا منہ اتر گیا۔ "پچھلی بار بھی مہینوں ایسے ہی بیمار رہے تھے۔"

ایک سربراہ بیمار تھا۔ ایک دوسرے کمانے والے ہاتھ کو اس نے روند ڈالا تھا۔ اف۔۔۔ داؤد کا سر گھومتا رہتا۔ رات کو وہ گھر واپس آجاتا اور کاؤنٹر پر فون کر کے پوچھتا رہتا۔ اس نے مقدس کو بھی ایک فون دے دیا تھا، تاکہ کوئی مسئلہ ہو تو وہ اسے فون کر سکے، صبح اٹھتے ہی اسپتال بھاگتا، دس دن سے اس کی یہی روٹین تھی۔

"وہ بہت اچھا اسپتال ہے داؤد! تمہیں روز روز جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسٹاف ہے وہاں۔"

"مجھے وہاں جاتے رہنا ہے۔"

"ایسے ہزاروں ایکسیڈنٹ روز ہوتے ہیں۔۔۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ لوگ تو مار کر بھاگ جاتے ہیں، پلٹ کر پوچھتے بھی نہیں۔"

"بھاگا میں بھی تھا۔"

"ہم اس کا بہترین علاج کروا رہے ہیں۔"

"علاج میرا ہو رہا ہے ڈیڈ۔"

"تمہیں اتنا گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں ہے بیٹا۔"

مقدس اسے فون کر رہی تھی۔ اس نے ڈیڈ کی بات

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پر کوئی رد عمل نہیں دکھایا۔

"آج میرا پرچہ ہے۔۔۔ رمشہ کا بھی۔"

داؤد جلدی سے اسپتال پہنچا۔ انہیں ڈرائیور کے ساتھ اسکول ڈراپ کروایا اور خود مریم کے پاس آگیا۔ وہ اسی انتظار میں تھا۔ کرسی گھسیٹ کر وہ اس کے بیڈ کے قریب لے آیا۔ افسردہ صورت لیے اسے دیکھنے لگا۔ وہ نئے نئے احساسات کا شکار، ہر نئے پل ہوتا تھا۔ سوچوں میں گم رہتا۔ کیا سے کیا سوچتا رہتا۔ اس کی شکل مقدس سے ملتی تھی اور مقدس بہت پیاری بچی تھی گہری براؤن آنکھیں اور بال۔۔۔ سفید رنگت۔۔۔ دراز اور پتلی سی۔۔۔ دھیمی پیاری سی آواز میں بات کرتی۔۔۔ انداز ڈرا ہوا اور لیا دیا سا ہوتا۔۔۔ مریم بھی مقدس کی طرح ہی دکھتی تھی۔ گہرے براؤن بال جنہیں سر پر آئی چوٹ کی وجہ سے کاٹنا پڑا تھا۔ کہیں کہیں سے۔۔۔ وہ آدھ گنجی تھی۔۔۔ گالوں پہ۔۔۔ پیشانی پہ۔۔۔ ناک، ٹھوڑی۔۔۔ جابجا زخم تھے۔ گھنی بھنوئیں جن میں سے ایک پر کٹاؤ زخم آیا تھا۔ اب شاید ہی وہاں کبھی بال آتے۔۔۔ گھنی پلکوں والی آنکھیں جو بند ہی رہتیں۔

پہلی بار داؤد نے جب ان آنکھوں کو کھلا دیکھا تو ڈر گیا۔ ان میں دیکھتے ہی وہ سہم گیا۔ کمرے میں اس کی دونوں بہنیں موجود تھیں اور اس کے کراہنے پر وہ ڈاکٹر کو بلا لایا تھا اور جب ڈاکٹر اسے چیک کر رہا تھا تو داؤد ان آنکھوں کو دیکھ رہا تھا اور انجانے میں ڈاکٹر کی اوٹ میں چھپ رہا تھا۔ مریم کی آنکھوں سے تکلیف سے پانی بہنے لگا۔ مقدس اس کے سر کو سہلانے لگی اور رونے بھی لگی۔ وہ بیڈ پر مچل رہی تھی۔ ڈاکٹر نے دونوں کو کمرے سے جانے کے لیے کہا۔ ڈاکٹر اور نرس اسے چیک کر رہے تھے اور داؤد گیلے گالوں کو دیکھ رہا تھا۔ اسے اس وقت پھر اس سے وہی ڈر لگا جو اس رات اس سے لگا تھا۔ اس وقت وہ خون میں لت پت تھی۔ آج آنسوؤں اور تکلیف میں۔۔۔ اس نے ٹشو سے اس کے گال اور آنکھیں صاف کیں۔۔۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں اور کراہتا وجود لحظے بھر کے لیے ٹھہر سا گیا۔

اس نے پلکیں اٹھا کر ٹشو تھامے ہاتھ کو دیکھا اور پھر ہاتھ سے اوپر اسے۔۔۔ داؤد گڑبڑا گیا۔ پھر ڈاکٹر کی آڑ میں چھپ گیا۔

انجکشن لگنے سے وہ پھر نیم غنودگی سے نیند میں چلی گئی۔ ابھی اسے خود نہیں معلوم تھا کہ اس کے ساتھ کیا کچھ ہو گیا ہے۔

"جب اسے معلوم ہوگا کہ وہ کتنی مفلوج ہو چکی ہے تب۔۔۔" کرسی پر بیٹھا داؤد اس تب کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"آئی ایم سوری لیڈی۔۔۔" داؤد نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھنا چاہا۔ جیسے اکثر التجا کرتے وقت زمین میں یا پیروں کی طرف نظریں گاڑی جاتی ہیں۔ وہ زمین سے بھی پرے تھی اور پیروں سے بھی۔۔۔ داؤد نے ہاتھ پرے کھینچ لیا۔ اتنا ہی کہہ کر وہ ایک ہی انداز سے دیر تک بیٹھا رہا۔ اس کی آنے والی زندگی کا خاکہ بنانے لگا۔

"کیسے چلے گی۔۔۔ اٹھے گی۔۔۔ کیسے ہنسے گی اور کیا کرے گی۔ زندگی اب اس کے لیے کیسی ہو جائے گی؟؟"

☼ ☼ ☼

دو ہفتے ہونے والے تھے ردا کے ساتھ اس کی فون پر ہی بات ہو جاتی تھی۔ کبھی وہ رات گئے آجاتی، لیکن وہ کوئی بات ہی نہیں کرتا تھا۔ وہ بھی اسے زیادہ ڈسٹرب نہیں کرتی تھی، مل کر چلی جاتی، دو بار مریم کے پاس بھی آئی تھی۔

"کیسی ہے مریم۔" اس نے فون کیا۔

"ویسی ہی ہے۔"

"ابھی وقت تو لگے گا نا اسے ٹھیک ہونے میں۔"

اس نے صرف گہرا سانس ہی لیا۔

"تم نے بہت ایفرٹ کی ہے اس کے لیے۔۔۔ تمہیں بھی آرام کی ضرورت ہے۔ سارا سارا دن اسپتال میں رہتے ہو۔"

ردا بولتی رہی، وہ سنتا رہا۔ فون بند ہو گیا، شام کو وہ

خود آگئی وہاں۔

"ہماری شادی میں زیادہ وقت نہیں رہ گیا۔"

"شادی۔۔۔" جیسے اسے اب یاد آیا کہ اس کی تو شادی بھی ہے۔

اس کا کوئی رد عمل ظاہر نہ کرنا ردا کو برا لگا، لیکن ظاہر نہیں کیا۔

"چلیں۔۔۔" اس نے داؤد کا ہاتھ پکڑا۔۔۔ مقدس دونوں کی طرف دیکھ کر رخ بدل کر بیٹھ گئی۔

"کہاں؟"

"ماما نے کچھ اپائنٹمنٹس لی ہیں، وہاں جانا ہے۔"

"تم چلی جاؤ۔"

"اکیلی جا سکتی تو چلی جاتی۔۔۔ تمہیں بھی ساتھ ہونا ہے۔"

"مجھے وقت ملے گا تو میں چلا جاؤں گا، تم ایڈجسٹ کرلو پلیز۔"

"تم ابھی کیوں نہیں جا سکتے داؤد۔" ردا کی آواز بلند ہو گئی۔

داؤد اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا اور باہر لے آیا اسے۔

"تم دیکھ سکتی ہو اس لڑکی حالت۔۔۔ بار بار ہوش میں آکر بے ہوش ہو جاتی ہے۔ روز اس کے بہت سے ٹیسٹ ہوتے ہیں۔ بہت سے اور مسائل ہیں، اس کے پاس کوئی نہیں ہے۔ اس کے فادر بھی بیمار ہیں۔ مدر بھی اس کے ساتھ نہیں ہیں۔ وہ چھوٹی سی بچی رہتی ہے پاس۔۔۔ تو اس کی اس حالت کے ذمہ دار کو تو یہاں ہونا ہی چاہیے نا۔"

"اسٹاف ہے یہ سب کرنے کے لیے۔" ردا کا مزاج بگڑنے لگا۔

"میں یہ سب خود کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو تم میرے ساتھ نہیں آرہے۔"

"ابھی بہت وقت ہے ہمارے پاس۔۔۔" وہ چڑ گیا۔

"وہ وقت بھی نہیں رہے گا، اگر تم یہیں بیٹھے رہے۔"

ردا غصے میں چلی گئی۔ اس کے انداز پر داؤد کو غصہ آگیا اور دو دن اس سے کوئی بات نہیں کی۔

دو دن بعد رات کو وہ اس کے گھر آئی۔ وہ سو رہا تھا۔ اسے اٹھایا۔

"تم کیا کر رہے ہو داؤد۔۔۔ مجھ سے کیوں ناراض ہو۔"

"میں ناراض نہیں ہوں۔" ناراض انداز اپنائے اٹھ کر واش روم میں جا کر آنکھوں پر پانی مارنے لگا اور کاؤچ پر آکر بیٹھ گیا۔ ردا اس کے پیچھے پیچھے ہی تھی، وہ بھی بیٹھ گئی۔

"تم نے مجھے فون نہیں کیا۔۔۔ میرا فون نہیں اٹھا رہے۔۔۔ ملتے بھی نہیں۔"

"مجھے نہیں معلوم یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔" وہ جھنجلا گیا۔

"تم ایسے کبھی ناراض نہیں ہوئے۔ میں دو راتوں سے سو نہیں سکی۔"

"اور میں کئی راتوں سے سو نہیں سکا۔۔۔ کیا تمہیں معلوم ہے؟"

"اس حادثے کو تم نے سر پر سوار کر لیا ہے۔"

"ایسے بات نہ کرو۔۔۔ جیسے میں نے گن سے صرف ایک چڑیا کو زخمی کر دیا ہے یا کسی چیونٹی کو مسل دیا ہے بس۔"

"تو تم کیا چاہتے ہو، ہم سب کیا کریں، انکل نے، تم نے 'اتنا کچھ تو کیا ہے' اور کیا چاہتے ہو؟"

"ٹھیک ہے۔" داؤد نے کہا۔ یہ وہ تب کہا کرتا تھا۔ جب اسے مزید بات نہیں کرنی ہوتی تھی۔

"تم مجھ سے ناراض کیوں ہو؟"

"مجھے اسپتال میں تمہارا انداز اچھا نہیں لگا تھا۔ تمہیں تو سمجھنا چاہیے کہ میں کیوں ہوں وہاں۔"

"میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی بس۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ تم اوب گئی تھیں۔ تمہیں بھی لگتا ہے کہ بس بہت ہو چکا۔ بہت کر لیا داؤد نے۔۔۔ اگر اس کی جگہ تم ہوتیں۔۔۔ کیا میں ایسے تمہیں چھوڑ کر چلا جاتا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ردا نے بے یقینی سے داؤد کی طرف دیکھا۔ اسے غصہ آگیا۔ "مجھ میں اور اس میں فرق ہے داؤد۔"

"کیا فرق ہے؟"

ردا اور بے یقین ہو گئی۔ "تم نہیں جانتے؟"

"کیا تم دونوں انسان نہیں ہو؟"

"انسان تو کروڑوں اور بھی ہیں۔" ردا کی آواز نم ہو گئی۔ "فرق تو تعلق کا ہے۔"

"یہی بات... ٹھیک کہا... لاکھوں اسپتالوں میں پڑے ہیں ان میں اور مریم میں میرے لیے یہ فرق ہے کہ وہ میری وجہ سے وہاں ہے' میرے اندر بے سکونی بڑھتی جا رہی ہے اور تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ میں پھٹ پڑنے کے قریب ہوں۔ جب جب اس کی طرف دیکھتا ہوں' کیسا محسوس کرتا ہوں' بیان نہیں کر سکتا۔"

"وہ سب تمہاری غلطی نہیں تھی۔"

"یہ تسلی مجھے سب دے رہے ہیں۔ مجھے خود کو بھی یہی تسلی دینی چاہیے۔ لیکن دے نہیں سکتا اب۔ میری کار ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ سنسان سڑک دیکھ کر میں نے کار کو جہاز بنا لیا۔ سی ڈی اٹھانے کے لیے نیچے جھکا اور کیا سنو گی... مجھے شرم آتی ہے خود کو یہ کہتے ہوئے کہ صرف میری غلطی نہیں تھی۔ وہ کار کے سامنے آئی' وہ کیوں آئی' وہ سڑک پر کیا کر رہی تھی' قصور صرف میرا نہیں ہے۔ اگر اس کی جگہ میں بیڈ پر ہوتا تو میں سب کا قصور نکالتا... سڑک بنانے والے اور گاڑی بنانے والے کا بھی... میں دونوں ٹانگوں سے معذور ہو جاتا تو شاید ساری دنیا کو آگ لگا دیتا۔" وہ بھڑک اٹھا۔

"تم الٹا سوچ رہے ہو۔" ردا اس کے انداز پر خائف ہو گئی۔

"اگر یہ الٹا ہے تو میں آج کل یہی سوچ رہا ہوں۔"

"تم مجھ سے محبت نہیں کرتے کیا۔" وجہ کوئی بھی ہو' شک محبت کی طرف ہی جاتا ہے۔ ردا کا انداز شک لیے ہوا تھا۔ داؤد نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کیا اب میں تمہیں یاد نہیں آتی۔" داؤد نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا۔

"اب تم الٹا سوچ رہی ہو۔"

ردا مسکرائی ضرور' لیکن مطمئن نہیں ہوئی۔

☆ ☆ ☆

"تمہارے پیپرز کیسے ہو رہے ہیں؟"

"ٹھیک ہی ہو رہے ہیں بس... آپ کو پتا... کل ساری رات آپی باتیں کرتی رہی ہیں مجھ سے۔" مقدس کو جیسے یاد آگیا بتانا۔

"رئیلی..." اتنی اہم بات وہ اتنی دیر سے بتا رہی تھی۔

"جی۔"

"کیا باتیں۔" دونوں سرگوشی کی صورت بول رہے تھے۔ پہلی بار مریم اپنی نیند سے سوئی تھی۔

"ابو کی باتیں... رمشا احمد کی... میری۔"

"اچھا..." داؤد جاننا چاہتا تھا کہ حادثے سے متعلق کیا بات ہوئی۔

"رو رہی تھیں بہت۔" کہہ کر مقدس خاموش سی ہو گئی۔

داؤد سوچ سکتا تھا کہ وہ کتنا روئی ہو گی۔ "پھر..."

"روتے روتے سو گئیں۔"

"پوچھا نہیں... جو سب ہوا؟"

"پوچھا تھا... میں نے بتا دیا۔ اماں نے سمجھا دیا تھا کہ کیسے تسلی دینی ہے انہیں۔ بہت سمجھ دار ہیں آپی۔" مقدس اپنی کتاب پڑھنے لگی۔ شاید کتاب کی آڑ میں اپنے آنسو چھپانا چاہتی تھی... رو دینے کے قریب ہو گئی۔ داؤد کا دل چاہا اس کے قریب بیٹھ کر اسے تسلی دے۔

"میں نے بہت برا کیا تمہاری بہن کے ساتھ۔"

مقدس چونکی۔

"اماں کہہ رہی تھیں ایسے ہی ہونا تھا' ہو گیا... اب الزام دینا ناشکری ہو گی۔"

"میری وجہ سے ہوا سب۔"

"آپ نہ ہوتے' کوئی اور ہوتا... ہونا یہی تھا..."

WWW.PAKSOCIETY.COM

اماں نے کہا۔ کچھ چیزوں سے بچاؤ ممکن نہیں، جیسے موت سے۔"

داؤد کو یہ فلسفہ اچھا لگا اس پر یقین رکھنے والے بھی۔

مریم کی پلکیں لرز رہی تھیں۔ وہ ایسے ہی لرزتی رہتی تھیں۔ جیسے بند آنکھوں کے پار وہ کسی چیز سے نبرد آزما ہو۔

کتاب ایک طرف رکھ کر مقدس نماز پڑھنے لگی۔ وہ بیڈ کے عین سامنے رکھے صوفے پر بیٹھا تھا۔ انجانے میں مریم کو دیکھ رہا تھا۔ مگر اپنی ہی سوچوں میں گم تھا کہ اس کی آنکھیں کھلیں۔

دونوں کی نظریں عین ملیں۔ داؤد نے فوراً" نظریں چرالیں، اتنی سی دیر میں ہی اس نے اس کی آنکھوں میں غم و غصہ دیکھ لیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آئی کیا کرے۔۔۔ اٹھ جائے۔۔۔ اس کے پاس جا کر حال احوال پوچھے یا نظریں چرا کر وہیں بیٹھا رہے۔ مریم نے آنکھیں بند کرلی۔ وہ اٹھ کر اس کے پاس آیا۔

"کیسی ہو مریم۔۔۔ درد تو نہیں۔۔۔ میں ڈاکٹر کو بلاؤں۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خود ہی نرس کو لے آیا۔ اس نے چیک کیا۔ بیڈ سیٹ کیا اور سہارا دے کر اسے بٹھایا۔

"تھک جائے تو لیٹ جائے۔ بہتر ہے کہ زیادہ سے زیادہ ایسے ہی بیٹھے۔" کہہ کر وہ چلی گئی۔ مقدس سے مریم نے پانی مانگا۔ گلے میں پڑے اس کے دوپٹے کو مقدس نے سر پر اوڑھا دیا، وہ ٹیک لگائے آنکھیں موندے دراز تھی۔

اب داؤد کیا کرے۔ ایک پہاڑ اسے اپنے سر پر رکھا نظر آنے لگا۔ کوئی کام کبھی اسے اتنا مشکل نہیں لگا تھا، جتنا اس سے بات کرنا اس کا سامنا کرنا لگ رہا تھا۔

مقدس فون پر مریم کی بات کروانے لگی۔ دھیمی آواز سے مریم باتیں کرنے لگی، جلد ہی تھک گئی تو فون مقدس نے پکڑ لیا۔

"میں داؤد ہوں۔" بہت مشکل سے آواز نکالی، بیڈ کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا، آنکھوں میں پھر وہی غصہ۔۔۔ غم۔۔۔ گہری براؤن آنکھیں۔۔۔ افسردہ۔۔۔ سوگوار۔

"میری کار سے آپ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔"

اس نے فوراً" آنکھیں موندی اور سانس ایسے لی جیسے کہا ہو "دور ہو جاؤ۔"

اس انداز پر داؤد کی رہی سہی ہمت بھی جاتی رہی، وہ کمرے سے نکل آیا۔ کار لے کر ادھر ادھر گھومنے لگا۔ سمجھ نہیں آرہا تھا اس کے لیے کیا کرے۔ اس کے لیے سب کچھ کرکے بھی صفر ہی تھا۔ انسان کے پاس اپنا سب کچھ وہ خود ہی ہوتا ہے۔ اس کی آنکھیں دنیا دیکھتی آنکھیں۔۔۔ ہاتھ۔۔۔ پاؤں۔۔۔ مکمل وجود مکمل زندگی نہیں رہتا، لیکن مکمل احساس ضرور رہتا ہے، نامکمل وجود سب مکمل کو بھی ادھورا بنا دیتا ہے۔ انسان کے وجود کی کوئی قیمت نہیں اور اگر کوئی انہیں کھو بیٹھے تو بے مول کیسے نہ ہو وہ۔

اس نے ایک خوش حال زندگی گزاری تھی۔

آواز دینے پر ملازم حاضر۔۔۔ ہنسنے اور ہنسانے کے لیے وقت اور لوگ بہت۔۔۔ اطوار بہت۔۔۔ انداز بہت۔۔۔ زندگی میں بہت رنگ تھے، سب ہی خوش رنگ تھے۔ فارغ اوقات میں وہ دوستوں کے ساتھ طرح طرح کے مشغلوں میں مصروف رہتا تھا۔ اچانک سے رنگ بدل لینے والی زندگی نے اسے ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اس کی زندگی بھی کسی بڑے سانحے کیا چھوٹے دکھ سے بھی آشکار نہیں ہوئی تھی۔ دنیا کی ابتری اس کی زندگی کا حصہ نہیں تھی۔ مریم کا یہ حال دیکھا تو وہ بجھ گیا۔ زندہ دلی مرگئی، اس کی ماں کو چپکے چپکے روتے دیکھا، پھر بھی صابر ہی پایا۔ نہ کوئی لعن طعن، نہ شکوہ شکایت، اتنا بڑا سانحہ اور اتنی اعلا ظرفی۔

مریم کو دیکھنے جو رشتے دار آتے اس کی حالت دیکھ کر دم بخود رہ جاتے۔ اس کی آئندہ زندگی کا نقشہ ہر کوئی بنا سکتا۔۔۔ دکھا سکتا تھا۔ دونوں ٹانگوں سے معذور، ریڑھ کی ہڈی کے مسائل لیے اب یہ لڑکی کیا کرے گی؟

☼ ☼ ☼

اگلے دن وہ اسپتال آگیا۔ شام کا وقت تھا۔ مقدس اور مریم باتیں کر رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر دونوں چپ کر گئیں۔ اس نے مریم کا حال احوال پوچھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مقدس ہی بتانے لگی، وہ ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔ اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر کہا۔

"مجھے ڈسچارج ہونا ہے۔"

"آپ کو چند ہفتے اور یہاں رہنا ہوگا۔"

"اس سے کیا ہوگا۔" اس کا انداز تلخ تھا، افسردہ سا۔

"آپ انڈر چیک اپ ہیں" آپ کی بیک بون۔۔۔"

"مجھے یہاں سے جانا ہے۔" اس کی آواز نم ہوگئی۔ جیسے ابھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے گی۔

"آپ۔۔۔ مجھے معاف کردیں، پلیز مریم۔" اسے یہ کہنا ہی تھا۔ ہمت نہیں ہو رہی تھی اب یکدم سے کہہ دیا۔ "میری وجہ سے۔۔۔"

"اماں نے کہا۔ آپ مجھے گھر سے نکال کر نہیں لے گئے تھے کہ آؤ تمہیں کچل دوں۔" مقدس نے اس کی چھلکتی آنکھیں صاف کیں۔

"جو کچھ ہوا، ہو گیا، مجھے یہاں سے جانا ہے۔"

"آپ کا علاج ہو رہا ہے۔" داؤد کا دل چاہا اس کی گیلی آنکھیں بڑھ کر خود صاف کردے۔ اس نے گردن ایک طرف گرا سی دی اور آنکھیں موندلیں۔

داؤد ناچار اٹھا۔ ڈاکٹر سے بات کی، "ابھی وہ نہیں جاسکتی تھی" اس نے آکر بتا دیا۔

"آپ یہاں مت آیا کریں۔ مجھے اجنبی لوگ اچھے نہیں لگتے۔"

یہ پہلی اور بھرپور بے عزتی تھی، جو اسے مل رہی تھی، کتنا بہترین جملہ تھا۔

اسے ایک اور نظر دیکھ کر وہ باہر آگیا۔ اب اسے صرف اسٹاف سے ہی ملتے رہنا تھا۔ اس کے کمرے میں نہیں جانا تھا۔ وہ اس کا مہنگے اسپتال میں علاج کروا رہا تھا۔ اسے وی آئی پی کمرے میں رکھا گیا تھا۔ وہ صبح و شام وہاں آتا تھا۔ بھاگ دوڑ کرتا تھا۔ پھر بھی یہ سب بے حد معمولی تھا جو کچھ وہ اس کا چھین چکا تھا، اس کے مقابلے میں۔۔۔ چند دن پہلے اس نے مریم کی والدہ کو پیسے دینے چاہیے تھے۔ وہ بے چارگی سے اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"اب ہماری اتنی بے عزتی مت کرو۔" داؤد نے شرمندگی سے ہاتھ کھینچ لیا۔

ایک گھرانہ جہاں تین لڑکیاں اور ایک بچہ ہے۔ گھر کا سربراہ بیمار ہے۔ ایک دوسرا کمانے والا ہاتھ معذور ہوچکا۔ چھوٹے سے گھر میں بڑے بڑے مسائل کا شکار افراد اتنے غیرت مند۔۔۔ ان کی مشکل زندگی کو اس نے مشکل ترین بنا دیا۔

اس نے سوچا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ صرف پیسہ ہی خرچ کر رہا ہے نا۔ اصل ہمت تو وہ سب دکھا رہے ہیں۔ آخر وہ کیا کھاتے ہیں کہ اتنے طاقت ور ہیں۔۔۔ اسے معاف کردیا۔ قسمت کا لکھا جان کر صبر کرلیا۔ اتنا آسان نہیں ہے یہ سب۔

نہ چاہتے ہوئے بھی اسٹاف سے مریم کی حالت کے بارے میں معلومات لے کر وہ کمرے میں آگیا۔ مریم سو رہی تھی۔ مقدس اور رمشہ دونوں کتاب پڑھ رہی تھیں، ہاتھ ہلا کر وہ پلٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

"ڈسچارج ہوگئی وہ؟" ڈیڈ پوچھ رہے تھے آج کل وہ گھر ہی میں نظر آرہا تھا۔ مسلسل ٹی وی کے چینلز بدل رہا تھا۔ غصے میں لگ رہا تھا۔

"جی۔۔۔"

"اب خود پر توجہ دو ذرا۔۔۔ اگلے مہینے تمہاری شادی ہے۔"

وہ چینلز ہی بدلتا رہا۔

"یار اتنے گم صم کیوں ہو۔۔۔ ہو گیا جو ہونا تھا۔"

"ہو گیا جو ہونا تھا، لیکن فرق تو پڑا نا کسی کو۔" وہ جھنجلا کر بولا۔

"فرق تو ہمیشہ رہے گا۔"

"سب میری وجہ سے۔"

"تم نے اتنا کچھ کیا ہے ان کے لیے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"پھر بھی مجھے سکون نہیں ملا ڈیڈ!"

"کم آن داؤد۔"

"سچ کہہ رہا ہوں ڈیڈ... اگر اس کی جگہ میں ہوتا۔"

"پاگل ہو داؤد..." مام برا مان گئیں۔

"آپ کا تصور سے یہ حال ہے اور اس کے ماں باپ پر کیا گزرتی ہوگی۔ وہ اپاہج ہو چکی ہے۔" مام قریب آکر بیٹھ گئیں۔ اس کا سر سہلانے لگیں۔ "تم ان کی مدد کرتے رہو۔"

"وہ نہیں چاہتے اور کوئی ہیلپ... کہتے ہیں ایسا ہی ہونا تھا، ہو گیا۔"

"گریٹ..." ڈیڈ مسکرائے۔ "اچھے لوگ ہیں وہ۔"

"لیکن... میں اچھا نہیں ہوں۔"

"کم آن سن لیو اٹ... وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"میرے لیے سب ٹھیک ہو جائے گا، ان کے لیے مشکل، خاص کر مریم کے لیے۔"

"تم ان سے ملتے رہنا... آج مدد نہیں لے رہے، کل لے لیں گے۔"

اس نے ان کی گود میں سر رکھ دیا۔ دونوں نے اسے تشویش سے دیکھا۔

"میں مریم کو گھر لانا چاہتا ہوں۔"

کمرے میں سناٹے کا دھماکہ ہوا۔ بہت دیر تک یہی سناٹا چھایا رہا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دونوں کی طرف باری باری دیکھا۔

"اسے اپنے ہاتھوں کا سہارا دینا چاہتا ہوں۔ اس کا خیال رکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے سارے کام کرنا چاہتا ہوں، اس کی تکلیف..."

"تم کیا کہہ رہے ہو؟" ڈیڈ کی دھیمی آواز پاٹ دار ہو گئی۔

"شادی..." وہ ڈرا ضرور لیکن کہہ دیا، سر اٹھائے انہیں دیکھنے لگا۔

"نان سینس!" ڈیڈ کہہ کر اٹھ کر چلے گئے۔

"تمہارے بہن، بھائی آنے ہی والے ہیں، تمہاری شادی کے لیے... جانتے ہو نا تم... گھومو پھرو، خود کو مصروف کرو، کیا اول فول بک رہے ہو۔" مام بھی کہہ کر چلی گئیں۔

دونوں اٹھ کر چلے گئے۔ اسے پاگل سمجھ کر... جب یہی پاگل حادثہ کر آیا تھا تو دونوں اس کا حل نکالنے بیٹھ گئے تھے اب... مریم کی زندگی کا حل کون نکالے گا۔

اس نے ردا کو فون کیا۔

فون ردا کے ہاتھ سے گر گیا اور وہ چکراتے سر کو تھامے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"ماما... ماما..." وہ چلانے لگی۔ ماما بھاگی آئیں۔

"داؤد! مریم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

☼ ☼ ☼

ردا کے پیرنٹس اسی شام ان کے گھر تھے۔ ردا کا فون بند تھا۔ داؤد انہیں آتے دیکھ کر باہر چلا گیا چپکے سے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سب اسے کیا کیا کہیں گے۔ اپنا فون بھی اس نے بند کر لیا۔ رات گئے واپس آیا تو مام، ڈیڈ دونوں ہی اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"میں بہت شرمندہ ہوا ہوں ان دونوں کے سامنے داؤد۔"

"میں بھی مریم کو دیکھ دیکھ کر شرمندہ ہوتا ہوں۔"

"تمہاری شادی ردا سے ہو رہی ہے۔" وہ ایسے چلائے جیسے کسی ملازم پر چلا رہے ہوں۔

"ردا سے ضرور ہوگی۔" وہ تحمل سے ہی بولا۔

"ہونہہ... ردا نہیں مانے گی، نہ ہی اس کے گھر والے۔"

"میں اسے منا لوں گا۔"

"ہم بھی نہیں مانتے... کیا پاگل پن ہے یہ سب داؤد... بے وقوف ہو تم۔"

"اگر یہ بے وقوف ڈیڑھ دو گھنٹے سڑک پر تڑپتا؟"

"شٹ اپ داؤد۔"

"آپ سب میری بات سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔"

"ہمیں اس کے ساتھ ہمدردی ہے داؤد! مگر اب بس بہت ہو گیا۔"

"آپ کو مجھ سے ہمدردی کرنی چاہیے ڈیڈ۔"

"بحث مت کرو، ہم اس کے فادر کو اچھی نوکری دے دیں گے، بلکہ ایسا کرو تم انہیں کوئی بزنس سیٹ کروا دو۔"

"چلیے شاید ان کے خاندان کے مسائل تو حل کر دیں گے، لیکن مریم کے نہیں۔ معذوری کے ساتھ وہ کیسے زندگی گزارے گی؟"

"ہم کسی اچھے لڑکے کو ڈھونڈ کر اس کی شادی کروا دیں گے۔" بہت حل تھے ڈیڈ کے پاس۔

"وہ اچھا لڑکا میں کیوں نہیں؟" داؤد کے پاس سوال بہت تھے۔

"تمہاری شادی ردا سے ہو رہی ہے۔" ان کی آواز بلند تر ہو گئی۔

"مریم سے بھی ہو جائے گی۔"

"ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" ان کا انداز اتنا سخت تھا کہ داؤد کو برا لگا۔

"یوں تو ڈیڈ... اس سب نے، جو ہو رہا ہے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا ہے، حقیقت میں مجھ پر بہت کچھ واضح کیا ہے۔ ایک میرے مام، ڈیڈ ہیں، جو اس رویے کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ایک مریم کے فادر ہیں جو یہ مانتے ہیں کہ اس سب میں میرا صرف اتنا ہی قصور ہے کہ مریم کے ساتھ یہ سب ہونا ہی تھا تو مجھ سے ہو گیا۔ آپ اس کا سہارا بننے پر مجھ پر چلا رہے ہیں اور وہ مریم کو لاچار کر دینے پر بھی نہیں چلائے۔ اس فرق کو سمجھ کر بھی اگر میں پیچھے ہٹا تو ٹھیک نہیں ہوگا۔ پھر میں تعلیم یافتہ مہذب داؤد تو ضرور ہوں گا، لیکن انسان نہیں، آپ یہ نہیں سوچتے کہ اگر زخمی ہونے والی ردا ہوتی، پھر آپ کیا کہتے؟"

"تمہاری یہ اوٹ پٹانگ باتیں..." وہ چڑ گئے۔

"نہیں... مجھے معلوم کرنا ہے، اگر ردا ہوتی... کسی کار ایکسیڈنٹ میں ردا کا یہ حال ہوتا... پھر آپ میرے لیے کیا تجویز کرتے کہ چھوڑ دو ردا کو... ایسی لڑکی کے ساتھ کیا زندگی گزارو گے۔ کوئی اور دیکھ لیتے ہیں، جس بھی لڑکے کے ساتھ آپ مریم کی شادی کروائیں گے نا ڈیڈ... وہ اسے بوجھ سمجھے گا... میرے لیے وہ بوجھ نہیں ہوگی۔"

"ایسے لوگ خود کو سنبھال لیتے ہیں۔"

"کیسے لوگ ڈیڈ... میرا دماغ پھٹنے کے قریب ہے، کیسے لوگ... اپاہج... غریب... اور ایسے لوگ؟" اس نے اپنی طرف انگلی کی۔

"ایسے لوگوں کے بارے میں آپ کیا کہیں گے... امیر لوگ... مار کر بھاگ جانے والے لوگ... ایک امیر لڑکا اسے کچل سکتا ہے اور بس... اتنی ساری باتوں کا مجھے اب احساس ہو رہا ہے۔ آپ سمجھتے کیوں نہیں... ایک دن آپ ہوش میں آئیں اور آپ کو معلوم ہو کہ اب آپ چل نہیں سکتے، چرمرہوتی ہڈیوں کے ساتھ زندگی گزارنی پڑے گی۔ کیسا لگے گا پھر... دو لوگ اسے سہارا دے کر اٹھاتے... بٹھاتے اور آرام دلواتے ہیں۔ اس کے کام کرتے ہیں... یہ دو لوگ اس کی زندگی میں کون بنیں گے اور جو بنے گا وہ کب تک رہے گا۔ وہ میرے ساتھ رہے گی تو مجھے معلوم ہوگا کہ یہ سب میرا ہی کیا ہوا ہے۔ اسے مجھے ہی سنبھالنا ہے، اس کی ہر تکلیف پر مجھے..."

"اپنی شادی کی تیاری کرو داؤد۔" اتنا سب سننے کے بعد بھی انہوں نے یہی کہا۔

"ردا کی فیملی کے ساتھ ہم نے کچھ وعدے کیے ہیں، اب ہمیں اور شرمندہ نہ کرنا۔" وہ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ مام تو صرف سنتی ہی رہی تھیں دونوں کو۔ ڈیڈ اٹھ کر گئے تو وہ بھی چلی گئیں۔ داؤد البتہ ٹہلنے لگا، رات گئے تک لان میں۔

☼ ☼ ☼

ردا کا فون بند تھا۔ گھر کے کسی فون پر وہ اس سے بات نہیں کر رہی تھی۔

گھر وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔ نجانے کیا بدمزگی ہو جائے، شام تک وہ فون پر بات کرنے کے لیے کوششیں کرتا رہا۔ پھر وہ گھر آگیا۔ سیدھا اسی کے کمرے میں گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"تم مجھ سے محبت نہیں کرتے کیا؟" اس کا سوال یہی تھا۔ پہلا لازمی سوال۔

"تمہیں شک ہے؟"

"شک تو تم نے ڈالا۔"

"میں صرف اس کا سہارا بننا چاہتا ہوں ردا۔"

"یہ صرف سہارا بننا ہے؟" ردا روتی رہی تھی۔ لیکن اب ایک مضبوط وکیل بنی بیٹھی تھی' مقدمہ لڑ رہی تھی اپنا۔

"اور بھی بہت کچھ ہے' تم سمجھتی تو یہ سب نہ پوچھتیں۔"

"تم اس سے شادی کا ہی کیوں سوچ رہے ہو۔"

"بنا نکاح کے کیا میں اسے ہاتھوں پر اٹھا سکتا ہوں۔"

ردا کا منہ کھل گیا۔

"بولو۔ ہر شخص مجھے سمجھا رہا ہے' کوئی مجھے نہیں سمجھ رہا۔ سب چاہتے ہیں' انہیں پیسے دے دیے جائیں۔ آخر میں کیوں نہ آگے بڑھوں۔ کیا اسے صرف پیسے کی ضرورت ہے۔ یا ایک انسان کی۔"

"رات دن اس کے ساتھ رہ رہ کر۔" ردا کا انداز

داؤد حیران رہ گیا۔

"او شٹ اپ ردا۔" وہ دھاڑا۔ غصے سے اس کا منہ سرخ ہو گیا۔ بہت دیر خاموشی رہی۔ دونوں غصے میں تھے۔ دونوں کو ایک دوسرے کا انداز بہت برا لگا۔ ردا نے چاہا کہ وہ اٹھ کر چلی جائے اور وہ اٹھ گئی۔ جانے لگی تو داؤد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"بیٹھو یہاں ردا۔۔۔ میں اپنے کسی افیئر کی بات نہیں کر رہا' نہ ہی کسی چھپے ہوئے تعلق کی۔۔۔ یہ محبت کا معاملہ نہیں ہے۔ ہاں انسان ہونے کے ناطے محبت ضرور ہے۔"

ردا اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد بیٹھ گئی۔ داؤد بہت ڈسٹرب نظر آنے لگا تھا۔ چند ہفتے پیشتر کی ہنسی اور چمک دونوں میں سے غائب ہو چکی تھی۔ اسے داؤد کی فکر تھی۔ داؤد کو مریم کی۔ حقیقت میں داؤد کو اپنے ضمیر کی فکر تھی۔

"ردا۔۔۔ سنو۔۔۔ میں نے اس جگہ اس بیڈ پر اس حالت میں پہلے تمہیں رکھا اور سوچا کہ میں کیا کرتا اگر اس حالت میں تم ہوتیں۔۔۔ میں تب بھی یہی کرتا' پھر میں خود وہاں جا لیٹا۔ جانتی ہو کیا ہوا۔ میں نے خود کو سسکتے دیکھا۔ ناامید۔۔۔ شکستہ۔۔۔ زندگی سے بے زار۔۔۔ میں نے مام ڈیڈ کے علاوہ سب کو چھوڑ کر جاتے دیکھا۔ میں نے سب کو سونگھا۔۔۔ سب کو چکھا۔۔۔ سب کو جانچا۔۔۔ میں نے سب کچھ بدلتے دیکھا۔۔۔ سب رنگ۔۔۔ سب خوشبوئیں۔۔۔ سب کے سارے فلسفے' میں نے اس اذیت میں خود سے پوچھا۔ 'کیا چاہتے ہو' جواب ملا۔۔۔ کوئی ایسا جو کبھی نہ بدلے۔۔۔ چھوڑ کر نہ جائے کبھی۔۔۔ اپنے ساتھ بسا کر آباد کرے اور زندگی کا سب کچھ دے' وہ میرا حاصل بنے۔ جو میرے لیے سارے رنگ اور خوشیاں بن جائے' کوئی ایسا۔۔۔ جو مجھے میری ہر حالت میں ساتھ لگائے رکھے اور وہ ایک تم تھیں۔۔۔ صرف تم' باقی ماندہ مکمل زندگی۔۔۔ میرے پاس تم تھیں ردا۔۔۔ اس کے پاس کون ہے جو میں نے محسوس کیا وہ کوئی اور نہیں کرے گا۔"

"تم صرف میرے ہو۔" ردا نے سب سن کر بھی یہی جواب دیا۔ "ہم دونوں مل کر اس کا خیال رکھ لیں گے۔" وہ مزید بولی۔

"جب راتوں کو وہ کراہے گی۔۔۔ اٹھنا بیٹھنا چاہے گی تب تم مجھے جانے دو گی اس کے پاس' تم اسے پیسہ اور ملازم دینا چاہتی ہو' جبکہ ایسے انسان کو ملازموں کی ضرورت نہیں ہوتی' ہم ایک گھر میں رہ لیں گے ردا۔ ورنہ تم دونوں الگ الگ رہ لینا۔ ہم پاس پاس ساتھ رہ لیں گے۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو گا۔"

"تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں؟"

"محبت کے نام پر میں اتنی بڑی قربانی نہیں دوں گی۔" دو ٹوک انداز۔

"تم اس سے متاثر ہو نا؟"

"بہت ہوں۔۔۔ جب اس نے خدائی حکم مان کر مجھے معاف کر دیا' کیوں نہ ہوتا متاثر۔۔۔ وہ جو دے سکتی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس نے دے دیا جو میں دے سکتا ہوں۔ مجھے تو دینے دو' کیا میں غلط ہوں۔"

"تم میرے ہو۔" اس کی ایک ہی رٹ تھی۔

"تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا ردا۔۔۔ اس احساس کے ساتھ بھی نہیں رہ سکتا۔"

"میں تمہیں تقسیم نہیں کر سکتی۔"

"ردا کبھی کبھی ہمیں نیکی کے لیے اپنا آپ پیش کرنا ہی پڑتا ہے۔ ہر دکھ کے لیے چیزیں ہی ڈھونڈ ڈھونڈ کر نہیں لاتے' کبھی انسان بھی لانے پڑتے ہیں۔"

"نجانے تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ایک حادثہ ہی ہے نا۔ تم نے تو اسے سر پر ہی سوار کر لیا ہے۔ وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اگر تم نہ ہوتے اور یہ سب کوئی اور کر جاتا۔ پھر بھی وہ اپنی زندگی گزارتی ہی نا۔۔۔ اب بھی گزارے گی۔ تم پیسے سے جتنی چاہے ان کی مدد کر دو' بلکہ ہم ہمیشہ کرتے رہے گے۔" اپنی بچت کے لیے ردا دوسروں کے لیے بے حس ہو گئی۔

داؤد اٹھ کر چلا گیا۔ ردا اس کے پیچھے لپکی' لیکن وہ تیزی سے نکل گیا۔

☆☆☆

سب داؤد اور داؤد سب کے ہاتھوں عاجز آ گیا۔ شادی کی تاریخ آگے نہ معلوم مدت کے لیے بڑھا دی گئی۔ باہر سے آنے والوں کو بتا دیا گیا۔ وہ وہیں سے اسے فون کر کر کے سمجھانے لگے۔

ردا ماننے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اسے ردا کے ساتھ بھی شادی کرنی تھی اور اب مریم کے ساتھ بھی۔۔۔ ردا سے وہ محبت کرتا تھا اور مریم کو ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ دو مہینے گزر گئے۔ ردا کا خیال تھا کہ وہ اپنی ضد چھوڑ دے گا۔ لیکن وہ نہیں مانا۔۔۔ وہ واپس نیویارک جا رہی تھی۔

"نہ جاؤ ایسے ردا۔۔۔" وہ تلخی سے ہنسی۔۔۔ دونوں لان میں ٹہل رہے تھے۔ اس کے آنے سے پہلے ردا خبطی بنی اکیلی ہی ٹہلے جا رہی تھی۔ اسے دیکھ دیکھ کر کچن میں کام کرنے والے ملازم پریشان ہو رہے تھے۔

"تم پر انسانی خدمت کا بھوت سوار ہے۔۔۔ کر لو۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے۔ جب کبھی آ گئی' میں آ جاؤں گی۔"

"تم مجھ سے محبت کرتی تھیں۔"

"تم بھی کرتے تھے۔"

"میں آج بھی کرتا ہوں۔"

"کرتے تو ایسے نہ کرتے۔"

"تم مجھ پر اس وقت یہ الزام لگاتیں' اگر میرا کوئی افیر ہوتا۔"

"افیر کے بارے میں بھی کون جانتا ہے۔"

داؤد کو بہت برا لگا۔ برا تو آج کل اسے بہت کچھ لگ رہا تھا' یہ بھی سہی۔

"تمہیں تو مجھے سیلوٹ کرنا چاہیے۔۔۔ کم سے کم میں بے حس نہیں ہوں۔"

"تمہاری حساسیت پر میں تمہیں سیلوٹ کرتی ہوں داؤد!" ردا کا انداز اور برا ہو گیا۔ داؤد نے ٹہلتے ٹہلتے اسے روک کر اپنے عین سامنے کھڑا کیا۔ "ٹھیک ہے' تم اس کے لیے کوئی میرے جیسا ڈھونڈ دو۔ میں اس سے شادی نہیں کرتا۔ اب تم بھی انتظار کرو اور میں بھی کرتا ہوں۔ ہم دونوں مل کر اس کے لیے کوئی خاص شخص ڈھونڈتے ہیں۔ کرو گی انتظار؟"

ردا نے اس کی طرف دیکھا۔ سر بھی نہیں ہلایا۔ وہ ابھی بھی پاگل ہی لگ رہا تھا۔

☆☆☆

مصنوعی ٹانگوں کے لیے داؤد' مریم کو امریکہ لے جانا چاہتا تھا۔ رپورٹس وہ پہلے ہی بھیج چکا تھا۔ ان کی کال آ چکی تھی۔ مریم کے والد بیمار تھے۔ والدہ ان کے پاس رہنا چاہتی تھیں۔ خود مریم جانا ہی نہیں چاہتی تھی۔ وہ کتنی بھی صابر نظر آتی کچھ نہ کہتی' لیکن وہ مایوس ہو چکی تھی۔ اپنی معذوری کے غم میں مبتلا تھی۔ اب موت کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے گھر والے صرف داؤد کے ساتھ اسے اکیلا نہیں بھیجنا چاہتے تھے۔ وہ تو داؤد کو بار بار گھر آنے سے بھی منع کرتے

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھے۔ ان کی ایسی باتوں پر داؤد کوفت کا شکار ہو جاتا۔ داؤد، ردا کو لے کر ان کے گھر آگیا کہ یہ بھی ساتھ جائے گی۔ ردا نیویارک تو جا ہی رہی تھی۔ اس سے مل کر وہ مان گئے۔ داؤد نے بھاگ دوڑ کر کے مریم کے کاغذات بنوائے، ویزا لگوایا۔

ردا ایرپورٹ اکیلی گئی تھی۔ داؤد مریم کو لے کر آگیا۔ اس کی وہیل چیئر کو دھکیل رہا تھا۔ اپنی تو اس نے شرٹ بھی نہیں بدلی تھی۔ شیو بھی نہیں کی تھی۔ بال بھی الجھے ہوئے ہی تھے۔ ردا ساتھ ساتھ تھی۔ دونوں لڑکیاں خاموش تھیں۔ گھر والوں کو خدا حافظ کہتے مریم رونے لگی تھی۔ ابھی بھی رو رہی تھی۔ داؤد کو براہ راست مخاطب بھی نہ کرتی۔ داؤد اس کی چیئر کو دھکیلتا تو وہ شرمندہ سی نظر آنے لگتی۔ جیسے اس کی ہتک ہو رہی ہے۔ اس کی بہن ہوتی تو اور بات تھی۔ اتنے سارے چلنے پھرنے والے لوگوں میں وہ اکیلی... اس کا چہرہ رنگ بدل رہا تھا۔ داؤد اسے اکیلا نہیں چھوڑ رہا تھا۔ ہر دم اس کے ساتھ ہی تھا، جبکہ وہ چاہتی تھی کہ وہ ذرا اس سے پرے ہو جائے۔ لاؤنج میں وہ اس کے بالکل ساتھ والی چیئر پر بیٹھا تھا۔ بار بار اس کی طرف دیکھتا تھا کہ وہ کیسا محسوس کر رہی ہے۔

ردا دونوں کے سامنے بیٹھی تھی، مریم کی نظریں لاؤنج میں بھٹک رہی تھیں۔ پھر وہ ایک چیز پر ٹک گئیں۔ پانی پر... داؤد اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ پانی کی بوتل لاکر اسے دی، پھر جائے، پھر ایک کتاب لے کر دی۔ اس نے ورق گردانی کر کے گود میں رکھ لی۔ شاید وہ اس کے مطلب کی نہیں تھی۔ وہ اردو میں چند میگزین لے آیا۔

جہاز میں جانے تک... سیٹ بیلٹ باندھنے تک... ایک ایک کام وہ خود کر رہا تھا... وہ بار بار مریم کی طرف ہی دیکھتا رہتا۔ اس کے چہرے کے تاثرات کھوجتا رہتا۔

☼ ☼ ☼

مریم اسپتال میں ایڈمٹ ہوگئی۔ پہلے اس کے سب ہی ٹیسٹ نئے سرے سے ہوئے تھے خاص کر ریڑھ کی ہڈی کے... اس کی ٹانگوں کا سائز لیا گیا۔ پھر انہیں فٹ کر کے دیکھا گیا۔ چیک اپ ہوتے رہے۔ مصنوعی ٹانگیں لگا کر اسے کھڑا کیا گیا... پھر اسے چند قدم کی واک کروائی گئی۔ ابتدا میں مصنوعی ٹانگیں فٹ ہوتے ہی تکلیف دیتی ہیں، وزنی بھی ہوتی ہیں۔ مریض انہیں لگا کر چلنے سے خوف زدہ ہی رہتا ہے اور قدم اٹھاتے ڈرتا ہے۔ ہزار طرح کے نفسیاتی خوف ہوتے ہیں۔ جنہیں دور کرنے کے لیے داؤد، مریم کے ساتھ تھا۔ وہ چھوٹے بچوں کی طرح اسے بہلاتا۔ آمادہ کرتا، جس دن اس نے پہلے دو قدم اٹھائے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

لیڈی ڈاکٹر نے اسے سینے سے لگالیا۔ اسے تسلی دلاسے اور حوصلہ افزائی کی ہی ضرورت تھی۔ ایسے مریضوں کو ایک مخصوص جگہ پر پریکٹس کروائی جاتی ہے۔ یہ مریض کی اپنی ول پاور پر ہوتا ہے کہ وہ کب تک اور کتنی جلدی چلنا سیکھ لیتا ہے۔ مریم صرف چند قدم ہی اٹھاتی تھی۔ داؤد اس کے ہر اٹھتے قدم پر سکون کا سانس لیتا تھا۔

مریم ہسپتال میں تھی... داؤد ایک دوست کے اپارٹمنٹ میں رہ رہا تھا اور ردا اپنے فلیٹ میں تھی۔ اکثر آجاتی تھی مریم کے پاس، دونوں میں کوئی خاص دوستی نہیں تھی، ردا اسے پسند نہیں کرتی تھی پھر بھی آجاتی تھی۔ داؤد اسے دیکھ کر خوش ہو جاتا تھا۔

ڈاکٹر سے اجازت لے کر ایک دن داؤد مریم کو ردا کے فلیٹ میں لے آیا۔ ہسپتال سے ٹیکسی تک وہ وہیل چیئر پر آئی تھی اور ردا کے فلیٹ کے باہر کے چند قدم... لفٹ اور لفٹ سے چھٹی منزل پر اس کے فلیٹ تک وہ ایک اسٹک اور اپنی ہمت سے چل کر گئی۔ فلیٹ کے اندر جاتے ہی مریم صوفے کی طرف لپکی اور اس پر گر سی گئی۔ اس کی پیشانی پر پسینہ چمک رہا تھا داؤد اس کی طرف لپکا۔ ٹشو اسے دیا اور پانی کی بوتل جو وہ اسی کے لیے ہاتھ میں پکڑے رکھتا تھا، اسے دی، مریم کا ایک ہاتھ مفلوج تھا وہ لٹکا ہی رہتا تھا۔ بائیں ہاتھ سے ہی وہ

خود کو تھوڑا بہت سنبھالتی۔ کئی بار چلنے کی پریکٹس میں وہ گری تھی۔ داؤد ہر بار ایسے آگے لپکتا جیسے خود کو گرنے سے بچا رہا ہو... ردا کے سامنے ہی مریم ایسے گر چکی تھی۔

"کیسی لگ رہی ہے چلتی ہوئی" مریم سے زیادہ داؤد خوش تھا۔

"بہت اچھی" ردا مسکرا کر بولی۔ مصنوعی ٹانگوں کے سہارے کھڑی مریم بہت پیاری لگی تھی سر پر دوپٹا اوڑھے نظریں جمائے... ایک خاص طرز کی جھجک اوڑھے۔

ردا کھانا بنانے لگی... داؤد نے مریم کے لیے ٹی وی آن کر دیا۔ اس کے لیے چینل سرچ کرنے لگا۔ پھر آکر ردا کی مدد کروانے لگا ساتھ ساتھ وہ ردا کے ساتھ ہلکی پھلکی باتیں کر رہا تھا۔ ایسا بہت دنوں بعد ہوا تھا، اس کا مزاج بہت اچھا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ ہر دو منٹ بعد جھانک کر مریم کو بھی دیکھ آتا۔

"بھوک تو نہیں لگ رہی؟" مریم سے پوچھا اس نے انکار میں سر ہلایا۔

"اسے بہت بھوک لگتی ہے ہر وقت اپنے بیگ میں بسکٹ اور چپس رکھتی ہے" داؤد ردا کو بتا رہا تھا۔ کھانے میں وقت لگنے والا تھا ابھی، داؤد نے نوڈلز جلدی سے بنا لیے اور ٹرے میں رکھ کر اس کے پاس لے گیا، ایک کشن کو اس کی گود میں رکھا اور اوپر ٹرے رکھی "کھاؤ" قریب ہی ٹشو بکس رکھ دیا۔

مریم کھانے لگی۔

داؤد جو جو اس کے لیے کرتا تھا وہ اس کی مشکور تھی لیکن وہ داؤد کو ناپسند کرتی تھی۔ وہ اسے قصوروار سمجھتی تھی۔ صبر ہی کر کے بیٹھی تھی اور کیا کرتی کچھ بھی کرنے سے سب پہلے جیسا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے ماں باپ نے اسے ہزار طریقوں سے تسلی دی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ سب فلسفے جھوٹے لگنے لگتے ہیں۔ تسلی دلاسے، سب کچھ رات رات بھر وہ روتی رہتی۔

اس کے گھر کے حالات پہلے ہی خراب تھے، دو سال پہلے ابو پر فالج کا شدید حملہ ہوا تھا وہ نو ماہ بیمار رہے، چلنے پھرنے سے بھی گئے وہ رکشہ چلاتے تھے۔ حالات اتنے برے بھی نہیں تھے۔ وہ الیف اے کر چکی تھی۔ مریم کی جگہ اگر ان کا کوئی بیٹا ہوتا تو رکشہ چلا لیتا، مریم کو اس بات کا بھی بہت ملال تھا۔ وہ اسکول میں پڑھانے لگی، اماں کپڑے سی لیتیں، چند مہینوں بعد ابو ٹھیک ہو کر چلنے تو لگے لیکن کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ اور پھر اس رات ان پر پھر فالج کا حملہ ہو گیا۔ ان سب کی زندگیوں کا رخ ہی بدل گیا۔ مقدس کو اسکول چھوڑنا پڑا۔ اسے ابا اور مریم کو سنبھالنا پڑتا۔ وہ صرف بیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر ہی بیٹھ سکتی تھی۔ ٹیوشن والے بچے پڑھانے لگی، دایاں ہاتھ مفلوج تھا اس سے کوئی کام نہیں ہو سکتا تھا اس میں صرف سنسناہٹ ہوتی رہتی۔ بائیں ہاتھ سے ہی اسے سب کرنا تھا جو نہ ہونے کے برابر ہوتا... وہ رات دن روتی نہ تو کیا کرتی، کیا رہ گیا تھا اب زندگی میں امید کے لیے۔

اس سارے وقت میں داؤد نے بہت کوشش کی کہ اس سے ہلکی پھلکی بات چیت کر سکے اسے جان سکے کہ وہ کیا محسوس کرتی ہے کیا سوچتی ہے۔ لیکن وہ ناکام ہی رہا، وہ ضرورت کے لیے ہی ہوں ہاں کرتی تھی بس ڈاکٹروں کے سامنے وہ کئی بار روئی تھی۔ وہ بہت تکلیف سے گزر رہی تھی۔ داؤد چاہتا تھا کہ ردا ہی اس سے دوستی کر لے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا اب وہ ردا کو مجبور نہیں کر سکتا تھا وہ جانتا تھا کہ مریم کے ساتھ شادی کو لے کر ردا مریم سے کبھی بھی دوستی نہیں کرے گی۔

کھانا کھا کر وہ لوگ واپس آگئے، مریم ہسپتال سے ڈسچارج ہونے والی تھی آج کل میں... اسے اب ویکلی چیک اپ کے لیے جانا تھا، درمیان کے دن اسے کہیں اور رہنا تھا داؤد نے ردا سے بات کی اس نے ہاں کہہ دیا، مریم ڈسچارج ہو کر اس کے فلیٹ میں آگئی۔ داؤد سارا دن گھر میں ہی رہا اس کے لیے کھانا سوپ بناتا رہا۔ دوا کا یاد کرواتا رہا وہ خود ہی دوا لے لیتی تھی پھر بھی وہ ایک دو بار ضرور پوچھتا۔

"دوا لی مریم کہیں درد تو نہیں۔ گردن کی طرف...

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

شولڈرز میں۔۔۔ سر میں جیسے ہی کہیں درد ہو فوراً" مجھے بتانا۔" وہ سہلاتی رہتی۔

داؤد ہی اس کے لیے مارکیٹ سے مخصوص میٹرس لے آیا تھا جو اس کے لیے تجویز کیا گیا تھا ردا کا بیڈ روم تو چھوٹا سا تھا اس نے خود ہی لاؤنج میں کھڑکی کے پاس رکھا صوفہ ہٹا کر اس کا میٹرس رکھ دیا۔ ٹی وی' آتش دان اور کھڑکی کے پاس' ردا کو داؤد کی ذہانت کی داد دینی پڑی۔

مریم کھڑکی کے پار دیکھتی رہتی۔ ساتھ ساتھ ٹی وی۔۔۔اب مسکرا بھی دیتی۔ داؤد اسے اٹالین' فرنچ نہ جانے کیا کیا پکا کر کھلاتا رہتا وہ ایک چمچہ لیتی تو پوچھتا کیسا بنا ہے۔ وہ گردن ہی ہلاتی بس۔

وہ سب کھا جاتی تو اسے یقین ہوتا کہ ہاں مزے کا بنا ہے' رات کو سو ہدایتیں دے کر چلا جاتا۔ ردا کو الگ سے اور مریم کو الگ سے۔

پہلی رات اس نے ردا کو سو بار فون کیا ہوگا۔

"کیا کر رہی ہے وہ۔؟"

"ٹی وی دیکھ رہی ہے۔"

"پوچھو کچھ چاہیے تو نہیں۔"

"کچھ چاہیے مریم؟" ردا چلائی۔ "وہ کہہ رہی ہے نہیں۔"

آدھی رات ہوئی تو پھر فون آیا۔ "سو گئی۔۔۔ دیکھنا وہ کراہ تو نہیں رہی۔ ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ اگر وہ لگاتار چار گھنٹے سوئے گی تو ہو سکتا ہے درد ہونے لگے شاید درد ہو رہا ہو۔" وہ اٹھی اور جا کر دیکھا۔

"وہ آرام سے سو رہی ہے داؤد تم بھی سو جاؤ۔"

"ٹھیک ہے' لیکن تم ذرا خیال رکھنا۔۔۔ ہو سکتا ہے وہ اٹھ کر بیٹھنا چاہے۔۔۔ وہاں تو نرسز ہوتی تھیں پلیز تم ذرا کر لینا۔"

"میں کر لوں گی۔"

صبح ہوتے ہی وہ آ گیا۔ آتے ہی اس کی طرف لپکا درد وغیرہ کے بارے میں پوچھا۔ نیند کا پوچھا' ناشتے میں کیا کھانا ہے پوچھا اور جا کر ناشتا بنانے لگا' ردا اسے واش روم تک لے گئی تھی۔ وہ زیادہ نہیں چلتی تھی چل ہی نہیں سکتی تھی ابھی اسے کمر درد کی وجہ سے وہیل چیئر پر ہی رہنا تھا۔ مصنوعی فٹنگ پر بس پریکٹس ہی کرتی تھی۔ اسے وہیل چیئر پر بٹھانے اور اس کے باہر آنے تک ردا ہانپ کر رہ گئی۔ مریم شرمندہ شرمندہ نظر آنے لگی نرسز کا تو روز کا کام تھا سلیقے سے جلدی سے کر جاتیں۔

داؤد نے اس کے سامنے ناشتا رکھا۔ وہ اور ردا ٹیبل پر بیٹھ کر کھانے لگے۔

ردا ریفریشمنٹ کورس کے لیے یونیورسٹی میں داخلہ لے چکی تھی چند دن تھے کلاسز اسٹارٹ ہونے میں' ویسے وہ نیویارک میں اپنے فرینڈز کے ساتھ گھومتی رہتی تھی لیکن اب داؤد کی وجہ سے وہ گھر میں ہی تھی' داؤد ادھر ہی ایک طرف بیٹھا لیپ ٹاپ پر کام کرتا رہتا یا کوئی کتاب پڑھتا رہتا نظریں گھما کر مریم کو دیکھتا رہتا مریم کھڑکی کے پار ہی جھانکتی رہتی۔

رات گئے ردا مریم کو دیکھنے کے لیے آئی تو اسے اٹھ کر بیٹھے دیکھا وہ ایک ہاتھ سے تکیے کو اپنے پیچھے جمانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ردا نے بڑھ کر تکیہ سیٹ کر دیا۔

"کیا ہوا؟"

"درد تھا تو میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ٹھیک ہو جائے گا ابھی۔"

"داؤد کو بتا دوں اس نے کہا تھا فوراً" بتا دوں؟"

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ وہ فوراً" آ جائیں گے۔ معمولی سا درد ہے۔ چلا جائے گا۔"

ردا وہیں صوفے پر لیٹ گئی۔ "لیٹنا ہو تو مجھے آواز دینا تکیے سیٹ کر دوں گی۔"

لیٹے لیٹے ردا سو گئی آنکھ کھلی تو دیکھا مریم بھی سو چکی تھی خود سے ہی تکیہ سیٹ کر کے' وہ پھر سو گئی۔ زوردار آواز سے آنکھ کھلی ہڑبڑا کر اٹھی۔ مریم وہاں نہیں تھی واش روم کی طرف لپکی۔ وہاں دیکھا تو وہ واش روم میں گری ہوئی تھی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ہانپ رہی تھی منہ سے خون نکل رہا تھا۔ ردا کو بے طرح ترس آیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پہلی بار۔

"اوہ۔۔۔ کیا ہوا مجھے اٹھایا کیوں نہیں؟"

فنگ جوڑے اسٹک کے سہارے وہ خود ہی واش روم آگئی تھی پاؤں پھسلا تو خود کو سنبھال نہیں سکی۔ ردا اسے چیئر پر بٹھا کر واپس لائی صوفے پر بٹھایا۔ اس کی کمر میں درد ہو رہا تھا گرنے سے۔

"اٹھایا کیوں نہیں مجھے" ردا شرمندہ ہو گئی۔

مریم بھی شرمندہ ہی نظر آ رہی تھی شاید وہ اسے تکلیف دینا نہیں چاہتی تھی، ردا نے اس کے ہونٹ صاف کیے۔

ایک رات ردا نے اسے گیلی آنکھیں صاف کرتے دیکھا وہ کھڑکی کے پار دیکھ رہی تھی داؤد جا چکا تھا۔ "کیا ہوا۔۔؟" وہ سمجھی اسے کہیں درد ہو رہا ہے۔ اس نے صفائی سے آنکھیں صاف کی۔ "میں ٹھیک ہوں۔"

"کیا ہوا بتاؤ مجھے تم رو رہی ہو۔" مریم اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ "وہ۔۔ وہاں" اس نے کھڑکی کے پار فٹ پاتھ کی طرف اشارہ کیا "میرا وہاں جانے کو دل چاہ رہا ہے۔ روز ہی کرتا ہے۔ آج بھی۔۔۔" مریم نے اسے وہیل چیئر پر منتقل کیا اور اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود اسے نیچے لے آئی اسے بینچ پر بٹھایا۔ وہ بچوں کی طرح خوش ہو گئی۔

"یہ بات تم پہلے کہہ دیتیں"

"میں کسی کو تکلیف نہیں دینا چاہتی۔ آپ کو بالکل بھی نہیں۔"

ردا کو وحشت نے آگھیرا وہ اس فٹ پاتھ سے ہزاروں بار گزری تھی واک کرتی تھی اس سڑک پر۔ جب جی چاہے آجاتی تھی۔ یہ خوش نصیبی ہوتی ہے اور مریم کی طرح ترستے رہنا کہ کوئی لے جائے یہ۔۔۔؟ نہ جانے کب سے اس کے اندر یہ خواہش دبی ہوئی تھی۔ ردا کی وحشت بڑھنے لگی۔

چند ہفتوں کے دوکلی چیک اپ کے بعد جب وہ جانے لگے واپس تو مریم اسی سڑک کے کنارے رکھے ایک بینچ پر بیٹھی چپس کھا رہی تھی جس پر پہلی بار اسے ردا لے کر آئی تھی۔ وہ اور داؤد واک کر رہے تھے، چند گھنٹوں بعد ان کی فلائٹ تھی۔

"تم نے کہا تھا نا داؤد! کہ اس حادثے نے تمہارے اندر بہت کچھ بدل دیا ہے۔" وہ داؤد سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں۔۔ بہت کچھ بدل دیا۔"

"یہ جو چند ہفتے مریم میرے ساتھ رہی ہے ناں اس نے بھی بہت کچھ میرے اندر بدل دیا ہے۔ میری ابھی بھی اس سے زیادہ اچھی دوستی نہیں ہے وہ مجھے خاص پسند بھی نہیں ہے لیکن مجھے اس پر ترس بہت آیا' اسے دیکھ دیکھ کر وحشت ہونے لگتی ان ہفتوں میں اسے سنبھالتے سنبھالتے وہ مجھے پہاڑ سا بوجھ لگنے لگی۔ یو نو داؤد! اسے اس طرح کون سنبھال سکتا ہے۔ وہ جو اس سے محبت کرتا ہو۔ اسے وہ پہاڑ نہیں لگے گی۔ تم نے مجھے کہا تھا کہ میں اس کے لیے کوئی ایسا ڈھونڈوں جو اسے سنبھال سکے۔ سینے سے لگا سکے تو داؤد! ایسا شخص ملا تو ہے لیکن میں اتنی عظیم نہیں ہوئی کہ اس کا نام لے سکوں دل سے۔ ہاں لیکن ترس کھاتے ہوئے میں اس کا نام لے سکتی ہوں۔ وہ صرف تم ہی ہو سکتے ہو داؤد۔ صرف تم۔۔۔ درد کا موجب ہی درد کی دوا ہے۔ تم ہی اس کی شفا ہو۔ اس کے اندر درد اٹھنے سے پہلے ہی تم جان جاتے ہو کہ اسے درد ہونے والا ہے۔ تم سے زیادہ اس کا کوئی خیال نہیں رکھ سکتا۔"

"تو تم مان گئیں" داؤد نے خوشی سے اس کا ہاتھ چھوا۔

"ہاں! تم اس کے ساتھ شادی کر لو۔ لیکن میں نے تمہیں کہا تھا کہ وہ مجھے اتنی اچھی نہیں لگتی کہ اس کے ساتھ رہ سکوں۔ شاید تمہیں لگتا ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو لیکن اس محبت کے درمیان "آگے پیچھے' مریم کا خیال اتنی بری طرح سے حاوی ہے کہ وہ اس محبت کو نگل جائے گا۔"

"میں تم سے محبت کرتا ہوں ردا۔" داؤد بے چین ہو گیا۔

"سچ ہی ہو گا یہ۔" ردا تلخی سے ہنسی۔ "جانتے ہو داؤد! تم میری برتھ ڈے بھول گئے۔ تم نے جب بھی مجھے فون کیا مریم کی ہی باتیں کی۔ تم مجھ سے ملنے بھی آئے تو مریم کے لیے۔۔۔ تم اس کی تکلیف کو کم کرنے کے لیے اتنی بری طرح سے مصروف ہو کہ تم مجھے بھول گئے۔ تم نے ایک بار مجھے سیلوٹ کرنے کے لیے کہا تھا اور میں نے طنز کیا تھا۔ لیکن میں اب تمہیں سیلوٹ کرتی ہوں۔ تم درد بنے تو دوا بھی کمال کی بنے۔ تم اتنے عظیم مسیحا ہو گئے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

"ایسے مت کہو ردا" داؤد کو دکھ ہوا۔ "ہر انسان کو محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"لیکن مریم کو اس محبت سے بھی زیادہ کی ضرورت ہے۔"

"ہم مل کر رہ لیں گے ردا۔۔ مجھے یقین ہے۔" داؤد اسے یقین دلا رہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں ہے۔ مجھے شک ہے۔" ردا نے صاف گوئی سے کہا۔ "اتنی ہمت نہیں ہے مجھ میں کہ مریم کو تمہارے ساتھ دیکھ لوں جب جب تم رات گئے اس کے لیے مجھے فون کرتے تھے میں کھول جاتی تھی اب بھی تمہیں لگتا ہے کہ ہم ساتھ رہ لیں گے۔

"ہاں مجھے یقین ہے ردا۔۔۔ تم کوشش تو کرو۔۔۔ مریم کے ساتھ ہم سب خوش رہیں گے وہ ہماری تکلیف کا باعث نہیں بنے گی۔" ردا نے اڑتے بالوں کو ایک ہاتھ سے روکتی اور اسی ہاتھ سے چپس کھاتی مریم کی طرف دیکھا' وہ بہت پیاری لگ رہی تھی اب اس پر ترس نہیں آ رہا تھا۔ وہ مسکرا رہی تھی اور یہ مسکراہٹ اسے داؤد نے دی تھی' اگر داؤد نہ ہوتا تو نجانے پھر اس کا کیا ہوتا اور اگر داؤد اس کی زندگی سے چلا جاتا۔۔۔؟

"جس دن مجھے تمہارے یقین پر یقین آگیا داؤد میں آجاؤں گی' ابھی تو مجھے مریم پسند نہیں۔" وہ ہنس دی۔

"میں جانتا ہوں تم ضرور آؤ گی۔"

"اس کی آہ پر تم دوڑتے چلے جاتے ہو داؤد! جس دن اس نے محبت کے لیے پکار دی۔ تم کہاں پیچھے رہو گے۔"

ان کا جہاز ٹیک آف کر گیا تو ردا نے الوداعی کلمات ادا کیے۔

"اس کے خیال میں گھلے تم اس کی محبت میں رچ بس جاؤ گے۔

"اس کے مسیحا تم ہی ہو۔"

☼

مشہور و مزاح نگار اور شاعر

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

کارٹونوں سے مزین

آفسٹ طباعت، مضبوط جلد، خوبصورت گرد پوش

کتاب کا نام		قیمت
آوارہ گرد کی ڈائری	سفرنامہ	450/-
دنیا گول ہے	سفرنامہ	450/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	سفرنامہ	450/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سفرنامہ	275/-
نگری نگری پھرا مسافر	سفرنامہ	225/-
خمار گندم	طنز و مزاح	225/-
اردو کی آخری کتاب	طنز و مزاح	225/-
اس بستی کے کوچے میں	مجموعہ کلام	300/-
چاند نگر	مجموعہ کلام	225/-
دل وحشی	مجموعہ کلام	225/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

قرۃ العین کامران

بات الحصر کی تھی

آج پھر اس کی بیوی سے جھڑپ ہوئی تھی۔ بات تو کچھ بڑی نہیں تھی، لیکن اس کی بیوی نے زندگی اور موت کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ اپنی نہیں شوہر کی زندگی و موت کا مسئلہ۔ پچھلے دس دن سے وہ اس کا سر کھا رہی تھی کہ جعفر کی شادی میں بچوں کو نئے کپڑے پہنائے گی۔ سوزوکی نے جھٹکا لیا اور یہ جھٹکا اس کو سوچوں کی دنیا سے حال میں کھینچ لایا تھا۔ غم روزگار میں شہر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سفر اتنی شدید سردی میں ہڈیوں میں گودا تک جما دیتا تھا کسی نے صحیح کہا ہے۔

تو کی جانے یار امیراں
روٹی بندہ کھا جاندی اے

لیکن فی الحال مسئلہ روٹی کا تو نہیں تھا، کپڑوں کا تھا۔ اس نے ہمیشہ بچوں کو اچھی غذا اور بہتر تعلیم دینے کی کوشش کی کہ یہی بچوں کے آگے کام آنا تھا، کپڑے تو اللہ ان کو دے گا۔ زیب تن کر کے خوش ہو لیں گے، لیکن یہ بات آج کل زرینہ کو بالکل سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

"پیاری بیوی! عید کے کپڑے کیا ہوئے۔" اس نے چائے میں روٹی بھگوتے ہوئے پوچھا۔

صبح کے پانچ بج رہے تھے، ہر سو سناٹے کا عالم تھا۔ سردی ایسی کہ ہاتھ رضائی سے باہر نکالو تو انگلیاں سُن ہو جائیں۔ ایسے میں گرم گرم چائے بدن کو تسکین پہنچا رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ پچاسویں مرتبہ پوچھے گئے سوال "رقم کا کچھ بندوبست ہوا" کے جواب میں اس نے نرمی سے عید کے کپڑوں کا پوچھا تھا اور یہ سوال کرنا غضب ہو گیا۔

"تین مہینے پہلے جو بارش برسی تھی، اگر کچھ یاد ہو کہ پوری رات ایک صوفے پر بیٹھ کر تین بچوں کے ساتھ میں نے اور تم نے گزاری جب چھت کے کوئی بیس عدد سوراخوں سے پانی آبشار کی صورت کمرے میں آرہا تھا۔ تب ان کپڑوں میں پھپھوند لگ گئی تھی۔ اب بھی اگر نئے سویٹر آجائیں نا دونوں لڑکوں کے تو ان سے وہ داغ چھپ جائیں گے۔"

بیوی اس کی نیک بخت ہی تھی، لیکن کچھ دنوں سے اس نے تلخ یادوں کو دہرانے کا عزم کیا ہوا تھا۔ شاید دسمبر کا اثر تھا جو اسے پرانے زخم کریدنے میں مزہ آرہا تھا۔

ویسے تو غریبوں کی زندگی میں ایسی تلخ راتیں آتی ہی رہتی ہیں۔ لیکن وہ وہ رات واقعتاً" جب یاد آتی تو اذیت دو چند ہو جاتی۔ کراچی کے موسم کا کچھ پتا ہی نہیں ہوتا۔ اس دن بھی اچانک رات میں وہ مینہ برسا کہ سارا شہر جل تھل ہو گیا تھا۔ ہم اس رات کچھ جلدی ہی سو گئے تھے۔ جب ٹین کی چھتیں تیز ہوا اس سے بجنا شروع ہوئیں اور کمرے میں پانی بھرنا شروع ہو گیا۔ سوراخوں کے نیچے لگائے گئے برتن بھی پانی میں بہہ نکلے۔ ایک مختصر سی جگہ بارش سے محفوظ تھی۔ سو صوفہ پر اپنے خاندان کو لے کر رات نکالی اور صبح کمرے سے پانی۔ بارش کی زد میں مختصر سے کپڑے اور بستر بھی آگئے تھے۔ یوں وہ کپڑے شادی میں پہننے کے لائق نہیں رہے تھے۔

"پھر میں کیا کروں۔ ابھی حفصہ کی بیماری پر جمع پونجی کے علاوہ ایڈوانس بھی لیا تھا۔ اب اور ایڈوانس بھی نہیں مل سکتا۔"

اس نے چائے کا آخری گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے اچٹتی نگاہ بیوی پر ڈالی جو اپنے دونوں ہاتھ آپس میں مسل رہی تھی۔ بظاہر تو ایسا لگتا تھا کہ وہ سردی کی شدت سے ایسا کر رہی ہے، لیکن وہ جانتا تھا کہ اب یقیناً کوئی ایسی بات کرنے والی ہے۔ جو اس کی روح تک کو سلگا دے گی۔ اس لیے اس نے جلدی میں گھر سے نکلنے کا تاثر دینے کی کوشش کی۔ پیر میں موزے چڑھائے، جوتا پاؤں میں ڈالا ہی تھا کہ اس کی آواز سنائی دی۔

"تم کہو تو میں لنڈا سے لے لوں گی۔ اس کے لیے رقم ہے میرے پاس۔۔۔" جملہ اس کے منہ میں ہی رہ گیا کہ فرید کی سرد نگاہوں نے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ پیدا کر دی تھی۔

"ہاں ضرور۔۔۔ اور جب کسی کی اترن پہنو تو مانگ کر کھانے کا شوق بھی پورا کر لینا۔"

فرید کی سرسراتی آواز نکلی۔ زرینہ جانتی تھی کہ اسے لنڈا تو کیا کسی رشتہ دار کی اترن بھی اپنے، بچوں اور بیوی کے لیے کسی کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی، پھر بھی اس نے لنڈے کا ذکر کر کے روزگار کے لیے نکلتے شوہر کو خفا کر دیا تھا۔

"پھر بتاؤ میں کیا کروں۔ بھائی نے بھی ٹکا سا جواب دے دیا۔ شادی میں جانا بھی ضروری ہے۔ میرے سگے تایا زاد کی شادی ہے۔ پورے پانچ سال بعد میکے والوں سے ملاقات ہو گی۔" زرینہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

زرینہ کی بات پر وہ کرنٹ کھا کر پلٹا۔

"تو بھائی رشید کی طرف گئی تھی۔" فرید نے زرینہ کا بازو سختی سے پکڑا، زرینہ کو بھی ادراک ہوا کہ وہ جذبات میں چھپانے والی بات بھی بیان کر گئی۔

حفصہ اسی لمحے جاگ کر رونے لگی تو فرید نے جھٹکے سے ہاتھ چھوڑا اور گھر سے نکل آیا۔ ابھی آدھا سفر بھی طے نہیں ہوا تھا کہ سوزوکی کا ڈنڈا پکڑے اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے ہاتھ شل ہو گئے تھے۔ سواری اتری تھی۔ اتنی مہلت میں اس نے اپنے ہاتھوں کو آپس میں رگڑ کر گرمی پہنچانے کی کوشش کی تھی۔

روز اس کا سفر بچوں کی معصوم شرارتیں، بیٹی کی معصوم باتوں کو یاد کرتے ہوئے گزر جاتا تھا۔ لیکن آج اس کے ذہن کے پردے پر فلم سی چلنی شروع ہو چکی تھی۔ بھائی رشید کے گھر کیا ہوا ہو گا۔

"السلام علیکم بھابی!" زرینہ نے دروازہ کھلتے ہی بھاوج کو سلام کیا۔

"ایں تم اس وقت۔ خیر تو ہے۔ لیکن تم خیر سے کب آئی ہو۔ اب آ ہی گئی ہو تو اندر آجاؤ۔" زرینہ جلدی سے گھر کے اندرونی حصہ کی طرف بڑھ گئی۔

"سردی اتنی ہے' لوگ بارہ بجے تک بستروں سے نہیں نکلتے انہیں دیکھو' صبح دس بجے ہی وارد ہو گئیں۔" بھابھی کی بڑبڑاہٹیں جاری تھیں۔

"بھائی دکان پر چلے گئے؟" زرینہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"نہیں۔ تیار ہو رہے ہیں۔ ان کا ناشتا تیار کر دو۔" پہلا آرڈر صادر ہو چکا تھا۔

"میں آپ کو کہے دے رہی ہوں۔ ابھی اس کو کوئی جواب نہیں دینا کہہ دینا واپس آ کر بات کروں گا۔ مجھے ابھی اس سے کچھ کام ہے۔" دستر خوان بچھاتے ہوئے زرینہ کو بھابھی کی آواز سنائی دی۔

"السلام علیکم بھائی!"

بھائی باہر نکلے تو اس نے سلام کیا کیسی ہو زرینہ.... شکر ہے تم نے شکل تو دکھائی۔ بہت دن سے تمہارے ہاتھ کے کوفتے اور ساگ کھانے کا دل چاہ رہا تھا۔ رات کے کھانے میں بنا لینا' پھر بیٹھ کر بات کریں گے۔"

پھر ساگ' کوفتے' کباب بنائے' بھتیجی کی فراک اور بھابھی کی قمیص سی کر فریج صاف کیا۔ جالے اتارے لیکن سب کیا کرایا غارت گیا۔ جب بھائی نے صاف انکار کر دیا کہ دکان نقصان میں جا رہی ہے اور وہ منہ لٹکا کر واپس آئی۔

فرید جانتا تھا کہ زرینہ اور اس کے بچوں نے دوپہر میں فریج میں رکھی پتا نہیں کب کی باسی دال کھائی ہو گی اور رات کا کھانا کھانے سے پہلے ہی وہ گھر آ گئی ہو گی۔ بیوی کے میکے میں ہر بات بچوں کے سامنے کر دی جاتی ہے۔ اس کے دونوں بڑے بچوں کو کتنی اذیت ہوئی ہو گی۔ یہ سوچ کر ہی غصے کی شدید لہر نے اس کا احاطہ کر لیا۔

کیا فائدہ ایسی زندگی کا جس میں وہ بیوی' بچوں کی خواہشات پوری نہیں کر سکتا' صرف ایک لمحے کی بات ہے۔ اگر میں سوزوکی کا ڈنڈا چھوڑ دوں تو ہر فکر سے آزاد ہو جاؤں گا۔ اس نے چشم تصور سے خود کو گرتے دیکھا اور پیچھے سے آنے والی گاڑی کو خود پر چڑھتے دیکھا اور دوسرے ہی لمحے وہ دونوں ہاتھ چھوڑ بیٹھا اور گرنے ہی والا تھا کہ برابر میں کھڑے دونوں اطراف کے آدمیوں نے اسے سہارا دے کر گرنے سے بچالیا۔

وہ آدمی کون تھا نہ رشتہ دار نہ دوست پھر بھی کندھے پر تسلی آمیز تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

"مایوس کیوں ہوتے ہو۔ اللہ مسبب الاسباب ہے۔"

اور اللہ واقعی مسبب الاسباب ہے۔ فیکٹری پہنچتے ہی یہ نوید ملی کہ آج ورکرز میں آدھی تنخواہ بطور بونس بانٹی جا رہی ہے کیونکہ سیٹھ کے اکلوتے بیٹے کے گھر دس سال بعد بیٹا ہوا ہے۔

اب کمرے کی چھت کی مرمت کے ساتھ ساتھ بچوں کے سویٹر بلکہ زرینہ کا سوٹ بھی بن جائے۔

آج پورے ایک سال بعد چھٹی والے دن فرید اپنے مختصر سے صحن میں بچوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ زرینہ صحن میں پونچھا لگا رہی تھی اور فرید اپنی خودکشی یاد کر رہا تھا کہ اگر وہ اس میں کامیاب ہو جاتا تو کیا ہوتا۔ اس کے بچے ذلت آمیز زندگی گزارتے اور ان کا مستقبل تاریک ہو جاتا۔

وہ کس چیز کی خاطر زندگی جیسی نعمت سے منہ موڑنے چلا تھا۔ اس گرم جرسی کے پیچھے جس کو زرینہ نے پونچھا بنا رکھا تھا۔ اس کو پہلے ہنسی آئی اور رب کی رحمت پر رونا اور زرینہ اور بچے اس کو پہلے ہنستے اور پھر روتے ہوئے حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔

☼

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

آصفہ اعوان

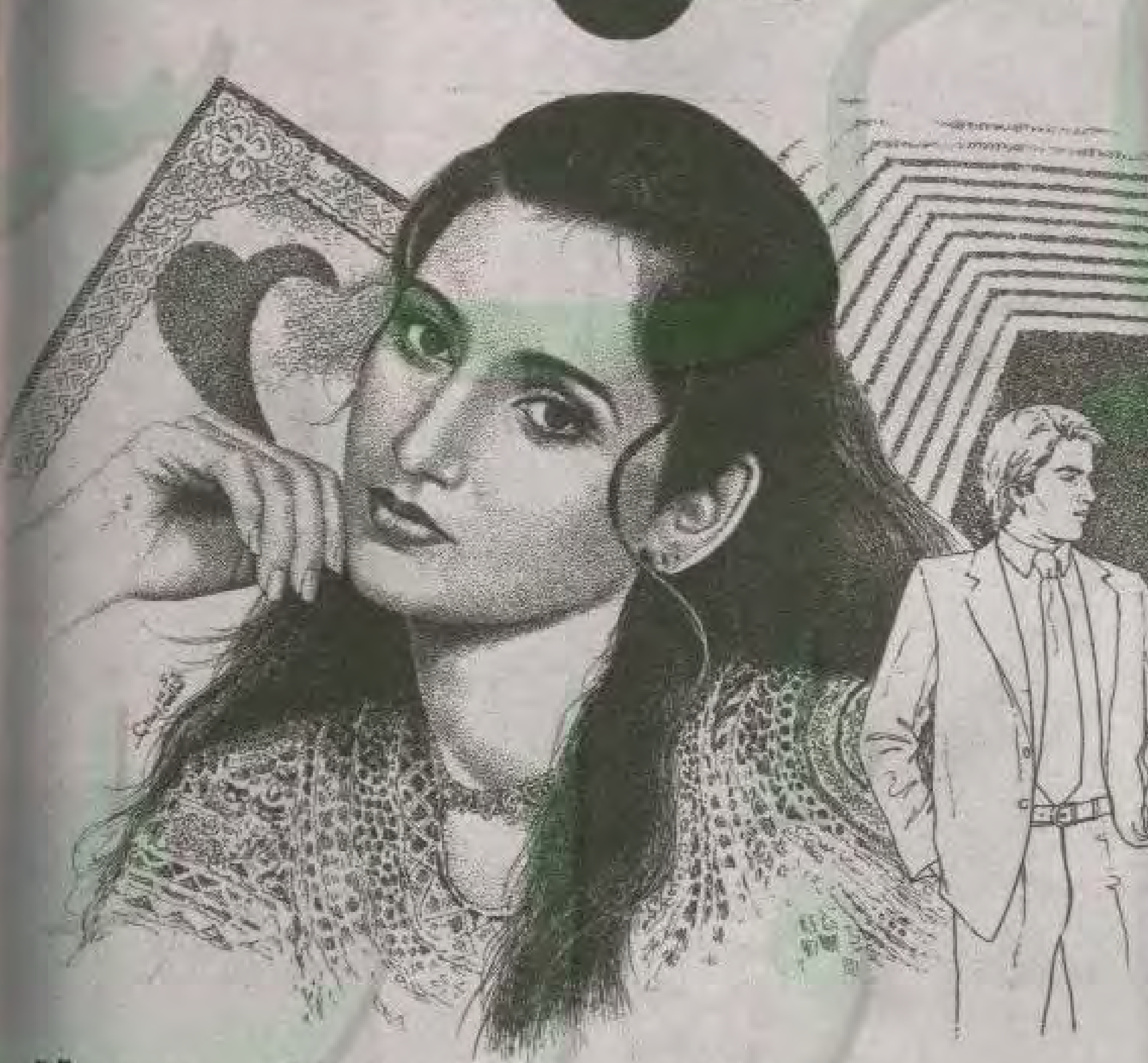

زاہدہ کچن کے دروازے کی اوٹ سے لاؤنج کے دروازے پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔ مہینے کی یہ چند گھڑیاں جن کے سہارے وہ مہینے کے باقی دن کاٹا کرتی تھی، اس کے لیے زندگی کا حاصل تھیں۔

بچے پہلے ہی ڈرائنگ روم میں منتظر بیٹھے تھے۔ زاہدہ کی طرح بچوں کے لیے بھی مہینے کی یہ پانچ تاریخ عید کی مانند خوشیاں لاتی تھی۔ وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کی ماں کے لیے بھی یہ روز عید ہی ہوتا تھا۔

ایک دم باہر گیٹ پر زوردار ہارن کی آواز آئی اور پھر گیٹ کھلنے اور جیپ کے رکنے کی آواز پر ریحان نے بھاگ کر لاؤنج کا دروازہ کھولا اور رفیق خان پر نظر پڑتے ہی با آواز بلند سلام کیا۔

اگلے ہی لمحے اسے رفیق خان نظر آگیا۔ وہ مسکراتے ہوئے سر کے اشارے سے ملازم کے سلام کا جواب دے رہا تھا۔

رفیق خان زاہدہ کا وہ خواب تھا جو حقیقت بن کر بھی ادھورا رہا۔ جو اسے مل کر بھی نہ مل سکا۔ چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد، براؤن شلوار قمیص میں ملبوس، خوب صورت ہلکے براؤن سلیقے سے تراشیدہ بال، بڑی بڑی ہری، سنجیدہ، اداس اور خاموش آنکھیں۔ چالیس سال کی عمر میں بھی جیسے وقت اس کو چھو کر ہی گزرا تھا۔

مکمل ناول

مردانہ وجاہت، چوڑے شانے، کسرتی بدن ۔۔۔ جیسے کوئی فوجی کمانڈر ہو۔

اس کی سحر خیز مسکراہٹ جو ہمیشہ زاہدہ کی سانسوں کو اتھل پتھل کر دیتی تھی مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ زاہدہ کے لیے وہ کبھی نہیں مسکرایا تھا۔

وہ زاہدہ کی موجودگی سے بے خبر پروقار انداز سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔

ڈرائنگ روم میں بچوں کے چہکنے کی آوازیں اسے کچن میں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ بشامہ کی شکایتیں اور عبدالرحمن کی شرارتیں ۔۔۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

اس وقت صبح کے نو بج رہے تھے اور وہ جانتی تھی کہ آج کا دن بلکہ ہر وہ دن جب رفیق خان بچوں سے ملنے آتا ہے، بہت جلد گزر جاتا ہے۔ یہ سوچ کر اس کا دل ابھی سے اداس ہونے لگا۔ سر جھٹکتے ہوئے اس نے چائے کا پانی رکھا۔ چائے کے لوازمات پہلے ہی ٹرالی میں سجا چکی تھی۔ اسے آج بھی یاد ہے، خان کو گرم چائے پسند ہے۔ الائچی کی مہک والی میٹھی چائے۔

اس نے افسردگی سے سوچا۔ اتنے میں ملازم کچن میں داخل ہوا۔

"بی بی! چائے لے جاؤں؟" زاہدہ نے سر کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

اشارے سے اجازت دی۔ وہ ٹرالی دھکیلتے ہوئے کچن سے باہر لے گیا۔

وہ کچن کے سلیب سے ٹیک لگا کر کھڑی رہی۔

☼ ☼ ☼

ہارن پر چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ گاڑی تیزی سے اندر داخل ہوئی اور دونوں طرف وسیع لان سے گزرتے ہوئے بنگلے کے ڈرائیو وے میں جا کھڑی ہوئی۔ گاڑی کا پچھلا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور ایک سترہ سالہ لڑکی تیزی سے باہر نکلی۔ سیاہ جینز کے پائنچے ٹخنوں تک فولڈ تھے۔ سفید اسپورٹس جوگرز کیچڑ میں لتھڑے ہوئے تھے۔ سفید جرسی دھول مٹی سے اٹی ہوئی تھی۔ لمبے کالے بال اونچی سی پونی میں قید تھے۔ سرخ و سفید رنگ جوش اور تھکن سے تمتما رہا تھا۔ بڑی بڑی بھوری آنکھیں خوشی اور مسرت سے چمک رہی تھیں۔ خوب صورت گلابی مسکراتے ہونٹ اور لمبی گردن فخر سے مزید تنی ہوئی تھی۔ گردن میں لٹکتا ہوا گولڈ میڈل دھوپ میں کچھ اور چمک رہا تھا۔

لاؤنج کے دروازے سے ہی وہ "بابا جان..... بابا جان۔" پکارتی اندر داخل ہوئی اور بغیر اردگرد نظر ڈالے بابا جان کے بیڈ روم کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ جیسے ہی دروازے تک پہنچی' دروازہ کھلا اور سرور خان خود ہی باہر نکل آئے۔ حسب معمول وہ اپنی بیٹی کو دیکھ کر مسکرائے اور وہ بھاگ کر ان سے لپٹ گئی۔

"بابا جان! میں پھر جیت گئی۔" وہ جوش اور اتراہٹ سے بولی' سرور خان نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا تھا کہ میرے بیٹے سے کوئی جیت ہی نہیں سکتا۔ بس اب جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر اور جوس لے کر میرے کمرے میں آؤ۔"

"بابا جان!" اس نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

وہ اپنی ساری کارکردگی اسی وقت سنانا چاہتی تھی۔ اور سرور خان جانتے تھے کہ وہ چاہے سننا چاہیں یا نہیں ان کے دو گھنٹے اسی چکر میں جانے والے تھے مگر آج بات کچھ اور تھی۔ انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ذرا جھک کر اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بیٹی کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا' پھر سرگوشی میں کہا۔

"میرے بیڈ روم میں ایک گیسٹ ہے' جس سے میں تمہیں ملوانا چاہتا ہوں۔ تم منہ ہاتھ دھوؤ اور فوراً جوس لے کر میرے کمرے میں لے کر آؤ۔ تمہاری ساری باتیں میں بعد میں سنوں گا۔ چلو جلدی۔"

ساتھ ہی انہوں نے بیٹی کو اس کے کمرے کی طرف پیار سے دھکیل بھی دیا۔

"بابا جان! آپ سکینہ کو کہتے نا میں بہت تھک گئی ہوں پلیز۔" اس نے بے زار ہوتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا نا' تم سے ملوانا ہے۔ تم خود جوس بنا کر لاؤ۔ جاؤ! شاباش' جلدی کرو۔"

اس نے سرور خان کی ہلکی سی ڈپٹ پر خفگی سے انہیں دیکھا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"پانچ منٹ کے اندر' اوکے!" انہوں نے جاتے جاتے پھر تائید کی۔

اس نے جیسے تیسے منہ دھویا اور کچن کی طرف بھاگی۔ جلدی جلدی کیلے کا شیک بنا کر گلاس میں ڈالا اور ٹرے لے کر سرور خان کے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوئی۔ مہمان کمرے میں بائیں طرف صوفے پر بیٹھا تھا۔ اس نے اسے دیکھتے ہی سلام کیا۔

"پخیر راغلے لالا! آپ کیسے ہیں؟" پھر جواب سنے بغیر ہی سرور خان کی طرف مڑ گئی۔

"اف! بابا جان آپ بھی نا..... رفیق لالا کوئی مہمان تھوڑا ہی ہیں۔"

رفیق خان جو ایک فائل دیکھنے میں مصروف تھا آواز پر چونکا اور سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور چند لمحے دیکھتا ہی رہ گیا۔

دروازے میں کھڑی سرو قد' دبلی پتلی' گلابی رنگت کھڑی ناک' کپڑوں پر جابجا مٹی لگی ہوئی تھی۔ گلے میں میڈل ابھی بھی لٹک رہا تھا۔ بڑی بڑی ذہین آنکھوں میں تھکن انہیں مزید خوب صورت اور نشیلا بنا رہی تھی' وہ ساری عمر یاد رکھنے والی لڑکی تھی۔

اس نے پہلا گلاس اٹھا کر بیڈ پر بیٹھے اپنے باپ کو دیا جو خاموشی سے رفیق خان کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ پھر اس نے دوسرا گلاس اٹھا کر رفیق کی طرف بڑھایا اور چپکے سے بولی۔

"لالا! کیا آپ کو بنانا شیک پسند ہے؟ اگر ہے تو ٹھیک ہے۔ اگر نہیں ہے تب بھی چپ کر کے پی لیں کیونکہ میں بہت تھکی ہوئی ہوں پلیز۔"

پلیز کہتے ہوئے اس نے معصومیت سے اپنی پلکیں جھپکائیں۔ رفیق خان کے سنجیدہ چہرے پر ایک لمحے کو مسکراہٹ آئی اور پھر معدوم ہو گئی مگر..... مگر زاہدہ نے اس ایک لمحے میں بھی محسوس کر لیا کہ اس کی آنکھوں میں ایک اداسی تھی' جس نے اس کی آنکھوں میں ایک طرح کی سختی پیدا کر دی تھی۔ جب ہی مسکراتے وقت اس کی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں ابھرتا تھا۔ بالکل خالی' وحشت زدہ کرنے والی بڑی بڑی آنکھیں۔

یہ تھی زاہدہ سے رفیق کی پہلی ملاقات۔

☼ ☼ ☼

آج کے دن کے لیے کھانے اور چائے کا اہتمام وہ ایک دن پہلے ہی شروع کر دیتی تھی۔ باقی کچھ ڈشز وہ ریحان گل اور تاج بی بی کے ساتھ وقت پر تیار کرتی تھی۔ رفیق کو اس کے ہاتھ کا کھانا بہت پسند تھا۔

اسے کچن میں ایک سنٹہ ہوا تھا کہ پیچھے سے کسی نے اسے کمر میں ہاتھ ڈال کر پکڑ لیا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کون ہے وہ اپنے بچوں کی آہٹ پہچانتی تھی۔

"کیا چاہیے۔" زاہدہ نے پیار سے اس کے ہاتھ اپنی کمر سے کھولتے ہوئے کہا۔

"اتنی اچھی خوشبو آ رہی ہے۔ بھوک بڑھ گئی۔ کتنی دیر ہے اماں!" بشامہ نے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"بس تھوڑی دیر' ابھی لگواتی ہوں کھانا۔" زاہدہ نے پلاؤ کو دم لگاتے ہوئے کہا۔

بشامہ نے سامنے آ کر اس کے ہاتھ تھام لیے۔ اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہے۔ زاہدہ اسے بغور دیکھ رہی تھی اور جانتی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے' پھر بھی پوچھ لیا۔

"کیا بات ہے بشی!"

"ماما! آپ بھی ہمارے ساتھ کھانا کھائیے نا۔" بشامہ نے جھجکتے ہوئے التجائیہ لہجے میں کہا۔

"تم جانتی ہو بشی! یہ ممکن نہیں ہے۔" زاہدہ نے نرمی سے اس کے گال تھپتھپائے۔

"پلیز ماما! میرے لیے پلیز۔" بشامہ نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارے دادا جان کو اچھا نہیں لگے گا اور شاید....." زاہدہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کچھ نہیں ہو گا۔ میں دادا جان سے بات کر لوں گی۔ ماما! بس آپ آ جائیں۔" بشامہ نے پھر ضد شروع کر دی۔ وہ ہمیشہ کوشش کرتی تھی اور ناکام رہتی تھی۔

"بشامہ! فضول باتیں نہ کرو۔ جاؤ دیر ہو رہی ہے۔ بابا انتظار کر رہے ہوں گے۔" زاہدہ نے دوبارہ چولہے کی طرف رخ موڑتے ہوئے کہا۔ بشامہ چند لمحے زاہدہ کو دیکھتی رہی' پھر کچن سے باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد چچی جان نے زاہدہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "اس کی بات مان لینے میں کوئی حرج تو نہیں تھا۔ آخر وہ....."

"چچی جان! اب ایسی باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جہاں چاہ ہی نہ ہو' وہاں راہ نہیں ڈھونڈنی چاہیے۔"

اس کے چہرے کی اداسی دیکھ کر چچی جان کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ وہ خاموشی سے مڑ کر واپس چلی گئیں۔

رفیق خان اور بچوں کے لیے کھانا ڈرائنگ روم میں ہی لگوا کر زاہدہ نے چچی جان اور اپنے لیے ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا دیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد

اس نے ڈرائنگ روم میں قہوہ بھجوایا اور اپنے کمرے میں آگئی۔

☼ ☼ ☼

لاؤنج میں بیٹھ کر فون پر بات کرتے ہوئے سرور خان باہر گارڈن میں زاہدہ کو پودوں کو پانی دیتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ وہیں کرسی پر امبر بیٹھ کر کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔ فون پر دوسری طرف ان کا منیجر انہیں رات کے ڈنر کے بارے میں یاد کروا رہا تھا جو ان کے بھائی صابر خان اور دوسرے بزنس پارٹنر کے ساتھ تھا۔ بات ختم کر کے ان کا دھیان پھر دونوں بچیوں کی طرف چلا گیا۔ اور اگلے ہی لمحے وہ اپنے چھوٹے بھائی صابر خان کے بارے میں سوچنے لگے۔

صابر خان اور تہمینہ ان کے چھوٹے بہن بھائی تھے۔ صابر خان سے اچھا اور فرماں بردار بھائی اور دوست انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی صابر خان سے بہت پیار کرتے تھے۔ مگر ان کی زندگی کے بارے میں جب سوچتے تو اداس ہو جاتے۔

شیشے کے پار سے لان میں زاہدہ کو مصروف دیکھ کر وہ اپنی اور صابر خان کی زندگی کا موازنہ کرنے لگے۔ ان کے تین لائق فائق بیٹے تھے۔ احتشام خان، تنویر خان اور تیمور خان۔ پھر زاہدہ اور امبر اپنے پانچوں بچوں میں سب سے زیادہ فخر انہیں زاہدہ پر تھا، جو شکل صورت میں بھی اپنی ماں کی جیتی جاگتی شبیہہ تھی۔

دوسری طرف صابر خان تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ رفیق خان اور رمیض خان۔ دنیا کی ہر نعمت فراوانی سے میسر تھی مگر ان کے بیٹے رفیق خان نے ان کی زندگی میں طوفان اٹھا رکھا تھا۔

وہ اپنی سوچ میں گم تھے کہ زاہدہ کو دیکھتے ہوئے اچانک ایک خیال ان کے دماغ میں آیا، جس سے ان کی آنکھوں میں چمک اور پر نظر چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کیں

اور سکون کا سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں آٹھ بجے ڈنر کے لیے پہنچنا تھا۔ وہ اپنے بیڈ روم کی طرف چل دیے۔

☼ ☼ ☼

وہ بڑی تیزی سے بلڈنگ کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ وہ ایک گنجان آباد علاقے کی بڑی سی بلڈنگ تھی، جس میں چھ منزلیں تھیں اور ہر منزل پر دو اور ایک کمرے کے بیس فلیٹ تھے۔ وہ تیزی سے پانچویں منزل پر پہنچا تو اس کی سانس بری طرح پھول چکی تھی۔ اس کا فلیٹ راہ داری میں سب سے آخر میں تھا۔ وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اپنے فلیٹ کے دروازے پر پہنچا۔

دو کمروں کا چھوٹا سا فلیٹ تھا۔ جس میں داخل ہوتے ہی سیدھے ہاتھ پر کچن اور الٹے ہاتھ پر باتھ روم تھا۔ سامنے دو کمرے تھے۔ دیواروں پر ___ جگہ جگہ سے پینٹ اکھڑا ہوا تھا۔ گھر میں فرنیچر برائے نام تھا۔ ایک ٹین کی پرانی الماری اور دونوں کمروں میں بوسیدہ سا کارپٹ۔ ایک کمرے میں پنکھا تھا۔ دوسرے کمرے میں نہیں تھا۔ فلیٹ کے کھلے دروازے سے سب سے پہلے اس کی نظر صابر خان پر پڑی، جو بائیں طرف والے کمرے کے وسط میں کھڑے بیرونی دروازے کی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔

صابر خان کو دیکھ کر وہ وہیں جم سا گیا۔ چند لمحے اپنی سانسوں پر قابو پانے کے بعد اس نے دائیں بائیں دیکھا اور بے چینی سے آواز دینا شروع کر دیں۔

"ثمرین! ثمرین..... کہاں ہو ثمرین؟"

اتنے چھوٹے گھر میں اتنی آواز بھی بلند ہی معلوم ہو رہی تھی۔

"وہ جا چکی ہے برخوردار! اس کے گھر والے آ کر لے گئے ہیں۔"

صابر خان نے بڑے اطمینان سے کہا اور ہاتھ سے ایک اشارہ کیا۔ وہ اپنے پیچھے راہ داری میں ہونے والی سرگرمیوں سے بے خبر تھا۔

صابر خان کا اشارہ پاتے ہی دو آدمیوں نے دونوں طرف سے اسے گھیر کر بازوؤں سے جکڑ لیا۔ اس سے پہلے کہ اس کی آواز بلند ہوتی، صابر خان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک رومال نکالا اور اس کی ناک پر رکھ دیا۔

☼ ☼ ☼

ہوٹل سے باہر نکلتے ہی دونوں پجارو آگے پیچھے سی ویو کی طرف دوڑنے لگیں اور سمندر پر قدرے خالی اور سنسان جگہ پر رک گئیں۔ آگے والی گاڑی سے سرور خان اور پیچھے والی گاڑی سے صابر خان اتر آئے اور پانی کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کے گارڈز اس کے پیچھے پوزیشن لیے کھڑے تھے۔ بڑی دیر تک خاموشی سے سمندر کو دیکھتے رہنے کے بعد سرور خان نے بات شروع کی۔

"صابر خان! اگر میں تم سے کچھ مانگوں تو کیا تم انکار کرو گے؟" سرور خان کی آنکھوں میں التجا بھی تھی۔ اور مان بھی۔

"لالا! آپ میری جان مانگ سکتے ہیں۔ پیچھے نہیں ہٹوں گا۔" صابر خان جوش سے بولے۔

"صابر! مجھے رفیق خان دے دو، میری زاہدہ کے لیے۔"

صابر خان متحیر نظروں سے بھائی کو دیکھنے لگے۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ انہوں نے سنا، واقعی وہ ان کے بڑے بھائی نے کہا ہے۔

وہ حیرت سے پلکیں جھپکنا بھول گئے تھے اور جب یقین آیا تو انہوں نے سرور خان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور ایک دم پیچھے ہٹ گئے، پھر تیز قدموں سے چلتے ہوئے واپس جانے لگے۔ سرور خان جانتے تھے کہ صابر خان کیا محسوس کر رہے تھے۔ پوری زندگی یہ پہلا موقع تھا، جب صابر خان ان سے اس طرح ناراض ہوئے تھے۔ وہ اپنے دوست نما بھائی کو افسردہ نظروں سے دور جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

پیارے بچوں کے لئے

قصص الانبیاء

تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ اپنے بچوں کو پڑھانا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کا شجرہ مفت حاصل کریں۔

قیمت -/300 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے پر ڈاک خرچ -/50 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

گھپ اندھیرا تھا۔ بالکل گہری خاموشی اور تاریکی۔ اس کی آنکھیں کھلیں تو اسے اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اسے احساس ہوا کہ اس کے سر میں درد ہے۔ اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی تو لگا جیسے اس کا گلا اور زبان خشک ہو رہے تھے۔ اپنے ہاتھ کو حرکت دینا چاہی تو ایسا محسوس ہوا کہ اس کا جسم وجود ہی نہیں رکھتا۔ کافی دیر اسی طرح پڑے رہنے کے بعد اسے یاد آنا شروع ہو گیا کہ وہ یہاں کیسے آیا؟ اور اس وقت وہ کہاں ہے؟ اسے ڈر نہیں لگ رہا تھا مگر اگلے چند لمحوں میں جب اسے ثمرین کا خیال آیا تو اس نے چلانا شروع کر دیا۔ وہ اندھیرے میں دیواریں ٹٹولتا ہوا دروازے کے پاس پہنچا اور دروازے پر مکوں کی بارش کر دی۔

"بابا جان! دروازہ کھولیں۔"

مسلسل چیخنے سے اس کے سر کا درد بڑھ گیا تھا مگر اس نے پروا نہ کی اور چیختا رہا۔ یہ جگہ انجان تھی۔ یہ اس کے باپ صابر خان کے گھر کا تاریک تہہ خانہ تھا اور ایسا پہلی دفعہ بھی نہیں ہوا تھا کہ اسے اس تہہ خانے میں قید کیا گیا ہو۔ وہ جرم محبت کا سزاوار تھا۔ اور تیسری مرتبہ اس تہہ خانے میں قید ہوا تھا۔

اسے نہ قید کا ڈر تھا نہ بھوک پیاس کا اور نہ صابر خان کا۔ وہ تو بس اپنی بیوی ثمرین کے لیے فکر مند تھا، جسے اس کے گھر والے لے گئے تھے۔

"بابا جان! اللہ کے واسطے، اس کو چھوڑ دیں۔ اس نے آپ کا کیا بگاڑا ہے اللہ کے واسطے۔"

وہ جانتا تھا، کوئی اس کی نہیں سنے گا۔ وہ تھک کر وہیں دروازے کے پاس بیٹھ گیا اور گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگا۔

وہ کتنا بے بس تھا۔ اپنی ثمرین کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے زاہدہ کو ایک کشن اڑتا ہوا آ کر لگا۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ سامنے سے ٹشو بکس آتا دکھائی دیا۔ اس نے ایک طرف ہو کر اپنے آپ کو بچایا۔ پھر شامہ کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"جنگلی ہو تم۔ تمہیں گھر میں نہیں کسی جنگل میں رہنا چاہیے۔ ساری محنت بے کار ہے تم پر۔"

وہ چیختی ہوئی لاؤنج میں رکھی تمام چیزیں باری باری اٹھا کر عبدالرحمن پر برسا رہی تھی اور عبدالرحمن اپنے آپ کو اس کے حملوں سے بچا نہیں پا رہا تھا۔ چچا جان نے عبدالرحمن کو اپنے پیچھے چھپایا ہوا تھا۔

"ارے بھئی، کس نے چھیڑ دیا میری شیرنی کو؟ ہوا کیا ہے یہاں؟ اور کہاں ہیں تمہاری دادی۔"

چچا جان نے بلند آواز میں کہتے ہوئے دائیں بائیں گردن گھماتے ہوئے چچی جان کو ڈھونڈنا چاہا۔ وہ دوسرے صوفے کے پیچھے سے نکل کر کھڑی ہو گئیں۔

"عبدالرحمن! میں تمہیں اس کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ میں بدلہ لوں گی..... میں۔" وہ چیختے ہوئے اپنے کمرے کی طرف دوڑ گئی۔

انہوں نے سکون کا سانس لیا مگر اگلے ہی لمحے چچی جان پر چڑھ دوڑے۔

"شاباش زرمینہ! بجائے اس کے کہ بچوں کی صلح کراؤ، صوفے کے پیچھے چھپی تماشا دیکھ رہی ہو تم..... واہ واہ!" چچا جان نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

چچی جان نے سامنے آ کر دونوں ہاتھ اپنی کمر پر ٹکائے اور اسی انداز میں جواب دیا۔ "اپنے ان شیطانوں کو سمجھاؤ۔ لڑکی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ جو کیا ہے اس لڑکے نے کیا ہے۔ پوچھو اس سے ذرا؟"

ان کے پوچھنے سے پہلے ہی عبدالرحمن نے لاپروائی سے کہا۔

"دادا جان! میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں جب بھی اس بندریا کی کسی چیز کو ہاتھ لگاؤں، پتا نہیں کیسے ٹوٹ جاتی ہے۔ میری کوئی نیت نہیں ہوتی اس کی دم پر پیر رکھنے کی۔"

"تم نے کیا کیا ہے، یار! وہ بتاؤ بس۔" چچا جان نے

اس کی صفائی کو رد کرتے ہوئے کہا۔

"ہونا کیا تھا، بابا جان اس کے لیے پرفیوم لائے تھے میں نے پیکٹ کھولا تو بوتل میرے ہاتھ سے سلپ ہو کر گری اور ٹوٹ گئی اور پھر۔"

"خیر بچے! تم اتنے معصوم ہو تو نہیں میں جانتا ہوں تمہیں۔ جان بوجھ کر تم نے اسے تنگ کیا ہے۔ حد ہے یار! اتنے بڑے ہو گئے ہو اور لڑکیوں کی چیزوں میں گھستے ہو۔"

"اب جاؤ بڑی ہے تم سے اور غلطی بھی تمہاری ہے۔ جا کر معافی مانگو اس سے!"

چچا جان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی مگر عبدالرحمن نے نیچے جھک کر زمین پر بکھری چیزیں اٹھانا شروع کر دیں۔

"یہ کیا کر رہے ہو، رہنے دو۔ یہ سب ریحان گل کر لے گا، تم جاؤ اندر اور اسے مناؤ فوراً۔" چچا جان نے قدرے سختی سے کہا۔

وہ سیدھا کھڑا ہوا اور نخوت سے کہنے لگا۔

"آپ کیا سمجھ رہے ہیں۔ میں یہ چیزیں کس لیے سمیٹ رہا ہوں دادا جان! پہلے میں یہ سب اسے مار کر اپنا بدلہ لوں گا، پھر معافی مانگوں گا۔ تب حساب برابر ہو گا۔"

یہ سنتے ہی چچی جان نے اپنا سر پیٹ لیا۔ "یہ سب تمہارے لاڈ پیار کا نتیجہ ہے۔ بگاڑ دیا ہے۔ لڑکے کو ذرا لحاظ نہیں ہے۔ اسے معافی مانگنے کا کہا تو چلا لڑکی کو مارنے۔ شرافت سے جا کر اس سے معافی مانگو اور منا کر لاؤ ورنہ میں تیمور کے گھر چلی جاؤں گی۔"

"اوکے اوکے! ماموں جان کی پرسکون زندگی تباہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ کی پیاری سی بندریا کو منا کر لے آتا ہوں۔"

وہ جلدی سے مان گیا اور سب پر باری باری ایک نظر ڈال کر شامہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

پورا ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ صابر خان نے سرور خان سے بزنس کے علاوہ کوئی رابطہ نہ کیا اور کام کے تمام معاملات بھی وہ فون پر ہی طے کر رہے تھے۔ سرور خان اپنے گھر کے لاؤنج میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ کر چائے پی رہے تھے۔ اس وقت وہ اکیلے تھے۔ زاہدہ اور امبر شاپنگ کے لیے گئی ہوئی تھیں اور تیمور خان بھی کہیں باہر گئے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ انہیں صابر خان سے ایک مرتبہ پھر بات کرنی چاہیے۔ مگر کیسے؟ پھر خود ہی انہوں نے اپنے آپ کو امید دلائی کہ وہ کیوں راضی نہ ہوں گے۔ رفیق خان ان کا سب سے لاڈلا بیٹا ہے جس سے انہیں بہت سی امیدیں تھیں۔ کیا ہوا اگر رفیق سے ایک غلطی ہو گئی انسان آخر خطا کا پتلا ہے۔ اور جوانی میں تو ایسی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں بچوں سے اور اب تو رفیق بالکل ٹھیک ہو گیا ہے۔

☼ ☼ ☼

وہ اس وقت آئینہ کے سامنے کھڑی اپنے بال کھول رہی تھی۔ اس نے نم آنکھوں سے آئینہ میں اپنے عکس کو دیکھا تو کل سے زیادہ حسین پایا۔

"کیا کمی تھی مجھ میں، کیوں چھوڑ دیا رفیق خان نے مجھے؟"

دماغ کے ایک گوشے سے ماضی کی ایک یاد ابھری، جب رفیق خان نے اسے اسی کمرے میں کھڑے ہو کر فیصلہ سنایا تھا۔

"میرا انتظار فضول ہے۔ میں کبھی واپس نہیں آؤں گا۔ میں ثمرین کے ساتھ خوش ہوں۔ تم چلی جاؤ میری زندگی سے۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

اس کا دل ڈوبنے لگا اور آنکھیں روانی سے بہنے لگیں۔ اس کی نظریں ابھی بھی اپنے عکس پر تھیں۔

"یا اللہ! ایسا میرے ساتھ ہی کیوں ہوا۔ اتنی کڑی آزمائش کے لیے میں ہی کیوں.....؟"

اسے مشہور ٹینس پلیئر آرتھر ایش کی بات یاد آگئی جو اس نے اپنے مداح کے سوال "خدا نے آپ کو ہی بیمار کیوں کیا؟" کے جواب میں کہی تھی۔

"پوری دنیا میں پچاس لاکھ لوگ باقاعدہ ٹینس سیکھتے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہیں۔ ان میں سے پچاس سرکٹ میں آتے ہیں۔ دس ملکوں سے پانچ ہزار لوگ گریٹ سلیم میں آتے ہیں پھر ان میں سے پچاس ومبلڈن لندن تک پہنچتے ہیں پھر ان پچاس میں سے چار لوگ سیمی فائنل میں اور ان میں سے دو فائنل میں آتے ہیں۔ پھر ان دو میں سے ایک کو کپ ملتا ہے۔ اور وہ ایک میں تھا جس کو وہ کپ ملا۔ اس وقت تو میں نے خدا سے نہیں پوچھا تھا کہ میں ہی کیوں؟ تو اب کیوں پوچھوں......"

زاہدہ شرمندہ ہو گئی۔ اس نے آئینہ سے نظریں ہٹالیں۔ سر جھکا کر اللہ سے فوراً" استغفار کیا اور دل کو سمجھاتے ہوئے بشامہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ پورے کمرے کی چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ دروازے کے داہنی طرف عبدالرحمن کان پکڑے کھڑا تھا اور بشامہ سینے پر ہاتھ باندھے اسے شعلہ بار نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ماں کو دیکھ کر اس نے رونا شروع کر دیا تھا۔ زاہدہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے سمجھایا۔

"کیوں دل جلا رہی ہے اپنا تو سمجھ دار بیٹی ہے میری۔ چھوڑ معاف کر دے۔ میں تجھے اس کی پاکٹ منی سے یہی پرفیوم لا کر دوں گی۔ اور مہینے تک اسے خرچ بھی نہیں دوں گی۔ ٹھیک ہے خوش؟" اس نے اپنی طرف سے عبدالرحمن کو سزا سنائی۔

اس نے سر اٹھا کر ماں کی طرف دیکھا۔ اس کی سوجی ہوئی بڑی بڑی سبز آنکھیں اس وقت لال ہو رہی تھیں۔

"ماما! وہ پرفیوم بابا جان آپ کے لیے لائے تھے۔ آپ کو پسند ہے نا مگر اس نے اپنی شرارت اور مزے کے لیے میری ساری محنت تباہ کر دی۔ میں اسے معاف نہیں کروں گی ماما!" وہ وہیں زمین پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

زاہدہ نے فوراً" اسے گلے لگایا۔

"بشامہ! خدا کے لیے چپ ہو جاؤ، کیوں وہ سب چاہتی ہو جو میرے لیے ہے ہی نہیں۔ اب کوئی فائدہ نہیں ہے ان باتوں کا۔ اب میرے بچوں کا وقت ہے۔ مجھے اب تم لوگوں کی خوشیاں چاہئیں بس اور کچھ نہیں۔ اگر میرے لیے کچھ کرنا ہے تو بس یہ دعا کرو کہ اللہ مجھے میرے بچوں کی خوشیاں دکھائے۔" زاہدہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔

بشامہ اس کے بازوؤں میں بری طرح بلک رہی تھی۔ آج وہ بہت تکلیف میں تھی۔ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا، ماں اور باپ کو الگ ہی دیکھا تھا اور اب جب باپ ملنے آتا اور چلا جاتا تو وہ زاہدہ کی اداسی دیکھتی تھی۔ وہ تیرہ سال کی ہو گئی تھی اور پچھلے تین سالوں میں تمام حقیقتوں سے خاصی حد تک واقف ہو گئی تھی۔ ماں کے بے قصور سزا پانے پر اس کی خواہش بڑھ جاتی کہ اب وہ ماں کو خوش دیکھے۔ وہ اکثر دونوں کو قریب لانے کی کوشش کرتی۔ مگر ناکام رہتی۔ آج امید کی ایک چھوٹی سی کرن نظر آئی تھی مگر عبدالرحمن کی شرارت نے نادانستگی میں اس کرن کو بجھا دیا تو وہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ اس نے ماں کے بازوؤں سے سر اٹھایا اور بھیگی آنکھوں سے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور جو میں مانگ رہی ہوں اللہ سے، وہ میری خوشی ہے۔ آپ دعا کریں کہ اللہ پاک مجھے میری خوشی دے دے۔" تھوڑی دیر بعد اس نے پھر زاہدہ سے کہا۔

"ماما! آپ اس سے کہیں، یہاں سے چلا جائے۔ میں نے اسے معاف کیا مگر میں اس سے تب تک بات نہیں کروں گی، جب تک میرا دل نہ چاہے۔ یہ بھی مجھ سے بات کرنے کی کوشش نہ کرے۔"

عبدالرحمن نے بشامہ کی بات سنی اور چند لمحے کھڑے رہنے کے بعد وہاں سے چلا گیا۔ زاہدہ نے دیکھا عبدالرحمن کی آنکھیں بھی بھیگی ہوئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

کوئی اس کا نام لے کر اسے پکار رہا تھا اور اس کے کندھے جھنجھوڑ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں مگر نقاہت سے آنکھیں کھولنے میں ناکام رہا۔ چند لمحوں بعد جب آوازیں صاف صاف سنائی دینے لگیں تو اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں مگر روشنی کی وجہ سے پھر بند کر لیں۔ اب وہ آوازیں پہچان سکتا تھا۔ یہ صابر خان کی آواز تھی جو اس کا نام پکار رہے تھے اور اسے جھنجھوڑ رہے تھے۔ ساتھ ساتھ ماں کے رونے کی اور انہیں تسلی دیتی رمیض کی آواز بھی آ رہی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے آنکھیں کھول کر ارد گرد دیکھا۔ وہ اس اندھیرے کمرے میں نہیں تھا اور نہ ہی اپنے گھر میں۔ وہ ہسپتال میں تھا۔

"اب کیسا محسوس ہو رہا ہے؟" رمیض کرسی کھینچ کر بیڈ کے پاس بیٹھ گیا اور بھائی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سہلانے لگا۔ "لالا! جوس لاؤں آپ کے لیے۔" رفیق نے کوئی جواب نہ دیا۔ رمیض نے دوبارہ بات کرنے کی کوشش کی مگر اس نے آنکھیں بند کر لیں رمیض چپ ہو گیا۔

دو دن بعد اسے ڈسچارج کر دیا گیا۔ اس سارے عرصے میں اس نے کسی سے کوئی کلام نہ کیا اور نہ کچھ پوچھنے کی کوشش کی۔ سرور خان اور باقی تمام لوگ اسے دیکھنے آئے مگر اس نے کسی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ بس ثمرین کے بارے میں سوچتا رہا۔

وہ اپنے بیڈ روم میں تھا۔ اس کا بیڈ روم پورے ایک فلور پر مشتمل تھا جو اس نے اپنی پسند سے بنوایا تھا۔ وہ اپنے کمرے پر نظریں دوڑا رہا تھا۔ جس فلیٹ میں وہ ثمرین کے ساتھ چھ مہینے سے رہ رہا تھا، وہ اس کے باتھ روم کے برابر تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ پھر سے اپنے ماضی کے بارے میں سوچنے لگا۔

کس طرح اس کے باپ نے ثمرین کے رشتے سے انکار کیا اور وجہ ثمرین نہیں اس کی ماں تھی، جو اپنے زمانے کی مشہور گلوکارہ تھی جو کہ بعد میں گمنام ہو گئی۔ صابر خان کو ثمرین کے خاندان پر اعتراض تھا۔

"اب ہم میراثیوں سے رشتے کریں گے... کیا عزت رہ جائے گی قبیلے میں ہماری۔ ہم سرداری کا عہدہ سنبھالنے کے لائق سمجھے جائیں گے کیا؟ بزنس میں بھی ہمیں اس بات کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔"

مگر رفیق آج کے دور کا انسان تھا۔ اس کے لیے گانا ایک خوبی تھا۔ اسے کوئی برائی نظر نہیں آتی تھی گانے میں۔ مگر یہ بحث کرنے پر صابر خان نے رفیق خان کو اپنی عزت پر قربان کرنے اور شوٹ کرنے کی دھمکی دی اور وہ خوب جانتا تھا کہ وہ اپنے خاندان کو کتنا اہم سمجھتے تھے۔ وہ جو کہتے تھے، وہ کر گزرتے تھے۔ پورے ایک سال تک بحث اور لڑائی جھگڑوں کے بعد وہ خاموشی سے ثمرین سے شادی کر کے ایک گمنام علاقے میں چھوٹا سا فلیٹ لے کر رہنے لگا۔ اس کے پاس پیسے ختم ہو گئے تو اپنی شناخت استعمال کیے بغیر اس نے ایک فیکٹری میں پندرہ ہزار روپے ماہانہ پر معمولی ورکر کی حیثیت سے نوکری کر لی۔ چھ مہینے وہاں رہتے ہوئے وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ اب وہ محفوظ ہو گیا ہے۔ مگر یہ اس کی غلطی تھی۔ اس کے باپ نے بالآخر اسے ڈھونڈ لیا اور آج وہ پھر اپنے گھر میں تھا۔ اکیلا اور اداس......

ثمرین کے ساتھ گزارے ہوئے چھ مہینے اس کی زندگی کے سب سے خوب صورت دن تھے۔ ثمرین اس کا وہ خواب تھی، جسے اس نے حاصل کیا مگر صابر خان نے اس کو چھین کر ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ مگر وہ بھی اتنی آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ بھی اپنے باپ کا ہی پرتو تھا، اس نے سوچ لیا تھا وہ ٹھیک ہو کر اپنے طور پر ثمرین کو ڈھونڈے گا اور اس مرتبہ کسی دوسرے شہر میں جا کر بس جائے گا۔ جہاں کوئی اسے نہ ڈھونڈ سکے گا۔

اس کی سوچ ایک بار پھر صابر خان کی طرف مڑ گئی۔ پتا نہیں ثمرین سے کیا سلوک کیا ہو گا؟ ثمرین کی ماں نے ثمرین کے ساتھ کیا کیا ہو گا کیونکہ صابر خان نے نہ صرف ثمرین کو مسترد کیا تھا بلکہ اس کے گھر جا کر اس کی ماں کو بھی خوب سنائی تھیں اور ڈرایا دھمکایا تھا جس سے وہ رفیق خان سے بھی بدظن ہو گئی تھی۔ اور ثمرین کا رشتہ اس کی مرضی کے خلاف اپنے بھائی کے بیٹے سے طے کر دیا تھا، اسی لیے بغیر انتظامات پورے کیے اس نے ثمرین کو ایک دن پہلے ہی وہاں سے نکال لیا تھا ورنہ وہ اس ملک سے ہی چلا جاتا اور کبھی باپ کے ہاتھ نہ آتا۔ وہ ثمرین کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گھر واپس آ کر اس نے ہفتہ کے اندر اندر ہی ثمرین کی تلاش شروع کر دی۔ کچھ عرصے بعد اسے پتا چلا کہ وہ اس ملک میں ہی نہیں ہے۔ اس بات نے اس کے دل و دماغ پر بہت اثر کیا۔ وہ باپ سے انتقام کی آگ میں جلنے لگا۔ اس نے گھر سے لاتعلقی اختیار کر لی۔ گھر میں کسی مہمان کی طرح رہنے لگا۔ پھر گھر میں بھی اس کی غیر حاضری بڑھتی چلی گئی۔ گھر میں بھی اپنے بیڈ روم سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ اس نے نشہ شروع کر دیا تھا۔ وہ یہ سب کچھ کر کے باپ کو تکلیف دینا چاہتا تھا۔ ہر تیسرے چوتھے دن جھگڑا کرنے کے جرم میں یا گاڑی ٹکرانے کی کوشش میں پکڑے جانے پر صابر خان کو تھانے ضمانت کے لیے بلایا جاتا اور وہ بڑی ڈھٹائی سے باپ کی تکلیف سے لطف اندوز ہوتا۔

☼ ☼ ☼

سرور خان ٹھیک نو بجے صابر خان کے گھر پر تھے۔ لاؤنج میں قدم رکھتے ہی زرمینہ نے انہیں مسکراتے ہوئے سلام کیا۔ سرور خان نے آگے بڑھ کر شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے سلام کا جواب دیا اور صابر خان کے بارے میں پوچھا۔

"بس آنے والے ہیں دس' پندرہ منٹ میں۔" زرمینہ نے جواب دیا۔

"زرمینہ! میں تم سے جو کچھ کہنا چاہتا ہوں' وہ میں صابر سے بھی ایک ہفتہ پہلے کہہ چکا ہوں مگر وہ ناراض ہو گیا۔ سب جانتے ہیں کہ رفیق خان کی وجہ سے صابر خان کتنا پریشان ہے۔ مجھ سے اس کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی۔ حالانکہ اب حالات بہت بدل گئے ہیں۔"

وہ چند لمحے رکے۔ انہوں نے نظر اٹھا کر زرمینہ کو دیکھا۔ رفیق کے ذکر پر زرمینہ کے چہرے پر خوشی تھی مگر آنکھوں میں آنسو بھی تھے۔ رفیق زرمینہ کی وہ کھوئی ہوئی اولاد تھی' جو سامنے ہو کر بھی گم تھی۔ وہ ماں سے کلام تک نہ کرتا تھا مگر گزشتہ دو سالوں میں رفیق میں اتنا فرق ضرور آیا تھا کہ وہ گھر ٹائم پر آ جاتا تھا اور پچھلے چھ مہینے سے تو ہر چھٹی کا دن بھی گھر میں ہی گزارتا تھا۔

سرور خان نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"زرمینہ! میں چاہتا ہوں کہ رفیق خان کی شادی ہو جانی چاہیے۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

زرمینہ نے اپنے بہتے آنسوؤں کو دوپٹے کے پلو سے پونچھتے ہوئے کہا۔

"لالہ! یہ تو میرا خواب ہے۔ کہ میں اپنے رفیق کو شاد آباد دیکھوں۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ آپ نے میرے بیٹے کو اتنا سنبھالا ورنہ میں تو اسے تقریباً" کھو چکی تھی۔"

"زرمینہ! تم جانتی ہو کہ رفیق کی ماضی کی غلطیوں کی وجہ سے خاندان میں سے کوئی اسے رشتہ نہیں دے گا اور خاندان سے باہر شادی پر صابر اب راضی نہیں ہو گا۔ وہ چوٹ کھا چکا ہے۔ اس لیے میں نے سوچا ہے کہ۔۔۔"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر زرمینہ کے متذبذب چہرے کی طرف دیکھنے لگے' جو پر امید نظروں سے اپنے جیٹھ کی طرف دیکھ رہی تھیں کہ انہوں نے ضرور کوئی بہتر حل نکالا ہو گا۔ کیونکہ وہی تو تھے جنہوں نے اللہ کے بعد رفیق کو سنبھالا تھا۔ گھر واپس لائے تھے۔

"میں رفیق کی شادی اپنی زاہدہ سے کر دوں۔" انہوں نے جملہ پورا کیا۔

سرور کی بات پر زرمینہ کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔

"لالہ! وہ تو ہرگز نہیں مانیں گے۔۔۔ آپ جانتے ہیں کہ زاہدہ ان کے لیے اپنی بیٹی سے بھی بڑھ کر ہے اور۔۔۔ اور رفیق خان۔۔۔ کبھی نہیں ہو سکتا لالہ! صابر کبھی نہیں مانیں گے۔" زرمینہ نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"لالہ! اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر میں بیٹی مانگتی تو اللہ سے زاہدہ جیسی بیٹی کی دعا کرتی۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ اگر میں بیٹا مانگتی تو کبھی رفیق جیسے بیٹے کی تمنا نہ کرتی۔" وہ چند لمحے رکیں۔ آنسو پونچھ کر پھر بولنا شروع کیا۔

"لالہ! یہ صرف رفیق کی نہیں بلکہ زاہدہ کی بھی

زندگی کا سوال ہے۔۔۔ رفیق اس کی زندگی تباہ کر دے گا۔ وہ اب بھی سب کچھ دل میں لیے بیٹھا ہے۔ وہ بے شک بزنس اچھا کر رہا ہے۔ کامیاب بھی ہو جائے گا۔ ترقی بھی کر لے گا مگر گھریلو زندگی۔۔۔ نہیں نہیں۔۔۔ مجھے ڈر لگتا ہے لالہ! مجھے مر کر بھابھی کو جواب دینا ہے۔"

"زرمینہ! میری بات پر یقین کرو ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ وہ بدل چکا ہے اور اب بالکل ٹھیک ہے۔ اس کا سائیکاٹرسٹ بھی مطمئن ہے اس سے۔ وہ اب ہر بات مجھے بتاتا ہے۔ پچھلے تین مہینے سے ہم دونوں لنچ ساتھ کرتے ہیں۔ اور میں نے کتنے ہی وقت سے اسے ماضی دہراتے نہیں سنا۔ وہ بھول رہا ہے اور ہمیں چاہیے کہ اسے ماضی بھولنے میں مدد کریں۔ وہ زاہدہ کو پائے گا تو واقعی سب کچھ بھول جائے گا۔ اور مجھے یقین ہے کہ زاہدہ ہی وہ لڑکی ہے' جو اس کی زندگی بدل کر اس میں خوشیاں بکھیر سکتی ہے۔ اسے دوبارہ خاندان میں مقام دلا سکتی ہے۔"

"کیا آپ نے رفیق اور زاہدہ سے بات کر لی ہے اس سلسلے میں۔" زرمینہ نے پوچھا۔

"نہیں ابھی نہیں۔ پہلے صابر خان اور تم مان جاؤ' پھر میں رفیق سے بات کروں گا اور وہ انکار نہیں کرے گا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں زاہدہ کے لیے پسندیدگی دیکھی ہے۔"

"لالہ! میں وعدہ کرتی ہوں کہ زاہدہ کو اپنی بیٹی سے بھی زیادہ حق دوں گی۔ آپ کو میری طرف سے کبھی کوئی شکایت نہ ہو گی۔ میں آپ کے ساتھ ہوں آپ اللہ کا نام لے کر شروع کریں۔"

سرور خان نے مسکراتے ہوئے ان کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اسی وقت گیٹ پر ہارن کی آوازیں آنے لگیں۔ زرمینہ جلدی سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم کی طرف چلی گئیں اور سرور خان سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

☼ ☼ ☼

فون کی مسلسل گھنٹیوں کی وجہ سے ان کی نیند ٹوٹی تھی۔ انہوں نے سائیڈ ٹیبل سے اپنی گھڑی اٹھا کر ٹائم دیکھا' رات کے تین بج رہے تھے۔ انہوں نے گھبرا کر فون اٹھایا دوسری طرف زرمینہ رو رہی تھیں۔

"لالہ! رفیق کو بچا لیں۔ اس کا باپ اسے مار ڈالے گا۔ لالا! جلدی۔۔۔" پھر ریسیور میں اگلی آواز رمیض کی سنائی دی۔

"تایا جان! ماں بے ہوش ہو گئی ہیں۔ آپ جلدی سے صدر کے تھانے پہنچ جائیں۔ لالہ کو پولیس نے پکڑ لیا ہے اور بابا جان ضمانت کروانے کے بجائے اپنی گن لوڈ کر رہے ہیں۔ میں کیا کروں تایا جان؟"

"تم گھبراؤ نہیں۔ میں تھانے جاتا ہوں۔" وہ تیمور خان کو بتا کر تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے تھانے پہنچے۔

"خان صاحب! آپ پہلی مرتبہ آئے ہیں رفیق کے سلسلے میں مگر میں آج اسے جانے نہیں دوں گا۔ آج اس نے حد کر دی ہے۔ آپ کو وکیل بلانا پڑے گا ضمانت کے لیے۔" انسپکٹر نے سرور خان کا لحاظ کرتے ہوئے کہا۔

"اور صابر خان صاحب نے تو فون پر ضمانت دینے اور اسے رہا کرنے سے منع کر دیا ہے۔"

سرور خان نے اپنے وکیل کو فون کر کے اسے تھانے پہنچنے کو کہا پھر انسپکٹر کی طرف متوجہ ہوئے۔

"کیا کیا ہے رفیق نے۔"

"پہلے وہ صدر کے ایک جیولری شاپ کا تالا توڑ رہا تھا۔ جب اسے پکڑ لیا گیا تو اس نے ڈیوٹی افسر اور دو سپاہیوں کی پٹائی کر دی۔ ایک سپاہی کا بازو توڑ دیا اور ڈیوٹی افسر کا سر پھاڑ دیا۔ پولیس موبائل کی ونڈ اسکرین بھی توڑ دی اور وہ سخت نشے کی حالت میں بھی ہے۔ پچھلے کئی مہینوں سے اس کی نشے میں جھگڑا اور مار پیٹ کی حرکتوں میں یہ سب سے بڑی واردات ہے۔ وہ تو ڈیوٹی افسر آپ کے بھائی اور خاندان کو جانتے ہیں ورنہ شوٹ بھی کر سکتے تھے۔"

سرور خان کوئی جواب نہ دے سکے۔ وکیل صاحب کے آنے کے بعد سرور خان انسپکٹر کے تعاون سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

معاملات طے کرنے لگے تھے کہ صابر خان وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے غصہ میں ضمانت منسوخ کرنے کو کہا مگر سرور خان نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ تمام معاملات طے کرنے میں انہیں ایک گھنٹہ لگا اور ضمانت منظور ہوگئی۔

رفیق خان سامنے آیا تو اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر چوٹوں کے نشان تھے۔ منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ ہونٹ سوجے ہوئے تھے۔ کپڑے پھٹے ہوئے اور آنکھیں نشے سے بند ہوئی جارہی تھیں۔ وہ اپنے ہوش میں نہیں تھا۔

سرور خان نے انسپکٹر سے الوداعی مصافحہ کیا اور رفیق خان کو خود سہارا دے کر گاڑی تک لائے۔ گاڑی میں بٹھا کر انہوں نے وکیل کو چند ہدایات دے کر رخصت کیا اور پھر اپنے کنٹری کلب والے فلیٹ کی طرف روانہ ہوگئے۔

صبح کے تقریباً" چھ بج رہے تھے۔ یہ پانچ بیڈ روم کا فلیٹ تھا' جو انہوں نے گاؤں سے آنے والے سرداروں کے لیے مخصوص کیا ہوا تھا۔ عام دنوں میں یہاں ان کے مسلح آدمی رہتے تھے۔ فلیٹ کی دیکھ بھال بھی وہی کیا کرتے تھے۔ رفیق خان کو ان کے حوالے کر کے انہوں نے چند ہدایتیں دیں اور وہیں سے صابر خان کے گھر کا رخ کیا۔

صابر خان لاؤنج میں ہی ٹہل رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی صوفے پر سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ سرور خان' صابر خان کے برابر میں بیٹھ گئے چند لمحوں بعد انہوں نے چھوٹے بھائی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ صابر خان ان کے گلے لگ کر رونے لگے۔ سرور خان انہیں پیار سے چھوٹے بچوں کی طرح سہلانے لگے۔

"لالہ! میں بہت تھک گیا ہوں۔ نہیں برداشت ہوتا۔ میں اب یا تو خود کو شوٹ کردوں گا یا اسے۔ اب بہت ہوگئی لالہ!"

"اللہ اپنے بندے پر اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا صابر! ہمت سے کام لو۔ تیز بھاگتی ٹرین کو سامنے آکر نہیں' اس کے ساتھ دوڑ کر روکنا پڑتا ہے۔ اگر سامنے آؤ گے تو ٹرین تمہیں اڑا دے گی۔ رفیق خان اس وقت تیز رفتار ٹرین ہے' جسے ہم نے روکنا ہے۔ اس طرح دل برداشتہ ہو کر تو کچھ حاصل نہیں ہو سکے گا۔"

صابر خان نے کوئی جواب نہ دیا۔ کمرے میں خاموشی تھی۔ دونوں بھائی گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ کافی دیر بعد سرور خان نے صابر خان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"صابر! تم رفیق سے چھٹکارا پانا چاہتے ہو تو سمجھو اب تمہاری زندگی میں رفیق نہیں ہے۔ اس معاملے کو اب میں سنبھالوں گا۔ رفیق اب میری ذمہ داری ہے۔"

سرور خان اپنی بات پوری کر کے چند لمحے بیٹھے پھر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔

☼ ☼ ☼

امبر کے ڈرائنگ روم میں بچوں کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ عبدالرحمٰن' عبداللہ' بشامہ اور امبر سر جوڑ کر بیٹھے زاہدہ اور رفیق خان کو قریب لانے کے لیے حل تلاش کر رہے تھے۔

"اگر میں اسکول سے کہیں غائب ہوجاؤں تو لازماً" بابا جان اور ماں مجھے ڈھونڈنے کے لیے ضرور اکٹھے ہو جائیں گے۔۔۔ کیوں؟" عبدالرحمٰن نے تجویز دی۔

"مگر تمہیں تلاش کرنے کے لیے تو دادا جان ہی زمین آسمان ایک کردیں گے۔ وہ کیوں بابا جان کو بھنک پڑنے دیں گے اور پھر تم جاؤ گے کہاں اور کتنی دیر چھپے رہ سکو گے؟" بشامہ نے اس کی تجویز رد کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہ ہم ماں اور بابا جان کی اکیلے میں ملاقات کروائیں' پھر ظاہر ہے کچھ تو بات کریں گے۔" عبداللہ نے تجویز دی تو امبر نے کہا۔

"یہ ٹھیک ہے مگر پہلے ایک کام کرو۔ جب تمہارے بابا جان آئیں تو بہانے بہانے سے کوئی ماں کی اچھائی کرے اور دوسرا برائی' پھر ظاہر ہے رفیق لالہ کتنا سنیں گے۔ کچھ تو کہیں گے۔ یہی چیز اپنی ماما کے ساتھ بھی کرو' کچھ تو اندر سے نکلے گا۔ پھر طے کریں گے کہ کیا کرنا ہے۔ ہو سکتا ہے میں تمہارے چاچا سے بھی مدد لوں۔"

"مگر خالہ! ماں سے تو ہم بات کر ہی لیں گے' وہ تو گھر رہی ہیں مگر بابا تو ایک ہی بار ملتے ہیں مہینے میں۔ ان کا دل کیسے ٹٹولیں گے؟" بشامہ نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یہ مسئلہ تو ہے۔" پھر چند لمحے سوچتے ہوئے امبر نے کہا "کیوں نہ چچا جان کو بتائے بغیر تم لوگ باہر خود ہی لالہ سے ملو اور بات کرو۔ جیسے کبھی گھومنے جاؤ تو انہیں بھی فون کر کے بلالو۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" بشامہ کے ساتھ ساتھ عبدالرحمٰن اور عبداللہ بھی راضی ہوگئے۔

☼ ☼ ☼

ایئرپورٹ پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ وہ اسلام آباد جا رہا ہے۔ دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ اسلام آباد ایئرپورٹ سے ٹیکسی میں وہ ہوٹل پہنچے۔

سرور خان بھی اس پر جان چھڑکتے تھے مگر پچھلے دنوں ہونے والے واقعات نے اس محبت کو بہت متاثر کیا تھا۔

سرور خان اس کے ڈر کو محسوس کر رہے تھے۔ اور یہی چاہتے تھے کہ وہ ڈرے۔ وہ طے کر چکے تھے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد تقریباً" دو گھنٹے کے وقفے سے ویٹر چند بوتلیں لے کر آیا۔ رفیق اپنی جگہ پر جما بیٹھا رہا۔ سرور خان نے ڈرنک تیار کر کے اس کے سامنے رکھی اور اسے پینے کا اشارہ کیا۔ گلاس رفیق کے سامنے رکھا تھا اور وہ اپنے پیروں کے انگوٹھوں سے کارپٹ کو کھرچ رہا تھا۔ اس کی نظر نہیں اٹھ رہی تھی۔ اس کے چہرے کے آتے جاتے رنگ بتا رہے تھے کہ وہ کتنا شرمندہ ہے پھر کافی دیر بعد رفیق نے جھکے سر سے کہا۔

"تایا جان! مجھے معاف کردیں۔"

"پوچھ سکتا ہوں' کس چیز کی معافی مانگ رہے ہو؟" ان کی آواز بہت سخت اور بھاری تھی۔ رفیق کوئی جواب نہ دے سکا۔

"رفیق خان! تم نے آج بے خبری میں اپنے دادا کی بات سچ کردی۔ وہ کہتے تھے 'تعلیم انسان کو صرف چیزوں کا علم دیتی ہے۔۔۔ شعور نہیں۔"

رفیق سے آنکھ نہ اٹھائی گئی۔

"میں تم سے کوئی شکایت نہیں کررہا' کیونکہ تم پر محنت فضول ہے۔ تمہاری بہترین تعلیم نے تمہیں علم دیا' دنیا دکھائی مگر اچھے برے کا شعور نہیں دیا کہ تم صحیح راستہ چنتے۔ تمہاری معافی تمہارے غلط ہونے کا ثبوت ہے۔ میں چاہتا ہوں تم دو دن یہاں اکیلے رہو اور سوچو کہ تم نے جو کیا' وہ صحیح تھا یا غلط۔ میں جارہا ہوں رفیق خان! تم بغیر کسی گارڈ اور کسی لاک کے' اس کمرے میں میری طرف سے قید ہو۔ یہاں تمہاری ہر ضرورت بشمول عیاشی کے سامان کے موجود ہے۔ جو چاہو گے مل جائے گا۔ دو دن بعد میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔ تم اس کمرے سے باہر نہیں جاسکتے اگر جاؤ گے تو نتائج خراب بھی ہوسکتے ہیں۔ یاد رکھنا! یہ صرف دھمکی نہیں ہے۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ اٹھے اور کمرے سے باہر نکل گئے اور کراچی واپس آکر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

دو دن تک سرور خان بظاہر اپنے کام میں مصروف رہے مگر انہوں نے اسلام آباد میں اپنے بندے لگا رکھے تھے' جو انہیں پل پل کی خبر دے رہے تھے۔ دو دن بعد وہ شام کی فلائٹ سے اسلام آباد پہنچے۔

دستک پر رفیق خان نے دروازہ کھولا تو سرور خان حیران رہ گئے۔ بکھرے بال' کھلا گریبان۔۔۔ وہ بہت پریشان اور گھبرایا ہوا لگ رہا تھا۔ چہرہ زرد ہو رہا تھا اور جسم میں ہلکا سا ارتعاش بھی تھا۔ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ اس نے دو دن سے کوئی نشہ نہیں کیا تھا۔ وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

بہت بے چین نظر آرہا تھا۔ سرور خان کے سامنے بیٹھا وہ بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ آنکھیں اور دانت بھینچ کر وہ اپنی اندرونی کیفیت کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"پھر کیا سوچا تم نے؟" رفیق خان نے تھوڑی دیر کوئی جواب نہ دیا۔ پھر کانپتی آواز میں بولا۔

"مجھے معاف کر دیں تایا جان!"

اسے اس کمرے میں ہر چیز مہیا تھی اس کے باوجود اس نے نشہ نہیں کیا۔ وہ خوش ہوئے مگر ظاہر نہ کیا پھر جیسے تصدیق کے لیے پوچھا۔

"تمہارے سوری سے کیا میں یہ سمجھوں کہ تم اپنی ہر بات کے لیے شرمندہ ہو اور اب سب ٹھیک کرنا چاہتے ہو؟" اس نے منہ کھولے بغیر تیز تیز سر ہلا کر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

"مجھے قول دو کہ تم اب وہی کرو گے، جو میں چاہوں گا۔" انہوں نے پھر پوچھا۔ رفیق خان نے پھر سر ہلا دیا۔

رفیق خان نے اپنا کانپتا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا جو برف کی طرح ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ سرور خان نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا اور کہا۔

"آج تم نئی زندگی شروع کر رہے ہو۔ نہا کر دو رکعت نفل پڑھو۔ جب تک میں حساب کر کے آتا ہوں، پھر چیک آؤٹ کرتے ہیں۔"

وہ یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

سرور خان نے اسلام آباد کے بڑے اسپتال میں چار مہینے تک رفیق کا علاج کروایا۔ جہاں اسے نشے کی عادت سے نجات ملی، پھر اسے کراچی بلوالیا۔ اپنے اپارٹمنٹ میں رکھا اور اپنے بڑے بیٹے احتشام خان کے ساتھ کام پر لگا دیا۔ احتشام بہت زیادہ ٹھنڈے مزاج کے نرم خو انسان تھے۔ ان کی کمپنی رفیق خان کے لیے ایک بڑے بھائی کی کمپنی تھی۔ وہ بہت زیادہ رفیق خان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے مگر سب کچھ ٹھیک ہوتے ہوئے بھی وہ اکثر اداس ہی رہتا تھا۔ دن بدن کم گو ہوتا جا رہا تھا مگر کام میں اس کا دھیان اور توجہ بڑھنے لگی، جس سے کمپنی کو فائدہ ہونے لگا۔ وہ پھر سے بزنس میں مشہور ہونے لگا۔ مگر اس کا مزاج نہیں بدل سکا۔ وہ خاموش اور الگ تھلگ ہی رہتا تھا۔ آفس سے فلیٹ پر اور فلیٹ سے آفس۔ یہ تھی اس کی زندگی۔ ایک سال مکمل ہو گیا تھا۔ اسے گھر سے نکلے ہوئے

پھر سرور خان نے صابر خان سے بات کر کے اسے گھر میں واپس بلوالیا۔ اب وہ اپنے گھر میں رہتا تھا مگر اس کا زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں گزرتا۔ وہ گھر میں کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔

☼ ☼ ☼

رفیق خان زاہدہ کو دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ پانچ فٹ سے نکلتا قد سڈول و گداز بدن، گورا رنگ، جو اس وقت گلابی ہو رہا تھا۔ چہرے کے نازک نقش، بڑی بڑی بھوری آنکھیں، گھنی کمان دار ابرو، ستواں ناک، چھوٹا دہانہ نازک گلابی ہونٹ لمبے بال، جو کہ پونی میں بندھے کمر کے نیچے تک لہرا رہے تھے۔ سفید جرسی سیاہ جینز اور گلے میں جھولتا گولڈ میڈل۔ سرور خان اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔

"تم نے اپنی آگے کی زندگی میں کیا کرنا ہے، کچھ سوچا ہے؟"

اس کی طرف سے بہت حد تک مطمئن ہو جانے کے بعد انہوں نے لنچ کرتے ہوئے پوچھا۔ رفیق نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"زندگی صرف بزنس کے ساتھ نہیں گزرتی۔ گھر اور فیملی بھی بہت معنی رکھتی ہے۔ بندہ کی ساکھ اور شناخت ہوتی ہے اس کی فیملی، اس کا گھر۔" سرور خان نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"یہ ضروری نہیں ہے تایا جان! اب دور بدل گیا ہے۔" وہ دوٹوک الفاظ میں بولا۔

"کوئی بھی دور انسان کی ضروریات کو نہ ختم کرتا ہے نہ بدل سکتا ہے۔ فیملی انسان کی فطری ضرورت ہے۔ اسے کوئی دور نہیں ختم کر سکتا۔" سرور خان نے کہا۔

"آپ میری شادی کرنا چاہتے ہیں؟" رفیق کا لہجہ قطعی تھا۔

"تمہیں کوئی اعتراض ہے؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

رفیق خان ایک دم خاموش ہو گیا۔ چہرے پر عجیب سا تاثر ابھر آیا۔ اس کا ہاتھ رک گیا۔

"رفیق خان! کھانا کھاؤ۔ شادی ضروری ہے یا نہیں بعد میں سوچنا اس وقت کھانا ضروری ہے۔"

☼ ☼ ☼

کمپنی کے کام سے رفیق خان کو پشاور جانا پڑا تھا مگر ایک مہینہ گزرنے کے بعد بھی جب وہ واپس نہ آیا تو سرور خان نے بلوالیا۔ ناچار اسے آنا پڑا۔

"برخوردار! تم اتنے دن پشاور میں رہے، تم نے سوچا نہیں شادی کے بارے میں؟"

رفیق خاموشی سے تایا کو دیکھتا رہا جو اس کی لائی ہوئی فائل دیکھ رہے تھے۔

"تایا جان! آپ جانتے ہیں، میں شادی شدہ ہوں اور میں دوسری شادی نہیں کرنا چاہتا۔ میری بیوی اللہ نے چاہا تو مجھے مل جائے گی۔ وہی میری فیملی ہے، پھر مجھے کسی فیملی کی کیا ضرورت ہے؟"۔

اس کا لہجہ دو ٹوک تھا۔ سرور خان کے چہرے پر عجیب تاثرات تھے۔

"رفیق! ثمرین اب تمہارا ماضی ہے۔ بہتر ہے اسے بھول جاؤ۔ وہ تمہارا نصیب نہیں ہے۔ ورنہ وہ آج تمہارے ساتھ ہوتی۔ اپنی ماں کے ساتھ جانے کو ترجیح نہ دیتی۔"

رفیق نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "وہ اپنی مرضی سے نہیں گئی ہے۔ بابا جان نے اسے زبردستی ملک سے باہر بھیج دیا ہے۔"

سرور خان نے اس کی بات سنی اور پھر اطمینان سے بولے۔

"یہ زبردستی صابر نے نہیں کی۔ اس کی ماں نے اس کے ساتھ کی ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ ثمرین کو باہر بھیج دیا جائے۔ وہ خود بھی تمہارے خلاف تھی۔"

"وہ میرے خلاف اس لیے ہو گئی تھیں کہ بابا جان نے انہیں میرے خلاف کیا۔ انہیں دھمکایا تو وہ اور کیا کرتیں؟ میرے جذبے کی سچائی پر انہیں رتی بھر بھی یقین نہ تھا۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ میں اتنے بڑے خاندان سے ہوں۔ تھوڑے دن ساتھ رہ کر ان کی بیٹی کو چھوڑ دوں گا۔" وہ تاسف سے بولا۔

"رفیق! میں اس بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا مگر اتنا مجھے معلوم ہے کہ اس عورت نے خود اپنی بیٹی کا گھر اجاڑا ہے۔ اس نے ایسا کیوں کیا ہے۔۔۔ یہ تم زیادہ بہتر جانتے ہو گے، میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

"تایا جان! میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا اور نہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری زندگی اگر میرے باپ نے بنائی تھی تو تباہ بھی انہوں نے ہی کی ہے۔ ثمرین کو مجھ سے انہوں نے جدا کیا ہے۔"

کافی دیر خاموشی رہی، پھر سرور خان بولے۔

"برخوردار! میں تم سے رعایت کر رہا ہوں جو تم سے پوچھ رہا ہوں۔ ورنہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ اپنے فیصلے کے لیے میں تم سے پوچھوں مگر ایک بات جو مجھے دیکھنی تھی وہ یہ تھی کہ تم کتنے حقیقت پسند ہو۔ تم نے مجھے مایوس کیا۔ تم تو ہر چیز پر سطحی نظر رکھتے ہو۔ بات کی تہہ میں جانا تو تمہارا مزاج ہی نہیں۔ اور ایسے مرد ہمارے قبیلے کی سربراہی کے لائق نہیں ہیں۔ تم تو بہت جذباتی ہو اور سردار جذباتی نہیں ہوتے۔ دل میں درد رکھتے ہیں مگر کام عقل اور حوصلے سے لیتے ہیں اب یہ سرداری رخصت ہو جائے گی ہمارے خاندان سے اور اس کا سہرا تمہارے سر ہے۔ مبارک ہو اور یہ مبارک باد اس بات کے لیے بھی ہے کہ جو بدلہ تم صابر خان سے لینا چاہتے تھے، لاکھوں غریبوں سے لے لیا۔ اب خوش ہو جاؤ اور ایک لڑکی کی خاطر لاکھوں قبیلے والوں کی بددعائیں سمیٹو۔"

"سرداری تو لالہ احتشام کا حق ہے۔ میں تو بہت چھوٹا ہوں۔ اور اگر یہ میرا حق ہے بھی تو کیا میں بغیر شادی کے یہ خدمت انجام نہیں دے سکتا۔" سرور خان نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"تمہاری زندگی کی طرح کے اصول نہیں ہیں ہمارے قبیلے کے۔ قبیلے میں سب ایک دوسرے کے لیے جیتے ہیں۔ نہ مرد صرف ایک عورت کے لیے جیتا مرتا ہے۔ اور نہ عورت کسی ایک مرد کے پیچھے باقی تمام لوگوں کا حق مارتی ہے۔ احتشام خان کی سرداری ناممکن ہے۔ اس نے خاندان سے باہر بزنس حلقے میں شادی کی ہے۔ سرداری کے لیے خاندان میں شادی ضروری ہے۔ اب تم پر نظر تھی۔ اسی لیے تمہاری خاص تربیت کی گئی مگر تم ایک لڑکی کے لیے ہزاروں لوگوں کو خوار کرنے پر تلے ہو۔ بغیر شادی کے تمہیں اس کرسی پر نہیں بٹھایا جا سکتا۔ کیونکہ تم اگر خاندان میں شادی کرتے ہو تو بیک وقت تم قبیلے کے بیٹے اور داماد ہوتے ہو۔ ہم دونوں بھائیوں کی شادی خاندان میں ہوئی۔ میں سردار ہوں اور اب تک زندہ ہوں، اس لیے صابر سردار نہیں بن سکا اور اب تو ہماری اولادیں جوان ہو گئی ہیں۔ مگر افسوس!" انہوں نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"مگر تایا جان! یہ صرف میری زندگی اور آپ کے قبیلے کی سرداری کا ہی سوال نہیں ہے۔ بلکہ اس لڑکی کا بھی سوال ہے۔ جو میری زندگی میں آئے گی۔ میں اسے خوش نہیں رکھ سکوں گا۔ اس کے اور میرے درمیان ہمیشہ ثمرین حائل رہے گی اور اگر وہ واپس آگئی تو میں اس کو اپنے ساتھ رکھوں گا۔ وہ میری بیوی ہے تایا جان! میں نے اس سے نکاح کیا ہے۔"

"رفیق خان! مجھے لگتا ہے اب تم پر اپنا فیصلہ مسلط کرنا پڑے گا۔ میں تمہاری ایک بچگانہ خواہش کے لیے اپنے باپ دادا کا مان اور فخر داؤ پر نہیں لگا سکتا۔ تم آج بھی وہ بچے بن رہے ہو جو اپنے فیصلے نہیں کر سکتے اور ان کے فیصلے ماں باپ کو کرنے پڑتے ہیں۔ جو لڑکی میں تمہارے لیے منتخب کر چکا ہوں وہ تمہارے لیے بہترین جوڑ ہے اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تم اسے خوش نہ رکھو۔ مجھے اللہ اور اپنے انتخاب پر پورا بھروسا ہے۔ رہی ثمرین تو مجھے یقین ہے، وہ نہیں آئے گی۔ اور اگر وہ تم سے وہی جذباتی لگاؤ رکھتی ہے، جو تم اس کے لیے رکھتے ہو تو پھر وہ تمہاری ہنستی بستی زندگی نہیں اجاڑنا چاہے گی اور جو لڑکی میں نے تمہارے لیے پسند کی ہے، وہ خود بھی تمام معاملات کو حل کرنے میں بہت خاص ہے۔" سرور خان نے سخت لہجے میں کہا۔

"جب آپ فیصلہ کر چکے ہیں تو مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں میں تو سمجھا تھا کہ آپ مکمل علاج اور بری عادتیں و صحبتیں ترک کرنے کے لیے قول لے رہے ہیں مگر میرے باپ کی طرح آپ نے بھی مجھے ثمرین سے الگ کرنے کے لیے یہ سب پلان کیا ہے۔ آپ کی جو مرضی میں آئے کریں۔ میری طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوگی مگر نکاح کے بعد میں جیسے چاہوں گا، اپنی شریک حیات کو رکھوں گا۔ قول کی قیمت جانتا ہوں مگر یہ بات واضح کر دوں کہ یہ قول نکاح تک ہے اس کے بعد میں اس سے آزاد ہو جاؤں گا۔"

سرور خان نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

☼ ☼ ☼

گاڑی تیزی سے بنگلے میں داخل ہوئی اور ڈرائیو وے میں رک گئی۔ رفیق خان چپل پہنے بغیر دوڑتے ہوئے لاؤنج کے دروازے پر آکھڑا ہوا۔ خوشی جیسے سما نہیں رہی تھی اس کے سینے میں۔ وہ لاؤنج سے باہر آیا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر تینوں بچوں کو بے اختیار سینے سے لگا لیا۔

رفیق خان کی خوشی کا اندازہ اس کے لال ہوتے چہرے سے لگایا جا سکتا تھا۔ رفیق خان نے تینوں کو بازو سے پکڑ پکڑ کر اپنے سامنے والے صوفے پر بٹھایا اور انہیں بے یقینی کے عالم میں مسکراتے ہوئے دیکھنے لگا۔ بچے اس کی کیفیت دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

"اجازت کیسے ملی یہاں آنے کی؟"

"آپ سے ملنے کا دل چاہ رہا تھا اس لیے آ گئے۔ ٹھیک کیا نا ہم نے بابا جان۔" عبدالرحمن کی بات پر رفیق خان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"آج اگر اللہ سے اور کچھ بھی مانگتا تو مل جاتا۔ بہت اچھا کیا تم نے جو آ گئے۔ جب دل چاہے آجایا کرو۔ یہ تمہارا ہی گھر ہے۔" رفیق نے دھیمے لہجے میں اپنی بات پوری کی۔

"مگر ہمیں معلوم ہی نہیں ہے کہ آپ کا شیڈول کیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوتا ہے۔ آپ کا نمبر بھی ہمارے پاس نہیں ہے۔ میرے خیال میں ماما کے پاس بھی نہیں ہوگا۔"

رفیق نے مسکراتے ہوئے بیٹی کی طرف دیکھا۔ جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مگر آنکھوں میں امید' اداسی اور ارمان سب کے ملے جلے تاثرات تھے۔ یہ اس کی آنکھیں تھیں جو بشامہ کو ملی تھیں۔ بولتی ہوئی بڑی بڑی گہری سبز آنکھیں۔

"بابا جان اگر آپ اللہ سے کچھ اور مانگتے تو کیا مانگتے۔"

رفیق خان کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی۔ عبدالرحمن اور عبداللہ باپ کا غور سے جائزہ لے رہے تھے۔

رفیق خان نے لمبا سانس کھینچا' پھر ملازم کو آواز دی اور اپنا موبائل لانے کو کہا۔ کارڈ پر تمام نمبر لکھ کر عبدالرحمن کی طرف بڑھائے اور اپنے موبائل پر ان تینوں کے نمبر لے لیے۔ ان تینوں نے جان بوجھ کر زاہدہ کا نمبر نہیں دیا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد رفیق خان نے موبائل نیچے رکھ دیا۔ تینوں بچے بظاہر باتوں اور کھانے میں مصروف تھے مگر باپ پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ سات بجے تینوں نے باپ سے اجازت لی۔ رفیق خان نے تینوں کو گلے لگایا اور گاڑی تک رخصت کیا۔ ڈائننگ ہال میں آکر اپنا موبائل اٹھایا تو اسکرین پر زاہدہ کا نام اور نمبر چمکتا دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی پھر ان کی نظر رائٹنگ پیڈ پر گئی' جہاں لکھا ہوا تھا۔

"جس طرح نمبر کا انتظار تھا اور مل گیا۔ میری ماں کی بھی تمنا کیجیے ضرور ملیں گی۔"

☼ ☼ ☼

"کیا تم جاننا چاہتے ہو' وہ لڑکی کون ہے؟" ہوٹل میں لنچ کرتے ہوئے سرور خان نے بغیر کسی تمہید کے سوال کیا۔

"جی۔" رفیق خان نے ہمیشہ کی طرح مختصر جواب دیا۔

سردار خان نے بڑے اطمینان سے اس کی طرف دیکھا اور نیپکن سے اپنے ہونٹ پونچھتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"میری بیٹی زاہدہ خان۔"

رفیق کے ہاتھ سے چمچ چھوٹ گیا۔ وہ حیرانی سے سرور خان کو دیکھنے لگا۔

"میں اگلے مہینے کی ابتدائی اسلامی تاریخوں میں سے تمہارے نکاح کی تاریخ طے کردوں گا۔"

"یہ ظلم ہے اس معصوم پر جبر ہے تایا جان! خدا سے ڈریے۔ وہ مجھ سے بہت چھوٹی ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوگا تایا جان! کبھی نہیں۔" وہ کچھ دیر رکا اور پھر بولا۔

"مجھے آپ کا فیصلہ نامنظور ہے۔ میں اپنے قول کو توڑتا ہوں۔ بھلے آپ مجھے بدعہد کہیں۔ مگر میں یہ نہیں کرسکتا۔ کبھی نہیں۔" اس کی آنکھوں میں غصہ تھا' وحشت تھی۔

"میں بھاگ جاؤں گا تایا جان! میں اپنے آپ کو ختم کرلوں گا مگر یہ ظلم نہیں ہونے دوں گا۔"

سرور خان نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اسے چند لمحے دیکھا اور پھر پرسکون انداز میں کہا۔

"کیا کمی ہے اس میں؟"

"کوئی کمی نہیں ہے۔ وہ مجھ سے بہتر مرد کی حقدار ہے۔ آپ ظلم کررہے ہیں اس پر۔" وہ بھپر کر بولا۔

"تم اپنی بات کرو خان! زاہدہ کی بات رہنے دو۔ کیا تمہیں زاہدہ ناپسند ہے۔" سرور خان نے سکون سے اپنا سوال دہرایا۔

"میں اسے اس نظر سے نہیں دیکھتا۔"

"مجھے میرے سوال کا میرے الفاظ میں جواب دو ہاں یا نہیں؟ ورنہ میں اسے تمہاری رضامندی شمار کرلوں گا۔ کیا تمہیں زاہدہ ناپسند ہے ہاں یا۔"

"نہیں' نہیں' نہیں... مجھے زاہدہ پسند نہیں ہے۔ نہیں ہے' نہیں ہے۔ اگر آپ سو بار بھی پوچھیں گے میں نہ میں ہی جواب دوں گا۔"

"ایک سردار اپنا فیصلہ کبھی نہیں بدلتا رفیق! تمہیں معلوم ہے اور میں فیصلہ کرچکا ہوں۔ وہ تمہارا گھر

بسائے گی ورنہ ہمیشہ بیٹھی رہے گی۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کرو۔ بھاگنا ہے بھاگ جاؤ۔ مرنا ہے مرجاؤ مگر زاہدہ نہ بھاگے گی اور نہ خود اپنی زندگی ختم کرے گی۔ میں اس کا کفیل ہوں۔ اس نے فیصلہ کا حق مجھے دیا ہے اور میں وہی کررہا ہوں' جو اس کے حق میں بہتر ہے۔ تمہاری سطحی اور بے شعور نظر اس دوراندیشی کو چھو بھی نہیں سکتیں جس کے تحت میں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ اگر یہ ظلم ہے تو یہ تم اس معصوم پر کرو گے میں نہیں۔ تمہیں اپنے قبیلے کے رسم و رواج کا خوب علم ہے۔ جو لڑکی کسی سے ایک بار منسوب ہوجائے' وہ تاحیات اسی کے نام پر بیٹھی رہتی ہے۔" سرور خان نے سنجیدگی سے بات پوری کی۔

"آپ مجھے اس طرح نہیں دھمکا سکتے۔ آپ کی اولاد ہے۔ جو چاہے سلوک کریں۔ میرا اس سے کوئی تعلق' واسطہ نہیں ہے۔" یہ کہہ کر وہ جھٹکے سے اٹھا اور ہوٹل سے نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

زاہدہ نے قہوے میں لیموں نچوڑ کر سرور خان کی طرف بڑھایا اور اپنا کپ اٹھالیا۔

"جان بابا! ایک بات بتانا سچی سچی' بغیر میری فکر کیے... جیسے اللہ کے حضور جواب دے رہی ہو۔" سرور خان نے چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"جی بابا جان! پوچھیے۔" اس نے سر اونچا کرکے باپ کی طرف دیکھا اور کہا۔

"کیا کبھی تمہیں ایسا لگا کہ میں نے تمہارے لیے کچھ غلط یا کچھ الگ سوچا ہو؟ یا تمہارا خیال یا تم سے پیار نہ کیا ہو؟ کبھی کسی بھی بات کی کمی ہوئی ہو جو مجھے نظر نہ آئی ہو مگر تمہیں محسوس ہوئی ہو۔ کیا ایسا کبھی ہوا؟"

"نہیں بابا جان! کبھی نہیں۔ آپ نے تو ماں کی بھی ساری کمی پوری کی ہے اور میری بات کا اللہ گواہ ہے۔"

"جان بابا تمہاری محبت ہے' مگر آج جو بات میں تم سے کرنا چاہتا ہوں' وہ صرف میں اپنے لیے کررہا ہوں۔ اس میں صرف میری غرض ہے۔

زاہدہ! میں چاہتا ہوں تم میری ایک خواہش پوری کرو مگر اس کے لیے تمہیں اپنی خواہش چھوڑنی پڑے گی۔ کیا تم میرے لیے قربانی دے سکتی ہو۔" زاہدہ نے چند لمحے باپ کی آنکھوں میں دیکھا اور ہونٹ کاٹتے ہوئے تابع داری سے سر جھکاتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

"میں کوشش کروں گی بابا جان کہ آپ کو مایوس نہ کروں۔" یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں چھلک گئیں۔ سرور خان نے اس کے آنسو پونچھے اور اسے سینے سے لگالیا۔

"جان بابا! میں اس وقت خود کو کتنا بوجھل محسوس کررہا ہوں اللہ جانتا ہے مگر میں کیا کروں۔ میرے بس میں ہوتا تو میں کبھی بھی تمہارے دل کی خواہش کو اس طرح نہ دباتا مگر میں مجبور ہوگیا ہوں۔ مجھے معاف کر دینا میری بچی۔"

وہ باپ کے سینے میں منہ چھپائے چپکے سے آنسو بہا رہی تھی۔

"جان بابا! تیرے لیے دو امیدوار ہیں۔ دونوں ہی اچھے اور بہترین ہیں۔ ایک بلاول خان تمہاری پھوپھی کا بیٹا۔ تمہارے لیے اپنی تمام جائیداد لکھنے کو تیار۔ تم سے محبت اور پسند کا دعوے دار۔ بلاول خان کے لیے تمہارے تینوں بھائی اور چاچا راضی ہیں۔

دوسرا میرا بھتیجا رفیق خان اس کے متعلق کچھ باتیں ہیں' جو اس کے حق میں نہیں جاتیں' جس کی وجہ سے تمہارے بھائی اور چاچا اس کے رشتے کے خلاف ہیں۔ مگر میں تمہاری شادی رفیق خان سے کرنے کا فیصلہ کرچکا ہوں۔ اب تم اسے میری التجا سمجھو یا حکم' میری خواہش سمجھو یا خود پر جبر' تمہیں میرا ساتھ دینا ہے میرے لیے..."

وہ چند لمحے رکے۔ زاہدہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی جیسے بیٹھی تھی اس نے باپ سے کوئی سوال نہ کیا۔ کچھ توقف کے بعد سرور خان نے اس کے ماضی کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"تمہارے لالہ تنویر کے ساتھ باہر سے پڑھنے کے بعد جب وہ واپس آیا۔

اس کی ملاقات اپنے دوست کی کزن سے ہوئی اور باوجود باپ سے اختلاف کے اس نے اس سے کورٹ میرج کرلی۔ تمہارے چاچا کو اس کے غیر قوم ہونے پر اختلاف تھا جو کسی طرح میں نے سمجھا بجھا کر ختم کیا مگر پھر ثمرین کی ماں گائیکہ نکل آئی۔ اس اختلاف کا میرے پاس جواب نہ بن سکا۔ میں اسے راضی اور مطمئن کرنے میں ناکام رہا۔ تمہارے چاچا نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور چھ مہینے کی سخت تلاش کے بعد انہیں جا پکڑا۔ ثمرین کو اس کی ماں کے حوالے کیا۔ وہ اسے لے کر باہر چلی گئی اور رفیق کو تمہارے چاچا نے قید کرلیا۔ ثمرین کے غم میں رفیق غصے سے پاگل تھا' وہ اپنے باپ سے انتقام لینے پر تل گیا۔ اس نے صابر کو نیچا دکھانے کے لیے ہر وہ حرکت کی جس سے سوسائٹی میں اس کی عزت اور بزنس میں ساکھ اور قبیلے میں نام خراب ہوا۔ تنگ آکر صابر نے اسے اپنے ہاتھ سے شوٹ کرنے کا فیصلہ کرلیا تو میں نے رفیق کی ذمہ داری لی اور دن رات محنت کرکے اسے دوبارہ قابل کیا۔ آج وہ کامیاب ہے مگر اپنے ماضی کی وجہ سے سب کی نظروں میں وہ اپنی اہمیت کھو چکا ہے۔ جب سے رفیق خان کی زندگی بگڑی ایک دن بھی میں نے صابر کو خوش نہیں دیکھا پھر اب تو میں اپنے بچوں کی اور اپنی کوئی خوشی بھی اس سے شیئر کرتے شرماتا ہوں کہ وہ دل میں کہیں احساس نہ کرے۔

مجھے یاد ہے جب وہ صرف چھ سال کا' تہمینہ سات کی اور میں گیارہ سال کا تھا... میری ماں کس تکلیف میں تھی۔ میرے باپ کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر بار بار کہتی تھی۔ میرے بچوں کا خیال رکھنا۔ مجھے پاس بلا کے کہتی ۔صابر کا خیال رکھنا' چھوٹا بھائی ہے۔ میں روتا جاتا اور ماں کو تسلی دیتا۔ میں جب بھی صابر کو دیکھتا ہوں' ماں کی آواز سنائی دیتی ہے کہ صابر چھوٹا ہے' خیال رکھنا..."

سرور خان کی آواز رندھ گئی تھی۔ وہ کچھ دیر خاموش رہے پھر اپنے آنسو چھپانے کے لیے ممتاز بیگم کی تصویر کے سامنے کھڑے ہوگئے۔

"اپنی ماں سے کیا وعدہ آج تم سے قربانی مانگ رہا ہے میری بیٹی! تمہاری قربانی مانگ رہا ہے۔ تاکہ میں روز جزا اپنی ماں کے سامنے اور اپنے اللہ کے سامنے سرخرو ہوسکوں۔

زاہدہ جان! میں گاؤں کی کوئی بھی لڑکی لا سکتا تھا مگر مجھے اپنے بھائی کے اسٹیٹس کے لحاظ سے تم سے بہتر کوئی نظر نہیں آرہا۔ تمہیں رفیق خان کو اس کے باپ کے سامنے جھکانا ہے۔ واپس اسے فیملی میں لانا ہے اور قابل فخر قبیلے کا سردار بنانا ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم یہ کرلوگی۔ بہت مشکل ہے میں جانتا ہوں مگر تم بھی کم ہمت یا کمزور لڑکی نہیں ہو۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔ تم دو دن تک سوچ لو پھر ہم بات کریں گے۔"

وہ خاموش ہوگئے۔ چند لمحے خاموش رہ کر زاہدہ نے سر اٹھایا اور بڑے مستحکم انداز میں باپ سے کہا۔

"بابا جان! مجھے آپ پر پورا بھروسا ہے۔ مجھے کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے منظور ہے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ بس میری ثابت قدمی کی دعا کیجیے گا۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے مجھے اپنے وعدے کی تکمیل کے لیے چنا۔ میں بہت خوش قسمت ہوں۔ مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے۔"

انہوں نے اسے قریب کرکے گلے لگالیا۔ سرور خان نے رندھی آواز میں کہا۔

"جان بابا! مجھے معاف کرنا۔ میں جانتا ہوں بہت مشکل سفر پر بھیج رہا ہوں تمہیں' مگر میں تمہیں اپنے رب کے سپرد کرتا ہوں اللہ جانتا ہے' مجھے کوئی لالچ نہیں ہے۔ میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے۔ بس میں اپنے بھائی کی زندگی میں وہ سب خوشیاں دیکھنا چاہتا ہوں' جو پہلے اس کی زندگی کا حصہ تھیں۔"

انہوں نے زاہدہ کو اپنے سینے سے الگ کرکے کہا۔ "میں اور صابر تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ بس تم ہمت رکھنا۔" ان کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

"زاہدہ! ایک اور بات جو میں تم سے کرنا چاہتا ہوں۔" وہ کچھ دیر رک کر بولے۔

"صابر خان اس رشتہ پر راضی نہیں ہے۔ وہ رفیق کو تمہارے لائق نہیں سمجھتا۔ اگر رفیق نے تمہیں کوئی تکلیف دی تو وہ اسے شوٹ کردے گا۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے اس شادی پر خاموش کرایا ہے۔ اور اب میں رفیق کو بھی راضی کررہا ہوں۔"

"تو کیا وہ بھی راضی نہیں ہیں؟" زاہدہ نے باپ کی بات کاٹتے ہوئے بے چینی سے پوچھا۔ باپ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوما' پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"مان جائے گا۔ بھوت سوار ہے اس پر کہ تم چھوٹی ہو اس سے بہت۔ وہ صرف نکاح سے دل چرا رہا ہے۔ تمہاری جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی' وہ یہی کہتا۔ وہ آج بھی ثمرین کی واپسی کے مغالطے میں ہے۔ اس لیے شادی نہیں کرنا چاہتا مگر جب شادی ہوجائے گی تو سب سیٹ ہوجائے گا۔"

سرور خان نے اس کے ہاتھوں میں واضح کپکپاہٹ محسوس کی۔ زاہدہ کو زندگی میں پہلی مرتبہ باپ کی بات پر یقین نہ آیا مگر وہ کچھ نہیں بولی اور خاموش رہی۔ سرور خان نے اسے مزید سمجھتے ہوئے کہا۔

"وہ تم سے پوچھے گا' مجھے پتا ہے مگر تم اس سے ڈرنا نہیں۔ میں جانتا ہوں اسے۔ وہ باہر سے بہت سخت بنتا ہے مگر اندر سے بہت اچھا انسان ہے۔ بہت محبت کرنے والا۔ جو کہے' مانتی جانا۔ ان شاءاللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

وہ سر ہلا کر اپنے کمرے میں آگئی اور تکیے میں منہ چھپا کر خوب روئی۔

☼ ☼ ☼

وعدے کے مطابق امبر نے انہیں رفیق خان کے بنگلے کے باہر اتارا اور خود شاپنگ کے لیے چلی گئی۔ آج کی ملاقات بھی اچانک تھی۔ گارڈز نے پہچان کر انہیں اندر جانے دیا۔ تینوں باپ کے بیڈ روم میں پہنچ گئے۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ رفیق خان سو رہا تھا۔ وہ دبے قدموں اندر داخل ہوئے اور بیڈ پر دائیں بائیں کھڑے ہوکر زور سے چیخے۔

"سرپرائز۔"

رفیق خان ایک دم جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ تینوں بچے باپ سے لپٹ گئے۔ رفیق خان انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ کچھ دیر ان سے باتیں کرتا رہا۔

پھر فریش ہونے باتھ روم چلا گیا۔ پندرہ منٹ بعد شاور لے کر آیا تو کمرا اس کا لگ ہی نہیں رہا تھا۔ ہر چیز بکھری ہوئی تھی اور تینوں بچے گتھم گتھا تھے۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ آج اسے باپ ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ باپ کو دیکھ کر وہ سب ایک دوسرے کی شکایت کرنے لگے۔ اس نے ہوشیاری سے بشامہ کی چوٹی چھڑائی اور عبدالرحمٰن کے دونوں ہاتھ اس کی کمر پر لا کر جکڑ لیے اور مسکراتے ہوئے بشامہ سے کہا۔

"لو اب لے لو اس سے بدلہ۔" وہ دھمکاتے ہوئے بولا۔

"بابا جان! یہ دشمنی مہنگی پڑے گی۔"

"دیکھی جائے گی۔" رفیق نے مزا لیتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کی بیوی کو تنگ کروں گا۔ سوچ لیں۔" عبدالرحمٰن نے ڈرانے والے انداز میں کہا۔ رفیق خان نے قہقہہ لگایا اور اس کا کان مروڑتے ہوئے بولا۔

"اپنے باپ کو دھمکاتا ہے ٹھہر!"

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی اور ملازم دروازہ کھول کر اندر آیا۔

"خان! بچوں کے لیے کیا بناؤں۔"

"جوس بنالاؤ سب سے پہلے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم دشمنوں کے گھر کا کچھ نہیں کھاتے البتہ دشمن کسی ہوٹل میں اچھا سا کھانا کھلادیں تو کھالیتے ہیں۔" عبدالرحمٰن نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"میری ماں' بیوی اور بیٹی... تینوں میں سے کسی کو ہاتھ لگایا نا تو دیکھ لوں گا۔ سمجھے۔" رفیق خان نے ہنستے ہوئے وارننگ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آج میں بہت خوش ہوں۔ میری فیملی میرے ساتھ ہے۔" رفیق خان نے کہا۔ ریسٹورنٹ کے خوب صورت ماحول میں۔ وہ اپنے بچوں کے ہمراہ بہت لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"بابا جان! آپ کو کوئی کمی نہیں محسوس ہو رہی؟" بشامہ نے باپ کی طرف دیکھا۔ اسے باپ کی آنکھوں میں وہی اداسی نظر آئی، جو اسے ماں کی آنکھوں میں اکثر نظر آتی تھی۔

"میری گڑیا! یہ کمی میری سزا ہے۔" بشامہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ دونوں بھائی ان کی باتوں سے بے خبر کھانے میں مصروف تھے۔ بشامہ نے کہا۔

"بابا جان! اپنے کیے کی سزا آپ انہیں اب بھی دے رہے ہیں۔ وہ آج بھی انتظار میں ہیں آپ کے لوٹنے کے۔ آپ ٹرائی تو کریں۔ ہم تینوں آپ کے ساتھ ہیں۔" وہ باپ سے التجا کرنے لگی۔

"میں جانتا ہوں۔ وہ مجھے کتنا چاہتی ہے۔ مگر میں کل بھی اس کے لائق نہیں تھا اور آج بھی نہیں ہوں۔ میں نے تمہارا دیا ہوا نمبر کتنی بار ملایا مگر اس سے بات کرنے کی ہمت نہیں کرپایا۔ کس منہ سے بات کروں گا۔"

انہوں نے آہستہ سے کہا۔ "مگر میں بات کروں گا ضرور وعدہ۔" انہوں نے بشامہ کو اداس ہوتے دیکھ کر اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ بشامہ مسکرا دی۔

✲ ✲ ✲

"کیا تم مجھے پسند کرتی ہو؟"

سرور خان کی توقع کے عین مطابق آج وہ ان کے گھر میں زاہدہ کے روبرو بیٹھا تھا۔

"جی ہاں۔" اس کے جواب پر رفیق نے اپنے اکھڑے لہجے کو مزید بگاڑ کر اونچی آواز میں کہا۔ "کیوں؟"

"اس کا جواب تو کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ ثمرین کو کیوں پسند کرتے ہیں؟"

"مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں ہے کہ تم مجھے پسند کرتی ہو۔"

"وقت ثابت کرے گا کہ میں نہ جھوٹی ہوں اور نہ غلط۔"

"زاہدہ! میں تمہارے لیے مناسب نہیں ہوں۔ میں میرڈ ہوں۔ میری بیوی ہے۔ اور جب بھی وہ مجھے ملے گی میں چلا جاؤں گا تمہیں چھوڑ کر پھر کیا فائدہ ہو گا تمہیں۔"

"اسلام میں چار شادیاں جائز ہیں۔ باقی دو کی میں آپ کو پیشگی اجازت دیتی ہوں۔ باقی رہی ثمرین۔۔۔ اگر وہ بیوی ہے تو آپ پر اس کا حق ہے۔ وہ آگئی تو میں وعدہ کرتی ہوں۔ آپ کو نہیں روکوں گی۔ باقی سب اللہ پر چھوڑ دیا ہے میں نے۔" زاہدہ نے تحمل سے جواب دیا۔

"زاہدہ! مجھے معلوم ہے تم پریشر میں آکر نکاح کے لیے تیار ہوئی ہو۔ تم مجھے پسند نہیں کرتیں۔ میں تمہیں خوش نہیں رکھ سکوں گا۔"

"میرا مختصر صرف میری فیملی کی مرضی میں ہے خان! ہاں میں اپنے باپ کی خواہش پوری کرنا چاہتی ہوں لیکن میں آپ کو ناپسند نہیں کرتی ہوں۔ باقی رہا مجھے خوش رکھنے کا سوال تو یہ میرا نصیب ہے۔ نہ آپ کے بس میں ہے اور نہ میرے۔"

"اگر میں نے نکاح کرلیا تو تم عذاب میں آجاؤ گی۔ تم نہیں جانتیں میں کیا کر جاؤں گا۔"

"سب سے زیادہ خاموش اور سفاک قاتل جو نس نس کاٹ کر ختم کرتا ہے وہ ہے محبت۔۔۔ جو آپ نے بھی کی اور مجھے بھی ہو گئی۔ آپ بھی مجبور ہیں اور میں بھی مگر۔۔۔ ذرا غور کریں تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ نکاح میں بندھ کر دراصل آپ آزاد ہو جائیں گے۔ اپنی مرضی کر سکیں گے۔ آپ مجھے اپنی راہ میں رکاوٹ نہیں پائیں گے۔"

وہ اپنے خاندان کی روایت کو جانتا تھا کہ ایک مرتبہ کسی لڑکی کا نام کسی مرد کے ساتھ لے لیا جائے تو وہ نام اس کی زندگی کا آخری نام ہوتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر سردار نے کوئی فیصلہ کر دیا تو وہ حرف آخر تھا۔ اگر اس نے زاہدہ کو نکاح کا تحفظ نہ دیا تو وہ کبھی بیاہی نہیں جائے

گی۔

"تایا جان مجھے سرداری کا لالچ دے رہے ہیں جبکہ میں ایسی کوئی تمنا نہیں رکھتا اور نہ ہی میں اس قابل ہوں۔ جو انسان اپنی ٹوٹی بکھری زندگی کو نہ سنوار سکے وہ دوسروں کے لیے کیسے بہتر ثابت ہو گا۔ زاہدہ۔ تم بہت پچھتاؤ گی مجھ سے شادی کر کے۔۔۔ میں تمہاری فیملی کے مردوں سے بہت مختلف ہوں اور۔۔۔ اور جب مجھے ثمرین مل جائے گی تو میں اس کے پاس چلا جاؤں گا۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے زاہدہ۔۔۔ میں تمہیں اس طرح قربان ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ پلیز۔۔۔ پلیز تم انکار کر دو زاہدہ پلیز!"

وہ سخت عاجز ہو رہا تھا۔ اس کے مقابل زاہدہ بہت مضبوطی سے بیٹھی ہوئی تھی۔

"اس تمام معاملے میں میری صرف ایک شرط ہو گی۔" زاہدہ نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"میں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔" رفیق نے درشتی سے کہا۔

"جانتی ہوں۔۔۔ اس کے باوجود۔"

"بولو۔" اس نے چبا چبا کر کہا۔

"نکاح کے بعد۔۔۔ حالات خواہ جیسے بھی ہوں۔۔۔ بابا جان آپ پر دباؤ ڈالیں یا چاچا جان۔۔۔ آپ مجھے ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔"

اسے ہر حال میں اپنے باپ کا شملہ اونچا رکھنا تھا۔ رفیق خان اسے غصے سے گھورنے لگا۔

✲ ✲ ✲

صابر خان لاؤنج میں کھڑے بری طرح دھاڑ رہے تھے۔ وہ سر جھکائے سب کچھ سن رہی تھی۔

"زاہدہ! تم جانتی ہو اگر دنیا میں اس کا کوئی دشمن ہے تو وہ میں ہوں اور تم نے میرے بچے اس کے حوالے کر دیے بغیر سوچے سمجھے۔ میں نے یہ پورا گھر اور سب کچھ تمہارے ہاتھ میں اس لیے دے رکھا ہے کہ تم یوں غیر ذمہ داری سے کام لو۔"

پھر ایک دم رک گئے اور زاہدہ کو دونوں کندھوں سے پکڑ لیا۔

"کہیں تمہارا دل تو اس کے لیے نہیں بدل گیا؟ کیا تم اس کے حق میں ہو گئی ہو؟"

یہ دو جملے زاہدہ کے لیے تازیانہ ثابت ہوئے۔ اس نے چچا کی طرف پہلی بار نظر اٹھا کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بہت درد تھا۔ وہ زبان سے کچھ نہیں بول سکی۔ بس اپنے آپ کو صابر خان کی گرفت سے چھڑا کر تھکے تھکے قدموں سے اپنے کمرے میں جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ چچی جان نے لاؤنج میں قدم رکھتے ہی ماحول کا تناؤ محسوس کرلیا تھا۔

"تم کہاں تھیں؟ تمہارے پیچھے کیا ہو گیا ہے۔ پتا ہے تمہیں؟"

زرمینہ نے الجھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہوا ہے؟"

"آج تمہارا وہ سانپ میرے بچوں کو گھر سے باہر لے گیا تھا اور وہ بھی زاہدہ کی اجازت سے۔ کل ہی۔۔۔ کل ہی میں وکیل سے بات کر کے یہ ملاقات کا سلسلہ ہی ختم کروا دیتا ہوں تاکہ ٹینشن ہی نہ رہے اور میرے بچے محفوظ ہو جائیں۔" ان کی بات پر زرمینہ یکایک بھڑک اٹھیں۔

"وہ سانپ نہیں تمہارا خون ہے صابر خان! جو تم ہو وہ بھی وہی ہے۔ اگر تم ناگ نہ ہوتے تو وہ بھی سانپ نہ ہوتا۔ اور خبردار اگر میری بہو کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات سوچی بھی تو۔ تم لوگوں کی عزت کی خاطر زندگی تباہ کرلی میری بہو نے۔ تمہارے بگڑے بے کار بیٹے کو سدھارنے کے لیے قربانی دی۔ تمہاری عزت کی خاطر، تمہارے ان بچوں کی خاطر وہ آج تک تمہارے گھر میں بیٹھی ہے اور تم اس پر شک کرتے ہو۔"

ان کی آواز اور بلند ہو گئی۔

زرمینہ غصے سے ہانپ رہی تھیں اور صابر خان دم بخود بیٹھے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"چچا جان! مجھے معاف کر دیں۔ آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔" وہ سر جھکائے ان کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ صابر خان نے آگے بڑھ کر بغیر کچھ کہے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور باہر کی طرف چل دیے۔ چچی جان ماتھے پر بل

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ڈالے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔

"اے لڑکی!" کس بات کی معافی مانگی ہے تونے۔ کیا گناہ ہوا ہے میرے بیٹے سے کہ یہ پھر اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں؟"

"خان نے کچھ نہیں کیا چچی جان! بچوں نے ان سے ضد کی اور وہ مجھ سے اجازت لے کر ان کے ساتھ گھنٹہ بھر کے لیے گھومنے گئے تھے۔" زاہدہ نے آہستہ سے کہا۔

"تو اپنی یہ زبان سسر کے سامنے کیوں نہیں کھولی کہ بچوں نے ضد کی تھی۔ اگر میں تیرے بچوں کو برا بولوں تو تجھ پر کیا گزرے گی؟ جب دیکھو میرے سامنے میری اولاد کو برا کہتے ہیں۔"

چند لمحے رک کر کھڑی ہوئیں اور اس کے پاس آکر بولیں۔

"وہ اتنا برا ہے نہ اس نے اتنا برا کیا ہے تیرے ساتھ جتنا تو اسے خاموش رہ کر بنا رہی ہے۔ کیا نہیں ہے تیرے پاس۔ تحفظ ہے بچے ہیں دنیا کی ہر نعمت ہے۔ پورے خاندان کی سپورٹ ہے اور میرا بچہ اکیلا پڑا ہے۔ بیوی کا سکھ تو اس کے نصیب میں نہیں ہے۔ اور تو اب بچوں سے ملنے کا سکون بھی چھین لے گی۔ تیرا سسر کہہ گیا ہے مجھے کہ وکیل سے بات کر کے وہ اس ملاقات کو بھی ختم کروا دے گا۔ یاد رکھ! اگر ایسا ہوا تو جو میرے بیٹے سے سکون چھینے گا۔ اللہ اس سے بھی سکون چھین لے گا۔"

چچی جان کی بات سن کر وہ سکتے کے عالم میں انہیں دیکھتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ کبھی بیٹھ جاتی، کبھی بیڈ پر لیٹ جاتی اور کبھی کمرے میں ٹہلنے لگتی۔ کمرے سے باہر جانے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ وہ خود سے بھی شرمندہ تھی۔ کیوں اس نے خان کے سامنے اپنی پسند کا اعتراف کیا؟ اب کس منہ سے وہ ان کے سامنے کبھی جا سکے گی۔ کس طرح اس شخص سے نظریں ملائے گی، جس سے پسندیدگی کا اظہار اس نے خود اپنی زبان سے اس کے سامنے کیا اور اس شخص نے اس کے بھائیوں کے سامنے ٹھکرا دیا۔

کس طرح وہ تینوں بھائیوں کے سامنے جائے گی؟ جنہوں نے فردا" فردا" اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ خان کا خیال دل سے نکال دے، مگر اس نے یہی کہہ کر سب کو خاموش کر دیا کہ وہ بھی مجھے پسند کرتے ہیں۔ خود نکاح کا تقاضا کریں گے۔

وہ بیڈ پر بیٹھ کر گھٹنوں میں سر دے کر پھر رونے لگی احساس شرمندگی اتنا شدید تھا کہ اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ رات آٹھ بجے اس کے دروازے پر دستک ہوئی۔ سرور خان خود تھے۔ انہوں نے جب زاہدہ کی آنکھیں دیکھیں تو اپنی آنکھیں بند کر لیں اور لمبا سانس لے کر بولے۔

"چلو کھانا کھا لو۔ سب انتظار کر رہے ہیں۔" ڈائننگ ہال میں میز کے گرد اس کے تینوں بھائی بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔

زاہدہ نے قدم بڑھائے اور باپ کے برابر والی کرسی پر آ بیٹھی۔ تینوں بھائی اسی کو دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں احتشام نے زاہدہ کو کھانا پلیٹ میں نکال کر دیا۔ تیمور نے ہاٹ پاٹ آگے بڑھایا۔ تنویر نے اسے گلاس بھر کر پانی بڑھایا۔ وہ تینوں کی طرف دیکھ کر پھر رونے لگی۔ احتشام نے اسے گلے لگا لیا۔

"بس کر اب۔ میں رویا تو تیرے یہ دونوں لاڈلے بھائی ساری عمر میرا مذاق اڑاتے رہیں گے کہ لالہ روتے ہوئے ایسے لگ رہے تھے، ویسے لگ رہے تھے۔" احتشام نے اسے ہنسانے کی غرض سے کہا پھر آنسو پونچھتے ہوئے کہنے لگے۔

"مبارک ہو تجھے۔ اسی بے وقوف آدمی کو تیرے لیے پسند کر لیا ہے ہم سب نے۔"

"اب تو رونا بند کر اور مسکرا دے۔" تیمور نے بھی کہا۔ اتنے میں امبر بولی۔

"بابا جان! اب آپ بھی جلدی سے مبارک باد دے دیجیے تاکہ کھانا کھانے کو ملے۔" اس کی بات پر سب ہنس دیے۔

سرور خان نے زاہدہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور نوالہ بنا کر اس کے منہ میں ڈالا۔ سب خاموشی سے کھانا کھانے لگے تھوڑی دیر بعد بابا جان نے کہنا شروع کیا۔

"دیکھو بچو! سب حالات تمہارے سامنے ہیں۔ میں خاندان کا اور قبیلے کا بھی بڑا ہوں۔ اور بڑا کوئی ایسے ہی نہیں بن جاتا۔ اپنی پوزیشن پر رہنے کے لیے بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ مگر میرا اللہ مجھ پر ہمیشہ مہربان رہا ہے۔ مجھے کبھی امتحان میں نہیں ڈالا۔

آج بھی جو میں نے فیصلہ کیا ہے۔ وہ میری بیٹی یا میرے گھر کے لیے نہیں پورے خاندان اور قبیلے کے لوگوں کے لیے کیا ہے۔ میں نے کبھی تم بچوں کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کیا یا ایسے کہو کہ کبھی تم نے میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کیا۔ یہ بھی میری خوش نصیبی ہے اور مجھ پر اللہ کا کرم ہے۔" وہ چند لمحے ٹھہرے پھر بولے۔ "میرا بھائی اس سکھ سے محروم ہے بچے غلطی کرتے ہیں۔ اس کے بچے سے بھی ہوئی۔ ہمیں اس غلطی کو نظر انداز کرنا ہی پڑے گا۔ چاہے وہ جیسا بھی ہے ہمارے خاندان سے ہے۔ میں نے صرف فیصلہ کر کے اپنا فرض ختم نہیں کر دیا ہے۔ میں تم تینوں سے بھی یہ وعدہ چاہتا ہوں کہ میں رہوں یا نہ رہوں تم تینوں ہمیشہ کی طرح جب بھی اسے مشکل پیش آئے اس کے پاس موجود ہونا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ہاتھ بڑھایا۔ سب سے پہلے تنویر نے باپ کا ہاتھ تھام لیا پھر احتشام اور تیمور نے بھی باپ کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر سرور خان زاہدہ سے مخاطب ہوئے۔

"زاہدہ! میں نے اس مہینے کی گیارہ تاریخ کو تمہارا نکاح خان رفیق خان سے طے کر دیا ہے۔ شادی بہت سادگی سے ہو گی۔ عصر اور مغرب کے درمیان نکاح ہو گا۔ آٹھ بجے کھانے کے بعد رخصتی۔ صابر نے رخصتی کے دو دن بعد ولیمہ رکھا ہے۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔" زاہدہ نے کوئی جواب نہیں دیا تو سرور خان اپنے بیٹوں کی طرح متوجہ ہوئے۔

"کیونکہ بلاول خان کے لیے انکار ہوا ہے۔ اس لیے تمہاری پھوپھی مجھ سے ناراض ہے۔ اسے منانے کے لیے میں کل پشاور جا رہا ہوں اور دن کم ہیں اس لیے انہیں ساتھ لے آؤں گا اور اگر کسی نے کچھ پوچھنا ہے میرے آنے کے بعد ہم بات کر سکتے ہیں۔" بات ختم ہوتے ہی تینوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆ ☆ ☆

"تمہارے نانا مر گئے رفیق خان کو یاد کرتے کرتے مگر وہ نہیں آیا۔ تمہارے دادا اسے اپنے بھائی کی موت کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔" ان کی آواز جیسے بہت دور سے آ رہی تھی۔

"رفیق تمہارے دادا جان کی وجہ سے ہی ہم سب سے، تمہاری ماں سے دور ہے۔ جب وہ گھر چھوڑ کر جا رہا تھا تمہاری ماں کی اجازت سے..... اس وقت تمہارے دادا نے کہا، تمہاری ماں کو طلاق دے دے مگر تمہارا باپ نہیں مانا..... تب تمہارے دادا نے طیش میں آکر کہہ دیا کہ جب تک وہ زندہ ہیں، رفیق خان اس خاندان سے کوئی تعلق نہیں رکھے گا اور زاہدہ بھی اسے اپنا نہیں سکتی۔"

"تو یہ دادا جان کی شرط ہے، جس کی وجہ سے ہماری ماما کبھی بھی بابا جان کا ذکر تک اپنی زبان پر نہیں لاتیں۔ اف! میرے خدا۔" عبدالرحمن نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"ہماری ماں پر اتنا بڑا ظلم کیسے کر سکتے ہیں دادا جان ہماری ماں نے دادا جان کے لیے، اس خاندان کے لیے، قبیلے کے لیے اتنی بڑی قربانی دی..... اپنے آپ کو خوشیوں سے ہی دور کر لیا..... دادی جان! یہ تو ظلم ہے ہماری ماں پر..... سراسر ظلم ہے....." بشامہ رو پڑی۔

"اس وقت ان کے بیٹے نے جو کیا، اس کی وجہ سے وہ بھائی کے سامنے شرمندہ تھے۔ اس لیے انہوں نے یہ شرط رکھی ہو گی، مگر اب حالات بدل گئے ہیں۔ آج سب کچھ بالکل الگ ہے۔ آج وہ ضرور اپنا فیصلہ بدل لیں گے۔ مجھے اللہ پر پکا یقین ہے۔" عبداللہ نے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

زرمینہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ان کے بچے وقت سے پہلے بڑے ہوگئے تھے۔

☼ ☼ ☼

آج چاند کی گیارہ تاریخ تھی۔ ربیع الاول کا مبارک مہینہ اور رفیق اور زاہدہ کے نکاح کا دن۔ پورا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ پچھلے پانچ دنوں سے گھر میں بہت رونق تھی۔ اگر کہیں اداسی تھی تو وہ زاہدہ کے دل میں۔ ایک ڈر تھا' ایک خوف' جو اسے کھائے جا رہا تھا۔

دولہا اور دلہن کا جوڑا روایتی ہوا کرتا تھا ان کے خاندان میں۔ دولہا سر پر پگڑی' سفید قمیص اور بڑے گھیر والی شلوار اور کالی واسکٹ پہنتا تھا۔ پیر میں پشاوری کالی چپل اور ریشمی سفید رومال۔

جبکہ دلہن ایک ساتھ تین جوڑے پہنتی تھی۔ سب سے نیچے سفید شلوار قمیص جو کہ کفن مانا جاتا تھا۔ اس کے اوپر لال کاٹن کا شلوار قمیص اور پھر اس کے اوپر ان کی ست رنگی پشواز۔ اسی طرح تین چادریں سفید لال اور پھر اوپر پشواز کی چادر ملا کر پہنائی جاتی تھیں۔ پیروں میں چاندی کے تاروں سے بنے ہوئے کڑھے ہوئے سرخ جوتے جو کھسہ کی طرح ہوتے تھے۔ تمام زیور چاندی کا پہنایا جاتا تھا جو بالوں کے کلپ سے لے کر پیروں کی پازیب تک ہوتا تھا۔

ظہر کی نماز کے بعد کھانا کھایا گیا۔ پھر پھوپھی جان نے جنہیں سرور خان پشاور جا کر خود منا کر لائے تھے۔ وہ بلاول خان کو انکار کر دینے پر ناراض تھیں' بھابیوں اور بیٹیوں کی مدد سے اس کے ہاتھوں پیروں میں مٹھی والی مہندی لگائی۔ سات دن تک روزانہ مہندی لگائی گئی۔ آخری مہندی پھوپھی نے اکیلے خود لگائی۔ اس کی مہندی کا تیز اور گہرا رنگ دیکھ کر پھوپھی نے کہا۔

"جس کے ہاتھوں میں مہندی کا رنگ گہرا آئے' وہ بہت پیارا ہوتا ہے اپنے سردار کو۔" زاہدہ ان کی بات سن کر مسکرا دی۔ سردار تو دلہن ہی نہیں چاہتے۔ اس نے افسردگی سے سوچا۔

مہندی سوکھنے کے بعد اسے بھابھیوں نے نہلایا۔ یہ خاص رسم تھی۔ جس کے مطابق شادی شدہ بہن یا بھابھی یا کوئی بھی خاندان کی قریبی رشتہ دار دلہن کو لمبا سا کرتا پہنا کر نہلاتی تھی۔ نہانے کے پانی کو خاص جڑی بوٹیاں ڈال کر ابالا جاتا' پھر ٹھنڈا کر کے اس میں دودھ ڈالتے پھر اس خوشبودار پانی سے دلہن کو نہلاتے تھے۔

نہانے کے بعد گھر کی بڑی عورت قرآن پاک کی تلاوت کرواتی تھی پھر دلہن کو سفید جوڑا پہنایا جاتا تھا۔ اس جوڑے میں ہی دلہن بڑی چادر لپیٹ کر سب گھر والوں کے درمیان ایسے بیٹھتی کہ اس کا چہرہ نظر نہیں آتا تھا۔ پھر تمام گھر والے بشمول ماں' باپ' بہن بھائی اور قریبی سہیلیاں اور رشتہ دار لڑکی سے مل لیتے اور جس نے رونا ہوتا رو لیتا۔ یہ رسم ہمیشہ سے زاہدہ کو عجیب لگتی تھی۔ مگر آج وہ خود سب کے درمیان بابا کے کمرے میں موجود تھی۔ فرداً فرداً بابا جان اور بھائیوں نے اسے گلے لگایا۔ امبر خوب رو رہی تھی۔

سب سے ملنے کے بعد اسے ڈرائنگ روم میں زمین پر مخملی گدے اور گاؤ تکیوں کے درمیان بٹھایا گیا۔ اس کے بعد اسے بھابھی نے لال جوڑا پہنایا۔ پھر پشواز پہنانے کے لیے چچی جان اور پھوپھی جان آئیں۔ وہ اس تمام وقت روتی ہی رہی۔ کپڑے پہننے کے بعد تینوں بھائیوں کو بلایا گیا۔ تنویر اور تیمور نے اس کے سر پر دونوں کانوں کی طرف سے تین تین چوٹیاں بنائیں اور دونوں طرف کی تینوں چوٹیوں کو ملا کر پیچھے کی طرف ساتویں چوٹی میں گوندھ دیا۔ پھر احتشام نے اسے سرمہ لگایا اور بھائیوں نے ایک ایک کر اسے زیور پہنائے۔ زیور میں سر اور چوٹی پر لگنے والے چاندی کے کلپ' مانگ پٹی جس میں تین ٹیکے تھے۔ جھومر' کانوں کے جھمکے بجن کے سہارے پیچھے چوٹی میں ٹانک دیے گئے۔ گلے میں پہلے گلوبند' پھر سات لڑیوں والا بڑا سا ہار' بازو بند' چوڑیاں کڑے ہاتھوں کے پنجے۔ پنیروان یعنی ناک کی لونگ اور پازیب شامل تھی۔ یہ سب زیور بغیر کسی موتی یا ہیرے کے سادہ زیور ہوتا تھا مصری چاندی کا بنا ہوا' جو کبھی کالا نہیں ہوتا تھا۔

بابا جان نے اسے تین چادریں ملا کر سر پر اوڑھائیں اور سر پر ہاتھ رکھ کر پیار کیا۔

عصر کے بعد نکاح ہوگیا۔ نکاح کے بعد دولہا کو دلہن کے ساتھ بٹھانے کی رسم ہوتی تھی' جو نہیں کی گئی۔ کیونکہ نکاح کے فوراً" بعد رفیق خان بغیر کسی سے کچھ کہے اٹھ کر چلا گیا۔

دس بجے ڈرائنگ روم میں ڈولی لائی گئی' جس میں بھائیوں نے اسے بٹھایا پھر ڈولی کو کندھا دے کر گاڑی تک لے جایا گیا۔ گاڑی میں بابا جان نے بٹھایا۔ پھر رفیق کو گلے لگا کر اس کا ماتھا چوما اور اسے گاڑی میں بٹھا دیا۔ سارا علاقہ فائرنگ سے گونج رہا تھا۔

صابر خان کے گھر لاؤنج میں بیٹھے ابھی تقریباً" گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ ہوا تھا کہ رفیق خان لاؤنج میں داخل ہوا۔ ساری کزنز شگن کے لیے اس کی طرف بڑھیں۔ مگر رفیق کی سرد مہری اور سنجیدگی سے ڈر کر کوئی لڑکی سامنے نہیں گئی۔ وہ سیدھا زاہدہ کی طرف بڑھا اور اس کا ہاتھ تھام کر اس سے کہا "چلو۔"

زاہدہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ چچی جان نے روکنے کی کوشش کی' مگر وہ اسے تمام خواتین کے بیچ میں سے اٹھا کر لے گیا۔ لاؤنج میں صابر خان' زرمینہ اور سب حیرانی سے انہیں دیکھنے لگے۔ مگر رفیق خان نے کسی کی پروا نہیں کی۔

کمرے میں لا کر اس کا ہاتھ چھوڑا اور اسٹڈی کی طرف بڑھ گیا۔ وہ وہیں دروازے کے پاس حیران کھڑی رہی۔ کچھ دیر بعد وہ واپس نکلا۔ اس نے کپڑے بدل لیے تھے۔ اس نے آستین کے بٹن لگائے پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بال سنوارے اور اس کے قریب آکر بولا۔

"تم جہاں چاہو سو جاؤ' مجھے دیر ہو جائے گی۔" اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف مڑا۔

"میری اجازت کے بغیر تم کبھی کمرے سے باہر مت جانا۔" اور پھر بغیر رکے کمرے سے نکل کر چلا گیا۔

وہ حیرانی سے کمرے کو دیکھتی رہی۔ وہ کسی طرح حجلہ عروسی نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے آنے کی کوئی تیاری نہیں کی گئی تھی اور نہ ہی سیج وغیرہ یا پھولوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔

سارا دن اتنی گہما گہمی تھی کہ وہ تھک چکی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور پھر پتا نہیں کب سو گئی۔

☼ ☼ ☼

"سرپرائز!"

عبدالرحمٰن اور عبداللہ زور سے چلائے اور جب وہ اچھل کر سامنے سے ہٹے تو رفیق خان ایک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کے بچوں نے اسی کی ماں کو ان کی دہلیز پر کھڑا کر دیا ہے۔

زرمینہ بانہیں پھیلائے کھڑی بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ فوراً" آگے بڑھا اور ماں کی بانہوں میں سما گیا۔ دونوں ماں بیٹا رو رہے تھے۔ رفیق خان ماں سے معافی مانگ رہا تھا۔ زرمینہ بے اختیار اس کا ماتھا چوم رہی تھیں۔ رفیق خان نے نیچے جھک کے ماں کے پیر پکڑ لیے۔ بچوں کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ آج کوئی بات نہیں رہ گئی تھی سمجھانے کے لیے۔ اب بس کچھ غلطیوں کا ملال تھا۔ شرمندگی تھی۔ ماں کی گود میں سر رکھ کر بہت سکون مل رہا تھا اسے۔

بچے خاموشی سے بیٹھے باپ اور دادی کو دیکھ رہے تھے۔

"تھینکس بچو! تم لوگ میری ماں کو لائے۔ میرے لیے ایک بہت بڑا تحفہ ہے۔ تم نہیں جانتے کیا کام کیا ہے تم لوگوں نے۔"

"مگر ہمیں تو نقصان ہوا آپ کی ماں کو یہاں لانے کا۔" عبدالرحمٰن نے موڈ بگاڑ کر "آپ کی" پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"کیا نقصان ہوا۔ مجھے بتاؤ؟" رفیق مسکرایا۔

"جس طرح ہم آپ کی ماں کو لے کر آئے' آپ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بھی ہماری ماں کو لے آئیں اپنے پاس۔"

"ماں! کیا وہ مجھ سے بات کرے گی؟" رفیق نے مڑ کر ماں سے پوچھا۔

"کوشش سے کیا نہیں ہو سکتا۔"

"میں فون کروں گا تمہاری ماں کو۔ کوشش کروں گا کہ وہ میری بات سنے اور مجھ سے بات کرے۔" تینوں بچوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔

"رفیق! وہ تیری بیوی ہے تیرے بچوں کی ماں ہے۔ تیرا حق ہے اس پر۔ تو گھر آئے تو آواز دے کر بلا سکتا ہے۔ میں دیکھتی ہوں کون روکتا ہے تجھے بات کرنے سے۔" زرمینہ نے کہا۔

"ماں! بات میری نہیں، زاہدہ کی ہے۔ وہ کبھی بابا جان کے خلاف نہیں جائے گی میں جانتا ہوں۔ اگر میں سامنے جا کر منت بھی کروں گا تو وہ میری طرف نہ نظر اٹھا کر دیکھے گی اور نہ میری کسی بات کا جواب دے گی۔ میں اسے جانتا ہوں۔"

اس کی بات پر سب جیسے سوچ میں گم ہو گئے۔

☆ ☆ ☆

اس کی آنکھ کھلی تو کمرے کی تمام لائٹیں اسی طرح کھلی ہوئی تھیں اور وہ صوفے پر گٹھڑی بنی ہوئی تھی۔ اس نے گردن گھما کر بیڈ کی طرف دیکھا بیڈ خالی تھا۔ وہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

زاہدہ نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ وہ صوفے سے اٹھی ڈریسنگ کے پاس آکر اس نے آہستہ آہستہ تمام زیورات اتار کر رکھ دیے، پھر پشواز اور اس کے نیچے کا سرخ جوڑا بھی اتار دیا۔ اب وہ سفید جوڑے میں ملبوس تھی۔ اس نے سفید چادر سر پر اوڑھ لی۔ وضو کیا، دو رکعت نفل پڑھی اور دوبارہ صوفے پر لیٹ گئی۔

سات بجے چچی جان کی آواز آئی۔ وہ اٹھ ہی رہی تھی کہ اسٹڈی کا دروازہ کھلا اور رفیق دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"تم ساری رات صوفے پر سوئی رہیں۔ پلنگ پر لیٹ جاتیں۔" چچی جان نے کہا۔ زاہدہ نے نظریں جھکا لیں۔ اور کوئی جواب نہیں دیا۔

"اب یہ سفید کپڑے نہ پہننا۔ یہ کفن ہے۔" زاہدہ نے تابعداری سے اثبات میں سر ہلا دیا اور کپڑے اٹھا کر باتھ روم کی طرف چل دی۔ وہ اسے تیار کر کے نیچے لے جانے لگیں تو زاہدہ رک گئی۔

"خان کو بتا دوں چچی جان!" زرمینہ مسکرائیں اور نیچے چلی گئیں۔

اس نے اسٹڈی میں جھانکا۔ وہ سامنے آرام کرسی پر بیٹھا تھا۔

"میں نیچے جاؤں؟" اس نے لڑکھڑاتی آواز میں پوچھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک رفیق خان کے جواب کی منتظر رہی پھر اسٹڈی سے نکل گئی۔

زاہدہ نے دوسری رات بھی صوفے پر گزاری مگر پہلی رات کی نسبت آج اس نے شب خوابی کا لباس پہن رکھا تھا اور تکیہ بھی لے لیا تھا۔

ولیمہ میں اس کے لیے گلابی رنگ کا شرارہ تھا۔ پورا کام سے بھرا ہوا اور زیورات کی تو چچی جان نے حد کر دی تھی۔ وہ سات سیٹ نکال کر بیٹھی تھیں اور سب اسے پہنانا چاہتی تھیں۔ میرج لان بہت بڑا تھا پھر بھی مہمانوں کے لیے جگہ تنگ پڑ گئی۔ صابر خان نے آدھا شہر بلوایا ہوا تھا۔

"آپ کیا سوچ رہیں ہیں بھابھی!" رات ڈھلنے لگی تھی جب رمیض خان اس کے ساتھ آکر بیٹھا اور آہستہ سے پوچھنے لگا۔ زاہدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"جو لوگ انوائیٹڈ نہیں تھے وہ نہیں آئے۔ یہ ولیمہ صرف آپ کا تھا۔ جس کا آپ انتظار کر رہی ہیں۔ ان کو بلایا ہی نہیں گیا۔"

زاہدہ نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ وضاحت کیے بغیر اٹھ کر چلا گیا۔ زاہدہ نے بڑی مشکلوں سے خود کو رونے سے روکا۔

☆ ☆ ☆

تین مرتبہ ہیلو ہیلو کہہ کر زاہدہ نے فون رکھ دیا۔ اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔ شاید وہ رو رہی تھی۔

اس نے پھر نمبر ملایا۔ دوسری بیل پر فون اٹھا لیا گیا۔ مگر کوئی کچھ نہیں بولا۔ رفیق نے ہمت کر کے کہا۔

"زاہدہ! میں... بول رہا ہوں۔ تم سن رہی ہو۔"

دوسری طرف سے جواب تو نہیں آیا مگر سسکی سنائی دی۔ رفیق بے چین ہو گیا۔ "مجھے معاف کر دو زاہدہ! میں تمہارا گنہگار ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔"

مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ بس سسکیاں سنائی دے رہی تھیں پھر فون بند کر دیا گیا۔ رفیق نے آنکھیں بند کر لیں۔

اس کا دل بھر آیا۔ وہ خوب رویا۔ یہ شرمندگی اور ندامت کے آنسو تھے۔ اس مہینے ہونے والی ملاقات میں جانے کی اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی مگر وہ جانتا تھا کہ زاہدہ، ماں اور بچے اس کا انتظار کرتے ہیں۔ اس لیے وہ چلا گیا۔ بچے اور ماں بہت خوشی سے ملے۔ سب کچھ ٹھیک تھا مگر جب کھانا لگا تو اسے پتا چل گیا کہ کھانا زاہدہ نے نہیں بنایا۔ دو تین لقمے لے کر وہ اٹھ گیا زرمینہ بھانپ گئیں۔

"زاہدہ کی طبیعت خراب تھی۔"

وہ خاموش رہا۔

☆ ☆ ☆

تین مہینے ہو گئے تھے ان کی شادی کو، کھانا رفیق اس کے ساتھ کھاتا لیکن بات کرتا نہ اس سے اپنا کوئی کام کہتا۔ وہ صوفہ پر اور رفیق اسٹڈی میں رات گزارتا۔ زاہدہ نے شکایت نہیں کی بلکہ شکر کرتی کہ وہ ساتھ بیٹھ کر کم از کم کھانا کھا لیتا تھا۔

اس دن اسے فلو ہو رہا تھا۔ زاہدہ نے ٹیبلیٹ دینے کی کوشش کی مگر اس نے نہیں لی اور آفس چلا گیا۔

رات کو لوٹا تو حالت زیادہ خراب تھی۔ وہ سوائے خاموش رہنے کے کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

عشا کی نماز کے بعد وہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ رفیق کے چھینکنے اور کھانسنے کی آوازیں تسلسل سے آنے لگیں۔ وہ بے چین ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ کافی صبر کیا مگر جب برداشت سے باہر ہو گیا تو اسٹڈی میں داخل ہو گئی۔ رفیق صوفے پر بغیر تکیہ اور چادر لیٹا تھا۔ ہمت کر کے آگے بڑھی۔ ماتھے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اس نے جھٹکے سے دور کر دیا۔ رفیق کو بہت تیز بخار تھا۔

رفیق نے اسے باہر نکلنے کا اشارہ بھی کیا مگر وہ وہاں سے نہیں ہلی۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ ہمت کر کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ رفیق نے پھر آنکھیں کھولیں۔

"ضد نہ کریں خان! پلیز..." رفیق نے کوئی جواب نہ دیا مگر اٹھ بیٹھا۔ وہ اسے ہاتھ سے پکڑ کر بیڈ پر لے گئی۔ اسے آرام سے لٹایا اور اپنا کمبل ڈال دیا۔ ٹیبلیٹ دی۔ کافی بنا کر لائی۔ ہیٹر آن کر دیا۔ صبح تک طبیعت بہتر تھی مگر مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ وہ آفس بھی نہیں گیا۔ دو تین دن تک اس نے اسی طرح اس کا خیال رکھا۔ چوتھے روز بخار اور فلو میں کافی حد تک کمی تھی۔ بس کھانسی تھی ہلکی ہلکی۔ اس دن جب وہ کھانا کھانے کے بعد برتن رکھ کر اس کے لیے قہوہ بنا کر اوپر آئی تو اس نے دیکھا۔ اس کا کمبل اور تکیہ بیڈ پر رکھا ہوا تھا۔ وہ اس خاموش حکم کو سمجھ گئی۔ کچھ دن یوں ہی گزرے۔ وہ آفس جانے لگا تھا۔

اس رات سردی بہت تھی۔ زاہدہ سو ہی نہیں پا رہی تھی۔ بار بار آنکھ کھل جاتی۔ وہ کانپ رہی تھی۔ پتا نہیں، رات کا کون سا پہر تھا۔ جب اس نے رفیق کو اپنے قریب محسوس کیا۔ وہ جاگ گئی تھی۔ گھبرائی مگر خاموش رہی۔

وہ خوش تھی کہ رفیق خود فاصلے ختم کر کے اس کے قریب آگیا ہے۔

صبح اذان کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا وہ بے خبر سو رہا تھا۔ غسل کے بعد نماز اور پھر شکرانے کے نفل پڑھ کر اس نے خوب دعائیں کیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

☼ ☼ ☼

"زاہدہ... ! مجھے گھر آنا ہے... میری مدد کرو۔"

یہ دو مختصر سے جملے ایک ایک لفظ توڑ کر ادا کیے گئے تھے۔ زاہدہ ساکت سی اسے دیکھ رہی تھی۔ آج بچوں کی پلاننگ سے انہیں ایک دوسرے سے بات کرنے کا موقع ملا تھا۔

"زاہدہ ! تم جانتی ہو ثمرین اب میرے ساتھ نہیں ہے۔ میں اسے چھوڑ چکا ہوں۔ میں تمہیں چھوڑ کر اس کے پاس گیا' یہ میری غلطی تھی۔ میں نے تم پر بہت ظلم کیا ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں مگر شکر ہے مرنے سے پہلے مجھے اللہ نے موقع دیا ہے کہ میں اپنی غلطیوں کی معافی مانگ لوں اور ازالہ کر سکوں' جو نقصان میں نے تمہیں پہنچایا ہے۔ تمہاری زندگی کے گزرے سال تو میں واپس نہیں دے سکتا مگر تمہیں آئندہ سالوں میں ہر خوشی دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ بس تم مجھے معاف کر دو۔"

اس کی آواز بہت بھاری ہو رہی تھی۔

"میرے لیے نہیں تو اپنے بچوں کے لیے سہی... وہ ہمیں ایک ساتھ دیکھنا چاہتے ہیں۔" چند لمحے ٹھہر کر اس نے سر اٹھایا۔

"میں تمہیں ڈرانے دھمکانے یا تم پر زبردستی کرنے نہیں آیا۔ بس ایک درخواست لے کر آیا ہوں۔ تم نے کبھی میری بات رد نہیں کی ہے۔ مجھے معاف کر دو زاہدہ!"

رفیق کے چہرے پر اداسی تھی۔ مگر آنکھوں میں امید اور یہ وہ آنکھیں تھیں' جنہوں نے اس کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔ ان آنکھوں کی کوئی التجا وہ کبھی ٹھکرا نہیں سکی تھی۔

"اگر تم مجھے معاف کرنا چاہو... اگر تم چاہو کہ میں اس گھر میں واپس آجاؤں تو مجھے فون کر دینا رات کو اگر نہیں تو میں تمہیں آئندہ تنگ نہیں کروں گا۔"

رفیق خان نے کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا واپس چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

کچھ دنوں سے اس کی طبیعت عجیب سی ہو رہی تھی۔ بہت زیادہ نیند آتی تھی۔ سست رہنے لگی تھی۔ کبھی کبھی بخار بھی محسوس ہوتا تھا۔ چچی جان اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئیں۔ اس نے چچی جان کو زاہدہ کے امید سے ہونے کی خوشخبری دی۔

آنے والے دنوں میں اس نے رفیق کے انداز میں بہت نرمی دیکھی۔ بلکہ اس نے خوشی محسوس کی کہ وہ اس کا تھوڑا بہت خیال کرنے لگا ہے۔ بات بھی آرام سے کرتا ہے۔ ایسے ہی ہلکے پھلکے موڈ میں وہ چائے پیتے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ رفیق نے کہا۔

"میں کام کو پھیلانا چاہتا ہوں۔ میرے ملک سے باہر بہت تعلقات ہیں۔ میں یو کے کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی ایکسپورٹ کا کام شروع کرنا چاہتا ہوں مگر... میں ملک سے باہر نہیں جا سکتا۔ کیونکہ تمہارے سسر نے میرا پاسپورٹ اور تمام چیزیں اپنے پاس رکھی ہیں۔ اور میں ان سے مانگنے اور ہاتھ پھیلانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔" بات پوری کر کے وہ خاموش ہو گیا۔

زاہدہ نے اپنے بابا سے کہا کہ وہ چاچا جان سے بات کریں۔ دوسرے دن صابر خان نے اسے اپنے کمرے میں بلا لیا۔

"تم نے اپنے باپ سے کچھ کہا تھا؟"

"جی چاچا جان! میں چاہتی ہوں خان ایکسپورٹ کو بڑھائیں۔"

"کیا اس نے تم سے کہا ہے یہ سب؟" صابر خان نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ زاہدہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں وہ اس بارے میں نہیں جانتے۔ میں چاہتی ہوں' آپ ان پر پھر سے بھروسا کریں۔ اب ایسا کچھ بھی نہیں ہو گا میرا یقین کریں۔"

"زاہدہ! میرا دل اب بھی خطرہ محسوس کر رہا ہے اس سے۔ بس ایک بات کہنا چاہتا ہوں بیٹی! یہ پاسپورٹ نہیں' اس دروازے کی چابی ہے جو میں نے اپنے بیٹے اور اس بدذات عورت کے درمیان بند کر دیا تھا۔" صابر خان کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"میں بتا دوں' وہ باہر ایکسپورٹ کرنے نہیں اس میراثن کو ڈھونڈنے جانا چاہتا ہے۔ اگر میں نے ایسی کوئی بھی بات دیکھی تو یاد رکھنا! میں اسے عاق کر دوں گا میں صرف اور صرف تمہاری بات رکھ رہا ہوں ورنہ اب وہ میری نظر میں قابل اعتبار نہیں ہے۔"

صابر خان نے اسے ایک لفافہ تھماتے ہوئے کہا۔ زاہدہ نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کمرے سے نکل آئی۔

رات کو اس نے دراز میں سے لفافہ نکال کر خان کو پکڑا دیا۔

"تم نے بابا جان سے سفارش کی تھی؟"

زاہدہ نے کہا "نہیں۔ میں نے اپنے بابا جان کو ان کا وعدہ یاد دلایا تھا کہ نکاح کے بعد آپ ان سے کیے ہوئے قول سے آزاد ہیں اور آزاد آدمی کو تمام اختیارات ہونے چاہئیں۔"

وہ اس کی طرف حیرانی سے دیکھنے لگا۔

"خان! آپ خوش ہیں؟"

اس کی بات کے جواب میں صرف یہ کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"شکریہ زاہدہ۔"

☼ ☼ ☼

زاہدہ کے گھر پہلی بیٹی پیدا ہوئی' جس کا نام سرور خان نے بشامہ رکھا۔ صابر خان بھی بہت خوش تھے۔ زاہدہ کی وجہ سے ان کی برسوں کی خواہش پوری ہو گئی۔ وہ بیٹی چاہتے تھے' انہیں مل گئی۔

بیٹی کی پیدائش کے وقت رفیق خان سنگاپور میں تھا۔ مگر جیسے ہی اسے خبر ملی' پہلی فلائٹ سے واپس آگیا۔ بیٹی کو گود میں لے کر بہت خوش ہوا۔ زاہدہ نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا۔ وہ جب بھی گھر میں ہوتا' بیٹی سے باتیں کرتا اس کے ساتھ کھیلتا۔ اس کے لیے چیزیں لاتا۔ سب یہ دیکھ کر خوش تھے۔

رفیق نے ایکسپورٹ کے دائرے کو پھیلانا شروع کیا تو پھر رکنے کا نام ہی نہ لیا۔ صابر خان کو دو کارخانے اور ایک فیکٹری مزید کھولنی پڑی۔ وہ اب مطمئن تھے۔ ابھی بھی صابر خان اس سے بات چیت نہیں کرتے تھے۔ ان میں رابطے کا کام رمیض اور احتشام کرتے تھے۔

چھ مہینے گزر گئے۔ تیمور خان کی شادی اس کی کولیگ سے طے ہو گئی اور تیاریاں شروع ہو گئیں اور تیاریوں کے درمیان ہی زاہدہ کو معلوم ہوا کہ وہ پھر امید سے ہے۔ شادی کی تیاریوں کے باوجود سب اس کا بہت خیال رکھتے تھے خاص طور پر چچی جان اور سرور خان اس کی دیکھ بھال میں کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔

ایک دن زاہدہ نے ڈرتے ڈرتے اس سے اپنی خواہش ظاہر کی "میں چاہتی ہوں آپ شادی میں شرکت کریں۔ مجھے اچھا لگے گا۔"

اس نے نہ اقرار کیا اور نہ ہی انکار مگر وہ شادی میں شریک ہوا۔ اس کی شرکت سے سب خوش تھے۔ یہ برسوں بعد فیملی کے ساتھ پہلا موقع تھا جس میں وہ شریک ہوا تھا۔ مگر اس کے بعد وہ قیامت آگئی جس کا صابر خان کو شروع سے خدشہ تھا۔

☼ ☼ ☼

زاہدہ سوچ سوچ کر خوف زدہ ہو رہی تھی کہ خان کے آنے اور اس طرح ملنے کا اگر چچا جان کو پتا چل گیا تو وہ کیا سوچیں گے' کیا کریں گے؟

وہ اپنا برسوں کا بھروسا اور اعتبار کھو دے گی۔ ایک دم اسے لگا جیسے وہ بہت اکیلی ہے۔ اب تو اس کے سرور بابا بھی نہیں تھے۔ اس دنیا میں اس کی مدد کرنے کے لیے۔

وہ کمرے میں ٹہلتی رہی۔ اس نے اپنا فون آف کر دیا تاکہ رفیق اسے فون نہ کر سکے۔

ساری رات وہ جاگتی رہی۔ بہت سوچ بچار کے بعد

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس نے احتشام لالہ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

☼ ☼ ☼

شام کو چار بجے سے پہلے احتشام آ گئے۔ زاہدہ منتظر تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ ہونے والے تمام واقعات کے بارے میں بتا دیا۔ بات ختم کر کے وہ رونے لگی۔ بھائی نے آگے بڑھ کر اسے دلاسا دیا۔ ابھی وہ بات کر ہی رہے تھے کہ دروازہ کھلا اور رفیق خان تینوں بچوں کو لے کر اندر داخل ہوا۔

زاہدہ اور احتشام، رفیق خان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ زاہدہ نے جب بچوں کو رفیق خان کے ساتھ دیکھا تو ناراضی سے منہ پھیر لیا۔

"تم لوگوں نے جو کیا، جانتے ہو اس کا نتیجہ تمہاری ماں کی موت بھی نکل سکتا تھا؟" احتشام نے بچوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "خیر تم لوگ جاؤ۔ میں بات کر رہا ہوں۔" بچے باہر نکل گئے۔

زاہدہ کو بچوں پر سخت غصہ آ رہا تھا کہ وہ اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ انہیں ماں کی پروا نہیں ہے۔

اسی وقت رمیض اور امبر بھی آ گئے۔ تب احتشام نے تحمل سے بات شروع کی۔

"رفیق! اب تم کیا چاہتے ہو؟ آج تک جو تم نے چاہا، وہ سب تم نے پایا ہے۔ اب کیا رہ گیا ہے ہمارے پاس جو تمہیں چاہیے؟" رفیق نے کوئی جواب نہ دیا۔

"لالہ! بچے چاہتے ہیں کہ خان اب ان کے ساتھ رہیں اور ان کی یہ خواہش اپنی ماں کے لیے ہے۔ وہ اپنی ماں کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں اور کچھ نہیں۔ بچوں نے ہی مجھے، امبر اور ماں کو بھی مجبور کیا ہے کہ ہم سب مل کر اس بات کو بابا جان تک پہنچائیں اور میرے خیال میں یہ ان کا حق ہے۔ آخر بھابھی، خان کی بیوی ہیں۔ حق ہے خان کا بھابھی پر۔" رمیض نے احتشام کا غصہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو یہ بات چچا جان سے کرنی چاہیے۔ زاہدہ سے نہیں۔" احتشام نے سکون سے جواب دیا۔

"بچے چاہتے تھے، پہلے ماں راضی ہو جائے پھر وہ دادا سے بات کریں۔ بس اسی لیے یہ سب کچھ کیا ہے۔" رمیض نے بتایا تو احتشام نے زاہدہ کی طرف مڑ کر کہا۔

"زاہدہ! تم کیا چاہتی ہو؟"

زاہدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔ احتشام رفیق سے کہنے لگے۔

"خان! تم میری بات کا برا نہ ماننا۔ تم ابھی چلے جاؤ۔ جب چچا جان آ جائیں تب بات کریں گے۔ یہ سب کچھ جو ہوا، مناسب نہیں تھا اور ہمیں مزید کوئی بھی غیر مناسب بات کرنے سے بچنا چاہیے۔ اسی میں بھلائی ہے۔"

"لالہ! میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں۔ آپ میرے بڑے بھائی ہیں، محسن ہیں۔ اس لیے آپ کی بات مانتے ہوئے میں جا رہا ہوں مگر میرے بچوں کو کسی نے بھی دھمکایا تو اس کا مقابلہ مجھ سے ہو گا۔ چاہے وہ میرا باپ ہی کیوں نہ ہو۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ رفیق خان کے جانے کے بعد زاہدہ نے سر اٹھایا اور رمیض سے کہا۔

"سب مل گئے اور مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔ تو میری بہن ہے امبر! تجھے بھی خیال نہ آیا کہ اگر چچا جان پوچھیں گے تو میری کیا عزت رہ جائے گی۔ سالوں کی ریاضت اور صبر مٹی میں مل جائے گا۔" وہ رونے لگی۔ احتشام نے اسے دلاسا دیا۔

"جب بابا جان چاہتے تھے تو شادی ہو گئی۔ رفیق خان کا دل چاہا مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ اب بچے چاہتے ہیں تو وہ یہ سب کر رہے ہیں۔ اس بات کو سوچے بغیر کہ ماں کی بھی کوئی عزت اور اہمیت ہے۔"

پتا نہیں کیوں آج اسے نفرت سی محسوس ہونے لگی اپنے آپ سے۔ آج بھی رفیق کے دل میں وہ مقام نہیں ہے اس کا، جو ہونا چاہیے۔ اسے صرف بچے چاہئیں، میں نہیں۔" وہ تلخی سے مسکرانے لگی۔

"چچی جان! آپ کی بددعا لگ گئی مجھے۔ آپ نے کہا تھا اگر ملاقات کا سلسلہ چچا جان نے ختم کیا تو جو سکھ ان کے بیٹے سے چھینا جائے گا، وہ اللہ اس سے بھی چھین لے گا۔ اللہ نے سن لی آپ کی چچی جان! میری آخری متاع میری اولاد ہے۔ جس کے سہارے میں زندہ ہوں۔ آج آپ کا بیٹا وہ بھی مجھ سے لینا چاہتا ہے۔ بلکہ لے چکا ہے۔"

☼ ☼ ☼

شام کے پانچ بجے تھے۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ چچی جان بشامہ کو لے کر بیٹھی تھیں کہ صابر خان چیختے چنگھاڑتے آن پہنچے۔

"زاہدہ!" وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

"میں نے تجھ سے کہا تھا نا کہ یہ آدمی کتے کی دم ہے، کبھی سیدھی نہیں ہو گی اور تو نے کہا تھا کہ میں بھروسہ کروں۔ میں نے کیا اور انجام آج دیکھ آیا۔ ڈھونڈ لیا اس کتیا کو اس نے۔ گلچھرے اڑا رہا ہے تیرا خان اس بدذات عورت کے ساتھ اور تو یہاں بے خبر ہے۔ وہ کیوں لیٹ آتا ہے۔ تو نے کبھی پوچھا اس سے۔ اب بتا کیا سزا دوں تجھے؟"

چچا جان کی بات سن کر اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ گئے۔ وہ اپنے دل کو تھام کر جہاں کھڑی تھی، وہیں بیٹھ گئی۔ چچی جان نے اس کی یہ حالت دیکھی تو فوراً اس کی طرف لپکیں۔

"زاہدہ! سنبھال اپنے آپ کو۔ کچھ نہیں ہوا ہے۔ سنبھال۔"

"وہ اس قابل ہی نہیں ہے کہ اسے اولاد کی نعمت ملے۔ اگر ایسا کچھ بھی ہوا تو میں زندہ نہیں رہنے دوں گا اسے۔ یاد رکھنا!" وہ غصے میں چنگھاڑتے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

زاہدہ سکتے کے عالم میں بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ اسے ساتواں مہینہ تھا۔ ڈاکٹر طاہرہ نے بتایا تھا کہ اس مرتبہ احتیاط کی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ جڑواں بچے تھے۔ اس کی حالت غیر تھی۔ چچی جان نے اس کو دلاسا دینے کی کوشش کی مگر یہ صبر کر جانے والی بات نہیں تھی۔

"چچا جان! کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ وہی عورت ہے؟" کچھ دیر بعد زاہدہ نے ان کے کمرے میں پوچھا۔

"تو ابھی بھی گنجائش نکال رہی ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اسے۔ تیری آنکھوں پر جھوٹی محبت کی پٹی باندھ سکتا ہے، وہ صابر خان کو جل نہیں دے سکتا۔ میں باپ ہوں اس کا۔ میرے بندے ایک ہفتہ سے اس کے پیچھے ہیں۔ اور آج میں نے خود دیکھ لیا ہے اسے۔" وہ خاموش ہوئے تو زاہدہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"بابا جان جانتے ہیں؟"

"کس منہ سے بتاؤں اپنے سپوت کے کالے کرتوت انہیں۔ میں نے منع کیا تھا مگر لالہ میری کہاں مانتے ہیں۔ یہ اس محبت کے لائق ہے ہی نہیں۔ اگر میں نے دل پر پتھر رکھ کر پانچ سال پہلے اسے شوٹ کر دیا ہوتا تو صرف ایک رونا ہوتا۔"

زاہدہ خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کچھ ہی دیر بعد رفیق خان آ گیا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے زاہدہ کا رویا ہوا چہرہ دیکھا تو پوچھا۔

"ثمرین آپ کو مل گئی؟"

وہ خاموش رہا۔ کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپ کو مجھے بتا دینا چاہیے تھا۔ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"چچا جان گھر پر ہیں۔ انہوں نے بتایا مجھے۔" رفیق خان نے جیسے ہی سنا فوراً" اسٹڈی میں جا کر اپنے فون سے نمبر ملانے لگا۔ اس کی اسٹڈی میں الگ فون تھا۔ رابطہ ملنے پر اس نے تیزی سے کہا۔

"ثمرین! بابا جان کو پتا چل گیا ہے۔ تم فوراً" دوسری جگہ شفٹ ہو جاؤ۔ میں تمہیں اسی نمبر پر ملوں گا۔ تم مجھے ایڈریس سمجھا دینا۔" فون پر بات ختم کر کے وہ بولا "ہاں۔ ثمرین مل گئی ہے۔" چند لمحے خاموشی کے بعد وہ بولا۔

"تمہاری حالت کی وجہ سے میں نے تمہیں بتانا

WWW.PAKSOCIETY.COM

مناسب نہیں سمجھا۔" چند منٹ خاموش رہنے کے بعد زاہدہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"خان! اب آپ جو کریں انہیں بتا دیجیے گا کیونکہ چچا جان نے پاسپورٹ دیتے وقت مجھ سے کہا تھا کہ آپ ثمرین کو ڈھونڈ لیں گے اور اب وہ مجھ سے جواب مانگ رہے ہیں کہ میں نے کبھی آپ سے بازپرس کیوں نہیں کی۔ قصور ان کا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ ہم میں دل کا رشتہ ہے ہی نہیں کہ میری کچھ پوچھنے کی نوبت آئے۔"

"ہم پہلے ہی یہ بات کر چکے ہیں بلکہ تم نے ہی کہا تھا کہ شادی کے بعد اگر وہ مجھے مل گئی تو تم اس کے پاس جانے سے نہ مجھے روکو گی اور نہ ہی میرے راستے میں آؤ گی۔ بلکہ تم نے وعدہ کیا تھا کہ ثمرین سے ملنے میں میری مدد کرو گی۔"

"مجھے یاد ہے۔" زاہدہ نے بھرائی آواز میں کہا۔

وہ کھڑے ہو کر ٹہلنے لگا۔ اس کا اضطراب اور بے چینی اس کے چہرے اور انداز سے عیاں تھا۔

"اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"میں ثمرین کے ساتھ رشتہ رکھنا چاہتا ہوں' وہ اکیلی ہے' اسے میری ضرورت ہے۔ تم چاہو تو ہم ساتھ رہ سکتے ہیں۔ اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ مجھے یقین ہے' وہ مجھ سے اتنی محبت رکھتی ہے کہ میری خاطر وہ تمہیں اور بچوں کو ساتھ رکھنے کی اجازت دے دے گی۔ اس کی ماں چھ مہینے پہلے انتقال کر گئی ہے اور آٹھ مہینے ہوئے' وہ پاکستان آئی ہے۔ مجھے امید ہے تم سمجھ رہی ہو گی اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تمہیں پہلے ہی معلوم تھا کہ وہ میری محبت — میری بیوی ہے مجھ پر پہلا حق اس کا ہے۔"

زاہدہ خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی۔ اس کے دل کی حالت کیا تھی وہی جانتی تھی۔ اس کی ہر بات جیسے ایک خنجر کے وار کی طرح اس کے دل پر پڑ رہی تھی اور وہ بے خبر وار پر وار کیے جا رہا تھا۔

"چچا جان کو کیا جواب دیں گے؟" اس کے اس سوال پر وہ بھڑک گیا۔

"میں کسی کو جواب دہ نہیں ہوں۔ جو وہ چاہتے تھے میں نے کیا مگر اب میں اتنا اسٹیبل ہوں کہ اپنے فیصلے خود کر سکتا ہوں' وہ کوئی حق نہیں رکھتے میری نجی زندگی میں مداخلت کرنے کا۔" وہ ٹھہر کر بولا۔

"مگر میں جانتا ہوں۔ وہ باز نہیں آئیں گے مداخلت کرنے سے۔ اس لیے میں سارے انتظامات کر چکا ہوں۔ اب میں وہ سب نہیں ہونے دوں گا۔ جو وہ پہلے میرے اور ثمرین کے ساتھ کر چکے ہیں۔ اب میں اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گا۔" یہ کہہ کر وہ مڑا' بیڈ پر سوئی بشامہ کو جھک کر پیار کیا اور زاہدہ کو ایک نظر دیکھ کر باہر نکل گیا۔

صابر خان لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔ رفیق خان کو آتے دیکھ کر کھڑے ہوئے اور دھاڑتے ہوئے پوچھا۔

"تم آج لنچ ٹائم میں کس کے ساتھ تھے؟" پھر رفیق کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

"تم کتنے بھی پاور فل کیوں نہ ہو جاؤ۔ میں تمہارا باپ ہی رہوں گا۔ مجھے آج بھی کمزور سمجھنے کی غلطی نہ کرنا۔ بے دھڑک شوٹ کر دوں گا۔ میں آج بھی وہی صابر خان ہوں جو کل تھا۔ میں ہی تمہاری بنیاد ہوں۔ یاد رکھو! اگر بنیاد ہٹ گئی تو تم کھڑے نہ رہ سکو گے۔"

رفیق خان نے کوئی جواب نہ دیا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ صابر خان دھم سے صوفے پر بیٹھ گئے۔

زاہدہ ڈرائیور کے ساتھ اپنے گھر پہنچی تھی اور اپنے باپ بھائیوں کے سامنے' یہ مسئلہ رکھا تھا۔ وہ بھڑک گئے تھے لیکن احتشام نے زاہدہ کے ہاتھ نرمی سے تھام کر پوچھا۔

"یہ تمہاری زندگی ہے زاہدہ! ہم مشورہ دے سکتے ہیں مگر اس پر عمل کرنا یا اس کو تسلیم کرنا تمہارا فیصلہ ہے۔ تم ہمیں بتاؤ کہ تم اس مسئلہ کا کیا حل دیکھتی ہو۔"

زاہدہ خاموش رہی۔ وہ ڈر رہی تھی کہ باپ اور بھائی اس کے فیصلہ سے خوش نہیں ہوں گے۔ کیونکہ یہ چہرے جو اس وقت اتنے متفکر ہیں' یہ اس سے محبت کرنے والے چہرے ہیں۔ وہ آخر کب تک انہیں پریشان کرتی رہے گی۔ اس نے ایک گہری سانس بھر کر کہا۔

"جب میں نے پاسپورٹ مانگا تھا۔ چچا جان نے مجھے آگاہ کر دیا تھا۔ مگر وہ پاسپورٹ ثمرین اور خان کے ملن کا سبب نہیں بنا۔ بلکہ خان کی مضبوطی کا سبب ہوا اور اب وہ اتنے ہی طاقت ور ہیں' جتنے چچا جان۔۔۔ اور دو طاقت ور آدمی ٹکرا کر سب کچھ ختم کر دیتے ہیں۔ بابا جان۔۔۔! میں چاہتی ہوں کہ خان کو جانے دیا جائے۔ وہ اپنا فیصلہ کر چکے ہیں۔ ان سے جھگڑے اور بحث کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں ان کی خوشی چاہتی ہوں اور ان کی خوشی میں نہیں ثمرین ہے۔" وہ روتے ہوئے کانپتی آواز میں سب کچھ کہہ گئی۔

سرور خان نے زاہدہ کا فیصلہ صابر خان کو بتایا تھا تو وہ بھڑک اٹھے تھے۔

"لالہ اگر وہ جانا چاہتا ہے تو صرف اور صرف آپ کی خاطر میں پیچھے ہٹ جاتا ہوں لیکن اگر وہ واپس آیا تو زاہدہ اسے قبول نہیں کرے گی۔ جب تک وہ اس عورت کے ساتھ ہے' میری بیٹی اور بچوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اگر ان کے قریب بھی پھٹکا تو کسی دشمن کی طرح اس سے نمٹوں گا۔ یہ یاد رکھنا۔"

ان کا سرخ چہرہ ان کے غصہ کا غماز تھا۔

☼ ☼ ☼

شام کو وہ عبداللہ کی فرمائش پر اس کے لیے سوپ بنانے میں مصروف تھی۔ آج ہفتہ تھا اور بشامہ نے اسے بتا دیا تھا کہ بابا آئیں گے۔ باہر ڈرائیو وے میں گاڑی رکنے پر وہ سمجھ گئی کہ رفیق خان آگیا ہے۔

وہ سوپ کے پیالے لیے مڑی تو غیر متوقع طور پر سامنے رفیق کو کھڑے پایا۔ سفید شرٹ' سرمئی ٹائی اور کالا سوٹ' سلیقے سے تراشے بال اور گھورتی بڑی بڑی سبز آنکھیں۔

وہ ایک لمحے کے لیے کوئی حرکت نہ کر سکی۔ رفیق خان آگے بڑھا۔ وہ پیچھے نہیں ہٹ سکتی تھی' اس کے پیچھے چولہا تھا۔ اس نے ایک طرف سے نکلنے کی کوشش کی تو رفیق خان نے ہاتھ بڑھا کر روک دیا۔ زاہدہ نے چہرہ اوپر کر کے اس کی طرف دیکھا۔ بولی کچھ نہیں۔

رفیق خان اسے دیکھ رہا تھا۔ سیاہ کاٹن کے سوٹ پر بڑی سی چادر اوڑھے وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ حسن تو آج بھی اس کا آفتاب تھا۔ بس دکھوں کی دھوپ نے اس کی آنکھوں میں اداسی اور آنکھوں کے نیچے حلقے ڈال دیے تھے۔ آج بھی اس کے ریشمی بال اتنے ہی لمبے تھے۔ اس کی بڑی چادر سے بھی اس کی چوٹی باہر لٹکتی نظر آتی تھی۔ وہ خاموش کھڑی رہی۔

رفیق نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹی سی ڈبی نکالی اور اس کی طرف بڑھا دی۔ زاہدہ نے ہاتھ نہیں بڑھایا خاموشی سے اس ڈبی کو دیکھتی رہی۔ سرخ رنگ کی چھوٹی سی مخمل کی ڈبیا۔ رفیق نے دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تو اس نے فوراً اس کے ہاتھ سے وہ ڈبیا لے لی۔

"یہ ناک کی لونگ ہے پہن لو' میں ابھی مرا نہیں ہوں۔" یہ کہہ کر تیزی سے کچن سے نکل گیا۔ ڈبیا دیکھ کر جیسے وہ ماضی میں کھو گئی۔ جب رفیق اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے کہہ رہا تھا۔

"لونگ اتار دو' اب اس کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔ میں واپس نہیں آؤں گا۔ تم جب چاہو' میں تمہیں چھوڑنے کے دستخط کر دوں گا' پھر تم آزادی سے اپنا فیصلہ کر سکتی ہو۔"

اور اس نے روتے ہوئے اپنی لونگ اتار کر اس کے ہاتھ میں رکھ دی تھی۔ رفیق نے اس کے سہاگ کی وہ آخری نشانی بھی اس سے چھین لی تھی۔ پھر سب زیورات کے ساتھ ڈبے میں بند کر کے اس کے سامنے الماری کو مقفل کر دیا تھا۔ آج بھی وہ الماری ویسے ہی بند تھی۔ اس نے اس الماری کو کھولنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

اور آج وہی رفیق خان اس کے لیے لونگ لایا تھا۔ اس نے آہستہ سے ڈبیا کھولی۔ اندر ہیرے کی چمکتی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

چھوٹی سی لونگ جگمگا رہی تھی۔ زاہدہ نم آنکھوں سے چند لمحے اس کو دیکھتی رہی پھر ڈبیا بند کر کے دراز میں رکھ دی۔ لونگ پہننے کا اس کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

کھانا کھا کر جب رفیق خان جانے لگا تو زاہدہ ڈرائنگ روم کے دروازے تک آئی۔ رفیق نے اچانک ہی مڑ کر کہا۔

"لونگ پہننے کے لیے دی تھی۔ دوبارہ آؤں تو نظر آئے ورنہ تم جانتی ہو۔۔۔۔"

☼ ☼ ☼

ایک شام اچانک رفیق نے کہا۔ "چلو میرے ساتھ۔ تم سے کام ہے۔"

"کہاں؟" زاہدہ نے کہا۔

"ابھی دو گھنٹے میں واپس آجائیں گے چلو بس۔"

زاہدہ کا وزن بڑھ گیا تھا اور اب اس کے لیے چلنا ذرا دشوار ہوتا تھا۔ مگر رفیق کے حکم پر اس نے بڑی سی چادر لپیٹی اور چل دی۔

گاڑی ڈیفنس سے نکل کر کلفٹن میں داخل ہو گئی اور ایک بنگلے کے سامنے رک گئی۔ بنگلے کے باہر دو گارڈز تھے۔ ڈرائیور نے ہارن دیا گیٹ کھل گیا۔ بنگلہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ چھوٹا سا لان تھا۔ ڈرائیو وے میں گاڑی رکی تو رفیق اترتے ہوئے بولا "نیچے اترو۔" وہ نیچے اتر آئی۔ ابھی وہ اتری ہی تھی کہ ایک نسوانی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"ریف!" اس نے مڑ کر دیکھا۔ رفیق لاؤنج کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ اس کی گردن میں دو ہاتھ ڈلے ہوئے تھے جیسے کوئی اس کے گلے لگا ہو۔

زاہدہ کا دل حلق میں آگیا۔ اس کے پیٹ میں جیسے گرہیں پڑ رہی تھیں۔ اسے ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔ وہ کانپ رہی تھی مگر پھر بھی اس نے قدم بڑھائے سامنے نظر آنے والا نظارہ اگر کوئی اور دیکھتا تو کسی فلم کا سین سمجھتا۔ مگر یہ سب منظر زاہدہ دیکھ رہی تھی اور اس منظر میں اس کا عزیز از جان شوہر، اس کی زندگی کا حاصل، اس کی محبت۔۔۔ کسی اور کی کمر میں ہاتھ ڈالے مسکراتے ہوئے اس کا منتظر تھا۔

ثمرین، رفیق کے کندھے پر سر ٹکائے لاؤنج کے دروازے میں کھڑی زاہدہ کو بڑی طنزیہ مسکراہٹ سے اوپر سے نیچے نظریں دوڑا کر دیکھ رہی تھی۔

"سیم! یہ ہے زاہدہ اور زاہدہ! یہ ہے سیم۔" رفیق نے تعارف کروایا۔

"ہیلو، کیسی ہو؟ اور بشامہ کیسی ہے؟" ثمرین نے پوچھا۔

بڑی مشکل سے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے اپنا کانپتا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ یکایک جیسے اس کے سارے بدن میں ایک ناقابل برداشت جلن دوڑ گئی۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں تو اس نے سر جھکا لیا۔

"سرپرائز کرنے والی عادت نہیں گئی تمہاری۔ بتا دیتے مجھے کہ تم زاہدہ کو لے کر آرہے ہو تو میں کچھ انتظام کر لیتی اور بشامہ کہاں ہے۔ اسے کیوں نہیں لائے تم؟" یہ کہتے ہوئے وہ لاؤنج کی طرف بڑھی۔ رفیق اس کے پیچھے پیچھے زاہدہ سے بے نیاز ہو کر ایسے چل دیا جیسے وہ یہاں موجود ہی نہ ہو۔ زاہدہ نے اپنے بہتے ہوئے آنسو پونچھے اور ان کے پیچھے چل دی۔ وہ ثمرین کے بالکل قریب بیٹھا اور صوفے کی پشت سے ہاتھ لے جا کر اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ زاہدہ کو سامنے والے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ثمرین مناسب قد کی حامل تھی۔ سانولا ملیالا رنگ، سیاہ بڑی بڑی آنکھیں، کھڑی ناک، خوب صورت بھرے بھرے ہونٹ، کندھوں تک کٹے خوب صورتی سے سنورے بال، سڈول خوب صورت جسم اس وقت اس نے جدید تراش خراش کا گہرے میرون کلر کا شلوار قمیص پہنا تھا۔ گلے میں نیکلس اور کانوں میں جھولتے آویزے۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی تمام انگلیوں میں انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ اس کے کانوں میں لمبے آویزوں کے علاوہ دو اور بھی چھوٹی چھوٹی بالیاں تھیں۔ ناک میں چھوٹی سی بالی جس میں ہیرا چمک رہا تھا۔ جو اس کے چہرے کی کشش کو اور بڑھا رہا

تھا۔ وہ دل میں اعتراف کر رہی تھی کہ خان کی پسند بہت خوب صورت تھی۔

اس کے سامنے بیٹھ کر رفیق خان ثمرین کے کانوں میں مسکراتے ہوئے سرگوشی کرتا اور وہ کھلکھلا کر ہنس دیتی یا برابر میں پڑا کشن شوخی سے اسے مارنے لگتی جسے وہ اپنے ہاتھوں پر روک رہا تھا۔

وہ وہاں موجود تھی، یہ بات شاید وہ دونوں ہی بھول گئے تھے۔

تب ہی ٹیلی فون کی بیل بجی تو دونوں کی توجہ ٹیلی فون کی طرف چلی گئی۔ ثمرین فون سننے لگی۔ زاہدہ نے ہمت کر کے خان سے کہا۔

"خان! گھر چلیں، بشامہ جاگ گئی ہوگی؟"

"ابھی نہیں، ثمرین کو برا لگے گا۔ تھوڑی دیر بیٹھو، پھر چلتے ہیں۔"

"آفس سے فون تھا۔ میں نے کہا، ایک گھنٹہ میں آتی ہوں۔"

وہ دونوں پھر اسے بھول کر دوبارہ باتوں میں مشغول ہو گئے۔ جب وہ ثمرین سے بات کرتا تو ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک آجاتی۔ مگر جب کچھ دیر پہلے اس نے جانے کے لیے پوچھا تو اس کی آنکھوں میں غصہ اور چہرے پر سنجیدگی آگئی۔

کتنا فرق تھا خان کے سلوک میں اور وہ اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ اسے ساتھ رکھے گا ثمرین کے۔ کیا وہ خان کے اس طرح کے سلوک کو برداشت کر پائے گی؟ اسے لگا جیسے وہ کسی انجان جگہ پر غیروں میں گھر گئی ہے۔ بالکل اکیلی ہے۔

کتنا وقت ہوا تھا، پتا نہیں، پھر اس نے اچانک ثمرین کو کہتے سنا۔ "ریف پلیز۔ اب مجھے جانا ہے تاکہ میں جلدی کام ختم کر کے آجاؤں پھر ڈنر ساتھ کریں گے۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔ بندہ تو غلام ہے۔" رفیق نے کھڑے ہو کر اس کے سامنے جھکتے ہوئے کہا تو اس نے کشن کھینچ کر مارا اور ایک بار پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔

زاہدہ دل میں شکر ادا کرتے ہوئے کھڑی ہوئی اور اس سے ہاتھ ملا کر باہر آگئی۔ وہ لاؤنج کے باہر کھڑی خان اور ثمرین کے قہقہوں کی آوازیں سن رہی تھی۔ پھر وہ دونوں باہر آگئے۔ رفیق نے ابھی تک اس کی کمر میں ہاتھ ڈال رکھا تھا۔ اور اس سے کہہ رہا تھا۔

"گارڈ لیے بغیر نہ جانا، خطرہ ہے اور کام ختم کر کے فوراً گھر پہنچو۔ میں زاہدہ کو گھر چھوڑ کر تمہارے پاس آجاؤں گا۔ اوکے۔"

ثمرین نے اوکے کیا اور پنجوں پر اونچے ہو کر رفیق کا گال چوم لیا۔

رفیق خان مسکراتے ہوئے اسے چھوڑ کر آگے آگے چل دیا اور وہ ان کے پیچھے پیچھے چل دی۔ سارے رستے ان دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ خان اسے باہر ہی سے چھوڑ کر چلا گیا۔ بغیر کوئی بھی بات کیے۔

اس کے آنسو رک ہی نہیں رہے تھے۔ اسے ایسا لگ رہا تھا، جیسے سب ختم ہو گیا ہے۔ ہر ہر منظر اس کے سامنے گھوم رہا تھا۔ اس کا دل غم سے، درد سے پھٹ رہا تھا۔ اس کے رونے کی آواز شاید زیادہ بلند تھی۔ کیونکہ چچی جان اور خان زادی آگئی تھیں۔ چچی جان پوچھ رہی تھیں کہ کیا ہوا اسے، کہاں گئی تھی؟ خان کہاں لے گیا تھا اسے مگر وہ اپنی ماں کو آوازیں دیتے دیتے بے ہوش ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

"تم کیا چاہتی ہو زاہدہ دو ٹوک بتاؤ؟" احتشام لالہ نے سوال کیا۔

"میری بالکل سمجھ میں نہیں آرہا لالہ! میں کیا کروں؟ ایک وقت تھا جب میں نے ضد کر کے زبردستی ان سے شادی کی پھر ان کی خوشی کے لیے انہیں اپنی ذمہ داری سے بھی آزاد کیا۔ میں نے بہت انتظار بھی کیا ہے۔ کیونکہ میں نے کبھی ان کے علاوہ کچھ سوچا ہی نہیں۔ کچھ کیا ہی نہیں۔ ان کے انتظار کے علاوہ مگر۔۔۔" سسکیوں نے اسے بات مکمل نہ کرنے دی۔

"مگر اب جب بچے، چچی جان، امبر، رمیض سب مل کر انہیں میرے قریب لانا چاہتے ہیں اور وہ بھی آنا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

چاہتے ہیں واپس ۔۔۔ معافی مانگی ہے مجھ سے لالہ! انہوں نے ہاتھ جوڑے ہیں۔ بہت نادم ہیں تو پتا نہیں کیوں دل مان نہیں رہا۔ میں فیصلہ نہیں کر پا رہی کہ خان کے دل میں میری جگہ ہے۔ وہ میرے لیے واپس آرہے ہیں یا اب ان کو ان کے بچے چاہئیں میں اب بھی نہیں۔" کچھ دیر رک کر آنسو پونچھنے کے بعد اس نے دونوں بھائیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لالہ میں ان اٹھارہ انیس دنوں میں بوڑھی ہونے لگی ہوں۔ دل میں جیسے طاقت ہی نہیں ہے۔ اگر خان واپس آئے اور انہوں نے پھر سے وہی رویہ رکھا وہی غصہ سرد مہری' خاموشی' بات بات پر ڈانٹنا' ہر بات پر ناراض ہونا' سب کے سامنے بے عزتی کرنا تو شاید دل اب برداشت نہیں کر سکے گا۔ مجھے ڈر لگتا ہے لالہ۔"

وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ احتشام آب دیدہ ہوگئے۔ اسے گلے سے لگا کر بولے۔

"یہ کیا زندگی ہے زاہدہ تیری' ہم چاروں جب بھی ملتے ہیں۔ تو روتی رہتی ہے۔ اب تو مجھ سے بھی برداشت نہیں ہوتا۔

زاہدہ! میں نے تجھ سے پوچھا ہے تو کیا چاہتی ہے؟ خان کے ساتھ رہنا ہے یا نہیں؟ کیونکہ خان اگر چاہتا ہے تو وہ اب اپنے بچے لے جائے گا۔ اب چچا جان اکیلے ہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ اب کچھ کر پائیں گے۔ تو پھر تو اس طرح اکیلی کیا کرے گی؟ اگر تجھے اس پر بھروسا نہیں ہے تو بالکل ختم کر اس بات کو' طلاق قبول کر۔ اس طرح دو کشتیوں میں سوار ہو کر منزل نہیں ملے گی۔ نکاح بھی ہے' ساتھ بھی نہیں ہو۔۔۔ یہ جینے کا طریقہ نہیں ہے۔"

"لالہ میں طلاق کا سوچنا بھی نہیں چاہتی۔ میں ایک بیٹی کی ماں ہوں میں نے اپنی بیٹی کے لیے بڑے بڑے خواب دیکھے ہیں اگر ایسی کوئی بات ان کے سامنے رکھی گئی اور انہوں نے قبول کرلی تو میری بیٹی کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ میں اس نکاح کو ختم نہیں کرنا چاہتی۔"

"اور اب تو قبیلے کے تمام سردار رفیق خان کی سرداری پر متفق ہیں اور لگ رہا ہے کہ عنقریب جرگہ اس کی دستار بندی کا اعلان کر دے گا۔" تنویر خان نے بات آگے بڑھائی۔

"پھر تو چچا جان جرگہ کے تقدس کا خیال رکھیں گے ہی اور تو ساری زندگی اکیلی رہ جائے گی۔" زاہدہ نے ایک بے چارگی اور یاس کے ساتھ بھائی کی طرف دیکھا۔

تنویر نے فوراً" کہا۔ "ہم تینوں جب تک زندگی ہے' تیرے ساتھ ہیں۔ تیرا خان کے ساتھ نکاح ہمارے ہاتھ باندھتا ہے۔ یا تو ہم تجھے لے جائیں یا پھر تو اپنے بچوں کے ساتھ رہ۔"

"اور یہ بھی تو غور کر کہ بابا جان کی یہی خواہش تھی کہ وہ فیملی میں واپس آئے۔ اور سردار نے۔ اتنی محنت کی' اتنا صبر کیا اور آخر میں آکر تھک گئی۔ تو تو مثال ہے ہم سب کے لیے صبر اور محبت کی۔ ڈر نہیں' وہ دے گا تجھے تیرا حق۔ تو خان زادی ہے رتبہ میں اس سے کم نہیں ہے۔" تنویر لالہ نے کہا۔

"لالہ! چچا جان نے شرط رکھی تھی خان کو جانے کی اجازت دینے کی کہ پھر کبھی میں انہیں قبول نہیں کروں گی اور میں نے بابا جان کے سامنے خان کی خاطر مان لی تھی۔ میں کیسے بات کر سکتی ہوں چچا جان کی اجازت کے بغیر۔"

اس کی بات پر دونوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

✲ ✲ ✲

رفیق خان ڈرائنگ روم میں ہاتھ پیچھے کمر پر باندھے اپنے دادا کی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ جس میں صابر خان اور اس کے بابا جان بھی تھے۔

"دیکھو! دادا جان اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ کتنے فخر سے کھڑے ہیں۔ آج مجھے ان کا یہ تصویر بنوانے کا مقصد سمجھ میں آیا ہے۔"

یکدم وہ اس کی طرف مڑے۔

"تم نے فون کیا تھا؟"

نظریں جھکائے سامنے بیٹھی وہ کوئی مورت لگ

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہی تھی۔ سفید کپڑے، سفید چادر اس کی زندگی سے تمام رنگ چھین کر اسے دو رنگ دیے تھے سیاہ اور سفید۔

"آپ نے بچوں کی کسٹڈی کا کیس فائل کیا۔ تب میں جانتی تھی کہ آپ کیس نہیں جیت پائیں گے اور وہی ہوا۔ آپ کو صرف بچوں سے ملنے کی اجازت دی گئی مگر آج آپ نے بچوں کو میرے خلاف کر دیا ہے میری انہیں پروا نہیں رہی۔ جیسے آپ نے کبھی میری پروا نہیں کی، وہی سب مجھے آج اپنے بچوں میں نظر آتا ہے۔ آپ نے آج تک جو کیا۔ وہ صرف میں نے نہیں، میرے باپ اور بھائیوں نے بھی صبر سے برداشت کیا ہے مگر اب مجھ میں اور حوصلہ باقی نہیں ہے۔ میں مزید کسی کی تکلیف اور پریشانی کا باعث نہیں بننا چاہتی۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ......"

اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس کی زبان بند ہو گئی اور آنکھیں بھیگ گئیں۔

رفیق کی بھی سانسیں رک گئیں۔ وہ جانتے تھے آج اس کے فیصلے پر ان کی زندگی ٹکی تھی۔ یہ وہی آواز تھی اور وہی لب، جو اس کے سامنے کبھی نہ کھلے تھے اور آج جب مدعا زبان پر آیا تھا تو ایک مسلسل سزا کے فیصلہ کے ساتھ۔

اس نے اپنی بھیگی پلکیں اٹھا کر رفیق کی طرف دیکھا جو بت کی طرح ساکت اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"بچے آپ کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ مجھے یا میری محبت کو کچھ جانتے تو آپ کے پاس جانے سے پہلے مجھ سے ضرور بات کرتے۔ انہوں نے آپ سے رابطہ کیا۔ آپ کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے میں ابھی تک آپ کی محتاج ہوں۔ آج آپ اپنی زندگی میں میری حیثیت کا تعین کر دیں تاکہ مجھے فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔" وہ خاموش ہو گئی۔ اسی خاموشی میں کئی منٹ گزر گئے۔

"میں نے تمہارے بچوں کو تمہارے خلاف نہیں کیا ہے زاہدہ! میں سب کچھ کرتا ہوں۔ مگر جھوٹ نہیں بولتا۔ یہ برائی میری فطرت میں نہیں ہے۔ تم اپنے بچوں سے بدگمان ہو رہی ہو۔ وہ جتنا تمہیں چاہتے ہیں، اس کا اندازہ نہیں ہے تمہیں۔ صرف اپنے ماں باپ کو ایک ساتھ اور خوش دیکھنا چاہتے ہیں میرے بچے۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ تم جیسے ہیں۔ وہ مجھے تمہاری وجہ سے چاہتے ہیں۔۔۔ اور رہا تم سے بات کرنے کا سوال تو تم اپنے آپ سے پوچھو۔۔۔ انہوں نے جب بھی تم سے میرے بارے میں بات کرنے کی کوشش کی، تم نے انہیں جواب دیا؟ غلط فہمی ہے تمہیں کہ بچے میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود وہ مجھ سے جتنا پیار اور عزت کرتے ہیں، یہ سب تمہاری بدولت ہے اور میں اس بات سے کتنا خوش ہوں، میں بتا نہیں سکتا۔ میرے بچوں سے بدگمان نہ ہو۔ یہ میری درخواست ہے تم سے۔"

رفیق خان نے بچوں کے بارے میں تو اسے بتا دیا مگر وہ خود کیا چاہتا ہے، یہ سوال ابھی تک اپنی جگہ موجود تھا۔ اس کے اندر کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

"میں تمہارے بارے میں کیا سوچتا ہوں؟ تم میری کیا ہو؟ میری زندگی میں تمہاری کیا جگہ اور حیثیت ہے..... میں تم سے یہ ہی کہوں گا کہ بچے جو چاہتے ہیں، انہیں کرنے دو۔ اگر ان کا ساتھ نہیں دینا چاہتیں تو خاموش رہو۔ انکار یا اقرار مت کرو جیسے تم نے کل بھروسا کیا تھا مجھ پر ایک مرتبہ پھر میرے کہنے پر مجھ پر بھروسا کر لو۔

میں مانتا ہوں، تمہارے ساتھ تمہارے بابا جان اور بھائیوں نے بھی بہت تکلیف برداشت کی ہے۔ میں تمہاری ساری باتوں کے جواب میں تم سے ایک مرتبہ پھر بھروسا مانگتا ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں میری وجہ سے تمہیں اب کبھی پریشانی نہ ہو گی۔" کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ رات اس نے ہسپتال میں گزاری اور دوسرے دن صبح نو بجے گھر آئی۔ جب وہ لاؤنج میں پہنچی تو سامنے سیڑھیوں سے رفیق خان اترتا دکھائی دیا وہ آفس جانے کے لیے تیار تھا۔ اسے دیکھ کر وہیں رک گیا۔

"کیسی طبیعت ہے؟"

زاہدہ نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔

"ایسا کیا ہو گیا تھا کہ تم بے ہوش ہی ہو گئیں۔ یہ ڈراما آئندہ نہیں ہونا چاہیے۔ سب کچھ تو ہے گھر میں۔ کھاؤ پیو عیش سے رہو۔"

وہ حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس سے دلی لگاؤ تو دور، انسانی ہمدردی بھی نہیں رکھتا، جو ایک راہ چلتے کو بھی دوسرے انسان سے ہو جاتی ہے۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں تو اس نے سر جھکا لیا۔

"میں آج رات کو نہیں آؤں گا۔ میرا انتظار نہ کرنا۔ اگر وقت ہوا تو کل صبح شاید چکر لگا لوں۔" کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ کتنی آسانی سے جا رہا تھا اور وہ اس کے قدموں کو جاتے ہوئے نہیں اپنی زندگی سے نکلتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔

وہ اس رات کو گھر نہ لوٹا۔ زاہدہ نے ساری رات جیسے انگاروں پر لوٹ کر گزاری تھی۔

☼ ☼ ☼

"اب ہم سے تمہارا تعلق صرف اتنا ہے کہ زاہدہ کے بچوں کی ولدیت میں تمہارا نام لکھا جائے گا۔ اس سے زیادہ نہیں۔"

"مجھے منظور ہے۔ زاہدہ کو جب کسی چیز کی ضرورت پڑے، مجھے بتا دے۔ زاہدہ میری ذمے داری رہے گی مگر۔" خلاف توقع رفیق خان نے آرام سے بات کی تھی۔

"جو ثمرین نے اور میں نے برداشت کیا آپ لوگوں کے ہاتھوں، وہ حساب میں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔" رفیق نے تنویر خان کو دیکھ کر کہا۔

"تم یک طرفہ بیان سن کر فیصلہ کر رہے ہو خان! اگر تم بدلہ چاہتے ہو تو پہلے تحقیق کرو اصل بات کی پھر کوئی قدم اٹھانا۔ پھر بھی تم سمجھتے ہو کہ وہ حساب اس طرح چکتا ہوتا ہے تو غلط سمجھ رہے ہو، تم نے جو میری بیٹی کے ساتھ آج تک رویہ اختیار کیے رکھا اور اب جو کچھ اسے دے کر جا رہے ہو، وہ اس سے زیادہ ہے۔" سرور خان نے سنجیدگی سے کہا۔

"تایا جان! صرف آپ کی بات مانتے ہوئے میں کوئی بھی قدم بغیر تحقیق کے نہیں اٹھاؤں گا۔ لیکن اگر ثمرین کا کہا ذرا سا بھی سچ ثابت ہوا تو میں اپنا بدلہ ضرور لوں گا۔"

یہ کہہ کر رفیق خان کھڑا ہوا۔ بشامہ کو زاہدہ کی گود سے لیا اور زاہدہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ زاہدہ اس کا ہاتھ تھام کر کھڑی ہو گئی، پھر وہ اس کا ہاتھ تھامے اس کے کمرے میں لے آیا۔ بشامہ کو پیار کر کے اسے پھر زاہدہ کی گود میں بٹھا دیا۔ وہ تیزی سے اپنے تمام کاغذات وغیرہ بیگ میں ڈالنے لگا۔ زاہدہ روتے ہوئے ساری کارروائی دیکھ رہی تھی۔

"خان!" وہ بیگ لے کر جانے ہی والا تھا کہ زاہدہ نے آواز دی۔

"خان! مجھے بھولیے گا نہیں۔ میرے بچوں کو یاد رکھیے گا۔"

وہ رفیق خان کا ہاتھ پکڑ کر سسک اٹھی۔

"اگر تم یہ نکاح رکھنا چاہتی ہو تو تمہیں یہ دو رنگ دے رہا ہوں۔ میں تمہیں صرف ان دو رنگوں میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم نے اور تمہارے باپ نے جو میرے اور ثمرین کے ساتھ کیا ہے۔ یہ اس کا بدلہ بھی ہے اور میرا حکم بھی۔۔۔ اور سنگھار بھی اب تم پر حرام ہے۔"

رفیق خان نے الماری سے ایک سیاہ اور ایک سفید کاٹن کا سوٹ نکال کر اس کے سامنے بیڈ پر ڈھیر کر دیا۔ پھر بشامہ کو پیار کر کمرے سے نکل گیا اور زاہدہ بھیگی آنکھوں سے خوشیوں اور خوابوں کو اپنی زندگی سے رخصت ہوتے دیکھتی رہ گئی۔

خان کے جانے کے ڈیڑھ مہینے بعد عبدالرحمن اور عبداللہ دنیا میں آئے۔ زاہدہ کو موہوم سی امید تھی کہ وہ آئے گا مگر وہ نہیں آیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اسی طرح زندگی چلتی رہی اور وہ خان کی مقرر کی ہوئی حدوں میں رہتے ہوئے اپنے بچوں کے ساتھ زندگی گزارنے لگی۔ چچی جان نے کئی مرتبہ کوشش کی کہ وہ ان رنگوں کے علاوہ بھی کوئی رنگ پہنے مگر اس نے کبھی خان کی بات کو رد نہ کیا۔

خان کے جانے کے تین مہینے کے بعد ہی اس کی پھوپھی نے دونوں بھائیوں کے سامنے یہ بات رکھی کہ اگر رفیق خان سے طلاق دلوادی جائے تو وہ زاہدہ کو بلاول خان کے لیے مانگتی ہیں۔ یہ سلسلہ تین مہینے تک چلتا رہا۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ چچا جان اس کی خوشی چاہتے تھے۔ انہوں نے بہت زور دیا مگر وہ نہیں مانی۔ یہ بات رفیق خان کے کانوں تک پہنچ گئی اور تب ایک دن صبح جب وہ اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ دروازہ کھلا اور رفیق خان اندر آیا۔ وہ حیران دیکھتی رہی کہ شاید یہ خواب ہے۔

"زاہدہ! میں نے سنا ہے پھوپھی جان تمہارا رشتہ لائی ہیں بلاول کے لیے۔ میں چاہتا ہوں تم ہاں کردو۔ میرا انتظار فضول ہے۔ میں ثمرین کے ساتھ بہت خوش ہوں۔ میں کبھی لوٹ کر نہیں آؤں گا۔ تم جب چاہو میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ زاہدہ بلک کر رو پڑی۔

"اپنے بچوں کو ہی دیکھ لیتے۔ اپنے بیٹوں کو۔۔۔۔"

✡ ✡ ✡

اتوار کی صبح ناشتے کے بعد صابر خان لان کے معائنے کے لیے نکلے۔ حج سے آنے کے بعد ان کا یہی معمول ہو گیا تھا۔ ابھی وہ دیکھ ہی رہے تھے کہ پہلے ایک بڑی پراڈو ڈرائیو وے میں رکی اور پھر اس کے بعد دو گاڑیاں گیٹ سے اندر داخل ہو گئیں۔ وہ ان سب گاڑیوں کو پہچانتے تھے۔ اس لیے اپنی جگہ کھڑے دیکھتے رہے۔

پہلی گاڑی سے احتشام باہر نکلے۔ سامنے سے آتے ہوئے وہ بالکل خان سرور خان کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ وہی لمبا قد' دبلا جسم' چہرے پر وہی مسکراہٹ۔۔۔۔ انہیں دیکھ کر صابر خان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ انہیں لالہ شدت سے یاد آئے۔ قریب آکر احتشام نے چچا کے ہاتھ چومے پھر ہاتھ ملایا۔ سلام کے ساتھ طبیعت وغیرہ پوچھی پھر ساتھ ٹہلنے لگے۔

"زہے نصیب۔۔۔۔ میرے بیٹے آئے ہیں۔۔۔۔ مگر یہ کیوں آیا ہے میرے گھر؟ آج تو پانچ تاریخ نہیں ہے۔" وہ ڈرائیو وے پر رکی تیسری گاڑی کے پاس سر نیچے کیے کھڑے رفیق خان کو دیکھ کر درشت لہجے میں بولے۔

"آپ سے معافی مانگنے آیا ہے چچا جان!" احتشام لالہ نے آرام سے کہا۔ صابر خان خاموشی سے چند لمحے احتشام خان کو دیکھتے رہے' پھر بولے۔

"میں آج تک افسوس کرتا ہوں رفیق میرا بیٹا کیوں ہے؟ وہ اتنا احسان فراموش' سطحی سوچ رکھنے والا' بے ضمیر اور بے بنیاد آدمی ہے کہ مجھے اس کو بیٹا کہتے ہوئے نفرت محسوس ہوتی ہے۔"

"چچا جان! زاہدہ کی خوشیوں کی خاطر آپ اسے گلے لگالیں۔"

"وہ قابل اعتبار نہیں ہے احتشام! مجھے ڈر لگتا ہے کہ اس کی کوئی بھی حرکت مجھ سے میرے بچے چھین لے گی۔"

احتشام نے چچا جان کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامتے ہوئے کہا "چچا جان! یہ بچوں کی ہی خواہش ہے کہ ان کا باپ آپ سے معافی مانگے۔ بچے اسے اپنی ماں کے ساتھ دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی ماں کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔"

سرور خان کا انتقال اچانک ہارٹ اٹیک سے ہوا تھا۔ جب انہیں دل کا درد اٹھا تو شاید وہ موت سے آگاہ تھے' ان کی خواہش تھی رفیق سے ملنے کی مگر ایک تو رفیق خان ملک میں نہیں تھا اور دوسرے ثمرین نے اس کا نمبر دینے سے صاف انکار کرتے ہوئے احتشام سے کہا تھا کہ "رفیق کا اب ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے' اس لیے کوشش بھی نہ کی جائے۔" وقت کم تھا۔ سرور خان نے آخری لمحوں میں صابر

WWW.PAKSOCIETY.COM

خان سے کہا تھا۔

"جب بھی وہ لوٹ کر آئے' اسے گلے سے لگالینا میری خاطر ورنہ میری روح بے چین رہے گی۔" اور پھر وہ سب کو روتا چھوڑ گئے تھے۔

صابر خان کو وہ سب یاد آیا تو ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"میں صرف لالہ کی خواہش کے احترام میں اسے معاف کرتا ہوں۔۔۔۔ اور زاہدہ کی خوشی بھی عزیز ہے مجھے۔" انہوں نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اس نالائق کو آج بھی اندازہ نہیں ہوا کہ وہ صرف فون پر ہی مجھ سے اپنے رویے کی معافی مانگ لیتا تو میں اس کو کب کا معاف کر چکا ہوتا۔ اسے اندازہ ہی نہیں ہے کہ میں اس سے کتنا پیار کرتا ہوں اور قسمت دیکھو اس آدمی کی۔۔۔۔ اس کے چاروں طرف محبت کرنے والے ہی تھے مگر وہ کم عقل ہمیشہ اپنی آنکھیں اور کان بند کیے رہا' اسے کھرے اور کھوٹے میں تمیز ہی نہیں ہے۔ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اب اگر اس نے کچھ بھی کہا تو میں خود کو شوٹ کرلوں گا۔ مجھ سے اب برداشت نہیں ہوتا بیٹا!" صابر خان باقاعدہ رو پڑے۔ تینوں بچے پیچھے سے آکر ان سے لپٹ گئے۔

صابر خان بچوں کو ساتھ لپٹائے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے۔ احتشام' تنویر اور تیمور نے بھی ان کی تقلید کی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے رفیق خان بھی ان کے پیچھے اندر داخل ہوئے۔ صابر خان صوفے پر بیٹھ گئے تو رفیق آگے بڑھا اور باپ کے پیروں میں گر گیا۔ باپ نے اسے اٹھا کر گلے سے لگالیا۔ رفیق خان رو رہا تھا۔ اس کی وجہ سے بچے' چچی جان اور زاہدہ کی بھی کمرے میں سسکیاں گونج رہی تھیں۔

"بابا جان! میں کل بھی غلط تھا اور آئندہ بھی غلط ہو سکتا ہوں۔ میں اب آپ کو کبھی نہیں جھٹلاؤں گا۔ آپ بڑے مقدس گھر سے آئے ہیں' مجھے میری ہر غلطی کے لیے معاف کر دیں۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کردیں۔ میں نے جو نقصان کیا' میں

پیارے بچوں کے لئے

پیاری پیاری کہانیاں

بچوں کے مشہور مصنف

محمود خاور

کی لکھی ہوئی بہترین کہانیوں پر مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ اپنے بچوں کو تحفہ دینا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ 2 ماسک مفت

قیمت -/300 روپے
ڈاک خرچ -/50 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے جو دکھ دیے آپ کو، تایا جان کو۔۔۔ مجھے معاف کر دیں بابا جان!"

"میں نے اللہ کے لیے تجھے معاف کیا رفیق خان! اللہ بھی تجھے معاف کر دے۔" انہوں نے زاہدہ کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

"زاہدہ، تیرے صبر اور دکھ کے دن ختم ہو گئے۔ میری دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔ اللہ تجھے بہت ساری خوشیاں دے۔ بہت لمبی عمر دے آمین۔"

چچا جان نے اس کا ہاتھ رفیق کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا "رفیق! کل یہ ہاتھ تجھے لالہ نے سونپا تھا، تو نے قدر نہیں کی مگر آج یہ ہاتھ میں نے تجھے سونپا ہے، میری عزت رکھنا اور اسے اب کوئی کمی کوئی غم کوئی دکھ نہ دینا۔ اب ثابت کر دے کہ تو واقعی ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ دکھا دے ان لوگوں کو جو خوش ہوتے تھے تیرے جانے سے۔۔۔ تو سردار خان رفیق خان ہے۔ وعدہ کر۔ قول دے مجھے کہ تو اب اس کی وہ قدر کرے گا جس کی یہ حق دار ہے۔"

"میں زاہدہ کو خوش رکھوں گا آپ کی امیدوں اور اپنے بچوں کی خواہش کا احترام میری زندگی کا مقصد ہو گا۔"

رفیق خان نے زاہدہ کا سرد ہاتھ اپنے مضبوط گرم ہاتھوں میں تھاما تھا۔

☼ ☼ ☼

رات کی رانی کی بھینی بھینی خوشبو۔۔۔ آم کے درختوں کی مہک۔۔۔ ٹھنڈی ہوائیں بہت مہکی مہکی تھیں۔ سفید ماربل سے بنے مغلیہ طرز کے ٹیرس پر وہ دونوں خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ سب لائٹیں بند تھیں مگر چاند کی دودھیا روشنی میں سب واضح تھا۔ زاہدہ کا سرخ لباس، دونوں ہاتھوں کی چوڑیاں، آنکھوں کا کاجل اور ناک میں پڑی ہیرے کی لونگ۔۔۔ خان نے اس کا ہاتھ تھام کر ہونٹوں تک لے جانا چاہا تو اس نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے ہاتھ چھڑا لیا۔ وہ مسکرا دیا۔

رفیق نے زاہدہ کے کندھے کو چھوا "میری آنکھیں پڑھو۔ مجھے تمہاری مدد چاہیے۔

زاہدہ! ابھی جو میں کہنے جا رہا ہوں۔ اس سے میرا بوجھ تو ہلکا ہو جائے گا مگر ہو سکتا ہے تم ٹوٹ جاؤ مگر اس وقت مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میں جانتا ہوں میں غلطی پر تھا اس لیے معافی بھی مانگ رہا ہوں۔" پھر چند لمحے خاموش رہا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے بالکل قریب بٹھا لیا۔ اتنا قریب کہ وہ اس کے کلون کی مہک محسوس کر سکتی تھی۔

"محبت ایک بار ہوتی ہے اور ایک سے ہوتی ہے اور وہ میں نے ثمرین سے کی۔ بابا جان نے جو کیا، وہ سب مجھے پاگل اور جنونی کرنے کے لیے کافی تھا۔ تین مرتبہ مرنے کی کوشش کی۔ بابا جان کو تنگ کرنے کے لیے جرم کی راہ اختیار کی مگر تایا جان نے ضمانت کروالی۔ آئندہ بھی سپورٹ کیا۔ احتشام لالہ کے ساتھ کام پر لگایا جنہوں نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی۔ مجھے سراہا مجھے ہمت دی، پیسہ دیا۔

ڈھائی سال بعد تایا جان کی کوششوں سے گھر واپس آگیا مگر ماں اور باپ سے تب بھی دور رہا کیونکہ سب کچھ کے باوجود میں اسے بھلا نہیں سکا تھا پھر تایا جان کے گھر تم سے ملاقات ہوئی۔ وہ پہلی ملاقات مجھے آج تک یاد ہے۔ تمہاری وہ باتیں اور شرارتی آنکھیں مجھے کبھی نہیں بھولیں۔ میں تم سے دس سال بڑا ہوں مگر اس وقت کی فیلنگز کو نہ جان سکا۔"

وہ زاہدہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی مہندی دیکھنے لگا۔ زاہدہ محویت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اچانک رفیق خان نے زاہدہ کا ہاتھ چوم لیا۔ پھر اپنے ہاتھوں کی انگلیاں اس کے ہاتھوں میں ڈال کر مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تایا جان کو میں اپنا سب سے بڑا محسن سمجھتا تھا۔ مگر جب تایا جان نے شادی کی بات کی تو مجھے لگا، تایا جان بھی بابا جان کے ساتھ مل کر مجھے ثمرین سے الگ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور مگر جب انہوں نے تمہارا نام لیا تو مجھے بہت افسوس ہوا کیونکہ میں تمہیں

دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔

پھر میں نے تمہیں یہ سوچ کر دھمکایا کہ تم اب گھر جا کر یہ سب بیان کرو گی اور تمہارے بھائی میرے خلاف کھڑے ہو جائیں گے مگر تم نے خاموشی اختیار کر کے میرے پلان کو فیل کر دیا۔ تم نے مجھے بالکل سوچنے سمجھنے سے عاجز کر دیا یہ کہہ کر کہ تم مجھے پسند کرتی ہو۔ مجھے بہت دھچکا لگا۔ تمہاری وہ ساری باتیں آج تک مجھے یاد ہیں لفظ بہ لفظ۔۔۔ میں تب بھی نہ سمجھا کہ تم کیوں میرے دل پر نقش ہوتی جا رہی ہو۔

بلاول تمہیں بہت پسند کرتا تھا۔ خواہش مند تھا تم سے شادی کا۔ اس وقت مجھے کچھ محسوس نہیں ہوا تھا مگر جب میں خود تم سے بلاول سے شادی کا کہہ رہا تھا تو تم سے آنکھیں نہیں ملا پا رہا تھا۔ میں جب بھی نہ سمجھا۔۔۔

پھر تمہارے بھائیوں نے بات کی مجھ سے میں نے تمہیں صرف اس لیے مسترد کیا کہ میں تمہیں دکھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اپنے ماضی اور حال میں مجھے کوئی ایسی بات نظر آتی تھی کہ جس سے تمہیں خوشی ہو۔۔۔ مگر پھر بھی میری نہ سنی گئی۔ اور آخر کار تایا جان نے سب کو بلا کر مجھے فیصلہ سنا دیا۔

پھر ہماری شادی ہو گئی۔ تمہیں تنگ کرنے کے لیے جو کچھ میں کر سکتا تھا، میں نے کیا۔ مگر تم نے میری کبھی شکایت کی نہ تم نے مجھے چھوڑا۔ میں تمہاری خدمت اور اطاعت سے بھی متاثر نہ ہوا۔ تین مہینے تم نے میرا انتظار کیا، پھر شاید۔۔۔ تمہارے حسن کی تاب نہ لا کر میں تمہارے قریب ہوا تھا۔ میں یہی سوچتا تھا مگر ایسا تھا نہیں۔ مجھ میں وہ شعور نہ تھا کہ میں اپنے جذبات کو تمہارے لیے پہچان سکتا۔۔۔ پھر شامہ آئی۔ میرے اپنے وجود کا حصہ۔۔۔ مگر تم سے رویہ پھر بھی میں نے نہیں بدلا۔ میں تمہارے قریب آنے کی ہر کوشش کو ناکام کرتا رہا۔ جھٹلاتا رہا اپنے آپ کو کہ تم سے میرا کوئی دلی لگاؤ ہے ہی نہیں۔

پھر جب عبداللہ اور عبدالرحمن آنے والے تھے۔ ان ہی دنوں ثمرین مجھے دوبارہ مل گئی۔

اس نے مجھے بتایا کہ بابا جان نے اسے تین دن ایسی جگہ پر رکھا، جہاں بہت سیلن اور نمی تھی۔ بدبو تھی، اندھیرا تھا۔ دن میں ایک مرتبہ کھانا اور پانی دیا جاتا۔ دو آدمی مقرر تھے جو اسے گن پوائنٹ پر واش روم لے جاتے اور اس سے بدتمیزی کرنے کی بھی کوشش کرتے۔ ان باتوں سے میری نفرت اور بڑھ گئی۔ پھر ان دونوں ماں بیٹی کو یو کے پہنچا دیا گیا۔ وہ دونوں آدمی بھی ساتھ ہی گئے۔ یو کے میں تنویر نے انہیں ایک گاؤں ٹائپ سنسان جگہ پر رکھا جہاں ضروریات زندگی کے علاوہ اور کوئی چیز نہ تھی۔ نہ فون اور نہ ٹی وی۔ دو مرتبہ تنویر نے اس سے زبردستی کی کوشش بھی کی۔ اس تمام عرصے میں تنویر کے دوست بھی اکثر اس کے ساتھ آتے اور اس سے ڈرنک بنواتے اور اس کو بے عزت کرتے تھے۔ پھر تنویر نے تو آنا کم کر دیا مگر کوئی نہ کوئی بدمعاش دوست ہر روز آکر بیٹھ جاتا اور رات بھر اسے باتیں کرنے کے لیے مجبور کرتا۔"

زاہدہ دم سادھے سن رہی تھی۔

"ثمرین نے بتایا کہ تنویر سال میں صرف دو مرتبہ کپڑے لاتا تھا۔ وہ بھی ثمرین کے لیے اتنے چھوٹے ہوتے کہ بدن بھی پورا نہ چھپ پاتا۔ اور اس کی وجہ وہ یہ بتاتا تھا کہ کپڑے تو شرفا کے پہننے کے لیے بنتے ہیں اور وہ ایک طوائف ہے۔ اسے تن ڈھانپنے کی نہیں، دکھانے کی ضرورت ہے۔"

رفیق سپاٹ چہرہ لیے اسے بس سناتا جا رہا تھا۔

"اس کے دوست آکر اس سے زیادتی کرتے، پھر اسے دھتکار کر چلے جاتے۔ یہ روز کا معمول تھا۔ اس پر اتنا تشدد کیا گیا کہ وہ مجھے بھول گئی۔ اس کی ماں مر گئی اور پھر ایک دن تنویر نے اسے پاسپورٹ دے دیا۔ وہ پاکستان آگئی اور اب یہاں ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں جاب کر کے کرایہ کے ایک فلیٹ میں گزارا کرنے لگی۔"

رفیق خان نے ایک گہری سانس بھری۔ زاہدہ کا ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

"ثمرین کی اس کہانی نے میری غیرت اور نفرت کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

خوب ابھارا‘ تب ہی میرا رویہ تمہارے ساتھ سخت ہو گیا۔ میں جب تمہیں دیکھتا‘ مجھے بہت غصہ آتا۔ میں نے تم پر جو بھی سختی کی‘ ان ہی باتوں کی وجہ سے کی۔ میں موقع کی تلاش میں لگ گیا کہ جیسے ہی کوئی مجھے کچھ کہے میں دل کی بھڑاس نکال لوں۔ تنویر سے سب کے سامنے سوال کروں گا۔ مگر یہاں بھی تم نے سب کو ٹھنڈا کر دیا‘ کچھ بھی نہ ہوا۔ حتیٰ کہ کسی نے مجھ سے اونچی آواز میں بات بھی نہ کی۔ میرا سارا پلان پھر فیل ہو گیا۔ آفس میں آنے سے بھی مجھے کسی نے نہیں روکا۔ میں نے تنویر سے بدلہ ایسے لیا کہ اس کی ایکسپورٹس پر دھیان دینا چھوڑ دیا اور آنے والی کمپلینز کو بھی دور نہیں کیا۔ اسے بہت نقصان ہوا۔ تایا جان نے دوسرا آفس کھولنے کا فیصلہ کیا‘ میں نے بہترین پروڈکشن کے ساتھ اپنی کمپنی کو اس کے مقابلے پر کھڑا کر دیا تنویر نے تب بھی مجھے کچھ نہ کہا۔ پھر میں نے تمہیں ثمرین سے ملوانے کا فیصلہ کیا۔ میرا خیال تھا‘ تم دکھی ہو جاؤ گی‘ چیخو چلاؤ گی تایا جان اور تنویر کو تکلیف ہو گی مگر یہاں بھی تم ثابت قدم رہیں۔ میں نے تمہارا سب کچھ چھین لیا‘ صرف دو رنگ تمہیں دے دیے۔ میں نے سوچا اب سب چلائیں گے مگر کوئی کچھ نہ بولا۔ میں پھر ناکام ہو گیا۔"

رفیق نے ایک گہری نظر ڈال کر منہ دوسری طرف کر لیا۔ "ایک لمحہ کو بھی مجھے میرے بچے یا تم یاد نہیں آئے۔ ثمرین کو میں نے گھر دیا۔ جتنا اس نے مانگا اس سے زیادہ دیا۔ اس کے لیے اس کی اپنی ایڈورٹائزنگ کمپنی کھول کر دی۔ مگر وہ میری قدر اس طرح نہیں کرتی تھی جس طرح تم کرتی تھیں اور آج بھی اسی طرح کرتی ہو۔"

زاہدہ کی ہچکیاں بلند ہو گئی تھیں۔ وہ ٹوٹ رہی تھی۔ رفیق اس کا سر اپنے سینے پر رکھ کر سہلانے لگا۔

"آہستہ آہستہ اس کی مصروفیات بڑھ گئیں۔ بعض وقت وہ ایجنسی کے کام کی وجہ سے رات‘ رات بھر گھر نہیں آتی تھی اور وجہ کام بتاتی تھی۔ میں نے بھی اپنے کام کو مزید بڑھا لیا تھا۔ بچے اسے پسند نہیں تھے اور نہ ہی انہیں پیدا کرنے کا اس کے پاس ٹائم تھا۔ میں جانتا ہوں تم سوچتی ہو گی میں بچوں کو بھی دیکھنے نہ آیا مگر میں انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ ثمرین کا سبھاؤ دیکھ کر مجھے پچھتاوا ہوتا تھا مگر میرا گلٹ مجھے قدم بڑھانے نہیں دیتا تھا۔ میں شرمندگی میں پورے قد سے ڈوبا تھا۔ باوجود سب سے نفرت کے میں تمہیں یاد کرتا تھا۔ بشامہ یاد آتی تھی۔ چھوٹے بچوں کی تصوراتی شبیہ تھی میرے دماغ میں مگر بابا جان مجھے طعنہ دیں گے۔ سب ہنسیں گے مجھ پر۔۔۔ اس لیے نہ لوٹا۔

مرد دوست کام کے سلسلے میں گھر آتے جاتے اور میری غیر موجودگی میں رہتے۔ ترقی کی تیز دوڑ میں ثمرین سب حدود بھول گئی اور میں بے غیرتوں کی طرح صرف اپنے آپ کو سزا دینے کے لیے اس کے ساتھ رہتا تھا۔

ہر وقت میں اور میرا دل میرے ضمیر کے نشانے پر رہنے لگا۔ یہ سزا بہت زیادہ تھی۔ تمہیں سیاہ کپڑوں میں دیکھ کر احساس ہوتا کہ میری ساری بے سکونی کی وجہ تم پر ناحق ظلم ہے۔ میں نے تنویر اور باقی تمام لوگوں کا بدلہ تم سے لیا تھا‘ ظلم تھا یہ میرا۔ اسی لیے میں اپنی محبت کے ساتھ بھی خوش نہیں رہ سکا۔"

زاہدہ کو محسوس ہوا کہ وہ رو رہا ہے۔

"وقت گزر گیا خان! چھوڑیں پرانی باتوں کو۔۔۔"

خان نے آنسو پونچھ کر اس کے ہاتھ کو ہاتھ میں لے کر پھر چوما اور بات آگے بڑھائی۔

"میں نے بچوں کی کیس کسٹڈی فائل کی تو ثمرین خوب لڑی۔ اس کا خیال تھا کہ تم مجھے بچوں کے بہانے اس سے چھین رہی ہو۔ پھر ثمرین نے کوشش کی کہ وہ ماں بن جائے مگر تمام رپورٹیں ٹھیک ہونے کے باوجود وہ ماں نہ بن سکی۔۔۔

مجھے یاد ہے‘ تایا جان نے کہا تھا کہ جو بھی کرنا تحقیق کر کے کرنا۔ میں تنویر کے پاس یوکے جا پہنچا۔ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا ثمرین کی باتوں کا۔ مگر تنویر کے پاس تمام ثبوت تھے۔ جہاں وہ رہتی تھی۔ جہاں کام کرتی تھی۔ اور وہ کیسے وہاں رہتی تھی‘ اس کی ماں کیسے مری‘ سب جگہ تنویر مجھے خود لے کر گیا۔ سب سے

ملوایا۔ میں نے خود بات کی اور تمام باتیں کلیئر ہو گئیں۔

اسے تایا جان ہر مہینے پیسے بھیجتے تھے۔ اس کو وہاں گھر بھی دیا‘ بہت اچھی جگہ نوکری بھی دلوائی۔ وہاں وہ دو سال ایک آدمی کے ساتھ رہی۔ پاسپورٹ البتہ تنویر کے پاس تھا مگر جب اس نے وہیں سیٹل ہونے کا وعدہ کر لیا تو اسے دے دیا۔ جن تین دنوں کی قید کے بارے میں اس نے بتایا تھا۔ وہ غلط تھا۔ اسے کراچی کے ایک بہترین ہوٹل میں رکھا گیا تھا۔

بشامہ کی پیدائش کے بعد وہ گھر خالی کرتا تھا اور جو پیسے تایا جان بھیجتے تھے‘ وہ بھی سلسلہ ختم ہونے والا تھا۔ صرف چھ مہینے اس نے خود گزارہ کیا اور ماں کو نہ سنبھال سکی۔ نہ ہی اس کا علاج کروا سکی۔ اس کی ماں بیمار ہو کر اسے کوستے ہوئے مر گئی اور وہ پاکستان بھاگ آئی۔ میں نے کبھی اس کی ایجنسی یا آمدنی کے بارے میں نہیں پوچھا۔ مگر جب اس نے بچوں کو گھر سے نکالا تو مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔

"آہستہ آہستہ دل کے کہیں ایک کونے میں پردوں میں لپٹا کچھ نظر آیا۔ وہ تمہاری مورت تھی۔ تب مجھے احساس ہوا۔ آج تک میں وہ آنکھیں کیوں نہ بھول پایا۔ اتنے نوکروں کی خدمت کے باوجود تمہاری خدمتیں کیوں بار بار ہر لمحہ یاد آتی تھیں۔ مجھے تم سے۔۔۔ مجھے تم سے محبت تھی۔ زاہدہ! میں جان نہ سکا۔ مجھے دیر ہو گئی۔ تمہاری آخری بات خان ہمیں بھولے گا نہیں۔۔۔ میں واقعی تمہیں نہیں بھلا سکا۔۔۔

تب مجھے احساس ہوا کہ ایک خان زادے کو اتنا کچھ ہونے کے بعد جس نے زندہ رکھا‘ وہ تم تھیں۔ تمہاری حیا تھی۔ وہ عزت تھی جو تم نے سب لوگوں کے سامنے مجھے دی۔ تب میں نے جانا کہ میں تو تم سے محبت کرتا ہوں شدید محبت جسے میں محبت سمجھ بیٹھا تھا وہ تو میری نفرت اور انتقام کی راہ تھی۔ وہ تو ایک چھلاوا تھا حقیقت تو تم تھیں۔۔۔

میں نے وکیل سے مل کر طلاق کے کاغذات تیار کروائے اور ثمرین سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ایجنسی البتہ میں نے اس سے نہیں چھینی مگر وہ گھر۔۔۔ جس میں میرے بچے آئے تھے اور جسے عبدالرحمن نے کہا تھا کہ وہ اس کا گھر ہے۔۔۔ وہ میں نے لے لیا۔ وہاں سے ثمرین کی ایک ایک چیز نکال کر باہر عبدالرحمن کے نام کی تختی لگا دی۔۔۔"

رفیق خان نے گیلی آنکھوں سے مسکرا کر کہا۔ زاہدہ نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"زاہدہ۔۔۔! مجھے معاف کر دو۔ میں تمہارا بہت بڑا مجرم ہوں مگر دیکھو! شرمندہ ہوں۔ پچھتا رہا ہوں اور۔۔۔ اور تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔"

رفیق نے روتے ہوئے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے تو زاہدہ نے تڑپ کر اس کے ہاتھ تھام لیے۔

رفیق نے اسے کھینچ کر بازوؤں میں سمیٹ لیا اور دونوں چپکے چپکے رونے لگے۔

ان کے آنسوؤں میں گزرے سارے غم‘ تکلیف اور پچھتاوے بہہ رہے تھے۔۔۔ دونوں کو یقین تھا کہ آئندہ زندگی میں پرانی باتوں کا کہیں گزر نہیں ہو گا۔ اب صرف خوشیاں اور راحتیں ہی ان کی ہم سفر بنیں گی۔

☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

قیمت -/300 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

آمایہ خان

عشق مسیحا

ناولٹ

کیلی فورنیا ہائی وے پر "مہرز خان" نامی ایک نوجوان کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ آفیسرز کے مطابق اس نوجوان کے زندہ بچنے کے امکانات کم ہیں۔

مہرز خان اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے۔ روڈ ایکسیڈنٹ میں اس کے والدین کی وفات ہو چکی ہے۔ اب وہ کیلی فورنیا میں اپنے پرانے اور بااعتماد ملازم جیری کے ساتھ رہتا ہے۔ رضا اس کا دوست ہے۔ مہرز کا اس کے گھر بھی آنا جانا ہے۔ رضا کی چھوٹی بہن عنبر کو وہ بھی اپنی بہن سمجھتا ہے۔

رامین ایک مغموم و معصوم لڑکی ہے۔ ماں کے ظلم کی وجہ سے ہر وقت وحشت زدہ رہتی ہے۔ ماں کے انتقال پر اس کی پھوپھیاں آمنہ بیگم اور قدسیہ بیگم اسے سنبھالتی ہیں۔ تایا شفیق الرحمان اسے اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کرتے ہیں مگر وہ منع کر دیتی ہے۔

رامین اور مہرز کے درمیان اسکول کے پہلے دن سے ہی خوب اچھی دوستی ہو جاتی ہے۔ پھر حسن بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے مگر ایک دن رامین کے والد اسے مہرز اور حسن کے ساتھ باتیں کرتے دیکھ کر بہت سختی کرتے ہیں۔ اس دن کے بعد سے رامین ان دونوں سے کھنچ جاتی ہے۔ میٹرک تک آتے آتے رامین کی سرد مہری کے باوجود مہرز اس کو پسند کرنے لگتا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

مطیع الرحمان اور صبیحہ بیگم کے دو بیٹے شفیق الرحمان اور عبیدالرحمان اور بیٹیاں آمنہ بیگم اور قدسیہ بیگم ہیں۔ لاڈلی بیگم، مطیع الرحمان کی چھوٹی بہن ہیں اور صالحہ بیگم، صبیحہ بیگم کی چھوٹی بہن ہیں، جو بیوہ اور تین بچوں کی ماں ہیں۔ صبیحہ بیگم اپنے میاں کی رضامندی سے انہیں اپنے ساتھ رکھ لیتی ہیں۔ ان کی بہت سگھڑ، مگر قدرے عام صورت بیٹی گل ناز کو صبیحہ بیگم عبیدالرحمان کے لیے لینے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ گل ناز بھی عبیدالرحمان کو پسند کرتی ہے۔ دوسری طرف لاڈلی بیگم کی خواہش ہے کہ عبیدالرحمان کے لیے ان کی بیٹی طوبیٰ کو لیا جائے۔ صبیحہ بیگم بہت ہوشیاری سے مطیع الرحمان اور اپنی ساس کو گل ناز کے حق میں راضی کر لیتی ہیں۔

لیکن عبیدالرحمان کسی شادی میں نازنین کو پسند کر لیتے ہیں، جو محسنہ اور شاکر علی کی سب سے چھوٹی اور نہایت حسین بیٹی ہے۔ شاکر علی کی ہی طرح مغرور بھی۔ محسنہ انبالہ سے تعلق رکھنے والی ایک سادہ ان پڑھ اور کم صورت خاتون تھیں۔ جبکہ شاکر علی خوش شکل، خوش لباس پروفیسر تھے۔ انہوں نے محسنہ اور بچوں کی کفالت کے علاوہ کبھی بیوی بچوں میں دلچسپی نہ لی مگر نازنین پر انہوں نے خوب توجہ دی، جس کے باعث وہ مزید مغرور اور خود سر ہوئی۔ عبیدالرحمان بہت مشکل سے اپنے گھر والوں کو نازنین کے لیے راضی کر پاتے ہیں۔

تیسری قسط ۳

"سلام آلیکم۔" نازنین نے دادی بیگم کے سامنے کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا۔ جس کے جواب میں دادی بیگم نے اپنی عینک کو تین انگلیوں میں تھام کر سر سے پیر تک پہلے تو اس کا معائنہ کیا، پھر جھٹک کر بولیں۔

"اے بی، یہ سلام آلیکم کیا ہوتا ہے، تمہیں کسی نے سلام کرنا نہیں سکھایا۔ السلام علیکم کہا جاتا ہے۔ چلو... پھر سلام کرو۔"

دادی بیگم کے پے در پے حملوں سے گڑبڑا کر ناز نے آمنہ بیگم کی طرف دیکھا تو وہ نرمی سے مسکرا کر بولیں۔

"دوبارہ سلام کر لیجیے۔ جیسے دادی بیگم کہہ رہی ہیں۔" اور نازنین نے مریل سی آواز میں دوبارہ سلام کیا اور اب کی بار وہ ہر حرف کو واضح ادا کر رہی تھی۔ یوں اس کا سلام قبول کر لیا گیا۔ دادی بیگم اسے شاباش دیتے ہوئے بولیں۔

"ہاں شاباش! اب ہمیشہ اسی طرح سلام کیا کرنا، سمجھیں!" ناز نے جلدی جلدی ہاں میں سر ہلا کر انہیں اپنی فرماں برداری کا یقین دلایا تو منہ دکھائی کے طور پر گیارہ روپے بھی عنایت کر دیے گئے۔

اس کے بعد گھر میں موجود باقی بزرگوں سے تعارف حاصل ہوا۔ صبیحہ بیگم نے نہایت روکھے انداز میں اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔ لاڈلی بیگم تو یوں صدقے واری جا رہی تھیں جیسے وہ بچپن سے ان کی گود میں کھیلتی رہی ہو۔ گھر بھرا ہوا تھا۔ بھانت بھانت کی آوازیں، چھوٹے بڑے بچوں کی بھیڑ، محلے دار بھی نئی نویلی دلہن کو دیکھنے کے لیے جمع تھے۔ ناز چکرا کر رہ گئی۔

آمنہ نے اس کی حالت دیکھ کر آرام سے صوفے پر بٹھایا تو اسی وقت جانے کہاں سے ایک دبلا پتلا لڑکا بھاگتا ہوا آیا اور ناز کی گود میں زبردستی چڑھ کر بیٹھ گیا۔

"یہ ٹیپو ہے۔ آپ کا دیور۔" آمنہ نے اس کا تعارف کروایا۔ "یہ گلناز کا چھوٹا بھائی ہے۔ پر عبید اسے بہت چاہتے ہیں بہت لاڈلا ہے ان کا۔"

انہوں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے ناز کی گود سے اترنے کو کہا تو اس نے انکار کر دیا۔

"نہیں، پہلے بھابھی مجھے پیسے دیں گی، پھر اتروں گا۔" اور ناز جو گود میں اتنے بڑے بچے کے بیٹھنے سے اپنے کپڑوں کے مسکنے کا افسوس کر رہی تھی۔ ساتھ میں دبے گیارہ روپے اسے تھما کر اپنی جان چھڑائی۔ پیسے ملتے ہی وہ اچھل کر گود سے اترا اور کھیلنے کے لیے باہر چلا گیا۔ جی تو نازنین کا بھی یہی چاہ رہا تھا کہ اٹھے اور یہاں سے بھاگ جائے۔ لیکن شاید پہلی دفعہ اپنی خواہش پر فوراً عمل کرنا اس کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ساڑھے بارہ بجے کے بعد وہ اوپر اپنے کمرے تک پہنچ پائی تھی۔ عبید ذرا دیر کو اس کے پاس آئے تھے اور پھر اپنے رشتہ داروں کے پاس جا کر بیٹھ گئے تھے اس کا کمرا صاف کر دیا گیا تھا۔ آمنہ نے اسے دو گھڑی آرام کرنے کا مشورہ دیا تو فوراً بستر پر دراز ہو گئی اور آمنہ ولیمہ کا جوڑا استری کرنے لگیں۔ نازنین فقط آدھا گھنٹہ ہی سوئی تھی کہ آمنہ نے پھر سے جگا دیا۔

"اٹھ جائیے ناز! یہ جوڑا پہن لیں، پھر میں آپ کا میک اپ کر دوں گی۔"

یہ آفر سنتے ہی اس کا ذہن پوری طرح بیدار ہو گیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آمنہ آپا! اگر آپ کو برا نہ لگے تو آج میں خود تیار ہو جاؤں۔" اس نے رسانیت سے پوچھا۔

اس کا سوال سن کر کپڑوں سے میچنگ چوڑیاں ڈبے سے نکالتی آمنہ یکدم چوڑیاں ہاتھ سے رکھ کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔ پھر سمجھ گئیں کہ چھوٹی بھابھی کو شادی والے دن ان کا ہنر پسند نہیں آیا۔ مگر بات بڑھانے کا فائدہ؟ انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا اور اندر سے چٹخنی چڑھا دی۔ پھر نازنین کو ولیمہ کا جوڑا پکڑاتے ہوئے کہا۔

"آپ کپڑے بدل کر آئیں اور پھر جیسے چاہیں تیار ہو جائیں۔ بس کسی کو کچھ بتایئے گا نہیں، ورنہ امی بیگم سن کر مجھے سو جوتے لگائیں گی۔" ناز نے خوش ہو کر اثبات میں سر ہلایا اور کپڑے بدلنے کے لیے باتھ روم میں چلی گئی۔

باہر نکل کر اس نے اپنے جہیز کا میک اپ بکس کھولا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ گئی۔ آمنہ ایک طرف بیٹھی اس ایک دن کی دلہن کو اعتماد کے ساتھ خود کو سجاتے سنوارتے دیکھتی رہیں۔ میک اپ کے بعد اس نے آمنہ کی طرف دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے خاموشی کے ساتھ اٹھ کر اسے زیور پہنانے لگیں، پھر بالوں میں بیلے کی کلیاں سجا کر دوپٹا اوڑھا دیا۔

"لگتا ہے عبید کی شادی کا صدمہ گلناز نے دل پر لے لیا ہے۔ دیکھو تو کیسی کمزور ہو رہی ہے، آنکھوں کے گرد حلقے بھی پڑ گئے ہیں۔ نیندیں ہی اڑ گئی ہوں گی بے چاری کی۔" دبی دبی سرگوشیاں آس پاس ہی کہیں سنائی دی تھیں۔ نازنین اور لاڈلی بیگم دونوں کو۔

ناز نے چونک کر ان دو عورتوں کی جانب دیکھا جو ٹرے میں چائے کے کپ پیش کرتی گلناز کو دیکھ کر آپس میں بات کر رہی تھیں۔ لاڈلی بیگم نے غور سے نازنین کے چہرے کو دیکھا۔ بلاشبہ وہ ان عورتوں کی گفتگو سے کچھ الجھی الجھی نظر آ رہی تھی۔ موقع اچھا تھا۔ جسے لاڈلی بیگم نے گنوانا ہرگز مناسب نہیں سمجھا۔

"گلناز سے ہوشیار رہنا۔" لاڈلی بیگم ناز کے ذرا سا نزدیک ہو کر کہنے لگیں۔

ناز نے حیران ہو کر گردن موڑی۔ "کیوں؟"

"دیکھنے میں بہت معصوم نظر آتی ہے، پر گنوں کی پوری ہے۔ بھابھی بیگم پر تو یوں مانو جیسے جادو کر رکھا ہے۔ اطاعت گزاری، خدمت اور فرماں برداری کے ڈھونگ رچاتے نہیں تھکتی۔ بچپن سے اسی گھر میں رہتی ہے۔ ایسا قابو کیا بھابھی بیگم کو کہ انہوں نے عبید سے بات بھی پکی کر دی۔" ناز پے در پے انکشافات سنتی جا رہی تھی۔

"لیکن عبید میاں نے عین وقت پر انکار کر دیا اور بھئی اچھا ہی کیا۔ بھلا تمہاری جیسی حسین لڑکی کے سامنے اس کی اوقات ہی کیا ہے؟ میں تو بے حد خوش ہوں تم دونوں کی شادی سے... عبید نے بالکل صحیح

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

فیصلہ کیا۔" نازنین نے پہلے دن سے ہی لاڈلی بیگم کا جوش و خروش ملاحظہ کر رکھا تھا۔ حقیقتاً" وہ اس شادی میں بے حد خوش دکھائی دے رہی تھیں۔

"گلناز شروع دن سے عبید کو پسند کرتی ہے۔ اب بھی ایک ہی گھر میں رہنا سہنا ہوگا۔ ہر روز سامنا بھی ہوگا۔ بس تم عبید کو ذرا لگام ڈال کر رکھنا اور گلناز پر بھی نگاہ رکھنا۔ ویسے تو میں کسی کے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دیتی، لیکن تم میری بیٹی جیسی ہو اور اس گھر میں نئی ہو۔ اس لیے تمہیں نصیحت کرنے لگی ہوں، تم برا نہ ماننا۔"

لہجے کی شیرینی اور لاڈلی بیگم کا مشفقانہ رویہ۔ نازنین فوراً" ہی ان کی کہی گئی ہر بات پر ایمان لے آئی۔ ویسے بھی اس نے بیاہ کر آنے کے بعد اپنے سسرال والوں میں صرف آمنہ بیگم اور لاڈلی بیگم کا سلوک بہتر پایا تھا۔ باقی خواتین خصوصاً" صبیحہ بیگم اور قدسیہ کی تو اسے دیکھ کر ہی تیوریاں چڑھ جایا کرتی تھیں۔ رہی گلناز، تو اس ایک ہفتہ میں اس نے گلناز کو صرف کاموں میں مصروف دیکھا تھا۔

مہمانوں سے بھرے گھر میں وہ پھرکی کی طرح گھومتی ہر ایک کو اس کی ضرورت کی چیز پہنچاتی نظر آتی تھی۔ صبیحہ بیگم تو ہر دم اسی کے نام کا کلمہ پڑھتی رہتیں۔

ڈیڑھ ہفتے تک سب مہمان اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ لاڈلی بیگم واپس ہندوستان روانہ ہوئیں۔ شفیق الرحمان اور آمنہ بیگم ابوظہبی چلے گئے۔ گھر میں شادی کے ہنگامے اختتام پا چکے تھے۔ مہمانوں کے چلے جانے کے بعد نئے سرے سے گھر کی صفائی ستھرائی کی گئی۔ عبید اور نازنین کے لیے گھر کی بالائی منزل پر کمرا دیا گیا تھا۔ اول دن سے نازنین کا معمول یہی رکھا گیا تھا کہ نندوں میں سے کوئی ایک اسے اپنے ساتھ نیچے لے کر آتا اور پھر سہ پہر تک وہ نیچے ہی رہا کرتی تھی۔

آج دو ہفتے کے بعد عبید فیکٹری جا رہے تھے۔ قدسیہ اس کے لیے ناشتا بنا رہی تھی کہ صبیحہ بیگم کچن میں آئیں۔ قدسیہ کو عبید کے لیے ناشتا بناتے دیکھا تو بہت غصہ آیا۔

جب میز پر ناشتے کے انتظار میں بیٹھے اخبار پڑھتے عبید کے پاس آئیں تو خود پر کسی حد تک قابو پا چکی تھیں۔ دلار سے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"بیٹا دلہن نیچے نہیں آئیں۔ طبیعت ٹھیک ہے اس کی؟" انتہائی محبت سے پوچھے گئے سوال پر عبید تھوڑا شرمندہ ہوئے۔

"مجھے اسے جگانے کا خیال نہیں آیا تھا امی بیگم! ابھی بلا لاتا ہوں۔" وہ کرسی سے اٹھنے لگے تو صبیحہ نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔

"رہنے دو... ویسے تو انہیں خود ہی آجانا چاہیے تھا۔" پھر انہوں نے میز پر ناشتے کی پلیٹیں رکھتی کمسن ملازمہ چھیمو سے کہا۔

"تم جاؤ اور چھوٹی بھابھی کو نیچے بلا لاؤ۔"

عبید نے اخبار چھوڑ کر ناشتا شروع کر دیا۔

کچھ دیر بعد چھیمو اکیلی ہی نیچے واپس آگئی۔ صبیحہ نے دیکھتے ہی سوال کیا۔

"کیا ہوا؟ نازنین کو ساتھ نہیں لائیں تم؟"

"امی بیگم! چھوٹی بھابھی کو بہت نیند آرہی ہے میں نے جگایا تو کہنے لگی۔ سونے دو پلیز، ایک تو رات کو تمہارے بھائی نہیں سونے دیتے اور اب تم جگا رہی ہو۔" چھیمو بھولپن سے نازنین کے الفاظ بول گئی۔

عبید ماں کے سامنے نازنین کا جواب سن کر پانی پانی ہوگئے اور صبیحہ بیگم... انہوں نے فوراً" چھیمو کو باورچی خانے میں جانے کا حکم دیا اور عبید سے کہا۔

"غلطی نازنین کی نہیں تمہاری ہے۔ تم نے اسے بتایا نہیں کہ اس گھر کے طور طریقے کیا ہیں؟ فجر کے بعد تو اس گھر میں کوئی بھی بستر پر نہیں لیٹتا۔ ہم تو یوں چپ ہیں کہیں تم نہ سمجھو کہ خوامخواہ ہی تمہاری بیوی کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"

"میں آج اس سے بات کروں گا۔" عبید ناشتا ختم کر کے اٹھنے لگے۔ صبیحہ بیگم اس کا ارادہ بھانپ کر جلدی سے بولیں۔

"ہاں، ابھی تم فیکٹری جاؤ، اپنا کام دیکھو، اس کے بعد بات ہوگی۔" سلام کرنے کے بعد گاڑی لے کر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

"نازنین! تم اگر مجھے خوش دیکھنا چاہتی ہو تو میرے گھر والوں کو خوش رکھو۔"

عبید کا یہ جملہ نازنین پر بہت کچھ واضح کر گیا۔ شادی کے بعد ویسے بھی کچھ عجیب و غریب قسم کے تجربات ہوئے چلے جا رہے تھے۔ جس نے کبھی اپنے علاوہ کسی کو اہمیت نہیں دی تھی۔ اس پر یکدم ہی پورے خاندان کی خوشنودی حاصل کرنے کی ذمہ داری ڈالی جا رہی تھی۔ اس کا ناز نخرہ غرور بس اس کے کمرے تک ہی محدود رہ گیا تھا۔ کیونکہ عبید اسے بے حد چاہتے تھے۔ وہ ہر شام اس کے لیے سج سنور کر تیار رہا کرتی اور وہ اسے لے کر گھومنے نکل جاتا تھا۔ کبھی سینما، تو کبھی کسی ریسٹورنٹ میں شام گزرتی۔

شادی کے فوراً" بعد ناز کو ہنی مون پر جانے کی خواہش تھی۔ لیکن عبید نے اسے یوں سمجھایا کہ جاب میں تو چھٹی ملنا آسان ہوتا ہے۔ میں اپنے بزنس کو اتنے دنوں تک کس کے حوالے کر جاؤں۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں، جہاں کہو گی لے کر جاؤں گا، بس کچھ دن ٹھہر جاؤ۔

ناز خوش دلی سے مان گئی۔ لیکن... صبیحہ بیگم سے بات کرنے کے بعد جب عبید نے نازنین کو ان کے پاس بھیجا اور انہوں نے صبح کا ناشتا اور دوپہر کا کھانا تیار کرنے کی ڈیوٹی اسے سونپنا چاہی تو وہ گھبرا گئی۔ اسے تو اپنا کالج دوبارہ جوائن کرنا تھا اور یہی بات جب اس نے اپنی ساس کے سامنے کہی تو وہ خوب تلملائیں اور اگلی صبح عبید میاں کی شامت آگئی۔

اور عبید ایک بار پھر نازنین کو سمجھانے بیٹھ گئے کہ امی بیگم کی خوشنودی حاصل کیے بغیر تمہارا کالج جوائن کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ اگر وہ اجازت نہیں دیں گی تو میں

Art With You

Paint with Water Color & Oil Colour

First Time in Pakistan
a Complete Set of 5 Painting
Books in English

Art With You

کی پانچوں کتابوں پر حیرت انگیز رعایت

Water Colour I & II
Oil Colour
Pastel Colour
Pencil Colour

فی کتاب -/150 روپے
نیا ایڈیشن بذریعہ ڈاک منگوانے پر ڈاک خرچ
-/200 روپے

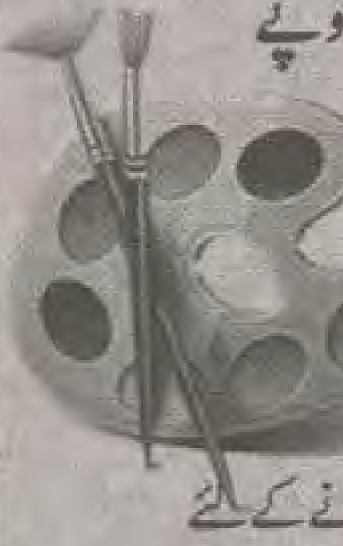

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مجبور ہوں۔ نازنین با دل نخواستہ اگلے دن صبح سویرے کچن میں پہنچ گئی۔

"زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ یہ کام کروں گی، پھر صاف صاف کہہ دوں گی عبید سے کہ اپنا وعدہ پورا کریں، پہلے ہی میری پڑھائی کا اتنا حرج ہو چکا ہے۔" وہ سوچتی ہوئی ناشتا بنانے لگی۔

ایک دن پہلے ہی اس نے کھیر بنا کر کھلائی تھی سب کو۔ جو اس کے حساب سے تو ٹھیک ٹھاک تھی لیکن میز پر بیٹھے گھر کے تمام افراد ایک چمچہ کھاتے ہی کچھ چپ سے ہو گئے۔ "چینی تھوڑی زیادہ ہے۔ دودھ صحیح سے کاڑھا نہیں گیا۔ میوہ باریک نہیں کترا، صحیح گھوٹی نہیں گئی۔" بظاہر قدسیہ، صبیحہ بیگم اور دادی بیگم کے آپس میں کیے جانے تبصرے کا ہدف اصل میں کون تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔

ابا میاں نے دو چمچے کھا کر اٹھتے ہوئے رسماً اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور انعام میں کچھ روپے بھی اس کے حوالے کیے لیکن ان کے رویے میں بھی وہ گرم جوشی مفقود تھی جس کی وہ توقع کر رہی تھی۔ بہت محنت کی تھی اس نے اور یہ سب لوگ کھا بھی رہے تھے اور برائی بھی کر رہے تھے۔ اپنے گھر میں ہوتی تو اب تک کھیر کا پیالہ اٹھا کر کھانے والوں کے سر پر انڈیل چکی ہوتی لیکن اب وہ میکے میں نہیں سسرال میں تھی۔

اپنی توہین کرنے والوں کا منہ توڑ دینا اتنا بھی آسان نہیں ہوتا اب اسے سمجھ میں آنے لگا تھا۔

✡ ✡ ✡

صبیحہ بیگم کو اس کی ہر بات پر اعتراض ہوا کرتا تھا۔

"تڑکا نہیں بگھار کہا کیجیے۔"

"دوپٹا سر سے اترنا نہیں چاہیے۔"

"اتنا زیور پہن کر گھومنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"لباس باریک مت پہنا کریں۔"

"کھانے میں نمک زیادہ ہے۔"

"چائے زیادہ ابال دی آپ نے۔"

"ٹیپو سے تو کہہ کر بات مت کیا کریں۔"

"دودھ والے سے ہنس ہنس کر بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"قدسیہ کنواری بچی ہے، اپنے لطیفوں کو اپنے تک ہی رکھیں۔"

"گھنگھرو والی پائل اتار دیجیے۔"

"روٹی کا کنارہ موٹا رہ جاتا ہے، صحیح سے بیلیں۔"

"سبزی کے چھلکے باریک کاٹیں۔"

"زور سے مت ہنسیں، آہستہ قدم اٹھائیں۔"

نازنین ہدایتیں سن سن کر پاگل ہوتی جا رہی تھی۔ ہر روز ایک نئی بات، وہ کیا کرتی کیا نہ کرتی۔ بظاہر آپ جناب کہہ کر تمیز سے بات کرتی ساس کے لہجے میں دانت پیسنے کی آواز واضح طور پر سنائی دیا کرتی تھی۔ اوپر سے ہر دم گلناز سے اس کا مقابلہ کیا جاتا۔ جس نے اس کی موجودگی میں خالہ کے پاس آنا جانا بھی ترک کر دیا تھا۔

ایک دو بار شروع میں جب اس کے ہوتے ہوئے گلناز صبیحہ بیگم کے پاس آکر بیٹھی تو ان کی ذو معنی گفتگو سن کر بے حد گھبرائی۔ اس کی تعریف کرتے ہوئے نازنین کو اس کی مثالیں دیتے ہوئے بلاشبہ وہ اپنی بہو کو نیچا دکھا رہی تھیں اور گلناز کو یہ سب اچھا نہیں لگا تھا۔

نازنین جو فقط ایک ہفتے سے زیادہ سارے کام کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ ایک مہینہ گزر جانے کے باوجود بھی ساس کے منہ سے تعریفی کلمات سننے کی حسرت لیے بیٹھی تھی۔ وہ تنگ آ گئی اور اس نے عبید کو صاف الفاظ میں جتا دیا کہ اب وہ مزید نہیں رکے گی اور دو دن بعد ہر صورت اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کرنے کالج جائے گی۔ عبید کے پاس اب اور کوئی بہانہ نہیں بچا تھا۔ انہوں نے ناز سے وعدہ کر لیا کہ اگلے دن امی بیگم سے اجازت ضرور حاصل کریں گے۔ لیکن ایسا ہو نہ سکا۔

اگلی صبح نازنین کی طبیعت تھوڑی خراب ہوئی۔ ڈاکٹر کو دکھایا تو اس نے عبدالرحمان کو باپ بننے کی خوش خبری دے دی۔ خوش تو نازنین بھی ہوئی تھی اور گھر والے بھی۔ ناز کے دوبارہ یاد دلانے پر عبید نے بھی

موقع غنیمت جانا اور صبیحہ بیگم سے نازنین کے دوبارہ پڑھائی شروع کرنے کی اجازت مانگی۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں عبید میاں، پہلا بچہ ہے، ہر طرح کی احتیاط لازم ہے۔ ارے ہم تو اپنی پیاری بہو کو ہرگز اپنی نظروں سے دور نہیں ہونے دیں گے۔ بس ہماری گود میں پوتا آجائے، پھر آپ جہاں چاہیں بھیج دیجیے گا انہیں۔"

ماں کی محبت دیکھ کر عبید آگے سے ایک لفظ بولنے کی ہمت نہ کر سکے اور ناز کو بھی منع کر دیا کہ وہ بھی کچھ کہے۔ نازنین خاموش رہ گئی۔ لیکن۔۔۔ آخر کب تک چپ رہتی۔

✡ ✡ ✡

نازنین کی سالگرہ تھی۔ عبید نے ایک رات پہلے ہی گولڈ کے خوب صورت سے ٹاپس خرید کر پہلے امی بیگم کو دکھائے کہ ناز کو تحفتاً دینا چاہتا ہوں۔

"اچھے ہیں عبید میاں! بے حد خوب صورت ہیں مگر ابھی سے دینے کی کیا ضرورت ہے؟ سونے کی چیز تو بیوی کو بچے کی پیدائش پر دی جائے گی۔ ایسے دو اور خرید لائیے گا۔ بھلے ہی ڈیزائن مختلف ہو، پر وزن ہوں۔ آپ کے بچے کی پیدائش پر دونوں بہنوں کو بھی سونے کی چیز دی جائے گی کہ یہی رواج ہے۔"

عبید کچھ نہ کہہ سکے۔ اس گھر میں یہی طریقہ رائج تھا۔ جس کسی کو آپس میں تحفے تحائف دینا ہوتے وہ صبیحہ بیگم کے ذریعے دیا کرتا تھا۔ انہیں دکھائے بغیر ان سے پوچھے بغیر کچھ نہ ہوتا تھا اور وہی فیصلہ کیا کرتی تھیں کہ کیا دینا مناسب ہے اور کیا نہیں۔ عبید نازنین کی فرمائش پر ہی وہ گولڈ کے ٹاپس خرید کر لائے تھے لیکن اب دے نہیں سکتے تھے "کوئی بات نہیں، کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں ڈنر کراؤں گا اور کچھ شاپنگ بھی۔۔۔" وہ دل ہی دل میں ارادہ کرتے اپنے کمرے میں واپس آ گئے۔

اگلی شام نازنین نے اپنا پسندیدہ سرخ رنگ کا لباس پہنا۔ ابھی تیسرا مہینہ چل رہا تھا۔ لیکن اسے ہیلز پہننے سے منع کر دیا گیا تھا۔ اس نے اسٹائلش سے بلیک سلیپرز نکال کر پہنے۔ وہ نہایت دل لگا کر تیار ہوئی اور عبید کا انتظار کرنے لگی۔ جس نے صبح اسے پھولوں کا بوکے دے کر وش کیا تھا اور رات کو اس کے پسندیدہ چائنیز ریسٹورنٹ میں ڈنر کرانے کا وعدہ بھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ کمرے کی کھڑکی سے لگ کر وہ عبید کا انتظار کر رہی تھی۔ جیسے ہی ان کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا وہ فوراً اٹھی اور آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر لپ اسٹک کا ایک اور کوٹ لگانے لگی۔

"مجھے خود ہی نیچے چلے جانا چاہیے۔"

اس نے سوچتے ہوئے جلدی سے اپنا کمرا بند کیا اور سنبھل کر سیڑھیاں اترنے لگی۔ سیڑھیوں کے آخر میں عبید۔۔۔ نظر آئے۔ اسے یوں سجا سنوارا دیکھ کر تو جیسے فدا ہی ہو گیا۔ وہ مسکرائی، آنکھوں ہی آنکھوں میں کیے گئے عبید کے محبت بھرے اشارے اسے گدگدا گئے تھے۔ قدسیہ دروازہ کھولنے کے بعد اب تک وہیں کھڑی تھی۔ شاید اسی لیے عبید نے کچھ کہنے کے بجائے صرف دیکھنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

"میں امی بیگم کو بتا کر آتا ہوں۔" عبید نے ہاتھ میں پکڑی گاڑی کی چابی کو انگلی پر گھماتے ہوئے کہا اور قدسیہ کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر صبیحہ بیگم کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

نازنین ساس کے کمرے کی جانب بڑھی۔ "اتنی دیر لگا دی عبید نے۔ ماں کے گھٹنے پکڑ کر بیٹھنے کا بڑا شوق ہے۔ سیدھے جاتے اور بتا کر باہر آجاتے۔ وہ جز بز ہوتی کمرے کے نزدیک پہنچی اور دروازے پر ہی رک گئی۔

"نہیں عبید میاں! آج رات ہم نازنین کو گھر تو کیا کمرے سے بھی باہر نکلنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ ان سے کہیے اپنے بستر پر پاؤں سیدھے کر کے آرام سے لیٹ جائیں۔ بالکل بھی اٹھنے کی ضرورت نہیں۔ آج رات چاند گرہن ہو گا۔ جو عورتیں امید سے ہوں انہیں احتیاط کرنی پڑتی ہے۔"

"لیکن امی بیگم! چاند گرہن تو سات بجے ہی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ختم۔" عبید کی منمناتی آواز میں کیا جانے والا بے ضرر سا احتجاج مطیع الرحمان کو بے حد گراں گزرا۔

"بحث مت کیجیے عبید میاں! جیسے آپ کی والدہ کہہ رہی ہیں۔ ویسا ہی کیجیے۔" انہوں نے عبید کی بات کاٹ دی اور انہیں مزید کچھ بھی کہنے سے منع کر دیا۔

ناز نے تھوڑا اور آگے ہو کر کمرے میں جھانکا۔ اس کے ساس، سسر اپنی مسہری پر براجمان تھے۔ مطیع الرحمان تو کسی کتاب کو ہاتھ میں لیے بیٹھے تھے۔ جبکہ صبیحہ بیگم اپنے سامنے بیٹھے عبید سے مخاطب تھیں۔

"ان کی سالگرہ منانے کو اتنا ہی دل چاہ رہا ہے تو تم جاؤ اور بازار سے کیک اور سیخ کباب لے آؤ۔ قدسیہ بھی خوش ہو رہی تھی کہ بھابھی کی سالگرہ ہے۔ بھائی ضرور ہمیں دعوت دیں گے لیکن تم شادی کے بعد اس بہن کو بالکل ہی بھول گئے ہو جو تمہیں ہنستا دیکھ کر تمہاری نظر اتارنے لگ جاتی ہے۔ کچھ اس کے دل کا بھی خیال کرو۔ تم دونوں میاں، بیوی اکیلے گھومنے جاتے ہو ہم تو خیر بوڑھے ہو رہے ہیں۔ ہمیں تم نہ بھی پوچھو تو برا نہیں مانیں گے، حالانکہ تمہارا فرض بنتا ہے کہ کسی طور اپنے ماں، باپ، دادی بیگم اور چھوٹی بہن کی دل آزاری نہ ہونے دو۔ کتنے دن گزر گئے تم نے اپنی صالحہ خالہ کی شکل نہیں دیکھی۔ گلناز کا حال نہیں پوچھا۔ ٹیپو کی خیر خیریت معلوم نہیں کی۔ اے میاں! میں پوچھتی ہوں شادی ہو کر وہ یہاں آئی ہیں یا تم بیاہ کر ان کے یہاں چلے گئے۔ جو اپنے پیاروں کو یوں فراموش کر دیا، جواب دو۔"

اور عبید الرحمان کی زبان پر تالا تو والد صاحب کی گھوریاں ڈال ہی چکی تھیں۔ امی بیگم بے کار ہی بات کو طول دیے جا رہی تھیں نازنین یہ سب دیکھ کر واپس پلٹ گئی۔ عبید خاموش کیوں تھا؟ یہ ادب تھا، لحاظ تھا، مصلحت تھی یا فرماں برداری؟ ناز کو اس سے ہرگز مطلب نہیں تھا۔ غرض تھی تو بس اتنی کہ عبید اس سے کیے وعدے نبھانے میں مسلسل ناکام ہو رہا تھا۔ اگر وہ اتنا ہی بے اختیار تھا تو شادی سے پہلے ایسے دعوے نہ کیے ہوتے۔ وہ کون سا اس کے عشق میں مری جا رہی تھی۔

غصے میں کھولتی وہ اپنے کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی لیکن عبید ایک گھنٹہ گزرنے کے باوجود ابھی تک اوپر نہیں آیا تھا۔ وہ قدسیہ کو اپنے ساتھ نہیں لے کر گیا تھا۔ جب واپس آیا تو اسے بلانے کے لیے کمرے میں آئے۔ نازنین کپڑے تبدیل کر چکی تھی اور میک اپ بھی صاف کر لیا تھا۔

"چلو نازنین! نیچے سب گھر والے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ میں کیک اور سیخ کباب وغیرہ لایا ہوں۔ تمہارا برتھ ڈے سلیبریٹ کرتے ہیں۔ چلو۔"

"تنگ آ گئی ہوں میں آپ کے گھر والوں کے ڈراموں سے۔۔۔ یہ لوگ مجھے کبھی خوش نہیں دیکھ سکتے۔ ہمیشہ میری ہر خواہش کے آگے دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور آپ ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر ناچ رہے ہیں۔ کیسے مرد ہیں آپ؟؟"

یہ پہلا موقع تھا کہ عبید نازنین کا اصل روپ دیکھ رہا تھا۔ وہ نخریلی تھی، مغرور تھی، انہیں معلوم تھا، لیکن اس درجہ بدتمیز بھی ہے یہ آج معلوم ہو رہا تھا۔

"یہ تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو مجھ سے، اور آہستہ بولو، نیچے آواز پہنچ رہی ہو گی۔ کیوں تماشا بنا رہی ہو۔"

"بناؤں گی میں تماشا۔۔۔ ضرور بناؤں گی۔ تنگ آ گئی ہوں میں دن رات سب کی خدمتیں کر کر کے۔ یہ کرو، یہ نہ کرو، یہ پہنو، یہ نہ پہنو، ایسے بولو، ایسے اٹھو، یہ کھاؤ، وہ مت کھاؤ، کیا مصیبت ہے۔ کان پک گئے ہیں میرے یہ بکواس سن سن کر۔ سب کچھ ان کی مرضی کا کرتے رہو، تب بھی یہ لوگ خوش نہیں ہوتے۔ کتنی کوشش کی ہے میں نے سب کا دل جیتنے کی اور یہاں کسی کو میری قدر نہیں ہے۔ ہر وقت مجھ میں کیڑے نکالتے رہتے ہیں۔ اور آپ کی ماں۔۔۔"

"بس ایک لفظ مت کہنا اور۔۔۔ نہیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ تمہیں مجھ پر غصہ ہے تو صرف مجھ تک محدود رہو۔ میری ماں کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔" عبید مزید کچھ نہیں سن سکتا تھا۔ اس نے غصے

میں نازنین کا بازو کھینچتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہ کہوں۔۔۔ سارا فساد ہی اس بڑھیا کا پھیلایا ہوا ہے۔" نازنین بھی آسانی سے چپ ہو جانے والوں میں سے نہیں تھی۔

"میں کہتا ہوں چپ ہو جاؤ، خاموش ہو جاؤ۔" عبید نے نازنین کو غصے میں زور سے دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑا کر صوفے پر گر گئی۔ عبید کمرے سے باہر نکل گیا کچھ منٹوں بعد ناز نے اس کی گاڑی کی آواز سنی۔ کھڑکی کے پاس آ کر اس نے دیکھا تو عبید اپنی گاڑی نکال کر لے جا رہا تھا۔ اس رات یہ ان کا پہلا جھگڑا تھا۔

پہلا جھگڑا، پہلی لڑائی، پہلا اختلاف دونوں میاں، بیوی کبھی نہیں بھولتے لیکن ناز اور عبید جلد اس لڑائی کو بھول گئے۔ اس لیے نہیں کہ ان دونوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور ایک دوسرے کو معاف کر کے وہ پھر سے شیر و شکر ہو گئے تھے۔ اس لیے بھی نہیں کہ وہ ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے اور محبت میں ایسی لڑائیاں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ بلکہ اس لیے کہ ۔۔۔ اس کے بعد تو ان کی ہر بات پر ہی لڑائی ہونے لگی تھی۔

دوسری لڑائی اس سے اگلے ہی دن ہو گئی تھی۔ نازنین اپنے طور پر عبید سے ناراضی میں خود کو حق بجانب سمجھ رہی تھی اور عبید اپنے آپ کو۔ دونوں کو انتظار تھا کہ منانے میں دوسرا پہل کرے۔ اگلی رات عبید نے فیکٹری سے واپس آ کر ناز سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ ان کی خاموشی ان کی خفگی کا اظہار تھی۔

وہ کھانا کھا کر اوپر کمرے میں آ گئے، کپڑے تبدیل کیے اور پھر اپنی گاڑی لے کر باہر نکل گئے۔ پھر واپسی رات ڈیڑھ بجے کے قریب ہوئی۔ نازنین اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ اس نے ناز کو صوفے پر بیٹھے دیکھا مگر اسے مخاطب کیے بغیر باتھ روم میں لباس تبدیل کرنے چلے گئے۔ پھر آ کر اپنے بستر پر لیٹا اور لحاف کو سر تک اوڑھ لیا۔ نازنین پہلے یوں ہی بیٹھی رہی، پھر ایک جھٹکے سے اٹھی اور عبید کے اوپر سے لحاف کھینچ کر اتار کے زمین پر پھینک دیا۔

عبید اس کی جرات پر حیران پریشان سا ہو کر اٹھ بیٹھے۔ انہوں نے کب ایسی حرکتیں دیکھی تھیں۔ "کیا بدتمیزی ہے؟؟"

غصے میں لال پیلی نازنین لحاف پھینک کر اسے کینہ توز نظروں سے گھور رہی تھی۔ "کہاں گئے تھے؟"

اس کا لہجہ بے حد سخت اور بے لحاظ تھا۔ عبید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ناز اب کی بار ذرا زور سے چلا کر بولی۔

"میں پوچھ رہی ہوں کہاں چلے گئے تھے؟" عبید تیزی سے بیڈ سے نیچے اتر کر اس کے مقابل کھڑے ہو گئے۔ "دیکھو نازنین! اس گھر میں ایسی چیخم دھاڑ کبھی نہیں ہوئی، تمہیں جو بات کرنی ہے آرام سے کرو۔ میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔"

انہوں نے خود پر ضبط کرتے ہوئے دبی آواز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"نہیں کروں گی میں آرام سے بات۔" وہ اور زور سے چیخی۔ "مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے، بولیں، کہاں رات گزار کر آ رہے ہیں۔ عیاشی کرنے گئے تھے نا، بولیں جواب دیں۔"

اور عبید کا ہاتھ اس تیزی سے گھوما تھا کہ نازنین کو اپنا جبڑا ٹوٹتا محسوس ہوا۔

"ہاں گیا تھا میں عیاشی کرنے اور اب ہر رات جایا کروں گا اور کان کھول کر سن لو! آئندہ اگر تم نے مجھ سے اس لہجے میں بات کی یا حلق سے اونچی آواز نکالی تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔"

نازنین تکلیف کی شدت سے اپنے گال پہ ہاتھ رکھے رو پڑی۔ عبید نے اسے روتا چھوڑ کر زمین پر گرا لحاف اٹھایا اور دوبارہ اوڑھ کر بستر پر لیٹ گئے۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن صبح الماری کے بار بار کھلنے اور بند ہونے کی آواز نے عبید کو بیدار کیا۔ آنکھ کھلنے کے کچھ لمحوں تک تو کچھ سمجھ ہی نہ آیا کہ یہ شور کیسا ہے؟ پھر انہوں نے لحاف سرکا کر ذرا سی گردن اٹھائی تو سامنے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہی نازنین الماری سے کپڑے نکال کر سوٹ کیس میں رکھتی دکھائی دی۔ اس کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں اور یہ بھی یاد آگیا کہ رات کو کیا ہوا تھا۔ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟" وہ بستر سے نکل کر اس کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔

اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولے۔ "اتنی سی بات پر گھر چھوڑ کر چلی جاؤ گی؟"

نازنین نے نہایت غصے سے اسے دیکھا۔ معافی تلافی شرمندگی کچھ بھی نہیں' الٹا اس سے کہا جا رہا تھا کہ اتنی سی بات پر گھر چھوڑ کر جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس نے اپنا ہاتھ جھٹک کر اس کی گرفت سے آزاد کیا۔

"اتنی سی بات ہے تو اٹھ کر کیوں آگئے ہیں؟ جائیں جا کر سو جائیں۔"

اس کا لہجہ اس کے موڈ کی طرح بے حد خراب تھا۔ عبید ایک گہری سانس لے کر رہ گئے۔ رات کو بھی ناز کی بدتمیزی نے اسے غصہ نہ دلایا ہوتا تو وہ کبھی اس پر ہاتھ نہ اٹھاتے اور اتنی سخت تنبیہہ کے باوجود وہ ان سے دوبارہ اسی لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"دیکھو ناز! تم ذرا تمیز سے بات کیا کرو' مجھے اس لہجے کی عادت نہیں ہے۔ ہم نے کبھی اپنے گھر میں عورتوں کی اونچی آواز نہیں سنی۔"

ناز نے ہاتھ میں پکڑی ساڑھی گول مول کر کے زمین پر پھینک دی۔ "مجھے بھی عادت نہیں ہے ایسے سلوک کی جو آپ اور آپ کے گھر والے میرے ساتھ روا رکھتے ہیں۔ کبھی میری ماں کی ہمت نہیں ہوئی کہ مجھے کسی کام پر ٹوک سکے اور یہاں دن رات چوبیس گھنٹوں کے ایک ایک لمحے میں آپ کی ماں کی چخ چخ برداشت کرتی ہوں۔ اپنے گھر میں کبھی کسی کام کو ہاتھ نہیں لگایا اور یہاں گدھوں کی طرح کام کروایا جاتا ہے مجھ سے۔ کھانا تیار ہونے میں پانچ منٹ کی دیر ہو جائے تو امی بیگم آسمان سر پر اٹھا لیتی ہیں۔ اوپر سے آپ کے کان الگ بھرے جاتے ہیں ہر وقت میری برائیاں کر کے۔ آپ کے دل میں میری محبت کو ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں سب لوگ۔ اور آپ کاٹھ کے الو بن کر سب سن رہے ہیں۔ مان رہے ہیں' مجھے نہیں رہنا آپ کے ساتھ... میں جا رہی ہوں یہاں سے۔"

"مت جاؤ ناز... میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔ میں امی بیگم سے بات کروں گا۔ قدسیہ کو بھی سمجھا دوں گا' کوئی تمہیں تنگ نہیں کرے گا۔ پلیز تم یہاں بیٹھ جاؤ۔" وہ ناز کو زبردستی پکڑ کر صوفے پر بٹھاتے ہوئے اس کے پاس زمین پر ہی بیٹھ گئے۔

"نازنین! دیکھو... ہم جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتے ہیں۔ بھائی جان کے جانے کے بعد ساری ذمہ داری مجھ پر آتی ہے۔ مجھے سب کی سننی ہے۔ سب کو خوش رکھنا ہے۔ یہ میری مجبوری بھی ہے اور میرا فرض بھی۔ بیٹا ہوں میں اس گھر کا۔ اگر میرے ماں' باپ کو میری بیوی سے کوئی شکایت ہو گی تو ہر الزام میری ذات پر ہی آئے گا کہ میں نے اسے کنٹرول نہیں کیا۔"

"میں کوئی گائے یا بکری نہیں ہوں' جسے ہانک کر کھونٹے سے باندھ دیں گے آپ... بیوی ہوں آپ کی... میرے بھی حقوق ہیں۔"

"صرف بیوی نہیں محبوبہ بھی ہو۔" عبید اس کے غصہ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی چاہت کا اظہار کرنے لگے۔ "بہت محبت کرتا ہوں میں تم سے۔"

"ہاں بہت زیادہ۔" ناز نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اسی لیے رات کو میرے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔" اپنی بات مکمل کرتے ہوئے اس کا گلا رندھ گیا اور عبید کو پچھتاوے نے گھیر لیا۔ کندھے جھکا کر انہوں نے ایک گہری سانس لی۔ پھر نرم لہجے میں اس سے پوچھا۔

"اچھا بتاؤ کیا چاہتی ہو؟ کیسے ختم ہو گا یہ جھگڑا؟ مجھ سے غلطی ہوئی... مجھے آرام سے بات کرنا چاہیے تھی۔ تم پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ آئی ایم سوری اب مان جاؤ نا۔"

ناز نے سر جھٹک کر دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا لیکن اب اس کے انداز میں وہ پہلے جیسی تیزی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ عبید اس کی خفگی کا یہ انداز دیکھ کر مسکرا دیے۔

"اچھا چلو' میں نے غلطی کی۔ سزا بھی مجھے ہی ملے گی۔ آج شام کو جلدی گھر آکر تمہیں ساتھ ڈنر کراؤں گا اور پھر... ہم کبنی جیولرز کے پاس جائیں گے۔"

ناز نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔ "پھر سے وعدہ خلافی تو نہیں کریں گے۔" عبید نے معصومانہ انداز میں فوراً" نفی میں سر ہلاتے ہوئے اپنے وعدہ کی سچائی کا یقین دلایا۔ ناز تھوڑا سا مسکرائی۔

"اور آئندہ... مجھ پر ہاتھ اٹھائیں گے۔" عبید نے فوراً" کان پکڑ لیے۔

"ہرگز نہیں... بالکل نہیں... تمہاری قسم... اب کبھی نہیں لڑوں گا۔" ناز کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

مرد کا ہاتھ ایک بار اٹھ جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ عبید نے اگر صرف اپنی غلطی سمجھ کر یہ وعدہ کیا ہوتا تو شاید نباہ ہو جاتا۔ ان کا خیال تو یہ تھا کہ ناز کی بدلحاظی نے انہیں ہاتھ اٹھانے پر مجبور کیا تھا۔ حقیقت بھی یہی تھی۔

لیکن صرف چند ہی مہینوں بعد پھر ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ... عبید نے نازنین پر ہاتھ اٹھایا اور پھر... مارتے ہی چلے گئے۔

☼ ☼ ☼

"اٹلانٹے (Atlantai) دیوی آرٹیمیس کی چہیتی' آرکیڈین شکاری تھی۔ جسے اس کا باپ گھنے جنگل میں مرنے کے لیے چھوڑ گیا تھا۔ وہاں اس کی پرورش ایک مادہ ریچھ نے کی۔ جس کا اپنا بچہ شکاریوں کے ہاتھوں ہلاک ہو چکا تھا۔ اس مادہ ریچھ کا پیچھا کرتے شکاری چند ماہ بعد اس کے غار تک پہنچے تو وہاں اس شیر خوار بچی کو زندہ سلامت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے اٹلانٹے کو اپنی تحویل میں لے لیا اور اسے بیٹی بنا کر پالا۔ وہ بڑی ہوئی تو شکاریوں نے اسے اپنے گروہ میں شامل کر لیا اور اس کی تربیت شروع کر دی۔

اپنے شکاری ٹولہ کے ساتھ اس نے کیلیڈونین بور کو تلاش کر کے مارنے کی مہم میں حصہ لیا اور اس جنگلی سور کو مارنے کے بعد اس کی کھال انعام کے طور پر حاصل کی۔ یوں اس کی شہرت شہنشاہ تک جا پہنچی' جو اس کا باپ تھا اور اب نہایت فخر سے اسے اپنی بیٹی تسلیم کرنا چاہتا تھا۔ اسی غرض سے وہ اٹلانٹے کو زبردستی اپنے ساتھ محل میں واپس لے آیا۔

اٹلانٹے جنگل کی آزاد فضا میں پلی بڑھی تھی۔ اسے محل کی پابندیاں اداس کرنے لگیں۔ شہنشاہ آئیوسیس نے اس کی شادی کا ارادہ کیا تو اٹلانٹے نے عجیب و غریب شرط پیش کر کے باپ کو حیران کر دیا۔

اس نے مطالبہ کیا کہ اس سے شادی کا خواہش مند ہر امیدوار اس سے فرداً" فرداً" ریس میں مقابلہ کرے' جو اسے ہرانے میں کامیاب ہوا۔ وہ اسی سے شادی کرے گی۔ ورنہ اسے قتل کر دے گی۔ اٹلانٹے کو ریس میں ہرانا ناممکن تھا۔ کیونکہ وہ بہت تیز رفتار تھی۔ شہنشاہ آئیوسیس کے پاس سوائے اس شرط کو تسلیم کرنے کے اور کوئی راستہ نہ تھا۔ مقابلہ شروع ہوا اور چند دنوں میں بہت سے نوجوان اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اٹلانٹے پہلے انہیں ریس میں ہراتی' پھر موت کے گھاٹ اتار دیتی۔ اس خون ریز مقابلے نے بہت سے نوجوانوں کو اس ارادے سے دستبردار کر دیا اور وہ پیچھے ہٹ گئے۔

میلانیون' اٹلانٹے کو دیکھتے ہی اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ وہ خود بھی ایک خوبرو نوجوان تھا اور اٹلانٹے کے حسن نے گویا اسے مبہوت کر دیا تھا۔ وہ دیوی Aphrodites کے پاس مدد کی درخواست لے کر پہنچا تو دیوی نے اسے تین سونے کے سیب مرحمت فرمائے اور ریس میں کامیابی کا گر بھی سمجھا دیا۔

ریس شروع ہوئی۔ ہمیشہ کی طرح اٹلانٹے اس بار بھی اپنے مقابل سے چند لمحوں میں آگے نکل گئی تھی کہ اچانک اسے اپنے سامنے سونے کا سیب زمین پر لڑھکتا نظر آیا۔ اٹلانٹے عورت تھی' سونے کا سیب دیکھ کر خود پر قابو نہ رکھ سکی اور رک کر اسے اٹھا لیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اسی دوران میلانیون اس سے آگے نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔

مگر بہت جلد اٹلانٹے دوبارہ اسے پیچھے چھوڑ گئی۔ وہ میلانیون سے دو قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ اس نے پھر ایک سیب اچھال دیا جسے اٹھانے کے لیے وہ جھکی اور میلانیون آگے بڑھ گیا۔

اب وہ دونوں اختتام کے قریب تھے۔ تماشائیوں کو نظر آرہا تھا کہ اٹلانٹے ایک بار پھر میلانیون کو پیچھے چھوڑ جائے گی کہ اس نے آخری سیب بھی اچھال دیا۔ مگر اس بار اٹلانٹے کو وہ سونے کا سیب اٹھانا بہت مہنگا پڑ گیا تھا۔

وہ ریس ہار گئی تھی۔ اس کے بعد ان دونوں کی شادی ہوگئی۔ میلانیون بہت خوش تھا کہ آسمانی دیوی دیوتاؤں نے کسی بات سے ناراض ہو کر دونوں میاں، بیوی کو انسان سے جنگلی شیروں میں تبدیل کردیا۔ آخری سانس تک وہ دونوں معبد خانے میں قید ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہے۔ خون پیتے نوچتے جھنجوڑتے رہے۔ یہاں تک کہ ختم ہوگئے۔"

ایک گہری سانس لے کر عبیدالرحمان نے یونانی میتھالوجی کی کتاب بند کی اور ساتھ لیٹی نازنین کی طرف دیکھا۔ وہ اکثر رات کو سونے سے قبل کوئی کتاب پڑھا کرتے تھے۔ آج ناز جلدی سوگئی تھی اور انہوں نے نازنین کی شیلف سے یہ کتاب نکال لی تھی۔ جسے پڑھنے کے بعد جانے کیوں عبید کو محسوس ہوا جیسے ناز اٹیلانٹے ہو اور وہ میلانیون ہو، نہ جانے کیوں؟

نازنین کا جسم قدرے بے ڈول ہوتا جارہا تھا۔ پانچویں مہینے کا آغاز ہوتے ہی اس کی بہت سی مشکلات میں بھی اضافہ ہوگیا تھا۔ بار بار سیڑھیاں اترنا چڑھنا ایک عذاب لگنے لگا تھا۔ اس نے عبید سے کہہ کر اپنی ذمہ داریوں میں تخفیف چاہی، جو صبیحہ بیگم کی اجازت کے بغیر ممکن نہیں تھی۔

"عبید میاں! آپ مرد ہیں، ان معاملات کو نہیں سمجھ سکتے۔ نازنین بھی پہلی دفعہ ماں بننے جارہی ہیں، انہیں کیا خبر؟ ایسی حالت میں چلتے پھرتے رہنا چاہیے۔ ماں اور بچہ دونوں صحت مند رہتے ہیں۔ آپ نازنین کو سمجھایئے اور زیادہ مشکل ہو تو ان سے کہیے دوپہر میں اوپر نہ جایا کریں، یہاں قدسیہ کے کمرے میں آرام کرلیا کریں۔ رات کا کھانا کھا کر اوپر چلی جائیں آپ کے ساتھ۔" صبیحہ بیگم نے اپنا فیصلہ سنا دیا اور بات ختم ہوگئی۔

نازنین کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ اسے کچھ وقت اکیلے گزارنا تھا۔ سکون و اطمینان سے۔ صبح ناشتا بنانے کے بعد وہ دوپہر کے کھانے کی تیاریوں میں مصروف ہوجاتی تھی۔ قدسیہ اور گلناز دونوں کالج جاتی تھیں۔ سب کام اسے اکیلے ہی کرنا پڑتے تھے۔

کالج سے واپس آکر قدسیہ کھانا کھانے کے بعد برتن سمیٹنے میں اس کی مدد کرواتی تھی لیکن ساتھ ساتھ ذومعنی طنزیہ گفتگو کا سلسلہ بھی چلتا رہتا تھا۔ صبیحہ بیگم نے کبھی اپنی بیٹی کو نہیں ٹوکا۔ بلکہ اکثر اوقات وہ دونوں ماں، بیٹی بظاہر آپس میں باتیں کرتی اسے باتیں سناتی رہتی تھیں۔ گلناز کا رویہ قدرے بہتر تھا لیکن نازنین اس سے سخت بدگمان تھی۔ لاڈلی بیگم کے الفاظ اسے ابھی تک یاد تھے۔ اس کی ساری اچھائی ناز کو ڈھونگ محسوس ہوتی تھی۔ جسے وہ عبید کو خوش کرنے کے لیے رچا رہی تھی۔

ایک شام صبیحہ بیگم اور قدسیہ کسی کام سے بازار گئی ہوئی تھیں۔ عبید کے گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے باہر کھانے کی فرمائش کردی۔ ابھی عبید نے کچھ جواب نہیں دیا تھا کہ ٹیپو بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا۔

"آج باجی نے مسالہ بھری بھنڈیاں اور روغنی روٹی بنائی ہے عبید بھائی! آپ ہمارے ساتھ کھانا کھائیں؟"

"اچھا کھانا لگواؤ۔ میں ابھی کپڑے تبدیل کرکے آتا ہوں۔" وہ ناز کو وہیں کھڑا چھوڑ کر اوپر چلے گئے۔ ناز نے خشمگیں نگاہوں سے سامنے کھڑے ٹیپو کی طرف دیکھا تو وہ گھبرا کر وہاں سے ہٹ گیا۔ کچھ دیر جلنے کڑھنے کے بعد وہ بھی اوپر گلناز کے پورشن میں چلی آئی۔

"واہ بھئی، مزا آگیا۔" عبید نے ہشاش بشاش لہجے

میں گرما گرم روٹی سامنے لاکر رکھتی گلناز کی محنت کو سراہا۔ جسے سن کر گلناز کے چہرے پر مسکان آئی تھی۔ وہیں نازنین کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہوئیں۔ لیکن خاموش رہنا اس کی مجبوری بن چکا تھا۔

شادی سے پہلے عبید کی والہانہ محبت کے اظہار نے اسے جس غلط فہمی میں مبتلا کیا تھا کہ وہ زندگی بھر ان کے دل اور گھر پر راج کرنے والی ہے۔ وہ اب دور ہوچکی تھی۔ اپنے طور پر وہ ناز کی ناز برداری کیا کرتے تھے مگر ان کی ہر بات (امی بیگم نہیں مانیں گی۔ ابا میاں سے پوچھنا پڑے گا) سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوجاتی۔ ناز کے لیے یہ سب کچھ ناقابل قبول تھا۔

عبید پورے خاندان کے بارے میں پہلے سوچتے تھے۔ پھر اس کی باری آتی تھی۔ کوئی نیا سوٹ خریدنے لگتی تو قدسیہ اور گلناز کے لیے بھی لینا پڑتا۔ اس نے کبھی اپنی بہنوں سے شراکت داری نہیں رکھی تھی اور یہاں اس کی ہر ذاتی چیز عبید کے گھر والوں کی نظر میں بھی تھی اور استعمال میں بھی۔

عبید اب بھی اکثر راتوں کو دیر تک گھر سے باہر رہا کرتے تھے۔ اپنے دوستوں کے ساتھ۔ ہاں اتنا کرم ضرور کیا تھا انہوں نے کہ ناز کی فرمائش پر کمرے میں ٹی وی لاکر رکھ دیا تھا مگر وہ ٹی وی سے بھی کب تک جی بہلاتی۔ اس نے دوبارہ پینٹنگ اور اسکیچنگ شروع کردی۔ کچھ ادھورے پروجیکٹس وہ اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ انہیں بنانا شروع کیا تو وقت آسانی سے کٹنے لگا۔

"یہ تو بہت خوب صورت پینٹنگ بنائی ہے تم نے۔"

عبید نے ایک دن اس کی واٹر کلر پینٹنگ کو دیکھ کر تعریف کی۔ ابھی ناز اپنی تعریف پر جی بھر کے خوش بھی نہیں ہوپائی تھی کہ عبید کے اگلے جملے نے اسے سلگا کر رکھ دیا۔ اس نے کہا۔ "میں اسے فریم کروا کر امی بیگم کے کمرے میں لگوا دیتا ہوں۔"

نازنین نے جھپٹ کر اپنی پینٹنگ ان کے ہاتھ سے چھین لی۔ "کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ پینٹنگ میں کسی کو نہیں دوں گی، یہ میں نے اپنے گھر کے لیے بنائی ہے۔"

"اپنا گھر؟" باوجود ناز کی بدتمیزی کے عبید نے نرمی سے پوچھا تھا۔

"ہاں۔۔۔ میرا اپنا گھر۔" اس نے اطمینان سے اپنی پینٹنگ رول کرتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ تمہارا ہی گھر ہے۔ تو۔۔۔ نیا بنا کر کیا کرو گی؟"

"کیا مطلب ہے آپ کا۔ ہم کیا ساری عمر اس ایک کمرے میں گزاریں گے؟ اپنی اولاد کو اس چھوٹے سے کمرے میں زمین پر سلائیں گے کیا؟"

"لیکن میں اپنے ماں، باپ کو چھوڑ نہیں سکتا۔ بھائی جان بھی یہاں نہیں ہیں۔ ہم یہیں رہیں گے ان کے پاس۔" نازنین کے خیالات جان کر عبید نے مناسب سمجھا کہ دو ٹوک الفاظ میں ابھی سے واضح کردیں کہ اسے الگ گھر دلانا ممکن نہیں ہے۔ "اور جہاں تک اولاد کو زمین پر سلانے کا سوال ہے، ایسا نہیں ہوگا، یہ کمرا اتنا بھی چھوٹا نہیں ہے۔ ہم وہاں کونے میں اس کے لیے بیڈ اور ایک چھوٹی الماری رکھ سکتے ہیں تم فکر نہ کرو۔"

"پھر بھی۔۔۔ میں یہ پینٹنگ کسی کو نہیں دوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ کسی کو مت دینا۔" عبید کے لیے یہی بہت تھا کہ ناز نے ان کا فیصلہ چپ چاپ مان لیا تھا۔ آگے سے کوئی بحث نہیں کی تھی۔

☼ ☼ ☼

"آپ چوہیا کی طرح بچے دینا چاہتی ہیں۔"

ناز آنکھیں پھاڑ کر قدسیہ کو دیکھنے لگی۔ محسنہ اور تابندہ اسپتال میں اسے دیکھنے آئی تھیں۔ قدسیہ وہیں موجود تھی۔ جب محسنہ نے بیٹی کو پیار سے گلے لگا کر اس کا حال چال پوچھا تو عادتاً ناز نے اپنے درد کی لمبی چوڑی تفصیل سنا کر آخر میں کہا۔

"ابھی تو پہلا بچہ ہے۔ میری یہ حالت ہوگئی ہے۔ کتنا اچھا ہو اگر سارے بچے ایک ساتھ پیدا ہوجایا کریں، ایک ہی دفعہ میں جان چھوٹ جائے۔" اور

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس سے پہلے کہ محسنہ بیٹی کی ہمت بندھاتیں' قدسیہ نے طنز کا تیر چلا کر بھونڈی سی ہنسی ہنسنا شروع کر دیا۔

"میں تم سے بات نہیں کر رہی تھی۔۔۔ تم بھی اپنا منہ بند رکھو۔" ناز نے ساس کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر اسے ڈپٹ دیا۔

"ہونہہ۔۔۔" قدسیہ سر جھٹک کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"ہر وقت میرا خون جلاتی رہتی ہیں دونوں ماں' بیٹی۔ جان مصیبت میں کر کے رکھ دی ہے۔"

"تو دھیان نہ دیا کر' چھوڑ' جانے دے۔"

"کیا' کیا چھوڑوں؟ ابھی صبح عبید کے ماں' باپ آئے' بچے کا نام رکھا' اذان دی' گھٹی پلائی اور چلتے بنے۔ میرا حال تک نہیں پوچھا۔"

"اچھا کیا نام رکھا ہے بیٹے کا؟" تابندہ خالہ بننے کی خوشی میں دوڑی دوڑی آئی تھی۔ نام جاننے کو بے چین ہو گئی۔

"شاہ زیب۔" بیٹے کا ذکر کرتے ہوئے بے اختیار اس کا چہرہ ممتا کے نور سے جگمگا اٹھا۔

☼ ☼ ☼

صبیحہ بیگم سمجھ رہی تھیں کہ اولاد ہو جانے کے بعد نازنین خود ہی تعلیم مکمل کرنے کا خیال دل سے نکال دے گی۔ مگر ان کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ اپنے سوا مہینے کے اختتام تک وہ عبید کو سیکڑوں بار ان کا وعدہ یاد دلانے کے ساتھ کئی بار جتا چکی تھی کہ اسے ہر حال میں اپنا تعلیمی سلسلہ وہیں سے شروع کرنا ہے' جہاں سے منقطع کیا تھا۔

عبید نے یہ صورت حال صبیحہ بیگم کے گوش گزار کی تو وہ کچھ دیر کو چپ سی ہو گئیں۔ بیٹے کو انکار کرتیں تو اس کی نظروں میں بری بنتیں۔ جو انہیں ہرگز منظور نہ تھا۔ طوعاً" کرہاً" انہیں اجازت دینا ہی پڑی۔

نازنین نے بھی سکھ کا سانس لیا۔ کم از کم دن کا کچھ حصہ تو گھر سے باہر گزارنے کو ملتا۔ ورنہ اس گھر میں رہتے ہوئے وہ ڈپریشن کی مریضہ بننے جا رہی تھی۔ اس نے فوراً" عالیہ سے رابطہ کیا اور اس کی مدد سے دوبارہ کالج جوائن کر لیا۔

شادی اور پھر بچے کی ولادت' نازنین کا پورا سال ضائع ہو چکا تھا۔ اب عالیہ اس سے ایک سال سینئر تھی۔ صبح عبید الرحمان اسے کالج چھوڑتے اور واپسی میں وہ عالیہ کے ساتھ آیا کرتی تھی۔ شاہ زیب کو اس نے شروع دن سے ہی فیڈر پر لگایا ہوا تھا۔ تاکہ اس کی پڑھائی کا حرج نہ ہو۔ ساس اور نند مل کر اس کے بیٹے کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ جب تک وہ گھر واپس نہ آجاتی۔ لیکن واپس آنے کے بعد اسے رات تک مسلسل کام پر لگائے رکھنا صبیحہ بیگم نے جیسے خود پر لازم کر لیا تھا۔

پہلے پہل تو نازنین خاموشی سے سب کرتی رہی' پھر ایک دن اس کا صبر جواب دے گیا۔ دوپہر میں سب گھر والوں کے لیے روٹی ڈالنا ابھی تک اس کی ذمہ داری تھی۔ اپنی فائلز وغیرہ برآمدے میں رکھ کر جب وہ کچن میں آئی تو چکرا کر رہ گئی۔ صبیحہ بیگم اور قدسیہ دونوں مل کر کچن کی الماریوں سے سب سامان باہر نکالتی جا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ ہنس رہی تھیں۔ نازنین نے سلام کیا تو صبیحہ بیگم نے فوراً" سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ کر سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہوا بہو! تم آگئیں۔ اب خود ہی سنبھال کر رکھو یہ چیزیں۔" انہوں نے تمام برتنوں اور مسالے کے ڈبوں کی طرف اشارہ کیا۔

"ایک کاکروچ نظر آیا تھا ہمیں۔۔۔ چمچوں کی دراز میں۔۔۔ سوچا اور جانے کتنے ہوں۔ اب تم اچھی طرح دیکھ بھال کر سب سیٹ کر دینا۔"

صبیحہ بیگم اتنا کہہ کر قدسیہ کے ساتھ باہر نکل گئیں۔ شاہ زیب نے دودھ کے لیے بلکنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ پہلے روٹی ڈالے' کچن سمیٹے یا بچے کو دودھ بنا کر دے۔ اس نے کوشش کر کے کاؤنٹر پر تھوڑی سی جگہ بنائی اور شاہ زیب کے لیے فیڈر تیار کیا۔ ابھی وہ صرف تین ماہ کا تھا۔ اسے گود میں لے کر دودھ پلانا پڑتا تھا۔ اس نے قدسیہ سے مدد مانگی تو اس

نے صاف انکار کر دیا۔

"بھابھی! میں تو نہانے جا رہی ہوں۔ پسینے سے برا حال ہے۔ آپ روٹی ڈال کر خود ہی پلا دیجئے گا۔"

اس دن نازنین بہت پریشان ہوئی۔ صاف نظر آرہا تھا کہ صبیحہ بیگم نے محض اسے تنگ کرنے کی خاطر یہ بکھیڑا ڈالا تھا۔ اس نے عبید سے بات کی۔ عبید اس کی ساری شکایات بے توجہی سے سنتے' بدستور ٹی وی پر نظریں جمائے لیٹے رہے تو اسے بہت غصہ آیا۔

"میں اتنی دیر سے بکواس کیے جا رہی ہوں' آپ سن کیوں نہیں رہے ہیں۔"

"کیا سنوں ناز۔ تم ہر روز اسی طرح کی باتیں کرتی ہو مجھ سے۔ کیا سنوں میں؟" شدید بیزاری کے عالم میں وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ "سب کچھ تمہاری مرضی سے ہو رہا ہے۔ پھر بھی تمہاری شکایتیں ختم نہیں ہو رہیں۔ اب کیا چاہتی ہو مجھ سے۔"

عبید الرحمان کو صبیحہ بیگم ہر روز سنایا کرتی تھیں کہ شاہ زیب کو سنبھالتے ہوئے انہیں کن مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہیں شرمندگی ہونے لگتی تھی۔ بڑھاپے میں بجائے اس کے کہ انہیں آرام دیا جاتا۔ الٹا عبید نے اپنی اولاد بھی پرورش کے لیے ان کے حوالے کر دی تھی۔

"تمہیں کبھی توفیق نہیں ہوئی کہ جھوٹے منہ ہی میری ماں کا شکریہ ادا کر دو۔ جو تمہاری ذمہ داری بھی خود اٹھا رہی ہیں۔"

عبید نے اسے شرم دلائی اور ناز کے تو جیسے آگ ہی لگ گئی۔ "کیا ذمہ داری اٹھا رہی ہیں وہ؟ میں کالج سے واپس آتی ہوں تو باورچی خانے میں ہزاروں کام میرے منتظر ہوتے ہیں۔ شاہ زیب کو دھلاتی ہیں' نہ صاف کرتی ہیں۔ یوں ہی گند میں پڑا رہتا ہے۔ اسے نہلاؤں میں' صاف میں کروں' کھانا میں پکاؤں' روٹی بھی ڈالوں' صفائیاں بھی کروں' پھر اوپر اپنے کمرے کو بھی ٹھیک کرنا میرا ہی فرض ہے۔ آخر کرتی کیا ہیں وہ۔ جس کا احسان مانوں میں' جواب دیں۔"

"اگر اتنی ہی مصیبت پڑ رہی ہے تو چھوڑ دو پڑھائی' گھر پر رہو اور بچے کی صحیح طریقے سے دیکھ بھال کرو۔ میرے کان کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔" عبید نے اٹھ کر ٹی وی بند کیا اور چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔

نازنین تلملا کر رہ گئی۔ وہ پڑھائی پھر سے ادھوری چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اگلی صبح اس نے عبید سے پھر بات کرنے کی کوشش کی۔

"کیوں نہ ہم ایک آیا کا انتظام کر لیں۔" اس نے اپنی طرف سے بہترین حل سوچا تھا۔ مگر عبید کو یہ بھی منظور نہیں تھا۔

"میری اولاد کسی نوکرانی کے ہاتھوں میں پرورش نہیں پائے گی۔ میں نے آج تک تم جیسی ماں نہیں دیکھی۔"

وہ جو سمجھ رہی تھی کہ رات گزرنے کے بعد ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہو گا' پھر سے اپنی تضحیک ہوتے دیکھ کر چپ سی ہو گئی۔

"تم نے بچے کو اپنا دودھ پلانے سے منع کر دیا۔ میں چپ رہا۔ تم نے اپنی ضد پوری کی' دوبارہ کالج میں داخلہ لیا۔ میں خاموش رہا۔ حالانکہ جو کچھ تم سیکھ رہی ہو' اس کی ہمارے دین میں بالکل اجازت نہیں ہے۔"

"اچھا؟ ایسا کیا گناہ کر رہی ہوں میں۔" وہ ڈھٹائی سے بولی تو عبید نے بھی صاف صاف بات کرنے کی ٹھان لی۔

"تم کس بے شرمی سے اپنے کلاس فیلوز کے ساتھ نیوڈ تصویریں بناتی ہو۔ کیا ضرورت ہے ان سب کی۔"

"یہ آرٹ ہے۔" ناز نے کمزور سا دفاع کیا اور نظریں چرانے پر مجبور ہو گئی۔ عبید نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"ناز! تم اپنی پسند کے سبجیکٹس میں پرائیویٹلی بی اے کر لو' گھر پر رہ کر پڑھائی کر لو' اس طرح شاہ زیب بھی neglect نہیں ہو گا۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ جس قسم کے لوفر لڑکے تمہارے کالج میں پڑھتے ہیں' جیسی فحش باتیں وہ کرتے ہیں' میں نہیں چاہتا تم اس ماحول کا حصہ بنو' تم چھوڑ دو یہ سب۔۔۔ پلیز۔"

عبید کو ایک' دو بار نازنین کے کالج کے اندر جانے کا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اتفاق ہوا تھا۔ وہاں کا ماحول انہیں اچھا نہیں لگا تھا انہوں نے سرسری لفظوں میں نازنین کو روکنے کی کوشش کی تھی اور آج دوبارہ کہہ رہے تھے۔ مگر نازنین نہیں مانی۔ اس نے رو دھو کر عبید کو منالیا کہ "صرف دو تین سال کی ہی تو بات ہے میرا گریجویشن کمپلیٹ ہو جائے۔" اور نہ چاہنے کے باوجود انہیں اجازت دینی ہی پڑی تھی۔

دو سال جیسے تیسے گزر ہی گئے۔ اب اس کے فائنل امتحانات میں چند ماہ رہ گئے تھے۔ شاہ زیب بھی چلنے پھرنے لگا تھا۔ ناز کو اپنی منزل آسان دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن پھر وہ ایک کے بعد ایک مشکل میں پھنستی چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

کالج میں نازنین کی طبیعت خراب ہوئی۔ عالیہ نے اس کے کہنے پر اسے محسنہ کے پاس ڈراپ کر دیا۔ ویسے تو نازنین کو ماں کے پاس آنے اور رہنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ یہاں ان سہولتوں کا فقدان تھا جو اس کے سسرال میں میسر تھیں۔ محسنہ شروع سے قناعت پسند تھیں۔ انہوں نے گھر میں آسائشوں کا ڈھیر نہیں لگایا تھا۔ طارق جو پیسے بھجوایا کرتا اسے وہ تابندہ کی شادی کے لیے جوڑ رہی تھیں۔ اس کے ایک، دو اچھے رشتے آئے ہوئے تھے۔

تابندہ کی ذمہ داری سے فارغ ہو کر وہ حج پر جانا چاہتی تھیں۔ اس لیے غیر ضروری خرچ سے اجتناب برتتی تھیں۔ یہی وجہ تھی نازنین نے بچے کی پیدائش کے بعد اپنے سسرال میں رہنے کو ترجیح دی۔ لیکن آج اس کا یہاں آنا ایک خاص مقصد کے تحت تھا۔ جس مصیبت میں وہ پھنس چکی تھی، صرف ماں ہی اسے نجات دلا سکتی تھی۔ محسنہ کمرے میں بستر پر لیٹی نازنین کے لیے نمکین لسی لے کر آئیں تو اس نے اپنی آمد کی وجہ بیان کر دی۔

"اے کیا کھوے نازنین۔" محسنہ ہکابکا بیٹی کی شکل دیکھنے لگیں۔

"ہاں امی جی! مجھے نہیں چاہیے۔ ابھی میں یہ مصیبت مول نہیں لے سکتی، مجھے رضیہ خالہ کے پاس لے چلو۔" اس نے محلے کی دائی کا نام لیا۔

پھر اس نے لجاجت سے ماں کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "میری اچھی امی، میرا یہ کام کرا دو۔۔۔ نہیں تو وہ لوگ پھر سے مجھے گھر بٹھالیں گے۔ میری پڑھائی چھوٹ جائے گی۔ آخری سال ہے میرا۔۔۔ اگر امتحان نہ دیا تو ساری محنت ضائع ہو جائے گی۔"

"میں تیرے میاں سے بات کروں گی، وہ سمجھالے گا تیری ساس کو، تو ایسا نہ کر، یہ اللہ کے کم ہوندے نیں، اساں کچھ نہیں کر سکدے ہیں گے۔" محسنہ نے اسے بہتیرا سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ نہیں مانی۔ تب انہوں نے بھی اس کی مدد سے صاف انکار کر دیا۔

نازنین کسی صورت اس بچے کی پیدائش کے حق میں نہیں تھی۔ جب ماں سے کسی طرح اپنی حمایت کی کوئی امید نہ رہی تو اس نے عالیہ سے مدد لینے کا فیصلہ کر لیا۔

☆ ☆ ☆

"ہم تو اپنی بہو کو بیٹیوں سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔ جیسے چاہو رہو سہو، کھاؤ پیو، عیش کرو، ہمیں تو انہیں خوش دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔"

صبیحہ بیگم شہد آگیں لہجے میں جانے کن خاتون سے نازنین کا تعارف کروانے کے بعد خود اپنی ہی تعریفیں کیے جا رہی تھیں۔ ناز نے پہلے حیرت سے سر اٹھایا اور پھر بے زاری سے دوسری جانب دیکھنے لگی۔ "حد ہوتی ہے بناوٹی محبت جتائے جا رہی ہیں توبہ۔۔۔" اس کے حلق تک کڑواہٹ بھر گئی، جبکہ وہ خاتون صبیحہ بیگم سے خاصی متاثر نظر آ رہی تھیں۔ ناز سے بولیں۔

"بیٹی! آپ بہت خوش نصیب ہیں جو اتنا چاہنے والا سسرال ملا ہے آپ کو۔۔۔ ماشاءاللہ۔"

"ہم تو اللہ سے بہت ڈرتے ہیں شائستہ بیگم۔" صبیحہ بیگم نے ان خاتون کا نام لے کر کہا۔ "کسی کی بیٹی

کو دکھ دیں گے تو کیا ہماری بیٹی دوسرے گھر میں سکھی رہ سکے گی؟ انسان آخر اپنے کیے کا ہی پھل پاتا ہے۔ اب دیکھیے نا۔۔۔ ہم نے اپنی بہو پر کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی، کوئی روک ٹوک نہیں ہے، ڈھائی سال کا بیٹا ہے اس کا، یہ کالج جاتی ہے پڑھنے اور بیٹے کو میں سنبھالتی ہوں، گھر بھی دیکھتی ہوں اور وہاں، میری بیٹی بھی بڑے سکھ سے ہے۔ کیونکہ میں نے اپنی بہو کا خیال رکھا، اللہ نے میری بیٹی کو میری نیکیوں کا بدلہ دیا ہے۔"

شائستہ بیگم تو سر دھننے لگیں، مگر ناز سے اور برداشت نہیں ہوا۔ وہ بدقت مسکراتی ہوئی ان کی پیچھے والی کرسیوں کی لین میں جا کر بیٹھ گئی۔ اب اس کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ صبیحہ بیگم کے التفات کا مقصد کیا تھا۔ صبح سے وہ اس کے واری صدقے جا رہی تھیں، بہو اپنا سب سے بھاری جوڑا پہننا اور زیور بھی، خوب اچھے انداز میں بناؤ سنگھار کیجیے گا۔ ہماری جان پہچان کے بہت لوگ ہوں گے اس تقریب میں، آج آپ تیار ہونے میں کوئی کسر مت چھوڑیے گا۔

اسی قسم کی دوسری ہدایات دے کر وہ بڑے اہتمام سے اسے اپنے ساتھ لے کر آئی تھیں۔ تیاری تو قدسیہ کی بھی کم نہ تھی۔ کچھ دیر بعد اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی نے اس کے کپڑوں کی تعریف کی۔ ناز نے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا تو وہ مزید کہنے لگی۔ "آپ کی تو مسکراہٹ بھی بے حد خوب صورت ہے، بہت پیاری ہیں آپ۔"

اپنی توصیف سن کر پل بھر میں موڈ خوشگوار ہو گیا اور ناز اس سے خوب کھل مل کر باتیں کرنے لگی۔ اس دوران صبیحہ بیگم نے پیچھے مڑ کر ایک نظر نازنین کو دیکھا، پھر مسکرا کر دوبارہ شائستہ بیگم سے گفتگو میں مصروف ہو گئیں۔

ناز نے کھانا بھی اسی لڑکی کے ساتھ کھایا تھا۔ قدسیہ، صبیحہ اور شائستہ بیگم کو کھانا لا کر دے رہی تھی۔

"دراصل ہم اپنے بھائی کے لیے اچھی سی لڑکی تلاش کر رہے ہیں۔" اس لڑکی نے کھانا کھاتے ہوئے ناز کو اس تقریب میں شرکت کا اصل مقصد بتایا۔

"تو پسند آئی کوئی؟"

"نہیں، ابھی کسی پر نگاہ ٹھہری تو نہیں۔۔۔ ویسے آپ تو یہاں سب کو جانتی ہوں گی۔ آپ ہی کچھ مدد کر دیں ہماری۔" اس نے کولڈ ڈرنک کا گھونٹ لے کر اسے کرسی کے پاس نیچے کارپٹ پر رکھتے ہوئے کہا، پھر سامنے کچھ فاصلے پر کھڑی قدسیہ کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ لڑکی اچھی لگ رہی ہے نا۔۔۔ میں امی سے کہتی ہوں۔۔۔ اس کے بارے میں پوچھیں، زرینہ خالہ سے۔"

اس نے قدسیہ میں دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے تقریب کی میزبان کا حوالہ دیا۔ ابھی وہ اٹھنے ہی لگی تھی کہ ناز نے ہاتھ پکڑ کر اسے دوبارہ بٹھاتے ہوئے رازداری سے کہا۔

"رہنے دو، تم اسے نہیں جانتیں، ایک نمبر کی چالاک لڑکی ہے، تم لوگ سیدھے سادے لگتے ہو، یہ تو ناکوں چنے چبوا دے گی تمہیں۔" کن انکھیوں سے صبیحہ بیگم کو دیکھ کر اس نے آہستگی سے اس کے کانوں میں سرگوشی کی تھی۔

"کیا آپ جانتی ہیں اسے۔" وہ حیرت سے ناز کی شکل دیکھنے لگی۔

"ہاں، چھوٹی نند ہے میری۔" ناز کے لہجے میں تنفر تھا۔

"اچھا۔۔۔" وہ لڑکی پھر سے واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ "پھر تو آپ کو زیادہ بہتر پتا ہو گا، ویسے دیکھنے میں تو سیدھی سادی لگتی ہے۔"

"چھوڑو۔۔۔ صورت پر نہ جاؤ اس کی۔۔۔ پوری فسادن ہے، جب دیکھو اپنے بھائی کے کان بھرتی رہتی ہے میرے خلاف۔"

"آپ کی ساس روکتی نہیں اپنی بیٹی کو۔"

"وہ کیوں روکیں گی، الٹا اس کے ساتھ مل کر میری زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ وہ دیکھو سامنے جو گلابی کپڑوں میں کھڑی ہیں، شاید تم جانتی ہو انہیں۔" ناز نے اس کی توجہ دلائی۔

"وہ بھی ایسا بن بن کر باتیں کر رہی ہیں جیسے دنیا کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بہترین ساس ہوں‘ اپنے منہ میاں مٹھو بننے کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے محترمہ نے۔ ہم تو اپنی بہو کو بیٹی سمجھتے ہیں۔ ہونہہ۔۔۔‘‘ اس نے منہ ٹیڑھا کرتے ہوئے صبیحہ بیگم کی نقل اتاری۔ ’’اصل میں یہ سب لوگ مجھ سے جلتے ہیں‘ عبید میرے شوہر نے ضد پکڑلی تھی کہ مجھ ہی سے شادی کرنی ہے اور یہ راضی نہ تھیں‘ اپنی بدشکل بھانجی سے بیاہنا چاہتی تھیں۔ ان پر بس نہ چل سکا‘ بدلے مجھ سے لیے جارہے ہیں۔ سارا دن جلی کٹی سناتی رہتی ہیں‘ شادی پر بھی بڑا تنگ کیا انہوں نے‘ حق مہر سوا بتیس روپے باندھا‘ ایسا چھلکا سا زیور دیا بری میں‘ اوپر سے سو سو باتیں الگ سنائیں۔ اللہ دشمن کو بھی ایسی سسرال نہ دے‘ جیسی مجھے ملی ہے۔‘‘ ناز نے خوب ہی دل کے پھپھولے پھوڑے۔

گھر جانے کا اشارہ ملنے تک نازنین اپنی نئی سہیلی کو اور بہت کچھ بتاتی رہی اور وہ لڑکی نہایت ہمدردی سے اس کے دکھڑے سنتی رہی۔

☼ ☼ ☼

’’عبید میاں‘ آپ کو توقیر میاں کیسے لگے؟ بھئی ہمیں تو پورا خاندان بہت پسند آیا ہے۔ نہایت سلجھے ہوئے لوگ ہیں۔‘‘ مطیع الرحمان نے تقریب سے واپسی پر گاڑی میں بیٹے کی رائے طلب کی ساتھ ہی اپنی پسندیدگی کا بھی فوراً ہی اظہار کردیا۔

’’جی ابو‘ لڑکا بھی اچھا ہے‘ پڑھا لکھا‘ سمجھ دار ہے۔‘‘

’’پورا خاندان ہی نہایت خوش اخلاق ہے‘ ان کی بیٹی سکینہ‘ بہو بیگم سے یوں گھل مل گئی تھی جیسے برسوں کی جان پہچان ہو۔‘‘

لو یہ کیا کہہ رہی ہیں۔ ناز نے حیرت سے ساس کی جانب دیکھا۔

’’کون امی بیگم‘ کس کی بات کررہی ہیں آپ۔‘‘

’’سکینہ کی بات کررہی ہوں اور کس کی۔‘‘ شائستہ بیگم کی بیٹی ہی تو تھی وہ۔ جس کے ساتھ تم پوری تقریب میں پکی سہیلیوں کی طرح گفتگو کرتی رہی۔‘‘

یہ انکشاف سن کر نازنین کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ یہ کیا ہوگیا تھا؟ وہ اپنی دھن میں کہتی رہیں۔

’’تین ہفتے پہلے شائستہ بیگم ہمارے گھر آکر قدسیہ کو دیکھ گئی تھیں‘ تم تو اپنی پڑھائی میں ہی اتنی مصروف رہتی ہو‘ شاید دھیان نہیں گیا تمہارا‘ شائستہ اپنے شوہر کے ساتھ آئی تھیں۔ انہیں ہمارا رہن سہن طور طریقہ بے حد پسند آیا۔ میرا خیال ہے شائستہ بیگم کل ہی رشتے کے لیے ہاں کہہ دیں گی کہہ رہی تھیں فون کریں گی کل دوپہر تک۔‘‘

صبیحہ بیگم بے حد خوش تھیں اور نازنین سوچ سوچ کر پاگل ہوئی جارہی تھی۔ کس چالاکی سے اس معصوم شکل والی سکینہ نے ناز سے سب کچھ اگلوالیا تھا اور وہ بے وقوفوں کی طرح ہر بات کہتی چلی گئی۔ اب اللہ جانے اس غلطی کا خمیازہ کون کون بھگتے گا۔ ناز سارا رستہ بے حد پریشان رہی۔ اگلا دن بلاشبہ اس کی زندگی کا سب سے تاریک دن بننے والا تھا۔

عبید الرحمان سے نیند پوری نہ ہونے کا بہانہ کرکے اس نے کالج سے چھٹی کی۔ جب وہ بھی گھر سے باہر نکل گئے تو نازنین اپنے کمرے میں آگئی عالیہ نے اسے میڈیکل اسٹور سے اسقاط حمل کی گولیاں لاکردی تھیں کل رات کی تقریب کا پورا احوال بھوت بن کر دماغ سے چمٹا ہوا تھا۔ وہ مضطرب تھی مگر اس کام میں مزید دیر کرنا بھی مناسب نہیں تھا۔ اسے جلد سے جلد اس ٹینشن سے چھٹکارا حاصل کرنا ہی تھا۔ یہ فیصلہ کرتے ہی اس نے گولیاں پانی کے ساتھ نگل لیں اور چادر اوڑھ کر لیٹ گئی۔

شاہ زیب حسب معمول اپنی دادی‘ دادا کے پاس تھا۔ مطیع الرحمان اس کے بنا ناشتہ نہیں کرتے تھے۔

صبیحہ بیگم بے تابی سے شائستہ بیگم کی کال کی منتظر تھیں جو انہیں دوپہر سے پہلے ہی موصول ہوگئی۔ ان کی طرف سے صاف انکار قطعی غیر متوقع سہی پر اصل ستم تو انکار کی وجہ نے ڈھایا تھا۔ شائستہ بیگم نے نازنین کی کہی ایک ایک بات ان کے سامنے من و عن دہرا دی۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے صبیحہ بیگم کی خوب

خوب بے عزتی کی تھی۔ صبیحہ بیگم حیران پریشان ’’آپ سنیے تو۔۔۔‘‘ ہی کہتی رہ گئیں اور دوسری طرف سے فون بند کردیا گیا۔

صبیحہ بیگم اپنا سر تھام کر پاس پڑی کرسی پر ڈھے گئیں۔ مطیع الرحمان بھاگے بھاگے آئے‘ دیکھا تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ صبیحہ بیگم کی طبیعت اچانک ہی خراب ہوگئی۔ شاید بی پی شوٹ کرگیا تھا۔ اس وقت مطیع الرحمان صبیحہ بیگم کو کمرے کے اندر لائے اور بستر پر لٹانے کے بعد عبید کو فون کرکے فوراً گھر پہنچنے کا حکم دیا۔

ماں کی طبیعت کا سن کر عبید نے گھر آنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ وہ فوراً ہی ماں کے کمرے میں چلے آئے۔ صبیحہ بیگم کا بلڈ پریشر تو نارمل ہوگیا تھا لیکن وہ اب تک روئے جارہی تھیں۔ مطیع الرحمان نے عبید کی شکل دیکھتے ہی کہا۔

’’جائیے۔۔۔ نازنین کو بلا کر لائیے۔ آپ کے سامنے ان سے بات ہوگی۔‘‘ عبید الرحمان والد کے غصے سے اچھی طرح واقف تھے سو چپ چاپ نازنین کو بلانے چل پڑے۔

☼ ☼ ☼

عبید الرحمان کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ بھلا نازنین نے یہ انتہائی قدم کیوں اٹھایا تھا۔ لیکن ڈاکٹر جس یقین سے بات کررہی تھی اسے جھٹلایا بھی نہیں جاسکتا تھا۔

’’آگے بہت احتیاط کی ضرورت ہے ورنہ آپ کی مسز ماں بننے کی صلاحیت کھودیں گی۔‘‘ ڈاکٹر ہدایت دینے کے بعد وہاں سے چلی گئی۔

عبید ناز کے پاس کمرے میں آگئے۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھی۔

عبید بے اختیاری میں اسے دیکھے چلے گئے۔ آج بھی وہ انہیں اول روز کی طرح حسین اور پرکشش نظر آرہی تھی۔ ایک بیٹے کی ماں بن جانے کے باوجود اس کا حسن ویسے کا ویسا ہی تھا جس پر وہ اپنا دل ہارے تھے۔

محبت کرنا‘ اپنی محبت کو حاصل کرنا جتنا پرلطف اور کیف آگیں تھا‘ محبت کے ساتھ نباہ کرنا اسی قدر عذاب بن گیا تھا۔ نازنین ایک بے حد مشکل عورت تھی۔ جو کچھ اس کے لیے وہ کرتے آئے تھے آج تک ان کے پورے خاندان میں کسی عورت کے لیے نہیں ہوا تھا۔ اس کے باوجود وہ خوش نہیں ہوتی تھی۔

جب مطیع الرحمان نے ناز کو نیچے بلوایا اور صبیحہ بیگم نے اس سے صاف صاف پوچھا کہ قدسیہ کے متعلق اس نے سکینہ سے کیا کیا باتیں کی ہیں؟ تو وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگی۔ مطیع الرحمان کے ڈپٹنے پر اس نے صفائی سے جھوٹ بول دیا کہ اس نے گھر کی کوئی بھی بات سکینہ کے سامنے نہیں کی۔

’’آپ لوگ میری کسی بات پر یقین نہیں کریں گے باہر سے کوئی بھی آکر مجھ پر الزام لگادے تو وہ سچا اور میں جھوٹی؟‘‘

’’بی بی! کسی کو کیا پڑی ہے تمہارا نام لے کر جھوٹ بولنے کی؟‘‘ صبیحہ بیگم نے جل کر کہا۔

’’شاید انہیں قدسیہ پسند نہیں آئی تھی‘ وہ یہاں شادی نہ کرنا چاہتے ہوں گے‘ جان چھڑانے کو میرا نام لگادیا اور آپ مجھ پر چڑھ دوڑے۔‘‘

نازنین نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا۔

’’اگر انہیں انکار کرنا ہوتا تو وہ کچھ بھی کہتے۔۔۔ لیکن انہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں نے اپنی ماں کی بھانجی کو ٹھکرا کر تم سے شادی کی‘ تمہارا حق مہر صرف سوا 32 روپے باندھا گیا۔ یہ سب کچھ تم نے کہا تھا تب ہی انہیں معلوم ہوا ورنہ کیسے پتا چلتا؟‘‘ عبید نے ناز کے جھوٹ کو پکڑلیا۔

’’یہاں کسی نے مجھے کبھی عزت نہیں دی۔ اپنے گھر کا فرد نہیں سمجھا‘ قدسیہ کے رشتے کی بات چلتی رہی اور مجھے کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ کسی نے مجھے بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی‘ مجھے گھر کے معاملات میں شامل نہیں کیا جاتا۔ کیوں؟ اگر مجھے ابتدا سے شامل رکھا جاتا تو یہ سب تو نہ ہوتا۔ اپنی نیکیوں کا ڈھنڈورا پیٹنے کے لیے سجا سنوار کر ساتھ لے گئیں۔‘‘

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ناز نے براہ راست صبیحہ بیگم کو مخاطب کیا "دنیا کو یہ دکھانے کے لیے کہ ہم اپنی بہو کا بہت خیال رکھتے ہیں' کل شام مجھ سے سولہ سنگھار کرنے کو کہتی رہیں' ایک بار بتا تو دیتیں' کہاں لے جارہی ہیں' کیوں لے جارہی ہیں؟"

"تمیز سے بات کرو میری ماں سے۔" عبید اس کے گستاخ لہجے پر سخت اشتعال میں آگئے۔

"میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔" وہ بدستور تڑخ کر بولی "آپ کو صرف میری غلطی نظر آتی ہے۔ اپنی ماں کی حرکتیں دکھائی نہیں دیتیں۔"

اور عبید اس سے زیادہ برداشت نہیں کرسکتے تھے انہوں نے فوراً" آگے بڑھ کر ناز کے منہ پر تھپڑ رسید کیا اور اسی پر بس نہیں' ناز کی زبان چلتی رہی اور وہ مارتے رہے۔ مطیع الرحمان کی آواز بھی انہیں سنائی نہیں دے رہی تھی جو انہیں ناز پر ہاتھ اٹھانے سے روک رہے تھے۔ ان کا ہاتھ شاید نہ رکتا اگر ناز بے ہوش نہ ہوگئی ہوتی۔

"اسے ہسپتال لے کر چلو عبید۔۔۔ یہ کیا کردیا تم نے۔" مطیع الرحمان نے زمین پر گری ناز کے پاس بیٹھتے ہوئے فکر مندی سے کہا۔ عبیدالرحمان کا پارہ چڑھا ہوا تھا' وہ نازنین کو یونہی چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

قدسیہ اور گلناز گھر واپس آچکی تھیں۔ اس ہنگامے نے ان کے حواس معطل کردیے تھے۔ مطیع الرحمان کے چلانے پر وہ نازنین کے پاس آئیں اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگیں۔ مگر وہ ہوش میں نہ آئی۔ گلناز نے عبید کی منت سماجت کرکے انہیں ہسپتال لے جانے پر راضی کیا۔ جہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ ناز امید سے تھی اور اس نے اپنی ہی اولاد کو قتل کردیا تھا۔

ناز کی اس حرکت نے عبید کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا۔ انہیں پہلی بار احساس ہوا کہ ناز سے شادی کرکے انہوں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ ایک غلط فیصلے نے ان کی پرسکون زندگی غارت کردی تھی۔ سب کچھ بدل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اسے بے حد نقاہت محسوس ہورہی تھی۔ ہاسپٹل سے آئے تیسرا دن ہوچلا تھا مگر ابھی تک طبیعت سنبھل نہیں پائی تھی۔ تین مہینے کا بچہ جو اس کے وجود کا حصہ رہا تھا اسے نہایت بے دردی سے نوچ پھینکا تھا دوائیوں نے اس کی اپنی جان بھی نچوڑ کر رکھ دی تھی۔ اوپر سے عبید کی ناراضی اسے پریشان کررہی تھی۔ ہاسپٹل سے آنے کے بعد انہوں نے ایک بار بھی اس کا حال چال نہیں پوچھا تھا' وہ اسے یکسر نظر انداز کیے ہوئے تھے۔

محسنہ کو اطلاع ملی تو وہ بیٹی کو دیکھنے آئیں۔ اس حالت میں جب ساری دنیا اس سے خفا تھی' ماں کا مہربان رویہ دیکھ کر پہلی دفعہ اسے اس رشتے کی قدرو قیمت کا اندازہ ہوا۔ اور وہ محسنہ کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کے رودی۔

محسنہ نے عبید سے ناز کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت مانگی تو انہوں نے صاف انکار کردیا۔ انہیں اپنی بیوی پر بالکل بھروسا نہیں رہا تھا وہ دوبارہ ایسی حرکت کرسکتی تھی۔

تذلیل کیا ہوتی ہے؟ اس سے پہلے شاید ناز کو اندازہ نہیں تھا۔ تذلیل وہ نہیں تھی جو باورچی خانے میں کام کرتے ہوئے قدسیہ اور صبیحہ بیگم کی طنزیہ گفتگو سن کر وہ محسوس کیا کرتی تھی۔ اصل ذلت کا سامنا تو اب کیا تھا اس نے۔۔۔ جب سب لوگوں کے ساتھ عبید کا رویہ بھی بدل گیا تھا۔

گھر کے کام کلی طور پر اب اس کی ذمہ داری بنادیے گئے تھے۔ جنہیں تمام کرتے وہ صبح سے رات کردیتی۔ پھر بھی معمولی سی کوتاہی پر اسے بری طرح جھڑک دیا جاتا اور یہ کام عبید کیا کرتے تھے۔ پہلی بار انہوں نے نازنین کو سب کے سامنے زور سے ڈانٹ دیا جب وہ کھانے کی میز پر چٹنی رکھنا بھول گئی تھی۔ بلند آواز میں چلاتے ہوئے انہوں نے ناز کو سخت سست کہا تھا۔

اس دن کے بعد گھر کے تمام افراد کے منہ پر لگے لحاظ کے تالے بھی ٹوٹ گئے تھے۔ جس کے منہ میں جو آتا کہنے لگتا۔ قدسیہ بھائی کے سامنے مسکین بن کر خاموش رہتی تھی مگر بعد میں ہر طرح کی کسر نکال لیتی۔ اس کی پڑھائی چھڑوادی گئی تھی۔

"اب تم کالج نہیں جاؤ گی۔" انتہائی سرد' بے مہرو ٹوک لہجے میں عبید نے فقط اتنا ہی کہا اور وہ ٹکر ٹکر ان کی صورت دیکھتے چلی گئی۔

مطیع الرحمان نے اکیلے میں عبید کو بہت ڈانٹا تھا' ان کے خاندان میں آج تک عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا گیا تھا۔ انہوں نے والد کی ڈانٹ خاموشی سے سن لی تھی۔ مگر ناز کے ساتھ اپنا سخت رویہ ہنوز برقرار رکھا ہوا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے اس طریقے سے وہ نازنین کی فطرت بدل پائیں گے۔ شاید وہ ان کی محبت پانے کے لیے خود کو ایک اچھی بیوی ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ اتنا ضرور ہوا تھا کہ اب وہ خاموش رہنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

قدسیہ کے لیے ایک اور رشتہ آیا تھا' اب چونکہ وہ سارا دن گھر پر ہوتی تھی اس لیے اسے فوراً" ہی معلوم ہوگیا تھا۔ صبیحہ بیگم نے بھی راز داری برتنے کے بجائے مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے اس سے کچھ چیزیں پکوائی تھیں۔ وہ سمجھی اب ان کا غصہ اتر چکا ہے اور انہوں نے اسے معاف بھی کردیا ہوگا۔ نہایت دل جمعی سے اس نے تمام اسنیکس تیار کیے' شام تک وہ کچن میں ہی مصروف رہی۔

عبیدالرحمان بھی جلدی گھر آگئے تھے' کچھ دیر ماں کے پاس بیٹھ کر وہ باورچی خانے میں آئے تو نازنین نے ان سے کہا۔

"بس سب کچھ تیار ہے' میں دس منٹ میں تیار ہو جاؤں گی۔ ان کے آنے میں ابھی آدھا گھنٹہ ہے نا۔۔۔" اس نے بریڈ رول پلیٹ میں نکالتے ہوئے انہیں تسلی دی تھی۔

"تم اوپر چلی جاؤ' باقی کام گلناز کردے گی' میں نے بلایا ہے اسے۔"

"اسے کیوں بلالیا' سارا دن اسکول میں دماغ کھپاتی ہے' اب آپ ان کاموں میں لگادیں گے۔۔۔ میں نے کر تو لیا ہے سب کچھ۔"

"جتنا تم سے کہا جارہا ہے۔۔۔ اتنا ہی کرو۔۔۔ چھوڑ دو یہ کام اور جاؤ سیدھی اوپر۔" عبید کو شاید غصہ آگیا تھا اس نے خاموشی سے فرائی رول کڑاہی سے باہر نکالے چولہے کی آنچ آہستہ کی اور کپڑے سے ہاتھ پونچھ کر باہر نکلتے ہوئے بولی۔

"میں ابھی نہا کر آتی ہوں' پھر باقی رول بھی فرائی کردوں گی۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ تم اوپر ہی رہو گی میں نہیں چاہتا میری بہن کی خوشیوں پر تمہارا منحوس سایہ بھی پڑے۔" نازنین ٹھٹک کر رک گئی اور بے یقینی سے عبید کو دیکھے چلی گئی۔ اتنی خدمت' عاجزی اور فرماں برداری کے باوجود ان کا دل ابھی تک صاف نہیں ہوا تھا۔

عبید تو کیا' صبیحہ بیگم اور مطیع الرحمان بھی اب تک اس حرکت کو یاد رکھے ہوئے تھے۔ رشتہ طے ہوا' تاریخ طے کی گئی پھر قدسیہ کی دھوم دھام سے شادی بھی کردی گئی اور وہ بیاہ کر پنڈی چلی گئی۔ ولیمے میں شرکت کی غرض سے گھر والے اور رشتہ دار سب ایک کوچ میں پنڈی گئے تھے۔ کسی ایک موقع پر بھی نازنین شرکت نہیں کرسکی۔ اسے محسنہ کے پاس بھیج دیا گیا تھا۔ ناز کو اس بار غصہ نہیں آیا تھا' اسے صدمہ ہوا تھا' شدید صدمہ۔ زندگی اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے گی اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں ایسی ہرنی ہوں عالیہ' جسے شیر نے ادھ موا کرکے زمین پر گراتے ہی بھنبھوڑنا شروع کردیا ہے۔ میں اپنی آنکھوں سے لمحہ لمحہ خود کو مرتے ہوئے دیکھتی ہوں۔ ایسی تکلیف دہ زندگی جی رہی ہوں۔ موت جس سے بدرجہا بہتر ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

عالیہ نے سر اٹھا کر نازنین کے چہرے کو غور سے دیکھا جس پر شدید اذیت' دکھ اور تکلیف کی داستان رقم تھی۔

"تم سوچ بھی نہیں سکتیں یہ لوگ میرے ساتھ کیا کرتے ہیں۔۔۔ میرا حسن' اعتماد' صلاحیتیں سب بے معنی ہے' انہیں مجھ میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ میں ختم ہو جاؤں گی۔۔۔ میری برائیاں میری خامیاں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔"

نازنین دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بے بسی سے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی عالیہ نے اسے کھل کر رونے دیا۔

"عبید نے مجھے دھوکا دیا ہے۔۔۔ اپنا ایک بھی وعدہ پورا نہیں کیا۔ اس نے میری اسٹڈیز تک کمپلیٹ نہیں کرنے دیں مجھے۔۔۔ رات گئے اس کی واپسی ہوتی ہے۔۔۔ کچھ کہوں تو جانوروں کی طرح مارنے پیٹنے لگتا ہے۔۔۔ اتنی غلیظ زبان استعمال کرتا ہے کہ تم تصور نہیں کر سکتیں۔

میں سارا دن بیگار کاٹتی ہوں' اس کے بچے پالتی ہوں۔۔۔ اس کی ماں کی بکواس سنتی ہوں' گھر کے سارے کام کرتی ہوں پھر بھی وہ مجھ سے خوش نہیں ہے۔۔۔ اول دن سے مجھے بدزبان' پھوہڑ اور بے غیرت کہہ رہا ہے۔۔۔ بے غیرت ہی تو ہوں میں۔۔۔ جو اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود اس کے قدموں میں پڑی ہوں۔" ناز نے الٹے ہاتھ سے بھیگے چہرے کو صاف کرتے ہوئے بے بسی سے کہا۔ تو عالیہ نے اسے ٹوکا۔

"یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے۔"

"میں نے کیا کیا؟"

"ان لوگوں نے تمہیں بے وقوف بنایا اور تم بن گئیں۔ اپنے آپ کو پہچانو نازنین! تم ہیرا ہو۔۔۔ انمول اور بیش قیمت مگر یہ لوگ جوہری نہیں ہیں انہوں نے تمہاری قدر نہیں کی۔۔۔ دنیا کرے گی اپنے ٹیلنٹ کو استعمال میں لاؤ۔۔۔" عالیہ جیسے ناز کے بدن میں نئی روح پھونک رہی تھی' اس کے ہاتھ کپکپانے لگے۔

"تم اتنی ٹیلنٹڈ ہو کالج میں تمہارے پروجیکٹس بہترین ہوا کرتے تھے تم تو ہر فن مولا تھیں۔ شاعری' ڈرامہ! اسٹوری رائٹنگ۔۔۔ ہر شعبے میں کمال پرفارمنس ہوتی تھی تمہاری۔۔۔ کالج کا کوئی فنکشن ہوا تھا کبھی تمہارے بغیر' نازنین! تم آج بھی بہت کچھ کر سکتی ہو۔"

ان پرانے دنوں کی یاد نے جب چہار جانب ستائش بھری نظریں اور تحسین آمیز جملے سنائی دیتے تھے' اس کے چہرے کو روشن کر دیا تھا۔ عالیہ اپنی بات کا اثر ہوتا دیکھ کر مزید پرجوش ہو گئی۔

"تم پھر سے کام شروع کرو۔" اس نے چٹکی بجا کر ناز کے سامنے زمین پر بیٹھتے ہوئے آئیڈیا دیا "تم اتنی اچھی آرٹسٹ ہو' گھر پر ہزاروں کاموں کے لیے وقت نکالتی ہو پینٹنگ کرنے پر بھی دھیان دو۔۔۔ میں تمہارا کام exhibit کروں گی۔ کراچی میں آرٹ کی بہت قدر ہے' ہاتھوں ہاتھ بکیں گی تمہاری پینٹنگز۔۔۔ جو بیوی خود کماتی کھاتی ہو۔۔۔ شوہر اسے دبا نہیں سکتا۔۔۔ عبید تیر کی طرح سیدھا ہو جائے گا۔۔۔ اور پھر۔" عالیہ نے ڈرامائی انداز میں پنجوں کے بل اچک کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا "تم اس سے علیحدہ گھر کا مطالبہ کر دینا۔"

"علیحدہ گھر؟" نازنین نے زیر لب دہرایا۔

عالیہ مسکرائی "ہاں تمہارا اپنا گھر۔"

✡ ✡ ✡

عالیہ جب تک لاہور میں رہی' باقاعدگی کے ساتھ نازنین سے ملنے آتی رہی۔ وہ کراچی کی ایک مشہور فرم میں انٹیریئر ڈیکوریٹر کی حیثیت سے جاب کرتی تھی۔ اس کے لیے ناز کی پینٹنگز بکوانا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ نازنین نے اس کے جاتے ہی دوبارہ کام شروع کر دیا تھا۔

مطیع الرحمان کے انتقال کو تین مہینے ہونے والے تھے۔ عافیہ کو پاکستان چھوڑ کر شفیق الرحمان ابوظہبی روانہ ہو گئے۔ انتہائی غیر محسوس انداز میں عافیہ نے ناز کے بہت سے کاموں کو اپنی ذمہ داری بنا لیا تھا۔ وہ صبیحہ بیگم کے ناشتے اور کھانے کا خیال رکھنے لگی' انہیں وقت پر دوائیں دینا بھی اس کے فرائض میں شامل ہو گیا۔ پہلے پہل ناز کو حیرت ہوئی کیونکہ صبیحہ بیگم کو عافیہ کے کاموں میں کوئی برائی نظر نہیں آتی تھی۔ کیوں؟ اس کا صاف مطلب تو یہی تھا کہ خرابی ناز میں نہیں تھی اور نہ ہی اس کے کیے گئے کام میں تھی بلکہ صبیحہ بیگم جان بوجھ کر اسے ستایا کرتی تھیں۔ خیر جو بھی تھا' ناز کی جان چھوٹ رہی تھی اور وہ بے حد سکون محسوس کرنے لگی تھی۔

اس نے دوبارہ سے خود پر توجہ دینا شروع کر دی۔ اس نے پینٹنگز اور ووڈ کارونگ کے چند ایک پروجیکٹس مکمل کر کے عالیہ کے حوالے کر دیے تھے۔ جن کی اچھی قیمت وصول ہونے کی امید تھی۔ اس کے حالات بدل رہے تھے۔ کھویا ہوا اعتماد بحال ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اکثر بچوں کو لے کر نزدیکی بازار شاپنگ کرنے چلی جاتی۔ انہیں کھلونے اور گفٹس خرید کر دیتی اور پھر ان کی من پسند آئس کریم دلا کر واپس گھر کا رخ کرتی۔ اس سب کا مقصد بچوں کی خوشی سے زیادہ ان کا اعتماد حاصل کرنا تھا۔ وہ وہی کر رہی تھی جو عالیہ نے سمجھایا تھا۔

"تمہاری شادی پر مہر کی رقم دیکھ کر ہی مجھے اچھی طرح عبید کی فطرت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ رہی سہی کسر تمہارے سسرال والوں نے پوری کر دی۔ مگر تم خود کو کمزور مت سمجھو۔۔۔ بچوں کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔۔۔ وہی تمہاری ڈھال بنیں گے۔۔۔ انہیں بتاؤ ان کی دادی اور باپ کس طرح تمہیں پریشان کرتے ہیں۔۔۔ اگر بچے اپنے باپ کو تم پر زیادتی کرنے سے ٹوک دیں تو عبید بھی احتیاط کرے گا۔۔۔ وہ ہرگز یہ نہیں چاہے گا کہ اس کی اولاد اسے ایک برا انسان سمجھے۔۔۔"

نازنین نے عالیہ کے منہ سے نکلی ہر بات اچھی طرح ذہن نشین کر لی تھی۔ سمجھ دار تو وہ خود بھی بہت تھی۔

وہ جان بوجھ کر بچوں کے سامنے کوئی نہ کوئی فضیحتہ کھڑا کر دیتی اور پھر شوہر کے بے قابو غصے کا تماشا خود بھی دیکھتی۔۔۔ اور انہیں بھی دکھاتی۔ نتیجتاً" بچے باپ سے سخت متنفر ہوتے جا رہے تھے۔

✡ ✡ ✡

اپنی کار گھر کے گیٹ سے اندر لاتے ہوئے عبید کی نظر بالکونی میں کھڑے ٹیپو پر پڑی تیزی سے کار پورچ میں داخل ہوئی تھی۔ جسے پارک کرتے ہی وہ فوراً" باہر نکلے اور لان میں آ کر دوبارہ بالکونی کی طرف دیکھا۔ ان کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہوئیں۔ ٹیپو ان کے باتھ روم کی کھڑکی کے ساتھ لگ کر کھڑا اندر جھانک رہا تھا۔ عبید نے آواز دینا چاہی پھر کچھ سوچ کر رک گئے اور تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھتے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔

سیڑھیوں کے اوپر ہی انہیں ٹیپو نظر آ گیا اس کے سلام کا جواب دینے کے بجائے عبید نے پوچھا "وہاں بالکونی میں کھڑے کیا کر رہے تھے؟"

"جی کچھ نہیں۔۔۔ بس پودوں کو پانی دے رہا تھا۔۔۔" ٹیپو نے کہا تو عبید اسے غور سے دیکھنے لگے' وہ انٹر کر چکا تھا' قد بھی خوب نکالا تھا۔ ناز کی فطرت کی وجہ سے ان کا رشتہ بھی عجیب کھنچاؤ کا شکار ہوا تھا۔ نازنین اکثر گلناز پر طنز کیا کرتی تھی' جس نے ماں کے انتقال کے بعد جاب شروع کر دی تھی۔ تاکہ اپنے اور بھائی کے اخراجات کے لیے کسی پر بوجھ نہ بنے۔ وہ اسکول میں ٹیچر تھی' اور ٹیپو کی پڑھائی مکمل ہونے تک اس کا شادی کا ارادہ نہیں تھا۔ جبکہ ناز اس کی نیت پر شک کرتی اور اس کا برملا اظہار بھی کیا کرتی تھی۔ ٹیپو ایک دو بار ناز کو آگے سے جواب دے چکا تھا۔ عبید یہ بات جانتے تھے کہ ٹیپو نازنین کو پسند نہیں کرتا ہے۔

ابھی انہوں نے اپنے باتھ روم کی کھڑکی کے پاس کھڑے ہوئے ٹیپو کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس کے جھوٹ پر وہ کچھ بول نہیں پائے تھے۔ بس خاموشی سے سر ہلا کر اپنے کمرے کی طرف چل

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پڑے۔ اندر آکر انہوں نے نازنین کو آواز دی' پھر بچوں سے پوچھا۔ رامین اور شاہ زیب ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

"تمہاری ماما کہاں ہیں؟"

"وہ باتھ روم میں ہیں۔۔۔ نہا رہی ہیں۔" رامین نے بدستور ٹی وی پر نظریں جمائے ہوئے کہا اور عبید یہ سن کر پتھرا گئے تھے۔ انہیں ٹیپو سے اس گھٹیا حرکت کی توقع نہ تھی۔

✲ ✲ ✲

"ہمیں یقین نہیں آتا عبید! ٹیپو ہماری گود میں پلا بڑھا ہے' گھر کا بچہ ہے۔ وہ ایسی حرکت نہیں کر سکتا' تمہیں یقیناً "غلط فہمی" ہوئی ہے۔"

صبیحہ بیگم چند لمحوں پہلے ہی عبید کو زبردستی کھینچ کر اپنے ساتھ کمرے میں لے کر آئی تھیں۔ مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ برآمدے سے عبید کے چیخنے چلانے کی آواز سن کر وہ دہل گئیں۔ فوراً" اپنے کمرے سے باہر آئیں تو دیکھا ٹیپو عبید کے گھٹنے پکڑے جانے کس بات کی معافی مانگ رہا تھا' وہ آگے بڑھیں' ٹیپو روتے ہوئے عبید سے کہہ رہا تھا۔

"بھائی جان! قسم لے لیں' میں تو بھابھی کے بلانے پر کھڑکی میں کھڑا ان کی بات سن رہا تھا' انہیں بازار سے دہی منگوانا تھا' اسی کے لیے پیسے پکڑا رہی تھیں وہ مجھے ۔۔۔"

"بکواس کرتے ہو تم۔۔۔" عبید نے زوردار ٹھوکر مارتے ہوئے اپنا گھٹنا چھڑانے کی کوشش کی "اگر ایسی بات تھی تو تمہیں جھوٹ بولنے کی ضرورت کیوں پڑی تم نے یہ کیوں کہا کہ پودوں کو پانی دے رہے تھے۔۔۔ جواب دو؟" وہ زور سے دھاڑے۔

"میں پودوں کو پانی دینے ہی گیا تھا بھائی جان! میں نے جھوٹ نہیں کہا مجھے بھابھی نے منع کیا تھا کہ آپ سے بلکہ کسی سے بھی کچھ نہ کہوں' وہ آج دوپہر دہی جمانا بھول گئی تھیں اور انہیں خدشہ تھا رات کے کھانے پر رائتے کے لیے دہی نہ ہونے پر سب گھر والے ان سے ناراض ہوں گے۔۔۔ آپ ان سے پوچھ تو لیں۔"

"انہیں بلاؤ عبید۔" صبیحہ بیگم نے آگے بڑھ کر مداخلت کی "ٹیپو ہمارا خون ہے وہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔"

"امی بیگم! میں نازنین سے پوچھ چکا ہوں' اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ ٹیپو کیا کر رہا تھا اور میں نے اسے خود اپنی آنکھوں سے وہاں کھڑکی سے اندر جھانکتے دیکھا تھا۔ اگر ناز کو پیسے پکڑانے ہوتے تو وہ باتھ روم سے کیوں دیتی۔۔۔ باہر آکر بھی دے سکتی تھی' یہ جھوٹ بول رہا ہے۔" انہوں نے ٹیپو کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اس کی کسی بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ صبیحہ بیگم عبید کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے کمرے میں لائی تھیں۔ مگر عبید کی غیرت جوش میں آئی ہوئی تھی اس پر والدہ کا ٹیپو کی گھٹیا حرکت پر سرسری سا ردعمل انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا' اور پھر انہوں نے اپنا فیصلہ ان کے سامنے رکھ دیا۔

"ابا میاں نے گلناز اور ٹیپو کی کفالت کا ذمہ اٹھایا تھا میں بھی اسے ہر حال میں نبھاؤں گا' مگر اس سے کہہ دیجیے گا۔۔۔ جب تک میں یہاں ہوں مجھے اپنی شکل نہ دکھائے۔"

"آئے ہائے یہ خوب کہی' ایک گھر میں رہنے والے کب تک ایک دوسرے کی شکل نہ دیکھیں گے۔"

"جی۔۔۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اب ہم اس گھر سے چلے جائیں۔" عبید اچانک اٹھ کھڑے ہوئے "میرا مکان بن رہا ہے اور کچھ عرصے میں ہم وہاں منتقل ہو جائیں گے' ٹیپو سے کہہ دیجیے گا مجھ سے اور میرے بیوی بچوں سے دور رہے۔" اتنا کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گئے۔

صبیحہ بیگم جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئیں۔ عبید الرحمان کے علیحدہ گھر کی خبر نے انہیں پل میں بوڑھا کر دیا تھا۔

✲ ✲ ✲

اس واقعے کے بعد ٹیپو نے عبید کے سامنے آنا موقوف کر دیا تھا۔ گلناز بھائی کی بے عزتی پر بے حد دکھی تھی۔ اس نے اپنا تبادلہ پنڈی کے ایک اسکول میں کروا لیا اور وہ دونوں گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد عبید کو اپنی زیادتی کا احساس اس وقت ہوا جب اتفاق سے انہوں نے ناز کو عالیہ سے فون پر گفتگو کرتے سن لیا۔ اپنی فتح کے نشے میں چور وہ اس منصوبے کی پوری تفصیل سناتی داد وصول کر رہی تھی اور عبید دروازے کی دہلیز پر کھڑے اس حسین عورت کے منہ سے اپنے قبیح فعل کا اعتراف سن کر دم بخود رہ گئے تھے۔ کیا کوئی حد ہے؟ آخر نازنین اپنے مفاد کے لیے کہاں تک جا سکتی ہے؟ کسی پر تہمت لگانا کیا اتنا ہی آسان تھا اس کے لیے۔۔۔ علیحدہ گھر تو وہ بنوا ہی رہے تھے اس کے لیے۔۔۔ جلد یا بدیر یہ خواہش پوری ہونے ہی والی تھی۔۔۔ تو پھر۔۔۔ کیوں؟ انہوں نے سہارے کے لیے دروازہ تھام لیا۔ روتا بلکتا جوان جہان ٹیپو جیسے ابھی تک ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھے اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وہ میری ماں کی طرح ہیں' میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں عبید بھائی۔۔۔ میرا بھروسا کریں۔"

نازنین نے باتھ روم کی کھڑکی سے سڑک کے موڑ سے اپنی گلی میں داخل ہوتی عبید کی گاڑی دیکھنے کے بعد پودوں کو پانی دیتے ٹیپو کو پکارا تھا۔ وہ فوارہ ہاتھ سے رکھ کر ان کی بات سننے نزدیک آیا۔ کچھ دنوں سے ناز بے حد مہربانی سے پیش آ رہی تھی۔ اس نے اپنی ترش روئی پر باقاعدہ معافی مانگ کر ٹیپو کا دل صاف کر دیا تھا۔ اس کے بعد عبید الرحمان کی زیادتیوں کا سرسری سا تذکرہ کرتے ہوئے وہ ٹیپو کی ہمدردی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ ٹیپو کھڑکی کے نزدیک آیا تو نازنین نے جالی والا پٹ کھول کر پیسے چوکھٹ پر رکھ دیے اور پٹ دوبارہ بند کرتے ہوئے اس سے فوراً" دہی لا کر دینے کی درخواست کر دی۔ نظریں تو گیٹ کے نزدیک آتی عبید کی گاڑی پر لگی تھیں۔ جیسے ہی عبید کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہونے لگی' ناز ٹیپو کا شکریہ ادا کر کے پیچھے ہٹ گئی۔ ٹیپو کھڑکی کی چوکھٹ سے پیسے اٹھا رہا تھا کہ پچاس پیسے کا سکہ دس روپے کے نوٹ سے پھسل کر جالی میں اٹک گیا۔ اسے اچک کر نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے عبید نے ٹیپو کو دیکھا اور وہی سمجھ بیٹھے جو ناز سمجھانا چاہتی تھی۔ جب ٹیپو پیسے اٹھا کر وہاں سے ہٹ گیا تو ناز نے ٹی وی دیکھتے بچوں سے کہا۔

"جب پاپا آئیں تو بتا دینا کہ مما نہا رہی ہیں۔" اس کے بعد وہ باتھ روم میں آگئی اور دروازہ بند کر کے بالٹی نلکے کے نیچے رکھ دی۔

عبید کو یہ باور کرانا ضروری تھا کہ نازنین کی عزت اس گھر میں محفوظ نہیں اس کے بعد وہ الگ گھر کا مطالبہ کر سکتی تھی۔ مگر یہ نوبت آئی ہی نہیں تھی' عبید نے اس سے خود ہی کہہ دیا کہ میں تمہیں جلد نئے گھر میں لے کر چلا جاؤں گا۔ صرف یہی نہیں انہوں نے تو بالکونی کے دروازے کو تالا ڈال کر چابی نازنین کے حوالے کر دی تھی۔ نتیجہ توقعات سے کہیں بڑھ کر حاصل ہوا تھا۔ ناز کے تو خوشی کے مارے پیر زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔

شفیق الرحمان واپس آ چکے تھے۔ بھائی کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے انہوں نے ٹیپو کے ساتھ ہوئے ظلم کا اعتراف کر لیا۔ عبید میں تو اب ٹیپو کا سامنا کرنے کی ہمت بھی نہیں۔۔۔ البتہ انہوں نے شفیق الرحمان سے وعدہ لے لیا کہ وہ گلناز اور ٹیپو کو واپس لانے کی پوری کوشش کریں گے ان کے اس گھر سے چلے جانے کے بعد۔۔۔

اس رات نازنین کو بہت مارا تھا عبید نے۔۔۔ رامین نے دیکھا تھا' ناز فرش پر گری ہوئی سسکیاں لے رہی تھی اور۔۔۔ اس کے پاپا منہ بھر بھر کے گالیاں دے رہے تھے۔ ناز نے کیا کیا تھا' اس کم سن بچی کو کبھی معلوم نہیں ہو سکا مگر باپ کو انتہائی خوفناک روپ میں دیکھ کر وہ سہم گئی تھی۔ پہلے پہل شاہ زیب کے کان بھرے جاتے تھے۔ اب اس واقعے کے بعد رامین بھی غمگساروں میں شامل ہو گئی تھی۔

✲ ✲ ✲

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آراستہ محل" پتھر کی تختی پر نستعلیق خط میں کندہ نام۔۔۔ اس کے نئے گھر کی پیشانی پر سجا تھا۔ یہاں وہ بلا شرکت غیرے ہر چیز کی مالک تھی۔ عالیہ تو اپنے شوہر کے ساتھ لندن چلی گئی تھی مگر نازنین کے لیے ترقی کے دروازے وا ہو چکے تھے۔ اب لاہور میں اس کا نام آرٹسٹ کے طور پر اچھی خاصی شہرت پا چکا تھا۔ اس میدان میں جھنڈے گاڑنے کے بعد اس نے دنیائے ادب میں نام کمانے کی تیاری شروع کر دی۔ ایک ناول ماہوار ڈائجسٹ میں چھپ چکا تو دوسرے کی مانگ کی گئی۔ اپنے گھر کے کاموں سے فراغت پا کر وہ لکھنے میں مصروف ہو جاتی۔ ساتھ ساتھ وہ گھر کی سجاوٹ پر بھی توجہ دے رہی تھی۔ اتنے سال فرسٹریشن میں گزارنے کے بعد اب کہیں جا کر سکون کا سانس لینا نصیب ہوا تھا۔ اسے اکثر یہ سوچ کر شدید پچھتاوا ہوا کرتا کہ اتنے عرصے تک وہ عبید اور ان کے گھر والوں کو خوش کرنے کی فضول سی کوشش میں کیوں لگی رہی۔ ورنہ بہت پہلے وہ اپنے گھر میں آچکی ہوتی۔

عبید بحیثیت شوہر جیسے بھی تھے 'ایک باپ کے روپ میں وہ بے حد مختلف انسان ثابت ہوئے تھے۔ اپنی ماں کا گھر چھوڑ دینے کے بعد ان کی ذات پر چڑھا رنگ بھی اترتا جا رہا تھا۔ نازنین کو اپنی ماں کی نظر سے دیکھنے کے بجائے اپنی وہ آنکھوں کا استعمال کر رہے تھے۔

وہ محنتی تھی 'گھر کو اچھے طریقے سے سنبھالتی تھی' ٹیلنٹڈ تھی 'پڑھی لکھی سمجھ دار بھی تھی۔ عبید نے بھلے ہی ناز کے سامنے اس کی خوبیوں کا اعتراف نہیں کیا تھا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کا دل ناز کی طرف سے صاف ہونے لگا تھا۔ جب ہی نازنین نے اپنے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر لیا۔

☼ ☼ ☼

"دنیا میں کوئی اور جگہ نہیں ملی انہیں جو ہمارے سروں پر آکر بیٹھنے کا شوق ہو رہا ہے؟"

ناز نے جب سے یہ خبر سنی تھی 'وہ غصہ سے بے قابو ہو رہی تھی۔ شام کو عبید کے گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے جھگڑا شروع کر دیا۔ عبید کو اس لمحے پر افسوس تھا جب انہوں نے اسے بتایا تھا کہ ان کے گھر کی لین میں ذرا سا آگے ایک بنگلہ بک رہا ہے جسے شفیق الرحمان خریدنا چاہ رہے ہیں۔ اس کے بعد صبیحہ بیگم 'شفیق الرحمان اور ان کی فیملی کے ساتھ ساتھ ٹیپو بھی یہیں قریب آجائے گا۔ گلناز کی شادی ہو گئی تھی اور وہ اسلام آباد میں اپنے شوہر کے ساتھ مقیم تھی ٹیپو کو شفیق الرحمان منا کر واپس لے آئے تھے۔

"جواب کیوں نہیں دیتے۔۔۔ بولتے کیوں نہیں۔۔۔ میں کیا پوچھ رہی ہوں؟" وہ پہلے سے زیادہ بگڑ گئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا نازنین۔۔۔ تمہاری تربیت کس ڈھب پر ہوئی ہے۔۔۔ نہ بات کرنے کی تمیز۔۔۔ نہ بڑوں کا لحاظ۔۔۔ نہ موقع محل دیکھنا۔۔۔ بس شروع ہو جاتی ہو ابھی آفس سے اتنا تھک کر آیا ہوں تم نے ایک گلاس پانی نہیں پوچھا اور تفتیش کرنے لگیں۔۔۔ آرام سے بیٹھ کر بھی تو بات ہو سکتی ہے۔"

"نہیں ہو سکتی آرام سے بات۔۔۔ سمجھے آپ۔"

وہ باقاعدہ چیخ کر جواب دے رہی تھی۔ اسے عبید کے نرم لہجے میں خود پر کیے جانے والا بھرم مخمل میں لپٹا جوتا محسوس ہوا تھا۔ "ہونہہ ماں بیٹے کی ایک ہی عادت ہے 'گھما پھرا کر میری ذات میں کیڑے نکالنے بیٹھ جاتے ہیں۔ میری تربیت جیسی بھی ہوئی ہو 'کبھی اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھا ہے 'جھوٹ 'منافقت خون میں رچ بس گئی ہے آپ کے۔"

"نازنین! زیادہ زبان چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ مجھے غصہ مت دلاؤ۔ نہیں تو۔" عبید تلملا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ناز نے ان کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔

"نہیں تو کیا؟ ہاں؟ کیا کریں گے؟ ہاتھ اٹھائیں گے ماریں گے۔" ان کے جھگڑے کی آواز سن کر شاہ زیب اور رامین کمرے سے باہر نکل آئے 'عبید نے ایک نظر بچوں کی طرف دیکھا 'پریشان اور خوف زدہ بچے 'ماں باپ کو دوبدو ہوتے دیکھ کر بہت گھبرا گئے تھے 'عبید نے ان سے واپس کمرے میں جانے کے لیے کہا تو ناز نے روک دیا۔

"کہیں نہیں جائیں گے یہ ان کے سامنے بات کریں نا۔۔۔ انہیں بھی پتا چلے اپنے باپ کی حرکتوں کا۔"

شاہ زیب چلتا ہوا ان دونوں کے نزدیک آکھڑا ہوا

"کیا ہوا ماما۔۔۔ ؟ پاپا آپ سے جھگڑا کیوں کر رہے ہیں؟"

عبید یہ سن کر چکرا گئے 'بیٹے کو ماں کے بجائے باپ قصوروار نظر آرہا تھا۔

"نہیں بیٹا! میں جھگڑا نہیں کر رہا۔۔۔ تمہاری ماں بلاوجہ چیخ چلا رہی ہیں۔۔۔ میں تو آرام سے بات کر رہا تھا۔"

"آپ نے مجھے مجبور کیا ہے چیخنے پر۔۔۔ جب میں آرام سے کچھ کہتی ہوں "آپ سنتے ہی نہیں۔۔۔" ناز بیٹے کی حمایت پا کر اور مظلوم بن گئی تھی۔

"پاپا آپ بیٹھ کر ماما کی بات سنیں۔۔۔" عبید باول نخواستہ واپس صوفے پر بیٹھ گئے 'نازنین کو بھی شاہ زیب نے ان کے سامنے بٹھایا۔ وہ چھوٹا سا لڑکا 'جسے دو پختہ عمر انسانوں نے اپنے جھگڑے کی ثالثی کے لیے منتخب کیا تھا۔ پوری دیانت داری سے ان دونوں کی شکایات سن کر سمجھنے مے حل پیش کرتا رہا۔

وہ بوجھ دو نااہل انسانوں نے اس کے نازک کندھوں پر زبردستی دھر دیا جسے خود اٹھانے کی سکت ان میں نہیں تھی۔ اس بوجھ نے کمسن انسان کو کیسے توڑا پھوڑا 'یہ جاننے کا تردد کبھی نہیں کیا۔ بس ہر گزرتے دن کے ساتھ اس بوجھ میں اضافہ کرتے گئے۔ انتہائی بے رحمی کے ساتھ۔۔۔

☼ ☼ ☼

اس کی یادداشت کے پہلے صفحہ پر اپنی ماں کا سکھایا جو پہلا سبق تحریر ہوا اس کا عنوان بدظنی تھا۔ کتاب شعور کا آغاز ہی اس متن سے ہوا اس سے پہلے نہ کوئی پس منظر تھا نہ پیش لفظ۔

"پھر شہزادی کو اس جادوگرنی نے قید کر لیا۔۔۔"

نازنین کی آواز۔۔۔ ایک کہانی سناتے ہوئے۔۔۔ اور بہت ساری آوازیں بھی تھیں۔ اسے اپنی آواز سنائی دی اور منظر صاف ہوتے چلے گئے۔

"جادوگرنی کیا ہوتی ہے؟" چار سال کی رامین نے ماں سے سوال کر ڈالا۔

"جادوگرنی۔۔۔ وہ جادو کرتی ہے۔۔۔ خون پیتی ہے۔۔۔ لوگوں کو تنگ کرتی ہے تو وہ روتے ہیں۔۔۔" نازنین سادہ الفاظ میں اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی 'اس کا معصوم ذہن سوچ میں پڑ گیا "کیسی شکل ہوتی ہے اس جادوگرنی کی؟"

"تمہاری دادی جیسی۔۔۔" تنفر بھرا جواب ملا تو وہ حیرانی سے ناز کی صورت دیکھنے لگی۔ دادی بیگم کا نام لیتے ہی ناز کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ اسے یکدم اپنی ماں سے ہی خوف محسوس ہونے لگا۔ وہ چپ چاپ پوری کہانی سنے بغیر ہی وہاں سے ہٹ گئی۔

شام کو جب وہ دادی کے کمرے کے سامنے سے گزر کر صحن میں جانے لگی تو بہت ڈر رہی تھی۔ صبیحہ بیگم اپنا چاندی کا پاندان سامنے رکھے 'سروتے سے چھالیہ کتر رہی تھیں۔ ان کی نظر رامین پر پڑی تو وہ جہاں کی تہاں رک گئی۔ اس کی بھولی صورت اور خوف سے پھٹی آنکھیں دیکھ کر وہ بے اختیار مسکرا دیں اور پچکار کر اپنے پاس بلایا "وہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟ یہاں ہمارے پاس آکر بیٹھو۔۔۔"

رامین سمٹ کر ستون کی آڑ میں ہو گئی۔۔۔ اس کا ننھا سا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا "یہ مجھے بھی پکڑ کر بند کر دیں گی۔" ابھی وہ بھاگنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ صبیحہ بیگم نے پیچھے سے اس کا بازو پکڑ لیا اور اسے لے کر اپنے کمرے میں مسہری پر بٹھاتے ہوئی بولیں "چلو بیٹھو یہاں۔۔۔ ورنہ ہم تمہارے پاپا سے شکایت کر دیں گے کہ تم ہمارا کہا نہیں مانتی ہو۔" اس دھمکی کو سنتے ہی رامین فوراً" مسہری پر بیٹھ گئی۔ اسے اپنے پاپا کے غصے سے بے حد خوف آتا تھا۔

"اس گھر کے سب چھوٹے بڑے صبح صبح ہمیں سلام کرنے آتے ہیں 'مگر تم نہیں آتیں۔۔۔ بھلا کیوں؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"وہ ۔۔۔۔ وہ۔" رامین کو شروع سے ہی دادی کا رعب داب ان کے نزدیک نہیں جانے دیتا تھا۔ اب جو ماں نے صبیحہ بیگم کو جادوگرنی کا خطاب دیا تو وہ بری طرح خوف زدہ تھی۔ ان کے استفسار پر اٹک اٹک کر بالآخر اس نے کہہ ہی دیا "مجھے آپ سے ڈر لگتا ہے!"

"ہم سے؟" صبیحہ کو اس کی سہمی صورت نے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ "ارے ہم سے کیوں ڈرتی ہو بولو۔۔۔۔" پان کی پیک اب دانتوں اور ہونٹوں کو رنگنے لگی تھی۔ جسے دیکھ کر رامین کے اوسان خطا ہو گئے۔ یہ تو سچ مچ کی جادوگرنی ہیں "شہزادی کا خون پی لیا" مجھے بھی ماریں گی۔

"کہو۔۔۔۔ کیوں ڈر لگتا ہے تمہیں ہم سے؟" ہنستے ہوئے دادی نے پھر سے پوچھا۔ رامین اپنا تھوک نگل کر بمشکل بولنے کے قابل ہوئی۔

"آپ جادوگرنی ہیں نا۔۔۔۔"

اور صبیحہ بیگم اچھل پڑیں۔ "اوئی اللہ۔۔۔۔ کیا کہا؟ ہم جادوگرنی؟ کس نے کہا تم سے۔۔۔۔ تمہاری ماں نے؟" دادی کا غصہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ رامین اٹھ کر بھاگنے لگی تو انہوں نے نہایت سختی سے اسے پکڑ کر دوبارہ بٹھالیا۔

رامین نے روتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "جی ۔۔۔۔ ماما نے کہا تھا" صبیحہ بیگم نے اس کے بازو چھوڑ دیے اور ہاتھ نچا کر زہر خند لہجے میں کہا "ارے وہ تو خود جادوگرنی ہے ہمارے بیٹے کو چھین لیا ہم سے۔۔۔۔ اب ہمارے بچوں کو بھڑکائے گی ہمارے خلاف۔۔۔۔ آج آنے دو اپنے پاپا کو۔۔۔۔ سیدھا کرواتے ہیں تمہاری ماں کو۔"

رامین روتی ہوئی وہاں سے بھاگ آئی۔

مگر وہ سزا اس کی ماں کے ساتھ ساتھ اسے بھی ہمیشہ یاد رہی۔

☼ ☼ ☼

اس کے پاپا سخت غصے میں گالیاں دے رہے تھے اور ماما فرش پر اوندھی پڑی سسکیاں لے رہی تھیں۔ کانچ کی ٹوٹی ہوئی بوتلیں اور گلاس ان کے آس پاس بکھرے ہوئے تھے۔ اب تک وہ پاپا کی خاموش خفگی سے خوف کھاتی آئی تھی۔ انہیں یوں چیختے چلاتے اور ماں پر تشدد کرتے دیکھ کر اس کا دل بری طرح سہم گیا تھا۔

جب سے اس نے ہوش سنبھالنا شروع کیا اپنے گھر اور قریبی رشتوں میں تلخیوں اور بدگمانیوں کے سوا کچھ نہیں دیکھا تھا۔ یونہی کبھی وہ اپنی گڑیا سے کھیلنے میں مگن ہوتی تو یکایک اس کے پاؤں کے پاس چٹنی کی پیالی زور سے آگرتی، جو اس کے پاپا کے کھانے کی ٹرے میں موجود ہوتی تھی اور پاپا غصے سے چلاتے ہوئے کھانا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل جاتے۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آجاتا، وہ سہمی چڑیا کی طرح ادھر ادھر دیکھتی تو اسے اپنی ماما نظر آتیں۔ وہ ان کا چہرہ غور سے دیکھنے لگتی کہ اس کی طرح شاید ماما بھی پاپا کے غصے سے خوف زدہ ہوں گی مگر نہیں، اس کی ماں کے چہرے پر اطمینان ہوتا تھا، تمسخر اور طنز بھری نگاہوں سے وہ پیر پٹخ کر جاتے ہوئے عبید کو دیکھ رہی ہوتی تھیں۔۔۔۔ جیسے فاتح، مفتوح کو دیکھتا ہے۔

اکثر وہ ہوم ورک کرتے ہوئے اپنی ماں کو کسی سے فون پہ بات کرتے سنتی، مخاطب کوئی سہیلی عالیہ، طیبہ خالہ یا پھر کوئی اور لیکن گفتگو ایک ہی قسم کی ہوتی تھی۔ ساس کی برائیاں، عبید کو برا بھلا۔۔۔۔ رامین کو ہر دوسرے بچے کی طرح اپنی ماں سے محبت تھی جس کی نظر میں ماں کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتی۔ اسے صرف اپنی ماں سے ہمدردی تھی اور صرف ان ہی سے محبت۔۔۔۔ لیکن یہ جذبہ نئے گھر میں آنے کے بعد عجب طریقے سے ماند پڑنے لگا۔

اس کی کتاب شعور میں تیسرا سبق بہ عنوان "الجھن" تحریر ہوا۔

☼ ☼ ☼

نیا گھر اسے بہت پسند آیا تھا۔ بے حد کشادہ کمرے

اور بڑی بڑی کھڑکیاں۔ سورج کی روشنی ہر طرف سے گھر میں داخل ہو رہی تھی۔ گھر کے چاروں طرف سرسبز لان تھا۔ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد تین کمرے اوپر کی منزل پر تھے۔ وہ ہنستی کھیلتی یہاں سے وہاں بھاگنے لگی۔ گیٹ کے باہر سڑک کے ساتھ سفیدے کے اونچے درختوں کی لمبی قطار نہر کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

کچھ مزدور ابھی تک کام میں مصروف تھے۔ کسی کمرے کا پینٹ باقی تھا تو کہیں ترکھان لکڑی کی الماری بنا رہے تھے۔ پاپا تو صبح ہی صبح کام پر چلے جاتے تھے۔ سارا دن نازان کاریگروں کی نگرانی کیا کرتی۔ ابھی تک کسی ملازمہ کا انتظام نہیں ہوا تھا۔ ماما ہی سب کو چائے بنا کر دیتی۔ کبھی تو خود لے جاتی اور کبھی اس کے ہاتھ بھجوایا کرتی۔

اکثر مزدوروں کے کام کا جائزہ لیتی نازان کے ساتھ وہیں رکھے کسی اسٹول پر بیٹھ جاتی۔ کام سمجھاتے ہوئے پتا بھی نہ چلتا اور کچھ ہی دیر میں بلا تکلف گفتگو اور ہنسی مذاق شروع ہو جاتا۔ رامین کبھی آتے جاتے کسی لطیفے کا آخری حصہ سن کر رکتی اور ماما کے بلند و بانگ قہقہے اسے کچھ حیران سا کر دیتے۔

ان میں ایک ترکھان جو روز کی دیہاڑی پر کام کر رہا تھا اور زیادہ تر ناز کی فرمائشی اشیا بنا کر دیتا تھا۔ ناز نے اس کاریگر سے اپنے لیے جیولری باکس، سوئی ڈورے کا ڈبہ اور جانے کیا کچھ ایک میگزین میں سے ڈیزائن پسند کر کے بنوایا تھا۔ رامین کو خود بھی معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس کے پیار کرنے سے وہ الجھن کیوں محسوس کرتی ہے۔ بھلا پیار کرنے میں کیا برائی ہے۔ اکثر لوگ بچوں کو پیار کیا ہی کرتے ہیں۔ لیکن رامین کو ٹھیک نہیں لگتا تھا۔ اس لیے وہ مزدوروں کو چائے دینے سے کترانے لگی۔ ناز جب اسے آواز دیتی کہ "جاؤ، انہیں چائے دے آؤ۔۔۔۔" تو وہ ان سنی کر کے کھیل میں مگن رہتی۔ چائے پڑے پڑے ٹھنڈی ہو جاتی اور ناز خفا ہوتی۔ ایک آدھ بار اسے ناز سے مار بھی کھانی پڑی۔ نازنین کی نافرمانی کا آغاز اس نے اسی حرکت سے کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

عبید انار کلی کا پورا بازار چھاننے کے بعد اسے لبرٹی مارکیٹ لے کر جا رہے تھے۔ وہ خود ڈرائیو کر رہے تھے۔ رامین نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھے ہوئے اپنے پاپا کو بار بار کھانستے ہوئے سنا۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اسے حد درجہ شرمندگی ہونے لگی۔ وہ پاپا سے ہمیشہ دور دور رہا کرتی تھی۔ اسے باپ سے متنفر کرنے میں نازنین کا ہاتھ تھا۔ اپنی بیوی اور بچوں کو تمام آسائشیں فراہم کرنے کے باوجود ان کی تمام ضروریات احسن طریقے کے پوری کرنے کے بعد بھی رامین کے دل میں باپ کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں تھا۔ اس نے ماں کو ہمیشہ شکوہ کرتے سنا تھا۔ لیکن آج اسے خود احساس ہو رہا تھا کہ پاپا اس سے کتنی محبت کرتے ہیں۔

شام کو وہ اپنی ماما سے نئے کپڑوں کی فرمائش کر رہی تھی۔ اگلے دن اس کا برتھ ڈے تھا اور اسے اسکول میں کلرڈ لباس پہننے کی اجازت تھی۔ نازنین نے پہلے سے ہی اس کے لیے ایک سلور میکسی خرید رکھی تھی اور وہ چاہتی تھیں کہ اس موقع پر رامین یہی ڈریس پہنے وہ میکسی بہت خوب صورت تھی لیکن رامین کو اعتراض اس کے سلیولیس ہونے پر ہوا۔ وہ دس سال کی ہو رہی تھی اور شرم کا احساس غالب تھا۔ اس نے میکسی پہننے سے انکار کر دیا۔ نازنین نے غصے میں ڈریس اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

"اگر تمہیں یہ ڈریس نہیں چاہیے تو کل یونیفارم ہی پہن لینا۔" نازنین نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا تو وہ رونے لگی۔

عبید نے گھر میں داخل ہوتے ماں بیٹی کی بحث سن لی تھی۔ وہ کمرے میں آئے پہلے نازنین کے لائے ہوئے ڈریس کو دیکھا پھر اسے سمجھانے لگے "اگر یہ نہیں پہننا چاہتی تو کوئی شلوار قمیص دلا دو۔" نازنین عبید کو رامین کی حمایت کرتے دیکھ کر اور ناراض ہو گئی۔

"آپ بھی عجیب ہیں بجائے اپنی بیٹی کو سمجھانے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے کہ میری بات مانے الٹا مجھ ہی سے کہہ رہے ہیں اس کی ضد پوری کروں۔"

"مجھے بھی یہ کپڑے ٹھیک نہیں لگ رہے ہیں۔ میں نہیں چاہتا میری بیٹی اس قسم کے بے ہودہ کپڑے پہنے۔"

"آپ صرف یہ چاہتے ہیں کہ وہ میری کوئی بات نہ سنے۔" ناز اور عبید کا جھگڑا شروع ہو گیا تھا۔

"میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا..... اسے جیسا ڈریس چاہیے میں دلواؤں گا....." وہ رامین کو اپنے ساتھ لے کر اکیلے بازار آ گئے۔

عبید جلدی گھر اس لیے آئے تھے اس روز ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور وہ آرام کرنا چاہ رہے تھے لیکن اس وقت اسے مختلف دکانوں پر ہر ڈریس دکھا کر اس کی پسند پوچھ رہے تھے۔ اس کا دل ماں کی خفگی سے پریشان تھا۔ ناز کی ناراضی بہت دیر تک رہا کرتی تھی۔ وہ جانتی تھی اب ماما اس کا منتخب کردہ لباس ہرگز پسند نہیں آئے گا۔ اس کی برتھ ڈے والے دن بھی وہ اسے پیار نہیں کریں گی..... یہی اندیشے اسے کوئی فیصلہ نہیں کرنے دے رہے تھے۔

لبرٹی مارکیٹ میں قطار در قطار بوتیکس کا چکر لگاتے اس نے یکدم اپنے پاپا کا ہاتھ پکڑ کر انہیں روک لیا "گھر چلیں پاپا....."

"کیوں؟ ابھی تو تم نے کچھ لیا ہی نہیں....." وہ تھوڑا سا جھک کر بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"کوئی بات نہیں پاپا..... میں اپنے پرانے کپڑے پہن لوں گی۔" رامین کی آواز بھیگ گئی۔ عبید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ابھی رونا شروع کر دے گی۔

"کیا ہوا رامین؟ مجھے بتاؤ..... تم کیا خریدنا چاہتی ہو..... میں تمہیں دلواؤں گا....." ان کے پیار سے سر پر ہاتھ رکھتے ہی وہ رو دی۔

"نہیں پاپا..... مجھے کچھ نہیں لینا..... گھر چلیں۔" وہ گھر جانے کے علاوہ نہ کوئی بات کر رہی تھی نہ سن رہی تھی۔ مجبوراً عبید اسے لے کر پارکنگ کی طرف چل پڑے۔

راستے بھر وہ پاپا سے چھپ کر روتی رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنی ماں سے مختلف تھی۔ بہت زیادہ مختلف! اور اس بات کا احساس پہلے رامین کو ہی ہوا تھا۔

اس ڈریس والے واقعے کے بعد آج دوسری بار وہ اپنے والدین کو اپنی وجہ سے لڑتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ ابھی کچھ دیر ہوئی کہ رامین گیٹ سے باہر کوڑے دان رکھ کر اندر آئی تھی۔ جب وہ باہر تھی اس نے پاپا کو اپنے دوست کے ساتھ گاڑی میں گھر کے پاس سے گزرتے دیکھا تھا۔ اسے گھر سے باہر یوں کھڑا دیکھ کر عبید کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات ہرگز خوشگوار نہیں تھے۔ وہ جو اپنے دوست کے ساتھ ہنستے مسکراتے کوئی بات کر رہے تھے یکدم ہی مسکرانا بھول کر اسے دیکھنے لگے تھے۔ وہ فوراً ہی گھر میں واپس آ گئی۔ کچھ دیر بعد ہی عبید دھاڑتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ رامین خوف زدہ ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔

"کیوں بھیجا تم نے بچی کو گیٹ سے باہر۔ کتنی بار منع کیا ہے میں نے رامین سے گھر کا کوئی کام مت کروایا کرو۔ راشد بھی پوچھ رہا تھا کہ آپ کے گھر میں بچیوں سے ایسے کام لیے جاتے ہیں؟ ہر جگہ تمہاری وجہ سے بے عزتی ہوتی ہے میری۔" نازنین ان کی بات کاٹ کر خود بھی چلاتے ہوئے بولی۔

"ذرا سا آپ کی لاڈلی کو کام کہہ دیا تو میری جان کو آ گئے۔ صفائی والی چلی گئی۔ ایک ہفتے سے گھر کا سارا کام میں خود کر رہی ہوں۔ میرا احساس نہیں ہے آپ کو۔"

"بکواس بند کرو!" نازنین کے جواب نے ان کا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ "گھر کا کام تم اپنے شوق سے کرتی ہو۔ میں نے تم سے کبھی ایسی کوئی ڈیمانڈ نہیں کی۔ اتنے نوکر رکھوا چکا ہوں۔ کوئی تمہیں چور لگتا ہے۔ کسی کا کام پسند نہیں۔ غریب نوکروں کو گالیاں دیتی ہو تمہیں شرم نہیں آتی؟ تم کسی کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں کر سکتیں۔ نہ کوئی تمہارے

ساتھ گزارا کر سکتا ہے۔"

عبید نے طیش میں آ کر سامنے پڑی کرسی کو لات ماری اور گھر سے باہر نکل گئے۔ رامین جو اب تک خاموشی سے ان کا جھگڑا دیکھ رہی تھی عبید کو جاتے دیکھ کر سمجھ گئی کہ آج رات وہ پھر دیر سے گھر واپس آئیں گے۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر ماں کی طرف دیکھا جو پہلے ہی کینہ توز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"چین مل گیا لڑائی کروا کر۔ بڑی مظلوم بنتی ہے باپ کے سامنے۔ ایک ذرا سا کام کرتے موت پڑ رہی تھی تجھے۔ کمینی کہیں کی۔ شکایت لگاتی ہے باپ سے ماں کی۔"

اس کی ماں کے الفاظ زہر میں بجھے تیر تھے۔ وہ کچھ بول نہیں پائی۔ اسے شاک لگا تھا یہ جان کر کہ ماما اس سے یوں بدگمان ہو رہی تھیں۔ لیکن اب اکثر ایسا ہونے لگا۔

جب بھی عبید گھر میں داخل ہوتے ناز رامین کو آواز دے کر بلاتی اور کوئی کام سونپ دیتی۔ نجانے وہ عبید کو چڑانے کے لیے ایسا کرتی تھی یا واقعی اسے رامین کی مدد کی ضرورت پڑنے لگی تھی۔ ماما ناراض نہ ہوں اسی لیے وہ پوری کوشش سے اس کام کو بہترین طریقے سے کرنے کی کوشش کرتی۔ عبید کبھی ٹوکتے اور کبھی خاموشی سے دیکھتے رہتے اور پھر اٹھ کر اوپر اسٹڈی میں جا بیٹھتے۔ ادھر آہستہ آہستہ ہر کام رامین کی ذمہ داری بنتا چلا گیا۔

اس کی پڑھائی متاثر ہو رہی تھی۔ لیکن اس کے لیے اپنی ماں کی خوشنودی زیادہ اہم تھی۔ وہ اپنی ماں کا دل جیتنا چاہتی تھی۔

ناز نے گھر کے کاموں میں دلچسپی لینا بند کر دیا تھا، تھوڑا بہت مارے بندھے کرتی اور باقی رامین سے کہہ دیتی۔ وہ ناز کے بتائے کام کرتی جاتی اور فارغ ہو کر اس کے پاس آ کر کھڑی ہو جاتی کہ شاید وہ اسے شاباش یا شکریہ کے دو لفظ کہے۔ پر ناز نے کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔ وہ یا تو کوئی اگلا کام اس کے سپرد کر دیتی یا پھر چھٹی دے دیتی۔ شاید رامین کی حیثیت ایک ملازمہ سے زیادہ تھی بھی نہیں۔

نازنین نے گھر کے تمام کاموں سے ہاتھ اٹھا لیا تھا۔ وہ صرف اپنی ذات کی ہو کر رہ گئی تھی۔ اپنی پینٹنگز کی نمائش کی تیاری میں دن رات مصروف، کبھی wood Carving تو کبھی ڈریس ڈیزائننگ۔ اور کبھی مہینوں صرف لکھتی رہتی تھی۔ اس کے باوجود وہ خوش نہیں تھی۔ رامین اب سوچنے سمجھنے لگی تھی۔ بظاہر اسے کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی جس کی بنیاد پر ناز عبید سے جھگڑا کرتی۔ جن ساس نندوں سے اسے مسئلہ تھا وہ لوگ اس سے سیدھے منہ بات کرنے کے روادار نہ تھے۔ نہ یہ ادھر جاتی نہ وہ لوگ آتے تھے۔ عبید ہی جہاں تک ہو سکے ادھر کا چکر لگا آتے تھے۔

گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ نہ کھانے پینے کی تنگی، نہ پیسوں کی پریشانی اور نہ ہی نازنین پر کسی قسم کی کوئی پابندی تھی۔ نت نئی فرمائشیں، گھومنا پھرنا سب کچھ تھا، مگر سکون میسر نہیں تھا۔ پتا نہیں ناز کو زندگی سے اور کیا چاہیے تھا۔

ایک دن نازنین کو کسی مشاعرے میں شرکت کا دعوت نامہ ملا۔ اپنی دوسری کتاب کی تقریب رونمائی میں اس نے ایک غزل پڑھی تھی جسے بہت پسند کیا گیا تھا۔ عبید شہر سے باہر کسی کام کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے۔

وہ رامین کو ساتھ لے کر جا رہی تھی، پہلی بار! اور یہ آخری بار بھی ثابت ہوا تھا۔

اس دن وہ ایک بہت سنگین غلطی کر بیٹھی، اور نازنین کے گمان کو سچ ثابت کر دیا۔

"پاپا۔ آج شام ہم ایک مشاعرے میں گئے تھے۔" رامین بہت ایکسائیٹڈ ہو کر عبید کو ہونے والے مشاعرے کی روداد سنا رہی تھی۔ اس نے محسوس نہیں کیا کہ پاپا نے کھانے سے ہاتھ روک لیا ہے اور وہ لب بھینچے کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نازنین اپنے کمرے میں تھی اور وہ دونوں میز پر کھانا کھا رہے تھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"وہاں ایک انکل ماما کی اتنی تعریف کیے جارہے تھے کہہ رہے تھے، آپ تو خود غزل ہیں۔ میں آپ کے لیے شعر کہنا چاہتا ہوں۔" رامین ہوبہو من و عن بیان کررہی تھی۔

"کیا پہنا تھا تمہاری ماں نے؟" عبید نے بالکل غیر متعلقہ سوال پوچھا تھا۔ رامین نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ شاید اسے باپ سے یہ سب باتیں نہیں کہنی چاہیے تھیں۔ عبید نے ایک بار پھر وہی سوال دہرایا تو وہ بتانے پر مجبور ہوگئی۔

"ریڈ ساڑھی۔" اس نے منمناتے ہوئے کہا۔ عبید یہ سن کر فوراً ہی کرسی دھکیل کر کھڑے ہوگئے۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا، تم مجھ سے پوچھے بغیر گھر سے باہر قدم نہیں نکالو گی۔ کیوں گئی تھیں تم اس مشاعرے میں؟"

"کس نے بتایا آپ کو۔ رامین نے؟"

"تم میرے سوال کا جواب دو۔ کیوں گئی تھیں میری اجازت کے بغیر؟" عبید زور سے چلائے۔

"آپ شہر میں تھے ہی نہیں۔ کیسے پوچھتی میں؟ اور اگر چلی گئی تو کون سی قیامت آگئی۔ اچھے پڑھے لکھے شریف لوگ آئے تھے وہاں۔ آپ کے دوستوں کی طرح نہیں۔ جو بھابھی بھابھی کہہ کر میری گردن میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔"

"وہ شریف لوگ تمہیں اپنے روبرو بٹھا کر تم پر غزل کہنا چاہتے تھے۔ تمہیں احساس نہیں ہوا کہ وہ پڑھے لکھے جاہل تمہیں سر سے پاؤں تک ناپ رہے تھے۔ اور اتنے بے ہودہ لباس میں تم ان مردوں کے بیچ بیٹھی شاعری بگھار رہی تھیں۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔"

عبید پہلے بھی کئی بار نازنین کو وہ ساڑھی پہننے سے منع کرچکے تھے۔ وہ ایک نہایت مہین اور باریک شیفون کی ساڑھی تھی۔ جس کا بلاؤز سلیولیس اور لو نیک تھا۔

"آپ کو تکلیف اس بات سے نہیں کہ میں آپ سے پوچھے بغیر گئی تھی یا پھر ریڈ ساڑھی میں کیوں گئی تھی۔ آپ کا مسئلہ دراصل یہ ہے کہ جس عورت کو آپ پاؤں کی جوتی سمجھتے رہے اسے دنیا سر آنکھوں پر بٹھا رہی ہے۔ آپ اور آپ کا خاندان مجھے طعنہ دیا کرتا تھا کہ مجھے گفتگو کا سلیقہ نہیں، بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔ آج جب لوگ میرے ایک ایک حرف پر داد دیتے ہیں تو آپ سے برداشت نہیں ہوتا۔"

"وہ لوگ تمہارے کام کو نہیں۔ تمہاری خوبصورتی کو سراہتے ہیں۔"

"میں کوئی ماڈل نہیں ہوں۔ ریمپ پر اٹھلاتی اپنے حسن کی نمائش نہیں کررہی۔ میں رائٹر ہوں، شاعرہ ہوں اور اسی حیثیت سے لوگ مجھے جانتے ہیں، میری عزت کرتے ہیں۔"

"جو بھی ہے۔ آج کے بعد تم کسی مشاعرے میں نہیں جاؤ گی۔" عبید نے اپنا حکم سنایا۔ وہ قطعی الفاظ میں اپنا فیصلہ سنا کر وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ اور نازنین کا سارا غصہ، جھنجلاہٹ اور برہمی رامین کی طرف منتقل ہوگئی۔ اس وقت تو دل کی بھڑاس نہیں نکال سکی تھی عبید گھر میں ہی موجود تھے۔ لیکن اگلی صبح عبید کے گھر سے نکلتے ہی وہ رامین کے کمرے میں پہنچ گئی اور سوتی ہوئی رامین کو لکڑی کے وائپر سے پیٹنا شروع کردیا۔

نیند میں غرق رامین اس اچانک افتاد سے گھبرا گئی۔ وہ اپنے آپ کو سنبھال ہی نہ پائی۔ ناز اسے لکڑی کے وائپر سے مارے جارہی تھیں۔

آج بھی اس کی ناک کی ابھری ہوئی ہڈی پر اس ضرب کا ہلکا سا نشان موجود تھا اور کانوں میں ماما کے الفاظ کی بازگشت۔

"کتنے پیسے دیتا ہے تمہارا باپ میری جاسوسی کرنے کے۔ بول رامین۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی پہلے تیری دادی، پھپھو اور اب تو۔ سب مل کر مجھے پاگل کرنا چاہتے ہو؟ لے مزا چکھ اب! بتاتی ہوں تجھے اچھی طرح۔"

اس کے ساتھ گالیوں کوسنوں اور بددعاؤں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا۔ اسے لگتا تھا وہ اپنی ماما سے مختلف ہے شاید اس لیے وہ اسے انڈراسٹینڈ نہیں کرپاتیں۔ اور خفا ہوجاتی ہیں۔

اسے نہیں معلوم تھا کہ نازنین۔۔۔ دراصل اسے بالکل اپنے جیسا ہی سمجھ رہی ہے۔ اسی لیے بدگمان رہتی تھی اور صفائی کا کوئی موقع دیے بغیر ہی سزا دے ڈالتی تھی۔ ناز اپنی بیٹی کو اپنا عکس سمجھ کر برتاؤ کررہی تھی اور رامین ماں کے برعکس اپنی ذات کے اندھیرے غار میں سمٹتی جارہی تھی۔

وہ نشان عبید کی نظروں سے چھپا نہیں رہ سکا تھا۔ انہوں نے رامین سے پوچھا "یہ نشان کیسا ہے؟" وہ سر جھکا کر آہستہ آواز میں یہ کہتی ہوئی ان کے سامنے سے ہٹ گئی۔

"ماما نے مارا تھا۔" عبید نے نازنین سے بھی پوچھا تو اس نے کہا۔ "رامین بہت بدتمیزی کرتی ہے۔ آگے سے جواب دے رہی تھی اسی لیے مارا ہے میں نے۔۔۔" وہ جو بھی کہتی عبید کو یقین نہیں ہورہا تھا۔ عبید کو رامین کی فکر رہنے لگی تھی۔ ناز کو سمجھانے کا کوئی فائدہ نظر نہیں آرہا تھا۔ عبید اس صورت حال سے پریشان ہورہے تھے۔ بچے بڑے ہورہے تھے۔ آگے ان کا مستقبل دیکھنا تھا۔ رامین کی شادی کرنی تھی۔ کسی ایک کو تو کمپرومائز کرنا پڑے گا۔ نازنین تو ہرگز جھکنے کے لیے تیار نہ تھی۔

اس واقعہ کے بعد رامین نے اپنے پاپا میں بدلاؤ محسوس کیا۔ اب وہ حتی الامکان ناز کے ساتھ الجھنے سے پرہیز کرتے تھے۔ کبھی ناز کی طرف سے پیسے اور زیور کی فرمائش ہوتی تو فوراً پوری کردیتے۔ اپنی طرف سے وہ پوری کوشش کرنے لگے تھے کہ گھر کا ماحول خراب نہ ہو۔

ناز اتنی بے وقوف نہیں تھی کہ سمجھ نہ سکتی، عبید رامین کی وجہ سے بلیک میل ہورہے ہیں۔ ناز کے ہاتھ شطرنج کا وہ مہرہ لگ چکا تھا جس کی مدد سے بادشاہ کو زیر کیا جاسکتا تھا۔

عبید اس کا بہت خیال رکھنے لگے۔ ان کے سلوک نے ناز کے اس شک کو مزید تقویت بخشی کہ وہ اس کی جاسوسی کے لیے رامین کو استعمال کرتے ہیں۔ رامین اس کے بے وجہ غصے کا نشانہ بننے لگی۔ ذرا سی غلطی پر وہ اسے روئی کی طرح دھنک کے رکھ دیتی۔ اس کے آنسو، رونا چیخنا اسے تسکین پہنچاتا تھا۔ اس کے معمولات ویسے کے ویسے ہی تھے۔ وہ اب بھی اکثر مشاعروں میں جایا کرتی تھی۔۔۔ لیکن تنہا!

☼ ☼ ☼

اسی طرح کا ایک دن تھا۔ رامین اسکول سے واپس آئی تو ڈرائیور نازنین کو لے کر نکلنے لگا۔ وہ کپڑے بدل کر باہر آئی تو اس نے کچھ مزدوروں کو گھر میں کام کرتے دیکھا۔ وہ فائر پلیس بنا رہے تھے اور ایک ترکھان ساتھ ہی کام میں مصروف تھا۔ رامین نے گاڑی میں بیٹھی ناز کو دیکھا تو بھاگ کر اس کے پاس پہنچی۔ سب مزدوروں کے گھر میں ہوتے ہوئے وہ اکیلی یہاں نہیں رہ سکتی تھی۔ ناز نے روکھے لہجے میں اس کی التجا مسترد کرتے ہوئے اسے فوراً "اندر جانے کو کہا۔

"میں جارہی ہوں، مزدوروں کا کام دیکھ لینا۔ وہ ترکھان بھی بیٹھا ہے۔ فائر پلیس کا فریم بنائے گا۔ اب اندر جاؤ۔۔۔" اس کے ساتھ ہی اس نے ڈرائیور کو چلنے کا حکم دے دیا۔ رامین بے بسی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ وہ گھر کے اندر نہیں جانا چاہتی تھی لیکن باہر کب تک بیٹھی رہتی۔

وہ منہ لٹکائے اپنے گھر کے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ سب مزدور کام میں مصروف تھے، کسی نے بھی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ وہ اپنے کمرے میں آکر بستر پر بیٹھ گئی۔ غائب دماغی سے یونہی بیٹھے بیٹھے اسے کچھ لمحے گزرے تھے کہ اپنے پاؤں کے قریب اسے ایک مرد کے پاؤں دکھائی دیے۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا تو وہ ترکھان اس کے سر پہ کھڑا تھا۔ وہ یکدم بری طرح خوف زدہ ہوگئی۔ جبکہ وہ مسکراتا ہوا اس سے پانی مانگنے لگا۔ رامین نے تھوک نگلتے ہوئے اپنے خشک حلق کو تر کیا اور کچن کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہاں فریج سے لے لیں۔" وہ کاریگر خباثت سے مسکراتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کی نظریں رامین کے وجود

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کا ایکسرے کر رہی تھیں۔ وہ میٹرک میں پڑھ رہی تھی۔ اچھی طرح سمجھتی تھی ان نگاہوں کا مطلب کیا تھا۔ جیسے ہی وہ کچن میں جانے کے لیے پلٹا۔ رامین فوراً اپنے بستر سے اٹھی اور باتھ روم میں جا کر خود کو لاک کر لیا۔ اس کا سانس بے ترتیب ہو رہا تھا۔ وہ کہاں جا سکتی تھی۔ اپنے گھر سے بھاگ کر کہاں جا سکتی تھی؟ وہ فرش پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اسے شدید غصہ بھی آ رہا تھا اور رونا بھی۔ یہ وہی کاریگر تھا وہ اسے دیکھتے ہی پہچان گئی تھی۔ جب ماما اس کے ہاتھ چائے بھیجا کرتی تھیں اس کا ساتھی تو رامین کے ہاتھ سے فوراً ٹرے لے کر چائے پینے بیٹھ جاتا تھا مگر یہ رامین کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس کھینچ لیتا۔ "گڑیا آپ تو بہت پیاری ہیں۔" کہہ کر اپنی گود میں بٹھا لیتا اور خوب بھینچ بھینچ کر پیار کرتا جاتا۔

"یا اللہ! پاپا کو ہی گھر بھیج دے۔ کوئی تو آجائے میرا دم گھٹ رہا ہے۔" اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ صرف پانچ منٹ بعد ہی اسے پاپا کی کار کا ہارن سنائی دیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور کان دروازے کی طرف لگا دیے۔ کار کے دروازے بند ہونے کی آواز آئی۔ باتھ روم کا روشن دان ہر آہٹ اس تک پہنچا رہا تھا۔ اسے پاپا کی آواز سنائی دی۔ وہ ناز کو پکار رہے تھے۔ پھر انہوں نے اس کا نام لیا۔ وہ اٹھی اور باتھ روم کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ تب تک پاپا پورے گھر میں گھوم چکے تھے۔ اسے کمرے سے نکلتا دیکھا اور اس کی طرف چلے آئے۔

"کہاں تھیں تم۔ اتنی دیر سے آوازیں دے رہا ہوں۔" پھر انہوں نے کچن کی طرف دیکھا اور پوچھا "تمہاری ماما کہاں ہیں؟"

عبید کے سوال پر وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی "ماما گھر پہ نہیں ہیں۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا اس لیے میں۔" یہ کہہ کر رامین نے سر جھکا لیا۔ وہ پاپا کے سامنے اس طرح رونا نہیں چاہتی تھی مگر اتنے دیر سے خود پر قابو کیے ہوئے تھی اب مشکل تھا۔

عبید اس کی بات سن کر اندر تک لرز گئے۔ ایک نظر کام کرتے مزدوروں کی طرف دیکھا، دوسری نظر جوان بیٹی پر ڈالی، ان کی عزت، غیرت و حمیت... ان کی بیٹی... اگر آج کچھ ہو جاتا تو کیا وہ ساری زندگی خود سے نظر ملا پاتے اور ناز؟ وہ اکیلی بچی کو اس طرح گھر میں اتنے غیر مردوں کے بیچ کیسے چھوڑ کر چلی گئی۔ یہ کیسی ماں ہے؟

"تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ میں یہیں پر ہوں۔" ان کی آواز سن کر رامین نے سر اٹھایا، جانے کیوں اسے لگا، پاپا اس سے نظریں نہیں ملا پا رہے۔ وہ کترا رہے تھے۔ چپ چاپ ان کی بات مان کر وہ سیدھی کمرے میں واپس آ گئی۔ پاپا نے مزدوروں کو جلد ہی فارغ کر دیا۔

شام کو نازنین جب گھر میں داخل ہوئی تو بہت خوش تھی، اسے معلوم نہیں تھا آج عبید اس کے ساتھ کیا کرنے والے ہیں۔ اپنے بیڈ روم میں پہنچ کر اس نے جیسے ہی دروازہ بند کیا تھا۔ رامین کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"تم بے غیرت عورت۔ جوان بچی کو یوں گھر میں۔ مزدوروں کے ساتھ اکیلا چھوڑ کر چلی گئیں۔؟"

حیران کن طور پر ناز نے آگے سے کچھ نہیں کہا تھا اور عبید نے ہاتھ اٹھانے کے علاوہ سب کچھ ہی کہہ دیا تھا۔ عبید کا آخری جملہ سن کر رامین کے ساتھ ساتھ نازنین کو بھی لرزا گیا۔ اس سے پہلے انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا تھا۔

"اگر اب تم نے میری بیٹی کو یوں تنہا چھوڑ کر گھر سے باہر قدم نکالا۔ تو میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔"

عبید کی یہ وارننگ اثر کر گئی تھی۔ نازنین اب آنا جانا کافی حد تک کم کر چکی تھی۔ تلخیاں اور لڑائیاں اپنی جگہ۔ مگر اب رامین اپنے گھر میں محفوظ تھی، کچھ تو سکون ملا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی، یہ آنے والے طوفان کی پیش گوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

بمشکل ڈیڑھ مہینہ گزرا تھا۔ ان ہی دنوں اطلاع آئی کہ تائی امی کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔ رامین ان کی موت کی خبر سے بہت ڈسٹرب ہو گئی تھی۔ محسنہ ایک نہایت سادہ سی خاتون تھیں۔ وہ رامین سے بہت محبت کرتی تھیں۔ طارق ماموں کے ساتھ حج پر جانے کے بعد وہ پھر واپس پاکستان بس ایک ہی دفعہ آئی تھیں۔ نازنین کا اپنی ماں کے ساتھ بھی کچھ عجیب سا ہی رویہ تھا۔ اسے حیرت ہوتی تھی۔ طارق ماموں کے ساتھ امریکہ میں رہنے کی وجہ سے ان کا سالوں بعد پاکستان آنا ہوتا تھا۔ یہاں وہ آتیں بھی کس کے لیے۔ صرف نازنین تھی ماں، بہن بھائی تینوں وہیں امریکہ میں تھے۔

ان کا انتقال وہیں امریکا میں ہی ہوا تھا اور انہیں وہیں دفنایا گیا۔ طارق ماموں ان کے انتقال کے ایک ہفتے بعد پاکستان آئے۔ اپنا آبائی گھر بیچ کر انہوں نے نازنین کا حصہ دے دیا۔ اس نازک موقع پر بھی رامین نے ماں کو اپنے بھائی سے انتہائی بے تکی بات پر لڑتے دیکھا تھا۔ اسے اپنی ماں کا زیور چاہیے تھا۔ جو کہ ظاہر ہے طارق اپنے ساتھ نہیں لائے تھے۔ یہ قضیہ کسی نہ کسی طرح نبٹایا تو ناز نے ایک اور عجیب حرکت کر ڈالی۔ وہ اپنا سوٹ کیس پیک کر کے طارق کے پاس ہوٹل پہنچ گئی اور جی بھر کے عبید کے ظلم و ستم کا رونا رویا۔ طارق خود اپنی بہن کو عبید کے پاس واپس لائے اور معذرت کی تھی۔ ان کے جانے کے بعد ناز کو یقین ہو گیا کہ اب اپنی زندگی اسے خود ہی ٹھیک کرنی تھی۔ کوئی اس کی مدد کو نہیں آئے گا۔ کیسے ٹھیک کرنی تھی یہ وہ سوچ چکی تھی۔

اپنی باقی فرینڈز کی طرح رامین نے بھی ایک اوھنین کتاب بنائی جس میں اخبارات اور میگزینز سے خوب صورت پکچرز کاٹ کر لگائی تھیں اس کی تمام سہیلیاں تو دوسرے کلاس فیلوز کو بھی وہ بک فل کرنے کے لیے دے رہی تھیں۔ پر رامین نے صرف لڑکیوں سے ہی فل کروائی تھی۔ اوھنین بک کے پہلے صفحے پر اس کی سب سہیلیوں نے اپنا نام، ایڈریس اور فون نمبر لکھ کر آگے ہر صفحے پر موجود مختلف سوالوں کے نہایت دلچسپ جواب لکھے تھے۔ آج وہ اپنے ساتھ ایک آٹو گراف بک بھی لائی تھی۔ بریک کے دوران اسٹاف روم میں جا کر اس نے اپنی تمام پرانی ٹیچرز سے آٹو گراف لیے جنہوں نے پچھلے دس سالوں میں اسے مختلف سبجیکٹس پڑھائے تھے۔ ان سے مل کر رامین آبدیدہ ہو گئی تھی۔

گھر جاتے ہوئے وہ پکا ارادہ کر چکی تھی کہ پاپا سے فیرویل پارٹی میں آنے کی اجازت مانگے گی۔ بھلے ہی پاپا نے اسے کبھی اسکول کے کسی فنکشن یا پکنک پر آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ لیکن اسے یقین تھا کہ فیرویل پر جانے کی اجازت ضرور مل جائے گی۔

اگلے دن وہ بہت ایکسائیٹڈ ہو کر یہ خبر اپنی سب فرینڈز کو سنا رہی تھی کہ اس کے پاپا مان گئے ہیں اور وہ فیرویل پارٹی پر آ سکتی ہے۔ رامین سے بھی زیادہ اس کی تمام دوست بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھیں۔ سب مل کر اپنے ڈریسز ڈسکس کرنے لگیں۔ محض تین دن بعد ہی جمعے کی شام فیرویل پارٹی تھی۔ رامین نے پاپا سے فرمائش کر کے خاص طور پر ان کے ساتھ جا کر سفید موتیا رنگ کا ڈریس خریدا تھا۔ پاپا اسے خوش دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔ اس کی ساری فرینڈز نے سفید لباس پہننا تھا۔ اسی لیے اس نے بھی یہی رنگ پسند کیا تھا۔ ماما نے اس لباس کو سخت ناپسند کرتے ہوئے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"تجھے ہمیشہ لٹی بیواؤں والے رنگ پسند آتے ہیں۔" رامین دکھی دل سے اپنی ساری شاپنگ اس کے سامنے سے اٹھا کر لے گئی۔

فیرویل کی شام اس نے اپنے ڈریس کے ساتھ وہی بالیاں پہنیں جو فرح نے اسے ایک سال پہلے گفٹ کی تھیں۔ اپنی اوھنین بک اور آٹو گراف بک لے کر وہ بھائی کے ساتھ اسکول پہنچ گئی۔ اسے ڈراپ کر کے شاہ زیب وہاں سے چلا گیا۔

نویں کلاس کے کچھ اسٹوڈنٹس استقبالیہ پر کھڑے ہر آنے والے کو [illegible] کی نازک سی کلی پیش کر رہے تھے۔ اس نے مس[illegible]تے ہوئے رابعہ کے ہاتھ سے وہ کلی پکڑ لی اور ہال میں چلی آئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

فرح ہال میں مہریز کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ رامین کو داخل ہوتے دیکھ کر ان دونوں نے اسے اشارے سے پاس بلالیا۔ فرح نے اس کے ذرا سا نزدیک آنے پر اس کے بازو کس کر پکڑے اور بولی۔

"یہ میری بیسٹ فرینڈ ہے مہریز۔ یہ میرے لیے دعا کرے گی۔"

"دوست تو ہم بھی رہ چکے ہیں۔ وہ میرے حق میں زیادہ دعا کرے گی۔" پھر اس نے رامین سے تصدیق طلب کی "ہے نا رامین... تم میرے لیے زیادہ دعا کرو گی نا؟"

"کون سی دعا؟" وہ نا سمجھی کے عالم میں دونوں کی شکلیں دیکھنے لگی۔

"یہی... کہ میں بورڈ ایگزامز میں بھی فرح کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"جی نہیں میں اپنی دوست کے لیے دعا کروں گی۔" رامین نے اس کی بات سمجھ کر فرح کی سائیڈ لی۔

"کچھ تو لحاظ کرو۔" مہریز نے فرح کی بتیسی باہر آتے دیکھ کر رامین کو احساس کرنے کی تلقین کی۔

"اب میری فرینڈ کو بلیک میل مت کرنا۔ فیصلہ ہو چکا ہے۔" فرح نے ہاتھ اٹھا کر سارا جھگڑا ہی نمٹا دیا۔ حسن کے آنے پر مہریز نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا۔ "میرا یہ دوست بہت پہنچا ہوا ہے' یہ میرے لیے دعا کرے گا۔" فرح اور رامین کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"چودھری صاحب تمہارے لیے کیا دعا کریں گے؟ انہیں تو خود دعاؤں کی ضرورت ہے۔" فرح نے بے تکلفی سے حسن کا مذاق اڑایا۔ حسن خوا مخواہ شرمندہ ہو تا رہا۔

ڈنر کے بعد وہ سب ٹیچرز سے باتیں کرتے ہنس بول رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں نائن اے کا ساجد علی مائک کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ بہت اچھا گا تا تھا۔

اردو کی ٹیچر مس راحت نے غزل کی فرمائش کی تو ساجد نے کھنکھار کر اپنا گلا صاف کیا اور جگجیت سنگھ کی مشہور غزل گانا شروع کی۔

جھکی جھکی سی نظر بے قرار ہے کہ نہیں
دبا دبا سا سہی' دل میں پیار ہے کہ نہیں

ساز خاموش تھے' ساجد کی خوب صورت آواز نے سننے والوں پر سحر طاری کر دیا تھا۔ رامین کو بھی یہ غزل بہت پسند تھی۔ وہ سر جھکائے سنتی رہی۔

غزل ختم ہوتے ہی ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ رامین نے گھڑی کی طرف دیکھا تو بج رہے تھے۔ اس کے بھائی نے اپنے آنے کا یہی وقت طے کیا تھا۔ وہ باری باری سب کو خدا حافظ کہتی فرح کے پاس آئی جو مہریز سے آٹوگراف لکھوا رہی تھی۔ مہریز... رامین کو دیکھ کر مسکرایا۔ اپنی آٹوگراف بک اس کی طرف بڑھا کر بولا۔

"تم پلیز... آٹوگراف دو گی مجھے...؟" رامین کو تعجب ہوا' ابھی وہ کوئی بہانہ سوچ ہی رہی تھی کہ فرح نے مہریز کی آٹوگراف بک اس کے ہاتھ جھپٹ لی۔

"جی نہیں... میری دوست یہ بعد میں کرے گی جب تم اس کی اوہنین بک فِل کرکے دو گے۔" پھر وہ رامین سے مخاطب ہوئی۔

"چلو رامین... دو اسے..." رامین انہیں آپس میں یوں بے تکلفی سے مذاق کرتے دیکھ کر خوش بھی تھی اور حیران بھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنی بک مہریز کی جانب بڑھائی تو مہریز سٹپٹا کر فرح کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"اتنی موٹی بک... میں ابھی تو فل نہیں کر سکتا۔ آٹوگراف یا کمنٹس لکھوا لو۔"

"ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔ تم منڈے کو واپس کر دینا۔ کیوں رامین ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں... تم منڈے کو واپس کر دینا۔" پھر وہ فرح سے گلے مل کر خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔

مہریز نے اوہنین بک اسی میز پر رکھ لی جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا' کچھ دیر میں سر تنویر آواز دینے پر وہ اٹھ کر ان کے پاس چلا گیا۔ فنکشن دیر میں ختم ہوا تھا۔ سب سے آخر میں نویں کلاس نکلی تھی۔ کیٹرنگ والوں کو

پے منٹ وغیرہ دے کر باؤس کیپٹن اسد باہر نکلنے والا تھا کہ ویٹر نے اسے آواز دے کر روک لیا۔

"سر جی' یہ کاپی پڑی تھی ٹیبل پر۔ جب میں چائے سرو کرنے لگا تو اٹھائی تھی' ٹیبل پر جگہ بنانی تھی آپ دے دیجیے گا جس کی بھی ہو۔"

اس نے سر ہلا کر خاموشی سے وہ رجسٹر پکڑ لیا اور اسکول سے باہر نکل آیا۔ اس کے چند دوستوں کے علاوہ سب لوگ جا چکے تھے۔ وہ بھی انہیں خدا حافظ کہتا اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

گھر آکر اسد نے وہ اوہنین بک کھولی تو اسے رامین کا نام نظر آیا' ساتھ ہی فون نمبر اور ایڈریس بھی موجود تھا۔ یقیناً" وہ اس بک کے کھو جانے سے پریشان ہو گی' اس نے فوراً" ہی رامین کے گھر کا نمبر ملایا۔

پاپا' شاہ زیب اور وہ اس وقت ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ نازنین اپنے لیے چائے بنانے کے لیے ابھی کمرے سے باہر آئی ہی تھی کہ فون بج اٹھا۔ ناز فون کے قریب ہی تھی۔ عبید نے اسے فون اٹھانے کے لیے کہا تو اس نے کڑے تیوروں سے ان تینوں کی جانب دیکھا جو ایک ساتھ کسی بات پر ہنس رہے تھے۔ ہونہہ' مجھے بے سکون کرکے بہت خوش ہیں سب کے سب جلتے کلستے اس نے فون اٹھا لیا۔

"ہیلو!" کہنے کے بعد وہ دوسری جانب سے کی جانے والی گفتگو غور سے سنتی رہی۔ تیس سیکنڈ بعد دوسری طرف سے کال ڈسکنکٹ کر دی گئی اور نازنین نے تیز آواز میں چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ وہ تینوں حیرت سے مڑ کر اسے دیکھنے لگے' وہ فون کان سے لگائے جو کچھ کہہ رہی تھی' رامین کے ہوش اڑا دینے کے لیے کافی تھا۔

"تمہاری اتنی ہمت کہ ہماری بیٹی کا نام لو۔ تم ہو کون؟" عبید اور اس کا بھائی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بوائے فرینڈ؟ کیا بکواس کر رہے ہو' آئندہ یہاں فون کرنے کی جرأت نہ کرنا۔" عبید نے آگے بڑھ کر ریسیور اس کے ہاتھ سے لینا چاہا تو ناز نے چیخ چلا کر فون رکھ دیا اور غصے میں بھری رامین کی طرف بڑھی اور اسے ایک زوردار طمانچہ رسید کیا۔

"ذلیل بے غیرت' باپ بھائی کی عزت مٹی میں ملاتے ہوئے تجھے شرم نہیں آئی۔" وہ اپنی چپل اتار کر رامین پر پل پڑی تھی۔ عبید یکدم جیسے ہوش میں آئے اور پیچھے سے آکر نازنین کو پکڑ کر روکنے کی کوشش کی۔

"کیا کر رہی ہو؟ کیا ہوا ہے؟ کچھ بتاؤ تو سہی۔" ناز ان کا ہاتھ جھٹک کر سیدھی کھڑی ہو گئی اور روتے ہوئے بولی۔

"مجھ سے کیا پوچھ رہے ہیں؟ اپنی بے غیرت بیٹی سے پوچھیں' کیا گل کھلاتی رہی ہے۔ اسکول پڑھنے جاتی ہے یا آوارگیاں کرنے۔" عبید نے بے یقینی سے رامین کو دیکھا جو پتھر کا بت بنی ماں کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"پاپا! میں نے کچھ نہیں کیا۔" عبید اس کی طرف بڑھے تو وہ فوراً" اپنے ہاتھ تیزی سے ہلاتی ڈر کر پیچھے ہٹنے لگی۔ پیچھے سے ناز بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ "اس لڑکے نے فون پر مجھ سے خود کہا کہ میں رامین کا بوائے فرینڈ ہوں وہ اپنی اوہنین بک میرے پاس بھول گئی ہے آنٹی۔ ہم پارٹی کے دوران اسکول کی بیک سائیڈ پر بیٹھے ہوئے تھے' وہ جلدی میں نکلی اور بک یہیں میرے پاس چھوڑ گئی۔" وہ طنزیہ انداز میں ہاتھ نچا نچا کر اس لڑکے کے کہے الفاظ دہراتی رہی۔

جنہیں سن کر شاہ زیب بھی یکدم غصہ میں آکر اس کے سر پر کھڑا ہو گیا "تمہاری بک کہاں ہے' جو تم ساتھ لے کر گئی تھیں؟"

"بھائی... میں نے وہ اسکول میں مہریز کو دی تھی۔ میں..."

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

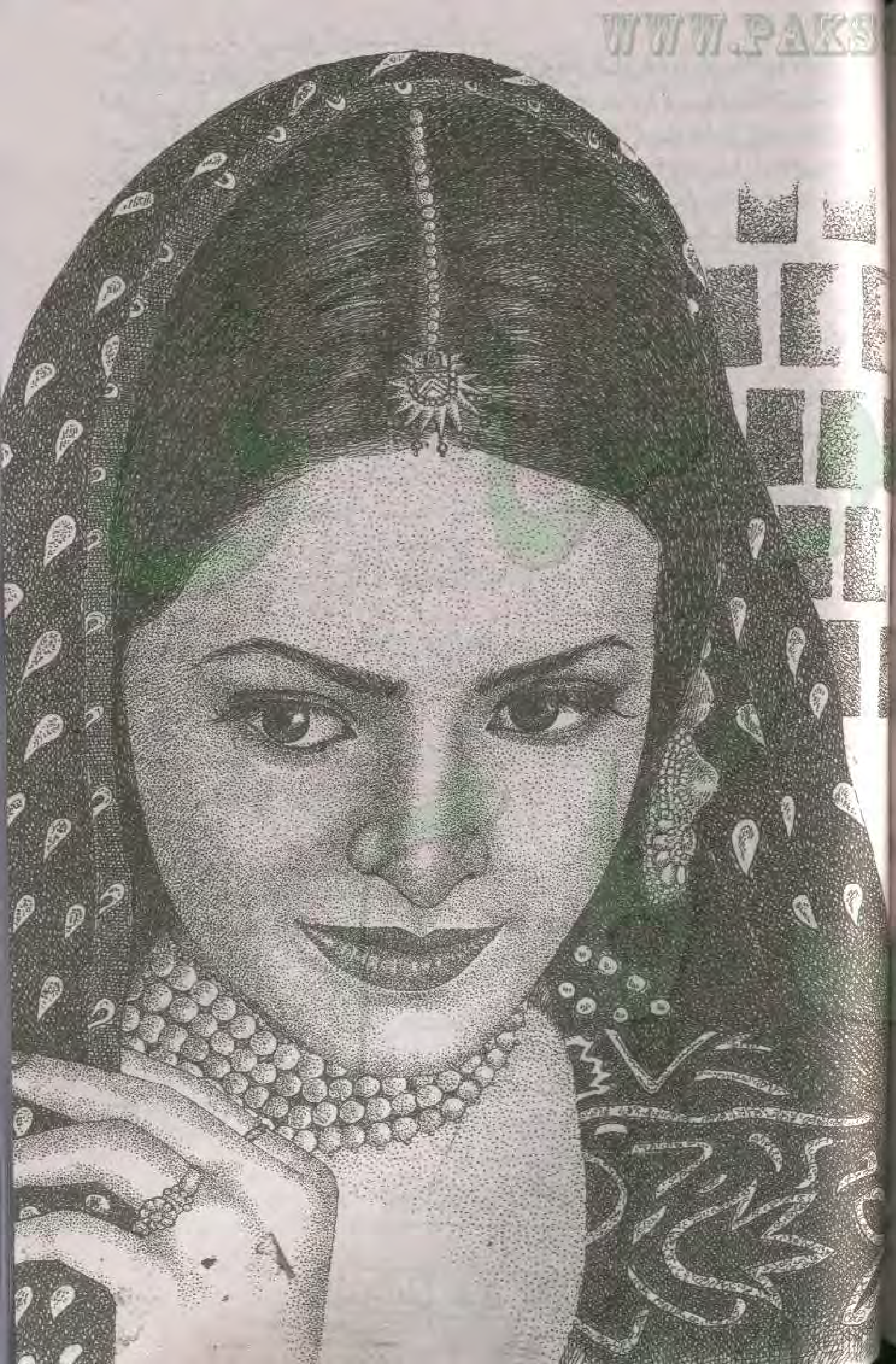

رخسانہ نگار عدنان

ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہیں۔ عاصمہ کو فون کے ذریعے کوئی اطلاع ملتی ہے جسے سن کر وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو گئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے

WWW.PAKSOCIETY.COM

زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔
وصول کرپاتی ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی
اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔
رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ لوگ باتیں بنا رہے ہیں
حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ وہ
جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔
جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ وہ انتہائی ضرورت کے
پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔
رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہوجاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر بشریٰ اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام
ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس
کا ابارشن ہوجاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی
جاتی ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ
اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ
آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ
کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کرکے اس کے سارے راستے بند کردیے ہیں اور
اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔ بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کردیتی
ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان ہے۔
عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے
عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ
بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑجاتی
ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کر لے آتا ہے۔ عدیل عمران پر
اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔
عاصمہ اسکول میں ملازمت کرلیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی
جاتی ہے۔ اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہوجاتا ہے۔
انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل، مثال کو لے
جائے، تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کرسکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچ بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی شادی کے بعد
نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔
انسپکٹر طارق، ذکیہ بیگم سے فوزیہ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہوجاتی ہیں، مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ ایک
پُراسراری عورت عاصمہ کے گھر بطور کرائے دار رہنے لگتی ہے۔ وہ اپنی حرکتوں اور انداز سے جادو ٹونے والی عورت لگتی
ہے۔ عاصمہ بہت مشکل سے اسے نکال پاتی ہے۔
بشریٰ کا سابقہ منگیتر احسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔ وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے
منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کرلیتا ہے، پھر شادی کے ناکام ہوجانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم
کے پاس آجاتا ہے اور دوبارہ شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشریٰ تذبذب کا شکار ہوجاتی ہے۔

— ۱۴ —
چودھویں قسط

احسن کمال پہلے بھی اتنا بڑا فنکار تھا یا یہ اضافی خوبی اب اس میں پیدا ہوئی تھی بشریٰ آہستہ آہستہ اس سے متاثر ہوتی جارہی تھی۔

وہ اسے اپنی باتوں میں کچھ اس طرح سے الجھاتا کہ وہ کسی اور طرف نہ دیکھ پاتی نہ زیادہ سوچ بچار کرتی۔

وہ ہر مشورے میں اسے شامل کرتا اور اولیت اس کی رائے کو دیتا بشریٰ کا کھویا ہوا اعتماد جیسے بحال ہونے لگا تھا۔

بہت دنوں بہت سارے دنوں کے بعد اس نے اپنے اوپر پھر سے دھیان دینا شروع کیا تھا۔

اس پہ کون سے رنگ کھلتے تھے۔ کن رنگوں میں وہ خود کو بہت الگ سا محسوس کرتی تھی۔ کون سا فیشن کا لباس اس کے نازک بدن پر اٹھتا تھا نہ چاہتے ہوئے اس کے ہاتھ الماری سے ان ڈریسز کے ہینگرز نکالنے لگتے۔

اگرچہ کچھ مزاحمت بھی اس کے اندر ہوتی۔ وہ متذبذب سی گومگو کیفیت میں وہ لباس واپس الماری میں رکھ دیتی مگر اگلے ہی روز یا دو چار دن بعد جب نہا کر نکلتی تو عجلت میں بالکل غیر شعوری طور پر وہی لباس نکال کر زیب تن کر لیتی۔

”یہ وہ سوٹ ہے نا جو پاپا آپ کے لیے میری پچھلی برتھ ڈے پر لے کر آئے تھے؟“

وہ شرٹ پہن چکی تھی ——— دوپٹہ ابھی ہینگر میں تھا جب مثال اندر آکر اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

بشریٰ کو جیسے کسی نے کھینچ کر پتھر مار دیا ہو۔ اس کے تیزی سے برش کرتے ہاتھ وہیں پر ٹھٹک گئے۔

اس کے ریشمی تازہ شیمپو کنڈیشنڈ بال بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔

”مما! یہ سوٹ آپ پر بہت اچھا لگتا ہے۔ پاپا بھی یہی کہتے تھے نا!“ مثال ثمرین کے پاس آکر اس کی شرٹ پہ نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

بشریٰ کے خون میں ابال اٹھا تھا جیسے سب کچھ تہس نہس کر ڈالے گا۔

شاید مثال کو بھی۔

اس نے زور سے کھینچ کر ہیئر برش ڈریسنگ ٹیبل پر مار دیا۔

”تم جانتی ہو ناں..... بتایا ہے نا میں نے تمہیں کہ اب تمہارے پاپا سے میرا کوئی رشتہ نہیں۔ کیوں بار بار اس شخص کا نام لیتی ہو میرے سامنے۔ مجھے تکلیف دینے میں تمہیں مزا آتا ہے۔ ہاں مزا تو آئے گا۔ ہو نا اسی پتھر دل انسان کی بیٹی۔ اس سنگ دل فیملی کا حصہ جس نے مجھے دھکے دے کر گھر سے نکالا۔ یہ بات تمہیں یاد نہیں آتی۔“

وہ پہلی بار یوں چیخ کر مثال سے بولی تھی۔ مثال خوف زدہ سی ذرا سا پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی سرمئی آنکھوں میں ڈر اور وحشت تھی۔

”مما!“ سفید پڑتے لبوں سے صرف یہی نکل سکا۔

”تم مجھے خوش دیکھنا ہی نہیں چاہتیں۔ میں اس گھٹیا انسان کا بیٹھ کر سوگ مناتی رہوں۔ اندھیرے کمرے میں پڑی روتی رہوں۔ خود کو فراموش کردوں بھول جاؤں کہ اس زندگی پر، اس کی خوشیوں پہ کچھ میرا بھی حق ہے یہی چاہتی ہو نا تم۔“ اس کے اندر کا ڈپریشن جیسے باہر نکل رہا تھا۔

مثال ڈری ہوئی خوف زدہ سی دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

”اتنے دنوں، اتنے مہینوں سے میں یونہی پڑی ہوں زنگ آلود سی۔ تمہیں کبھی ماں پر تو ترس آیا نہیں۔ میرا تو خیال آیا نہیں اور باپ..... اس کو تم بھولتی نہیں۔

اس روز کیسے دادی کے آگے پیچھے پھر رہی تھیں تم۔ وہ ذلیل عورت جس کی وجہ سے آج ہم یہاں پڑے ہیں۔ جانتی ہو ناں تم، اسی عورت کی وجہ سے ہوا تھا یہ سب۔“

مثال پھٹی آنکھوں اور سفید ہونٹوں کے ساتھ پلکیں جھپکے بغیر یک ٹک چیختی چلاتی ماں کو دیکھے جارہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اتنی ناسمجھ اور ننھی بھی نہیں ہو تم۔ اب سمجھ سکتی ہو ان ساری باتوں کو کہ کن لوگوں کی وجہ سے ہم دونوں ای کے گھر آپڑے ہیں۔" اس کے اندر سے اٹھے غصے کا ابال کچھ ٹھنڈا پڑنے لگا تھا۔ اسے اپنی چیختی آواز کی گونج سی سنائی دی تو اسے لگا کہ وہ مثال کو کچھ زیادہ ہی بول گئی ہے۔

کچھ دیر خاموش رہ کر غصے پر قابو پانے لگی۔

"مثال میں بھی تو تمہاری ماں ہوں بیٹا! تمہیں میرا بھی تو خیال ہونا چاہیے۔ تمہیں حاصل کرنے کے لیے جس طرح میں تمہارے باپ سے لڑ رہی ہوں۔" وہ اب کے نرم لہجے میں بولی اور آگے بڑھ کر مثال کا ہاتھ پکڑ لیا پھر اسے اپنے ساتھ صوفے پہ بٹھا کر خاموشی سے دیکھتی رہی۔

"ایک بات بتاؤ مجھے مثال!" بہت دیر بعد وہ اس کے ننھے سے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر نرمی سے بولی۔

"سوری۔۔۔ مما! آپ کو غصہ آگیا تھا۔ میں تو۔۔۔" مثال ماں کی محبت پاکر آنکھوں میں آنسو لیے بولی۔

"ہاں۔ بہت غصہ آگیا تھا۔۔۔ اگرچہ نہیں آنا چاہیے تھا۔۔۔ اس سارے میں تمہارا تو کوئی قصور نہیں ہے۔"

اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

مثال ماں کو پیار اور ہمدردی سے دیکھنے لگی۔

"مما! پہلے تو کبھی ایسے نہیں چلاتی تھیں۔ انہیں میری بات بہت بری لگی ہوگی۔ مجھے مما کا بھی خیال کرنا چاہیے۔" وہ اب جانب داری سے ماں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"مثال اگر تمہیں صرف میرے پاس رہنا ہو؟" بشریٰ بہت سوچ سوچ کر بولی تھی۔

مثال ناسمجھی سے ماں کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں آپ کے پاس بھی تو ہوں نا۔" وہ بہت ہولے سے ماں کی گود میں سر رکھ کر افسردگی سے بولی۔

"اگر مما نے ناراض ہو کر اسے خود سے دور کر دیا تو اسے تو پاپا کے گھر کا راستہ بھی خود سے نہیں آتا۔" پہلی خوف زدہ کرنے والی سوچ یہی اس کے دماغ میں آئی تھی۔

"نہیں مثال!" بشریٰ جیسے اسے سمجھانے کے لیے موزوں الفاظ سوچنے لگی۔ مثال بڑی بڑی آنکھیں کھولے سر اٹھا کر ماں کو دیکھ رہی تھی۔

"اگر تمہیں صرف میرے پاس رہنا پڑے۔۔۔ یا پھر صرف اپنے پاپا کے پاس مطلب۔۔۔ ہم دونوں میں سے صرف ایک کے ساتھ۔"

بشریٰ اس کے بال سہلاتے ہوئے رک کر بولی۔ مثال یک ٹک اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تم رہو گی میرے ساتھ صرف۔۔۔ یا اپنے پاپا کے ساتھ صرف۔" وہ "صرف" پر زور دے کر بولی۔

"بولو مثال! مجھے تمہارا جواب چاہیے۔" وہ پیار سے اس کی کشادہ پیشانی چوم کر بولی۔

"ناحق میں نے اپنی گڑیا کو اتنا ڈانٹا۔" بشریٰ کے دل میں ملال سا ابھرا۔

"مما۔۔۔ میں نہیں رہ سکتی ایسے۔" وہ ڈرے ہوئے انداز میں اٹک کر بولی۔

"کیا مطلب بیٹا! میں نہیں سمجھی۔" بشریٰ اس کی پونی ٹھیک کرتے رک کر بولی۔

"مما! میں اکیلی صرف آپ کے پاس۔۔۔ یا پاپا کے پاس۔۔۔ نہیں رہ سکتی۔ میں آپ دونوں کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے آپ دونوں کے ساتھ رہنا اچھا لگتا ہے۔ میں۔" وہ کہتے کہتے ماں کے سینے میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔

بشریٰ جیسے ساکت سی رہ گئی۔

وہ تو سمجھ رہی تھی شاید اتنے دنوں میں مثال۔ یہ بات سمجھ گئی ہوگی کہ یہ ممکن نہیں اور پھر جس طرح اسے بشریٰ نے اسے اتنے دنوں سے ہاتھ کا چھالا بنا کر رکھا ہے۔ وہ صرف اس کے ساتھ رہنا چاہے گی۔

مگر عدیل کی محبت اس کے دل میں ابھی بھی کمزور نہیں پڑی تھی۔

"مثال!" وہ صرف اتنا کہہ سکی۔ مثال ماں کے سینے سے لگی سسکتی رہی۔

"میری بچی یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ ہم دونوں کے ساتھ۔۔۔ ہم دونوں اب کبھی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔

آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ آپ کو کس کے ساتھ رہنا ہے۔ میرے ساتھ صرف یا اپنے پاپا کے ساتھ۔" وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولی اور اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو بشریٰ کو تڑپا گئے۔

"نہیں مما! میں نہیں جانتی۔" وہ صاف اقرار بھی نہیں کر رہی تھی کہ اسے دونوں میں سے کس کے ساتھ رہنا ہے۔

اور بشریٰ تو جیسے خود پر بھی حیران تھی۔ آج سے پہلے تو کوئی یہ بات مذاق میں بھی کہتا تھا کہ مثال کو عدیل کے پاس چھوڑ آؤ تو وہ مرنے مارنے پر تل جاتی تھی اور آج خود وہ یہ سب مثال سے پوچھ رہی تھی۔ وہ اپنی اس کایا پلٹ پہ خود بھی جیسے حیران سی تھی مثال کو تو اس نے کچھ نہیں کہا۔

کہ بالکل صاف جواب تو وہ ابھی خود کو نہیں دے پائی تھی کہ مثال کو کس کے ساتھ رہنا چاہیے تو یہ معصوم سی بچی کیا فوراً جواب دیتی۔

"مگر کیا میں خود اپنے فیصلے سے پھر چکی ہوں کہ مثال صرف میرے پاس رہے گی؟" وہ خود سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں میں مثال کو کبھی خود سے جدا نہیں کر سکتی۔ میں اس کے بغیر رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ نہیں نہیں۔" وہ زور سے خود اپنی نفی کرنے لگی۔

"پھر میں نے مثال سے کیوں پوچھا؟" اس کے پاس پڑا سیل فون بج رہا تھا۔

"احسن کمال!" جیسے اس کا نام دیکھتے ہوئے اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا۔

"کیا احسن کمال کی وجہ سے میں نے یہ سب سوچا کہ مثال عدیل کے پاس چلی جائے تو۔"

"نہیں نہیں۔ میں اتنی خود غرض نہیں ہو سکتی۔ میں اپنی بیٹی کو۔ جان سے پیاری بیٹی کو خود سے دور نہیں کر سکتی۔" فون بجے جا رہا تھا اور وہ خود کو مضبوط کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

عاصمہ نے کلام پاک پڑھ کر اسے بند کرتے ہوئے الماری میں رکھا۔

آج شام کو اس نے محلے کی چند خواتین کو قرآن خوانی کے لیے گھر میں بلایا تھا۔

"جب آپ کو کہیں سے سکون نہ ملے تو پھر اللہ کے کلام کی طرف رجوع کرو۔" اس کے دل نے اسے یہ راہ سمجھائی تھی۔

اس نے اوپر کا پورشن صاف کرنے کے بعد قالین جو ان کے پہلے ڈرائنگ روم میں بچھا تھا، وہ بچھا کر چادریں بچھا دیں چائے کے ساتھ اس نے گھر میں سموسے، آلو، چکن کباب اور میٹھا تیار کیا تھا۔

خرچا ہو گیا تھا مگر جانے کیوں اس کے دل کو یقین تھا۔ آج کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکل آئے گا۔

اس کا فون مسلسل بج رہا تھا۔

وہ اپنی سوچوں سے نکل کر تیزی سے کچن سے باہر آئی۔

ہاشم بھائی کی کال تھی۔ اس کا دل خوش ہو گیا۔

"بہت کوشش کر رہا ہوں عاصمہ! کسی طرح واپسی کی کوئی راہ نکل آئے مگر ابھی اللہ کو شاید منظور نہیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

میرے ویزے کی مدت پانچ سال ہے۔ سوچ رہا ہوں۔ درمیان میں ایک چکر لگالوں دونوں بچوں اور تمہاری بھابھی کو ساتھ لے کر۔"

"بھائی! یہ تو بہت خوشی کی خبر ہے۔ کب آئیں گے آپ؟" وہ یہ بات سن کر ہی جیسے جی اٹھی۔ "بھائی مجھے بھی آپ سے کچھ ضروری مشورے کرنے ہیں فون پر تو بہت مشکل ہوتا ہے۔"

"ابھی کچھ دنوں میں بتادوں گا اور سنو میں تھوڑے سے پیسے بھیج رہا ہوں۔ تمہارے اکاؤنٹ میں کل ٹرانسفر ہو جائیں گے۔"

"بھائی نہیں پلیز' یہ نہیں کریں۔ میں۔"

"عاصمہ! مجھے شرمندہ نہیں کرو۔ میں پہلے ہی تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکا۔" ہاشم کچھ شرمندگی سے بولا۔

"آپ کی وجہ سے تو بھائی! اپنے بچوں کو اپنی چھت تلے لے کر بیٹھی ہوں ورنہ میں تو جیسے پوری دنیا میں بے آسرا ہو گئی تھی۔ بہت کچھ کیا ہے آپ نے میرے لیے۔ میں آپ کا احسان نہیں چکا سکتی۔"

عاصمہ کو وہ خوفناک دن یاد آگئے تو آنسو ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"غیروں جیسی باتیں نہیں کرو' یہ تمہارا حق تھا مجھ پر اور میں الیاس کو فون کر رہا ہوں۔ اس کا نمبر نہیں مل رہا ہے۔ کیا اس کا نمبر بدل گیا ہے؟"

"جی بھائی! میں آپ کو دیتی ہوں اس کا نیا نمبر۔"

"کرائے دار ٹھیک طرح سے رہ رہے ہیں نا؟" کرایہ وقت پر دیتے ہیں؟ کوئی مسئلہ تو نہیں؟" عاصمہ اس کی بات سن کر ٹھٹک سی گئی۔

"اب بھائی الیاس کو فون کریں گے اور وہ میری بے وقوفی کے بارے میں بتائے گا تو ہاشم بھائی کیا کہیں گے۔ نہیں جب تک نئے کرائے دار نہیں آجاتے' مجھے ابھی بھائی کو نہیں بتانا کچھ بھی۔" اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ الیاس کا نمبر ابھی ہاشم کو نہیں دے گی۔

دو چار ادھر ادھر کی باتوں کے بعد ہاشم نے فون بند کر دیا۔

عاصمہ گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے تیزی سے کچن میں چلی گئی کہ ابھی بہت کچھ کرنے والا رہتا تھا اور ٹائم کم تھا۔

☼ ☼ ☼

بشریٰ' مشال کا ہاتھ تھامے چہرے پہ خوشگوار مسکراہٹ لیے دوسرا ہاتھ سیفی کے ہاتھ میں دیے احسن کمال کے ساتھ چل رہی تھی۔ چاروں بہت خوشگوار موڈ میں تھے۔

باتیں کرتے ہوئے کسی بات پہ ہنس رہے تھے۔ بشریٰ باری باری جھک کر دونوں بچوں سے کچھ پوچھ رہی تھی۔ احسن کمال منتظر نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ بھی ساتھ میں جھکتا اور پھر مسکراتے ہوئے باتیں کرتے چاروں آگے بڑھ گئے۔

عدیل کو لگا وہ جس جگہ کھڑا ہے' اب صدیوں تک وہاں سے ہل نہیں سکے گا۔ پتھر کا بن کر رہ گیا ہے۔

اسے تو یہ بھی پتا نہیں چل رہا تھا کہ اس کی سانسیں چل بھی رہی ہیں یا نہیں۔

اتنے مہینوں کے بعد بشریٰ کو دیکھا تھا۔

یوں ہنستے مسکراتے' خوشگوار موڈ میں۔

اس کی مشال خوب صورت فراک میں ماں اور دو اجنبیوں کے ساتھ کتنی خوش اور کھلی کھلی سی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"پھر میں کون ہوں... ؟ کیوں ہوں... ؟ کس لیے میراان کے ساتھ تعلق تھا اگر مجھے یہ منظر ہی دیکھنا تھا تو۔"

اس کی آنکھیں بے طرح جلنے لگی تھیں۔

"پلیز۔ راستہ دیں۔" وہ کب سے رستے کے بیچ میں کھڑا تھا۔ کسی نے پیچھے سے کہا تھا۔

وہ چونک کر خالی خالی نظروں سے اردگرد کی چہل پہل کو دیکھنے لگا۔

بہت پر رونق شاپنگ مال تھا یہ۔

اور وہ بہت دنوں بعد آج مشال کے لیے کچھ خریدنے نکلا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ فون کر کے ذکیہ سے کہے کہ وہ مشال کو لینے کے لیے آرہا ہے۔ کچھ دیر میں شاپنگ کے بعد اسے واپس چھوڑ جائے گا۔

"تو امی کا کہا جھوٹ نہیں تھا لیکن وہ سب سن کر بھی مجھے کچھ نہیں ہوا تھا مگر یہ منظر... یہ منظر کتنا تکلیف دہ تھا جیسے کسی نے مجھے پھانسی پر چڑھا کر بغیر بتائے رسی کھینچ دی ہو اور میرا وجود کسی خلا میں معلق ہو۔

بشریٰ کی ہنسی مشال کی مسکراہٹ سب کچھ تو موجود ہے 'برباد تو صرف میں ہوا ہوں۔ خالی ہاتھ 'خالی دل تو میں ہوں۔

میں اکیلا ہوں۔ بالکل اکیلا۔ اس بھرے شہر اس بھری دنیا میں بالکل تنہا۔

اسے رونا آرہا تھا۔

وہ کسی کے بھی کندھے پر 'دیوار پر سر رکھ کر بہت رونا چاہ رہا تھا۔

اسٹیرنگ پر اس کی انگلیوں کی گرفت بہت مضبوط تھی مگر پھر بھی جانے کیسے وہ غلط موڑ کاٹ رہا تھا۔ غلط سائیڈ میں جارہا تھا۔ اس نے اشارہ بھی کاٹا۔

اور پھر ایک تنہا اکیلی سنسان سڑک پر جا کر اس نے بالکل درمیان میں ایک دم سے بریک لگا دی۔ ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔

یہ کوئی پوش رہائشی ایریا تھا۔ اردگرد کھڑی سنگ مرمر کی اونچی اونچی کوٹھیاں 'بنگلے سب بالکل خاموش اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اسے لگا جیسے ہر کھڑکی 'ہر دروازے میں بشریٰ اور مشال کھڑی ہیں اور دونوں ہنس رہی ہیں' مسکرا رہی ہیں۔

بشریٰ مشال کو گود میں اٹھا کر اس کی طرف طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے اسے بہت کچھ جتا رہی ہے۔

"دیکھو کیا ہوا۔ مجھے تم نے چھوڑ بھی دیا تو کیا ہوا۔ میں تو ابھی بھی مکمل ہوں۔ ادھورے تو تم ہو گئے ادھورے' آدھے' اکیلے' نامکمل تم مجھے برباد کرنا چاہتے تھے نا۔ برباد تو تم ہو گئے۔ ہم تو ابھی بھی آباد ہیں خوش ہیں اور سکھی ہیں۔"

عدیل کو پتا بھی نہیں چلا۔ کب اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

وہ اسٹیرنگ پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اسے لگا اس نے آج ہی بشریٰ کو چھوڑا ہے۔ آج ہی اس کا گھر ٹوٹا ہے آج ہی مشال اس سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئی ہے۔

"دیکھو... دیکھ لو' میں تو ہار کر بھی جیت گئی۔ اصل میں تو ہار اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھی تھی۔ تم لٹے پٹے' بے حال شہر کی سڑکوں پر اکیلے اپنی مردانگی کا زعم لیے پھرتے رہو۔ اکیلے' تنہا برباد۔" عدیل شاکڈ تھا۔

بشریٰ پھر کسی کھڑکی میں آکر کھڑی ہو گئی تھی۔

اس کے چہرے پہ ہنسی اور مسکراہٹ نہیں تھی۔ نفرت اور حقارت تھی۔ لبوں پہ زہریلی مسکراہٹ تھی۔

عدیل کا پاؤں ایک دم سے اسپیڈ بڑھاتا چلا گیا۔

وہ شہر کی روشن سڑکوں پر بھی یوں اندھا دھند گاڑی دوڑا رہا تھا جیسے پورے شہر میں وہ ایک گاڑی چلا رہا ہو۔

"وہ کیا سمجھتی ہے خود کو۔ میں برباد ہوا ہوں۔ میں ہارا ہوں۔ اب میں اسے بتاؤں گا کہ کون ہارا ہے' کون برباد ہوا ہے۔ میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔" غصہ' طیش' نفرت' انتقام اس کے دل دماغ پہ طاری تھے۔

☼ ☼ ☼

قرآن خوانی کے بعد حاجن خالہ نے صدق دل سے بہت اچھی دعا کرائی تھی۔

عاصمہ کے دل کو بہت سکون ملا تھا۔

"عاصمہ آپا! آپ کو ایک مشورہ دوں میں؟" ساتھ والی نسرین کی بیٹی سعدیہ اس کے ساتھ کچن کے کام میں مدد کروا رہی تھی۔

واثق اور بچیاں خالی برتن نیچے لا چکے تھیں۔

عاصمہ انہیں دھو رہی تھی اور سعدیہ پھرتی سے سب کچھ سمیٹتی جارہی تھی۔ عام سے نقوش والی مناسب قد کاٹھ کی سعدیہ جس کا رشتہ فی الحال کہیں نہیں ہو رہا تھا۔ جو نسرین کے لیے سردرد تھا مگر سعدیہ ایک متوازن شخصیت کی مالک تھی۔ کبھی اس کے چہرے سے اندر کے مدوجزر کی خبر نہ ہوئی تھی۔

"کیسا مشورہ بھئی؟" عاصمہ بہت ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔

"آپ اپنا یہ پورشن ابھی کرائے پہ نہیں دیں۔"

"کیا مطلب... ؟ تم جانتی ہو ناں' فی الحال میرے پاس جاب نہیں ہے تو ہمارا گزارہ اسی پورشن کے کرائے پہ ہے۔" عاصمہ اسے ٹوک کر بولی۔

"تو کیا فائدہ ایسے غلط سلط لوگ آرہے ہیں اگر اس الیاس نے اور کوئی الٹا سیدھا اٹھائی گیرا بھیج دیا تو..." سعدیہ بولی۔

"اب تم مجھے ڈراؤ گی۔" عاصمہ پریشان ہو کر بولی۔

"آپ کے برتن کتنے رہ گئے؟" سعدیہ کچن تقریباً" سمیٹ چکی تھی۔

ہاں۔ بس ہو گئے۔" عاصمہ نے جلدی جلدی باقی کے برتن دھو کر ٹونٹی بند کر دی۔

"تو آجائیں۔ باہر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔"

سعدیہ اس سے کہہ کر باہر نکل گئی تو عاصمہ نے بھی دو چار چیزیں سمیٹیں۔ کچن کی لائٹ بند کی اور باہر نکل آئی۔

"آپ اپنے اوپر والے پورشن میں ٹیوشن سینٹر کھول لیں۔"

"ٹیوشن سینٹر۔ ماشاء اللہ۔ بچے کہاں سے آئیں گے؟" عاصمہ جیسے طنز سے بولی۔

"تین بچے تو میرے پاس آتے ہیں پڑھنے۔ ہمارے گھر میں تو جگہ ہی نہیں ہے کہ میں دو تین سے زیادہ بچے پڑھا سکوں' جب کہ مجھے ان بچوں کے کچھ جاننے والے بچے بار بار آکر کہتے ہیں کہ انہیں بھی ٹیوشن پڑھنی ہے لیکن اماں اجازت نہیں دیتیں۔"

عاصمہ خاموش بیٹھی جیسے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔

"میں تمہاری بات نہیں سمجھی سعدیہ!" وہ متانت سے بولی۔

"تقریباً" دس سے بارہ بچے ہوں گے ٹیوشن کے۔ ہم دونوں مل کر پڑھائیں گے۔ اسی حساب سے ہم دونوں فیس بھی تقسیم کر لیں گے چونکہ ٹیوشن سینٹر کی جگہ آپ کی ہو گی تو آپ کو تین حصے اور میں ایک حصہ فیس کا لیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کروں گی۔ آہستہ آہستہ بچوں کی تعداد بڑھے گی تو ہم صبح میں یہاں چھوٹے بچوں کی نرسری بھی شروع کر سکتے ہیں۔" سعدیہ جوش میں کہہ رہی تھی۔

"مما! سعدیہ آپا بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ چھ سات بچے تو میں بھی لے آؤں گا جو ہمارے محلے میں یا کچھ فاصلے پر رہتے ہیں۔" واثق جوان کی باتیں سن رہا تھا۔ بیچ میں آکر بولا۔

"لیکن واثق!" عاصمہ پریشان سی ہو گئی۔

"لیکن کیا آپا؟" سعدیہ تحمل سے بولی۔

"میں اتنی پڑھی لکھی کب ہوں۔ میں زیادہ ٹیوشن... میرا مطلب ہے زیادہ سے زیادہ پانچویں چھٹی کے بچوں کو پڑھا سکتی ہوں وہ بھی سکس کا میتھس نہیں۔" وہ جھجک کر بولی۔

"بھئی یہ سب مینیج کر لیں گے۔ آپ ہامی تو بھریں۔ کل سے ہی شروع کرتے ہیں بس یہ مہینہ... بلکہ نہیں جو بچے ایڈوانس دیں گے تو اس سے آپ کا کچھ گزارہ ہو جائے گا۔" سعدیہ چٹکیوں میں مسئلہ حل کرتے ہوئے بولی۔

"سعدیہ! یہ بہت مشکل ہے۔" عاصمہ متذبذب تھی۔

"مما! آپ ہی تو کہتی ہیں مشکل کے ساتھ آسانی ہوتی ہے، بس کہیں نظر نہیں آتی جب ہم ارادہ کرتے ہیں تو پھر نظر آنے لگتی ہے۔" واثق عاصمہ کے اقوال زریں خوب یاد رکھتا تھا ایسے موقع پر جتانے کے لیے۔

عاصمہ کو پہلے غصہ آیا پھر ہنسی۔ تینوں ہنسنے لگے۔

☼ ☼ ☼

گاڑی گیٹ کے اندر داخل ہوئی۔

دونوں بچے پہلے گاڑی سے اترے۔ بشریٰ انہیں احتیاط کی، خیال رکھنے کی ہدایت کرتے ہوئے ان کے بعد اتری۔

احسن کمال گاڑی بند کرتے ہوئے پچھلی ڈگی کھول کر شاپنگ کا سامان نکال رہا تھا۔ بشریٰ اس کے ساتھ کھڑی اس کی مدد کر رہی تھی۔

مثال اور سیفی اپنے کھلونے لینے کے لیے بے تاب کھڑے تھے۔

جب عدیل تیزی سے اندر آیا۔

گیٹ ابھی تک ادھ کھلا تھا۔ کسی کا دھیان ابھی اسے بند کرنے کی طرف نہیں تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور دوسرے لمحے اس سے پہلے کہ کوئی اس کی طرف متوجہ ہوتا یا دھیان دیتا، وہ مثال کو گود میں بھر کر جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے باہر نکل گیا۔

لحہ بھر کو بشریٰ اور احسن کمال ساکت رہ گئے۔

"مثال! دوسرے لمحے بشریٰ کے منہ سے چیخ کی طرح نکلا۔ احسن کمال جیسے خواب سے چونکا۔

"یہ تمہارا آئی مین ایکس ہزبینڈ..." وہ اس طرف اشارہ کر کے بولا جدھر ابھی عدیل گیا تھا۔

"مثال... مثال وہ لے گیا میری مثال کو... میری بیٹی... میری گڑیا۔" وہ پاگلوں کی طرح دیوانہ وار گیٹ کی طرف بڑھی۔

عدیل گاڑی میں مثال کو لے کر بیٹھ چکا تھا۔

گاڑی ریورس ہوئی۔ دوسرے لمحے جیسے ہوا میں اڑتی تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔

بشریٰ گیٹ کے باہر خالی ہاتھ کھڑی رہ گئی۔

عدیل کی گاڑی گیٹ کے سامنے کھڑی تھی۔ بشریٰ نے اندر آتے ہوئے سرسری نظر اس پر ڈالی تھی۔

مگر جانے کیوں وہ دھیان میں لا ہی نہ سکی تھی کہ یہ تو وہ گاڑی ہے، جس میں وہ کئی سالوں سے بلا شرکت غیرے اگلی سیٹ پر عدیل کے پہلو میں بیٹھ کر خوشی کے، بہت سے انمول لمحے بتا چکی ہے۔

اس کی آنکھوں سے آنسو گرم گرم لاوے کی طرح پھوٹ رہے تھے احسن کمال نے اس کے کندھے پر آہستگی سے ہاتھ رکھا۔

"تم پریشان نہیں ہو بشریٰ! ہم اسے لے آئیں گے۔" وہ بت کی طرح کھڑی آنسو بہاتی رہی۔

"وہ کسی بھی طرح مثال کو اپنے پاس رکھنے کا مجاز نہیں کہ چھوٹا بچہ ماں کے پاس ہی رہتا ہے۔ تم پریشان نہیں ہو میرا واقف ہے، بہت بڑا وکیل۔ میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں۔"

"وہ نہیں دے گا۔ اسے میں جانتی ہوں۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"نہیں احسن! میرا خیال ہے عدیل اسے یہاں سے دور، شہر سے باہر یا کہیں بھی لے جا سکتا ہے۔ پلیز تم جلدی کرو گاڑی نکالو۔ میں اس کے پیچھے جاؤں گی اور اپنی بیٹی کو لے کر آؤں گی۔ پلیز جلدی کرو۔" وہ اسے کھینچتے ہوئے اندر لے جانے لگی۔

احسن کمال اس کی ذہنی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے آیا۔

"پلیز گاڑی نکالو، مجھے جانا ہے اس کے پیچھے۔" وہ وحشت زدہ سی چیخ کر بولی۔ اسے لگا جیسے یکایک اس کی دنیا اندھیر ہو گئی ہو۔ مثال تو اس کا سب کچھ تھی۔

"بشریٰ! تم یقین رکھو، وہ چاہے بھی تو اسے کہیں نہیں لے جا سکتا۔ شہر سے باہر کہاں لے کر جائے گا اور ملک سے باہر لے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم ٹینشن نہیں لو۔"

"تمہاری بیٹی نہیں ہے وہ، وہ تم سے اسے چھین کر نہیں لے گیا۔ اس لیے تم یہ سب کہہ رہے ہو۔" وہ پاگلوں کی طرح چیخی تھی۔

"پاپا یہ آدمی کون تھا؟ وہ مثال کو کیوں لے گیا؟" سیفی باپ کا ہاتھ ہلا کر پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

"تم اگر مجھے نہیں لے کر جا رہے تو میں خود چلی جاتی ہوں۔ ہٹو، میرے راستے سے۔" وہ اسے پرے دھکیل کر بولی۔

"بشریٰ پلیز! ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ یار... اس کے پیچھے جا کر اس سے مثال کو چھینو گی تو وہ کیا ایسے تمہیں دے دے گا بچی کو۔ ابھی تم چلو میں بات کرتا ہوں پہلے معلوم کرتے ہیں وہ اسے کہاں لے کر گیا ہے پھر ہم اس کے پیچھے جائیں گے۔" احسن کمال اسے سمجھا رہا تھا۔

ہاں چھین تو سکتی نہیں تھی وہ اسے، اتنی سمجھ تو تھی بشریٰ کو۔

"اگر وہ اسے کہیں اور لے گیا تو؟" وہ اپنے آنسو کوشش کے باوجود ضبط نہیں کر پا رہی تھی۔

"وہ ایسا کچھ نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔"

"احسن! میں جانتی ہوں اسے، وہ ضد میں، انتقام میں کچھ بھی کر سکتا ہے۔ صرف مجھے تکلیف پہنچانے کے لیے۔" وہ بکھرتی جا رہی تھی۔

"میرا یقین تو ہے نا تمہیں... پلیز صرف تھوڑا سا، چند گھنٹے تو انتظار کر سکتی ہو ناں... میں خود اسے تمہارے پاس لے کر آؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے بولا۔

بشریٰ بے یقینی سے اسے دیکھتی جا رہی تھی۔

"صرف تھوڑا سا ویٹ کر لو۔ میں خود مثال کو لے کر آؤں گا اور تم یقین رکھو، وہ صرف تمہارے پاس ہی رہے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گی۔"

اس کے لہجے میں کچھ تھا کہ بشریٰ کے آنسو تھم سے گئے اس کا دل ٹھہر سا گیا۔

اور جو پورے بدن میں بھونچال کی کیفیت تھی۔ اس میں ٹھہراؤ سا آ گیا۔

"کتنی دیر تک لے کر آؤ گے اسے۔" وہ اب کے سنبھلے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تم اندر تو چلو پھر بتاتا ہوں تمہیں۔" وہ اسے کندھے سے تھام کر اندر لے جانے لگا۔ سیفی ان کے ساتھ تھا۔

ذکیہ یہ سب کچھ کھڑکی سے۔ دیکھ رہی تھی۔

اور عدیل جیسے مثال کو لے کر گیا تھا۔ اتنے دنوں میں پہلی بار ذکیہ کے دل کو ڈھارس سی ہوئی تھی۔

اب بشریٰ جلد یا بدیر خواہ مثال کو حاصل کرنے کے خیال سے سہی احسن سے شادی کے لیے راضی ہو جائے

گی۔

احسن نے آنے کے دو دن بعد ہی بشریٰ کا ہاتھ ذکیہ سے مانگ لیا تھا۔ مگر ذکیہ کے ساتھ احسن کا بھی یہی خیال تھا کہ مثال کی وجہ سے بشریٰ آسانی سے راضی نہیں ہو گی۔

اور جب تک مثال اس کے ساتھ رہے گی۔ وہ کبھی بھی اپنے نئے گھر کے بارے میں نہیں سوچے گی۔

دونوں کا خیال تھا اگر مثال درمیان سے نکل جائے تو ایسا ممکن ہے.... مگر ایسا کرنا آسان نہیں تھا۔ بشریٰ کبھی بھی بچی کو خود سے دور نہیں کرتی۔ مگر عدیل نے جیسے یہ ناممکن کام آسان کر دیا۔

وہ جو اتنے دنوں سے پریشان تھیں کہ بشریٰ نے ابھی تک احسن کا پرپوزل قبول نہیں کیا اب انہیں امید ہو چلی تھی کہ جلد ہی ان کے دل کی مراد پوری ہونے والی ہے۔

☆ ☆ ☆

عدیل تو عدیل نسیم مثال کو چوم چوم کر پیار کرتے ہوئے جیسے پاگل ہوتی جا رہی تھیں۔

بہت دنوں بعد انہیں لگا عدیل کی شادی کے بارے میں انہوں نے جو سوچ رکھا تھا۔ وہ اب پورا ہو جائے گا۔

"دیکھو۔ میں صاف کہے دے رہی ہوں۔ عدیل! اب میں اپنی گڑیا کو کہیں بھی بھیجنے والی نہیں ہوں۔ یہ اب میرے پاس ہی رہے گی۔ اپنے پاپا اور اپنی دادو کے پاس.... ہمیشہ۔ ہے نا مثال یہیں رہے گی نا میری گڑیا!" وہ اسے جوش میں وقفے وقفے سے ساتھ لپٹاتی جاتیں۔

مثال سہمی ہوئی کبھی باپ کی طرف دیکھتی اور کبھی دادی کی لگاوٹ کو۔ نظریں جھکائے وہ بار بار اس منظر کو سوچ رہی تھی جب عدیل اسے بشریٰ سے چھین کر لایا تھا۔

"امی! میں مثال کو لے کر فی الحال اسلام آباد جا رہا ہوں کچھ دنوں کے لیے۔" وہ کمرے میں آ کر ایک دم سے بولا تو نسیم کے ساتھ مثال بھی خوف زدہ سی باپ کو دیکھنے لگی۔

پتا نہیں کیوں اسے یہ والے پاپا اپنے پہلے والے پاپا سے بہت مختلف بہت اجنبی سے لگ رہے تھے۔

وہ دل میں ان سے کچھ خوف زدہ سی تھی۔

"عدیل! یہ کیا کہہ رہا ہو بیٹے! اسلام آباد کیوں.... ؟ کس لیے؟ وہاں کیا ہے اور میں کیا اکیلی رہوں گی یہاں۔"

نسیم بری طرح سے بوکھلا گئیں اور ایک دم سوال پر سوال کرتی چلی گئیں۔

"میں بھی کچھ دنوں کے لیے جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے بعد میں مستقل وہیں رہ جاؤں۔" وہ اسی کٹھور پن سے بولا جواب اس کا وتیرہ بنتا جا رہا تھا۔ نسیم کو تو یوں لگا جیسے کوئی پہاڑ کسی نے ان کے سر پر گرا دیا ہو۔

"کیا۔ کہنا چاہتا ہے تو.... ہمیشہ کے لیے وہاں.... اکیلے.... کیوں.... یہ کس لیے؟" نسیم کو سب کچھ بھول گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہاتھ پیر پھول گئے۔

"جب وہاں مستقل رہنے کا ارادہ کرلیا' گھر لے لیا' تو آپ کو بھی بلالوں گا۔ لے جاؤں گا ساتھ۔" وہ اسی اجنبی پن سے بولا۔ اس نے تھوڑی سی دیر میں اپنا اور مثال کا مختصر سامان ایک سوٹ کیس میں رکھ بھی لیا تھا۔

"عدیل!" نسیم کی آنکھیں صدمے سے جیسے پھٹنے کو تھیں۔

"تو میں اتنے دن یہاں اکیلی۔۔۔ یوں ہی بے یارومددگار۔۔۔ عدیل تو سمجھ نہیں رہا۔ میں کیسے رہ سکتی ہوں اکیلی۔"

انہیں تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا' بے ربطگی سے بول رہی تھیں۔

"امی! یہ آپ کی چوائس تھی کہ آپ کے گھر میں کوئی بھی دوسرا بندہ دخل دینے والا نہ ہو۔ آپ اکیلی اس بادشاہت کو چلائیں' سو آپ کو موقع مل رہا ہے۔"

وہ کیا بول رہا تھا۔ نسیم کو بالکل سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

وہ بس آنکھیں پھاڑے بے بس بیٹھی اسے دیکھے جارہی تھیں۔

"چلو مثال!" وہ مثال کا ہاتھ تھام کر دوسرے ہاتھ میں سوٹ کیس کی اسٹریپ پکڑے جانے کو تیار تھا۔

نسیم کا جیسے ہارٹ فیل ہونے کو تھا۔ وہ بمشکل خود کو' اپنے بھاری جسم کو سنبھالتی اٹھنے لگیں۔

"اے رکو۔۔۔ ٹھہر۔۔۔ عدیل! یہ کیا کررہا ہے۔ میں کیوں ایسا چاہوں گی۔ میں اکیلی یہاں' اس پورے گھر میں کیا کروں گی۔ میں نے نہیں رہنا' تم جہاں' جدھر جارہے ہو' مجھے بھی ساتھ لے کر جاؤ۔"

وہ بچوں کی طرح اس کا ہاتھ پکڑ کر بے اختیار رونے لگی تھیں۔ عدیل کے قدم جیسے کسی نے جکڑ لیے۔

"امی! میں آپ کو ساتھ نہیں لے جاسکتا۔" اتنی دیر میں وہ پہلی بار قدرے نرم لہجے میں بولا تھا۔

"مم۔۔۔ میں چلی جاؤں گی۔ وہاں اسلام آباد میں میری پھوپھی کی بیٹی۔۔۔ یاد نہیں تجھے خالہ شاہدہ رہتی ہیں' میں اس کے پاس چلی جاؤں گی۔ دو چار دن۔۔۔ جتنے دن تجھے رکنا ہوگا۔ میں بھی وہاں رک جاؤں گی۔ مجھے ساتھ لے کر جانا' عدیل! میں یہاں نہیں رہ سکتی۔"

نسیم نے مضبوطی سے عدیل کے ہاتھ پکڑ رکھے تھے۔ وہ بے بس سا ہوگیا تھا۔

"پاپا۔۔۔ مجھے مما کے پاس جانا ہے۔ مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا۔" مثال نے عدیل سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا تو وہ شاکڈ سا اسے دیکھنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"امی! ہم پہلے بھی تو ٹیوشن پڑھاتے تھے نا دونوں مل کر۔ اب یہ سب ذرا طریقے سے ہوجائے گا۔"

واثق ماں کی جھجک' اس کا خوف دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے تسلی دے رہا تھا۔

"وہ اور بات تھی بیٹا۔ تین' چار بچے چھوٹی کلاسوں کے اور بس۔۔۔ یہ تو دس سے پندرہ بچے۔۔۔ ساتویں' آٹھویں کے بھی۔۔۔ انہیں ہینڈل کرنا۔۔۔ پھر۔۔۔ ان کے اچھے رزلٹ کی ذمہ داری۔۔۔ لینا مجھے واقعی بہت مشکل لگ رہا ہے۔" وہ گھبرائی ہوئی تھی۔

جب بھی کوئی نئی مشکل اس پر آتی تھی' وہ ایسے ہی گھبرا جاتی تھی۔

"کچھ دن تھوڑی پریشانی ہوگی' پھر سب ٹھیک ہوجائے گا اور مما! میرے خیال میں اوٹ پٹانگ لوگوں کو گھر کرائے پر دینے سے بہتر ہے کہ ہم خود اس کو استعمال کریں اور آپ بھی جاب کرنے جو گھر سے نکلیں گی تو کیا یہ زیادہ بہتر نہیں۔"

"واثق! یہ سب بچوں والی باتیں ہیں۔ اول تو مجھے امید نہیں' اتنے زیادہ بچے آسکیں گے کہ ہم پورے گھر کا خرچ چلاسکیں۔ دوسرے۔۔۔" باہر گھنٹی بجی تو وہ بولتے ہوئے رک گئی۔

واثق دروازہ کھولنے چل دیا۔

سعدیہ تین لڑکیوں کو لے کر اندر آرہی تھی۔

اس کے چہرے پر جوش سا تھا اور کچھ کر دکھانے کا جذبہ۔

"آپا! آپ کی تین شاگردیں تو سمجھیں آگئیں۔" وہ اندر آکر بولی۔ واثق نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ماں کا حوصلہ بڑھایا۔

"چلو ٹھیک ہے' تم دونوں اوپر چلو۔ میں نے کمرے صاف کرکے بیٹھنے کا انتظام کرلیا ہے۔ میں ان تینوں کو لے کر آتی ہوں تو پھر دیکھتے ہیں' کیا کرنا ہے۔"

وہ ایک بار پھر سنبھل چکی تھی کہ اسے اب اس مشکل کا مقابلہ کرنا ہے۔ اگر گھر بیٹھے اس کے بچوں کے رزق کا انتظام اللہ کررہا تھا تو اسے بھرپور کوشش کرنا ہوگی۔ دو دن سے وہ سوچ سوچ کر پریشان تھی۔ اب ایک دم سے لگا' یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔

ہاشم نے پچیس ہزار کی رقم اسے بھجوائی تھی۔ اس سے مہینہ آرام سے گزر سکتا تھا۔

اور جو سعدیہ کی تجویز تھی کہ عاصمہ کو آگے انٹر کے بعد اپنی پڑھائی کو پھر سے شروع کردینا چاہیے' پہلے تو وہ شرمائی' گھبرائی اور خوب پریشان ہوئی تھی کہ اس عمر میں' بچوں کی طرح پھر سے پڑھنا عجیب سی بات تھی۔

مگر پھر آہستہ آہستہ بچوں کو پڑھاتے سمجھاتے اس کا دل اس بات کو بھی مان گیا۔

علم حاصل کرنے کی کوئی عمر نہیں ہوتی' وقت کی قید نہیں ہوتی' شوق اور ضرورت انسان کو کسی بھی وقت اس سیڑھی پر پھر چڑھنے کی طرف راغب کرسکتا ہے۔

سعدیہ نے اسے اپنی گریجویشن کی بکس لادی تھیں' وہ اب اکثر رات میں ان کو پڑھنے کی کوشش کرتی۔ اسے ابھی اپنے لیے مضامین کا انتخاب بھی کرنا تھا۔

سعدیہ اچھی لڑکی تھی' ہمدرد اور مددگار بھی۔ اس کے بہتر رویے نے عاصمہ کے لیے بہت سی آسانی پیدا کردی تھی۔

کچھ بچے جو اسکول نہیں جاتے تھے' کسی وجہ سے وہ صبح میں بھی عاصمہ کے پاس پڑھنے کے لیے آنے لگے۔

اس کے گھر میں اب ایک پڑھائی والا ماحول سا بنتا جارہا تھا۔ جس میں وقت ملنے پر وہ بھی اپنی کتابیں لے کر بیٹھ جاتی۔

الیاس کو اس نے فی الحال منع کردیا تھا کہ ابھی اسے گھر کرائے پر نہیں دینا' وہ یہ تجربہ بھی کرکے دیکھنا چاہتی تھی۔

اور ابھی تک اسے بہت اچھا نتیجہ ملا تھا۔

گھر کا خرچ تھوڑا تنگی سے مگر ہو رہا تھا' پھر اتنی مصروفیت اسے الٹی سیدھی سوچوں سے بچانے لگی۔

اس کی تمام تر توجہ بچوں کی' اپنی پڑھائی کی طرف تھی۔

سعدیہ بڑی لڑکیوں اور بچوں کو پڑھاتی۔ عاصمہ چھوٹی کلاسز کو اور بڑی کلاسز کے آسان مضامین کو۔ رفتہ رفتہ اسے پڑھانے کا' سمجھانے کا سلیقہ آگیا اور بہت سی مشکلیں آسان ہوتی چلی گئیں۔ صرف محنت زیادہ تھی جس کی وہ عادی تھی۔

گھر بیٹھے عزت کے ساتھ روزی حاصل کرنے کا یہ طریقہ اسے بہت اچھا لگا تھا۔ وہ بہت محفوظ اور پرسکون محسوس کرنے لگی تھی خود کو۔۔۔ چند ہی دنوں میں جیسے بہت کچھ بدل سا گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

عاصمہ، بہت مہینوں کے بعد گھر اور بچوں کے ساتھ خوش تھی اور اب بچوں کے اچھے مستقبل کے لیے بہت پرامید بھی۔

☼ ☼ ☼

پھر عدیل، مثال کو سمجھا سمجھا کر تھک گیا، مگر وہ روتے ہوئے ایک ہی ضد کیے جارہی تھی کہ اسے بشریٰ کے پاس جانا ہے۔

عدیل اس کی بات مانتے ہوئے جیسے ہار سا گیا۔

"ٹھیک ہے میں تمہیں تمہاری ماں کے پاس چھوڑ آؤں گا، مگر پھر تم کبھی مجھ سے نہیں ملوگی۔" عدیل کی کڑی شرط نے مثال کے معصوم دل کو ہلا کر رکھ دیا۔

وہ پریشان سی باپ کو دیکھے گئی۔

"پاپا... میں آپ کو بھی نہیں چھوڑ سکتی۔ آپ کے ساتھ بھی رہنا ہے مجھے۔" پتا نہیں کہاں سے اس کے اندر ہمت آگئی۔ وہ باپ کا ہاتھ پکڑ کر ڈرے ہوئے لہجے میں بولی۔

عدیل اسے دیکھتا رہ گیا۔

اسے اس مسئلے کا کوئی حل نہیں سوجھ رہا تھا۔

"میں تمہارے کھانے کے لیے کچھ لاتا ہوں۔ تم بیٹھو۔" وہ تھکے ہوئے انداز میں کہہ کر باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" وہ بھونچکی سی احسن کمال کی شکل دیکھ کر رہ گئی۔ ذکیہ یوں کمرے میں بیٹھی تھیں جیسے وہاں موجود ہی نہیں۔

"اس کے بغیر بشریٰ! میرے لیے کوئی بھی قدم اٹھانا ممکن نہیں۔" وہ بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"اس طرح تو عدیل کو اور موقع مل جائے گا یہ کہنے کا کہ اب میں مثال کی بالکل بھی دیکھ بھال نہیں کر سکتی۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"صرف تم عدیل کا کیوں سوچ رہی ہو بشریٰ! تم مثال کا سوچو، اس کو حاصل کرنے کا یہی ایک راستہ ہے۔" ذکیہ جیسے اس کی دل جوئی کرتے ہوئے بولیں۔

بشریٰ بے بسی سے ماں کو دیکھ کر رہ گئی۔

اسے یہ تو معلوم تھا کہ یہ اس کی ماں کی بھی مرضی ہے۔ مگر وہ اس طرح یہ سب پورا کروانا چاہیں گی اسے یہ امید نہیں تھی۔

"جتنا سوچوگی اتنا الجھوگی۔" احسن نے نرمی سے کہا۔

"ہاں تو اور کیا، وہ سمجھتا ہے یہ تنہا اکیلی ہے، کمزور ہے، کچھ کر نہیں سکتی، وہ مرد ہے، طاقت ور ہے، سب کچھ کر سکتا ہے، جب اسے پتا چلے گا کہ اس کے ساتھ بھی کوئی کھڑا ہونے والا ہے، کوئی سہارا، کوئی مضبوط آسرا ہے تو دیکھنا اس کی ساری اکڑ، ساری شیخی جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گی۔" ذکیہ اسے دلیلوں سے قائل کر رہی تھیں۔

"امی!" وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پارہی تھی۔

"بشریٰ! تم اتنی پریشان ہو تو سوچو، مثال کتنی سہمی ہوئی ہوگی۔" اس نے اس کی کمزوری پر ہاتھ رکھا۔

"وہ معصوم تم دونوں کے جھگڑوں کو کیا سمجھے گی، مگر وہ تمہاری محبت کو سمجھتی ہے۔ اسے اپنے مضبوط ساتھ کا یقین دو یہ تب ہی ہو سکتا ہے۔ ممکن...؟" وہ جتانے والے انداز میں ممکن سے آگے خاموش ہو گیا۔ کمرے میں لمحہ بھر کو خاموشی سی ہو گئی۔

"مگر اس کے بعد بھی عدیل نے مجھے میری بیٹی واپس نہیں کی تو؟" بشریٰ کچھ دیر بعد بولی۔ "جبکہ میں ابھی بالکل بھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"تم کہنا چاہتی ہو کہ اس طرح نکاح کر کے تم پھنس جاؤ گی۔ اگر تمہیں بعد میں عدیل نے بچی واپس نہیں کی تو؟" احسن نے کچھ جھجکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

بشریٰ کچھ شرمندہ سی ہو گئی، کیونکہ اس کا مطلب یہی تھا۔

"تم فکر نہیں کرو، پھر... ہم یوں ہی نکاح اناؤنس کر دیتے ہیں۔ جھوٹ موٹ اور مثال کو حاصل کرنے کے بعد..."

"ہرگز نہیں... میں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔ خدانخواستہ نکاح، مذہب کوئی کھیل تو نہیں۔" ذکیہ کو لگا اگر یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو پھر بشریٰ کو نکیل ڈالنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جائے گا۔ احسن نے ذکیہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"نکاح ہوگا، ابھی اور اسی وقت ہوگا، ورنہ پھر کبھی نہیں، اس لڑکی کا کیا ہے، اسے تو اپنے برے بھلے کی کچھ تمیز نہیں۔" ذکیہ خم ٹھونک کر بولیں۔

"امی... میں ابھی ایسا کچھ نہیں سوچ رہی پلیز۔" وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بولی۔

ذکیہ کا جی چاہا اسے دو، تین لگائیں۔

"ٹھیک ہے چچی! آپ اسے مجبور نہیں کریں اور نکاح جیسے معاملے کو کسی بلیک میلنگ کے تحت ہماری زندگی میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔" احسن کمال نے اسے ایک بار پھر حیران کر دیا۔

وہ اتنا بردبار، اتنا متحمل مزاج کب سے ہو گیا۔ اسے سخت حیرت سی ہوئی تھی۔

"بلیک میلنگ، اللہ نہ کرے، کیوں کریں گے ہم۔ سیدھی بات ہے، اسے بچی چاہیے تو اس کے لیے یہ پاپڑ بیل رہے ہیں، اگر یہ نہیں چاہتی تو اور بھی اچھی بات ہے، وہ بھی اس کا باپ ہے، خدانخواستہ کوئی دشمن تو نہیں، بھلے اس کے پاس وہ رہتی رہے، کچھ نہیں ہوگا، بلکہ اچھا ہے، دو دھڑوں میں تقسیم ہونے کے بجائے وہ ایک گھر میں رہ جائے۔" ذکیہ نے جیسے معاملہ ہی آرپار کر دیا۔

احسن سر ہلا کر رہ گیا۔ بشریٰ گم صم سی تھی۔

یہ تو وہ کبھی بھی نہیں چاہتی تھی کہ مثال ہمیشہ کے لیے عدیل کے پاس رہ جائے چاہے وہ اس کا کتنا ہی خیال کیوں نہ رکھنے کا وعدہ کرے۔ اندر ہی اندر اس کی بھی یہی ضد تھی کہ اسے بھی عدیل کو یہ خوشی نہیں دینی، جس طرح سے وہ ناخوش ہے، عدیل نے اسے جیسے دھوکا دیا۔ ساری دنیا میں تماشا بنایا۔ وہ بھی اب اس کا بدلہ لے گی۔ کبھی اسے خوش نہیں ہونے دے گی۔

"چچی جان! میں کل اپنے گھر میں شفٹ ہو جاؤں گا سیفی کو لے کر۔ اب اتنے دن ہو گئے یہاں رہتے ہوئے۔ آپ لوگوں کو بہت تکلیف دی میں نے۔" وہ ذکیہ سے کہہ رہا تھا۔

"بچے! تیرا اپنا گھر ہے، تو نے ہمیں کیا تکلیف دینا تھی، بلکہ تیرے آنے سے تو جی ایسا خوش ہوا، تیری ماں زندہ ہوتی تو کیسا نہال ہوتی۔" ذکیہ آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے بولیں۔

"بشریٰ! تم فکر نہیں کرو، میں نے اپنے دوست سے بات کی ہے اور کل صبح ہم دونوں کی میٹنگ ہے اس کے ساتھ۔ اس نے امید تو دلائی ہے اور بچی تمہیں ہی ملے گی اور بہت جلد۔ اس میں زیادہ ٹائم نہیں لگے گا۔ یوں بھی میرے خیال میں مثال تمہارے ساتھ زیادہ اٹیچ ہے۔ اگر کوئی مرحلہ ایسا آیا بچی کی رائے پوچھنے کا تو وہ یقیناً"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تمہارے ساتھ رہنا چاہیے گی۔"

وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔ بشریٰ کا جی بھر آیا۔ وہ کیسا اس کا ہمدرد تھا اور وہ اس کی ایک بات بھی نہیں مان رہی تھی۔ کوئی خوشی بھی اسے نہیں دے رہی تھی۔

وہ تو جب سے آیا تھا مسلسل اس کی دل جوئی، اس کی تسلی کے بندوبست میں لگا تھا۔

اور پھر کل یہ چلا جائے گا۔ اس عالی شان گھر میں جسے دیکھتے ہی خوابوں میں کھو جانے کو جی چاہتا ہے۔

اور ہو سکتا ہے اُسے چند ہی دنوں میں کوئی اور بھی پسند آجائے اور یہ جس طرح فیصلے کرنے کا عادی ہے اگلے ہفتے ہی ہاتھ میں شادی کا کارڈ لیے ہوئے آجائے۔

اس کے بچے کو، اس کے گھر کو تو ایک عورت کی ضرورت ہے اور میں اکیلی کب تک اور کہاں تک عدیل کے ساتھ مثال کی کسٹڈی کی جنگ لڑوں گی۔

وہ زمانے بھر کا گھٹیا انسان... اگر اسے مجھ سے ذرا بھی محبت، ذرا بھی خیال ہوتا میرے دکھ کا احساس کر کے وہ خود ہی مثال کو مجھے دے دیتا، مگر وہ تو اسے مجھ سے بیدردی سے چھین کر لے گیا اور میں اس کی خاطر کب تک اچھی زندگی سے منہ موڑتی رہوں۔ لمحوں میں وہ وہاں بیٹھے بشریٰ نے بہت سے حساب کتاب لگا لیے۔

چچی جان! میں اب سونے کے لیے جا رہا ہوں۔ صبح مجھے جلدی اٹھنا ہے۔ ظاہر ہے گھر شفٹ کرنا آسان نہیں۔" وہ جانے کے لیے کھڑا تھا۔

"احسن... " وہ ایک دم سے کھڑی ہو گئی۔

دونوں سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"امی... میں ابھی... ابھی نکاح کے لیے راضی ہوں احسن کے ساتھ۔ کیونکہ میں مثال کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس کے بغیر زندگی بے معنی ہے میرے لیے۔"

کہتے کہتے وہ بے اختیار آگے بڑھ کر ماں کے گلے لگ کر رونے لگی۔

"میری بچی! میری بشریٰ! اللہ تیری جھولی خوشیوں اور میٹھی مرادوں سے بھرے، تیری گود ہمیشہ آباد رہے، تیری بچی کے دم سے۔" ذکیہ پر تو جیسے شادی مرگ طاری ہونے لگا۔

"اور وہ معصوم سا سیفی اسے ماں مل جائے گی۔ مثال کو باپ کا پیار مل جائے گا۔ تیری اس اجڑی اور دکھی زندگی میں اللہ کے فضل سے پھر بہار آجائے گی۔ اللہ میری دعائیں اس طرح سنے گا، مجھے یقین نہیں تھا، وہ بڑا مہربان ہے۔"

وہ بشریٰ کو ساتھ لگا کر کہنے لگیں۔

احسن کمال نے طمانیت بھرا گہرا سانس لے کر بشریٰ کی طرف دیکھا۔ اس کی اتنے دنوں کی محنت رائیگاں نہیں گئی تھی۔

"احسن بیٹا! عمران کو بلاؤ، میرے خیال میں سادگی سے ابھی نکاح کر دیتے ہیں، پھر تم دونوں اکٹھے وکیل سے ملنا۔ میاں بیوی کی حیثیت سے۔ دیکھنا کیسے وہ عدیل بھیگی بلی بنتا ہے پھر... " ذکیہ کے دل کی کلی کھل اٹھی تھی۔

☆ ☆ ☆

"پاپا... مما... شادی کر رہی ہیں... احسن انکل سے... وہ اچھے ہیں... بہت... مگر پاپا! وہ آپ تو نہیں۔" مثال باپ کے چہرے پر اپنے ننھے ننھے ہاتھ پھیرتے ہوئے آنکھوں میں نمی لیے سونے سے پہلے کہہ رہی تھی۔

"کاش میں اپنی بیٹی کو اس امتحان میں کبھی نہ ڈالتا۔" وہ رونا چاہتا تھا۔ مثال کو تسلی دینا چاہتا تھا کہ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ مگر وہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔ بس ٹکر، ٹکر مثال کو دیکھتا رہا۔

"پاپا! کیا وہ دوسری شادی کر لیں گی۔ پھر... میں کہاں جاؤں گی؟" وہ نیند سے پہلے معصومانہ لہجے میں سوال کر رہی تھی اور آج عدیل کے پاس اس کے کسی سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ ایسا ہر حق خود کھو چکا تھا۔ جس سے وہ بشریٰ کو ایسا کوئی بھی قدم اٹھانے سے روکے، جس سے مثال کی نفسیات پر، اس کی ذات پر اتنے برے اثرات پڑیں۔

"پاپا... آپ مما سے پھر شادی کر لیں۔ ہم سب پھر ایک ساتھ رہنے لگیں... کیا ایسا نہیں ہو سکتا؟" اس کا معصوم ذہن یہی حل نکال سکا تھا۔

عدیل پھر بھی کچھ نہیں کہہ سکا، بس دیکھتا رہا۔ مثال جیسے اپنے ہی سوالوں کی بازگشت سنتے سنتے تھک گئی۔ اس نے پلکیں موند لیں اور ذرا دیر میں بچپن کی معصوم نیند اس پر طاری ہو گئی۔

عدیل اس کے پاس گم صم سا بیٹھا رہا۔

وہ تو دن بھر یہی سوچتا رہا تھا کہ وہ مثال کو بشریٰ سے چھین لے گا، تو وہ ایک بار پھر برباد ہو جائے گی۔ تباہ ہو جائے گی۔ اسے خوب مزہ ملے گا عدیل سے علیحدگی کا۔ مگر اس نے تو ایک بار بھی نہ تو فون کیا، نہ مثال کو لینے آئی۔

"کیا میں نے مثال کو یہاں لا کر اس کے دل کی مراد پوری کر دی، کیا وہ یہی چاہتی تھی؟" اس کا دماغ جیسے اس سوال کو سوچتے ہوئے ٹھٹک سا گیا۔

"وہ دوسری شادی کر رہی ہے، اسے اب مثال کی کیا پروا، وہ نئی زندگی میں اسے تو ایک وبال ہی سمجھے گی نا۔" میں نے مثال کو یہاں لا کر اس کے دل کی خوشی پوری کر دی۔ یہ خیال اور بھی سکون برباد کر دینے والا تھا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے 4 خوبصورت ناول

میرے خواب لوٹا دو

نگہت عبداللہ
قیمت -/400 روپے

کسی راستے کی تلاش میں

میمونہ خورشید علی
قیمت -/350 روپے

شریک سفر

زہرہ ممتاز
قیمت -/550 روپے

ساری بھول ہماری تھی

راحت جبیں
قیمت -/300 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کا جی چاہا ابھی اور اسی وقت مثال کو اٹھا کر وہیں چھوڑ آئے جہاں سے لے کر آیا تھا۔
اور بشریٰ بھی بھی دوسری شادی کی خواہش پوری نہ کر سکے۔ وہ مٹھیاں بھینچے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

سادگی سے دو گھنٹے کے اندر دونوں کا نکاح ہو گیا۔ بشریٰ نے جو سوچا نہیں تھا وہ لمحوں میں ہو گیا۔
وہ۔ اس نے تو یہی سوچا تھا کہ زندگی بھر وہ عدیل کے سوا کسی اور کا نہیں سوچے گی۔
مگر اب نکاح کے پیپرز پر دستخط کرتے ہی اسے لگا جیسے وہ ہمیشہ سے صرف احسن کمال کی تھی۔ عدیل تو یوں ہی دونوں کے درمیان آگیا تھا۔
یہ بیچ کے آٹھ سال تو یوں ہی بیچ میں آگئے تھے۔ ورنہ وہ دونوں تو شروع سے ایک تھے۔
احسن کمال کے چہرے پہ اسے دیکھ کر خوشی بھی تھی اور اطمینان بھی۔
ذکیہ کو تو جیسے دو جہانوں کے خزانے مل گئے تھے۔
اتنا بڑا پہاڑ جو انہوں نے سوچا تھا کہ ان کے سینے پر آپڑا ہے' اب کبھی نہیں اترے گا' اتنی آسانی سے سب ہو گیا۔ وہ بشریٰ کو گلے لگائے پیار کر رہی تھیں۔
عمران بھی خوش تھا کہ ان کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ تھا یہ جو حل ہو گیا۔ اب اس کی اپنی شادی کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔
اور احسن کمال کو لگ رہا تھا' وہ جس مقصد کے لیے پاکستان آیا تھا' وہ مقصد بہر حال پورا ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"پاپا! کیا آپ مجھے اسلام آباد لے کر جا رہے ہیں۔" مثال' باپ کی مسلسل خاموشی سے کچھ سہمی ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے مثال کے اور اپنے کپڑے تیار ہونے کے لیے نکال چکا تھا۔ خود تیار ہو چکا تھا' مثال کی مدد کر رہا تھا۔
"پاپا۔ بتائیں نا؟" وہ اس کی چپ پہ پھر بولی۔
"نہیں۔" اسے کہنا پڑا۔ مثال کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ الجھے ہوئے بالوں کو بمشکل سلجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔
"یہ مما سلجھاتی ہیں اور پونی بناتی ہیں۔ مگر یہ مجھ سے نہیں ہو رہے۔" اس نے تھک کر برش بیڈ پر پھینک دیا۔
"اوکے۔ بال ایسے ہی رہنے دو' پونی نہیں بناؤ' ہیئر بینڈ لگا لو۔" عدیل نے اسی سنجیدگی کے ساتھ اسے ہیئر کیچر پکڑا دیا۔
اور خود بیٹھ کر جوتے پہننے لگا۔
"تو ہم کہاں جا رہے ہیں؟" وہ پھر اسی سوال سے الجھتے ہوئے بولی۔
"تم کہاں جانا چاہتی ہو؟" عدیل نے سر اٹھائے بغیر پوچھا۔
مثال اندازہ نہیں کر سکی کہ عدیل نے کس موڈ میں پوچھا ہے۔ وہ جو جواب دینا چاہتی ہے۔ اسے سن کر پاپا کو غصہ آجائے گا یا نہیں' وہ خاموش رہی۔ آہستگی سے وہ باپ کے پاس آکر کھڑی ہو گئی اور اس کے سر اٹھانے کا انتظار کرنے لگی۔
"پاپا!" وہ باپ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہولے سے بولی۔ عدیل نے آہستگی سے اسے اٹھا کر گود میں بھر لیا۔ عدیل کے چہرے پر خوف ناک سی سنجیدگی تھی۔ مثال کو خوف بھی آ رہا تھا' مگر ترس بھی' اس کے پاپا کتنے کمزور ہو گئے تھے۔

پہلے کتنا ہنستے تھے' مسکراتے تھے اور اب تو اس نے انہیں کبھی ذرا سا بھی خوش ہوتے نہیں دیکھا۔
لیکن مما تو احسن انکل کے ساتھ ہنستی بھی ہیں' شاپنگ بھی کرتی ہیں' انجوائے بھی کرتی ہیں۔ اور پاپا۔ بے چارے۔ اسے باپ کی شکل دیکھ کر رونا آ رہا تھا۔
"نہیں۔ میرے پاپا بے چارے نہیں ہو سکتے۔" اسے اپنی سوچ پر خود ہی غصہ آگیا۔
"پاپا ایک بات بولوں۔ آپ غصہ تو نہیں کریں گے۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔
"نہیں میری جان! آپ جانتی ہو' پاپا آپ کی بات پر غصہ نہیں ہوتے۔" وہ اسے پیار کر کے بولا۔
"نہیں۔ اس بات پر غصہ ہو سکتے ہیں۔"
"مثال! کیا بات ہے' بتاؤ مجھے۔"
"ہم ابھی تیار ہو کر کہاں جا رہے ہیں؟" شاید وہ بات کہنے کے لیے اسے کچھ اور وقت درکار تھا۔
"تمہاری مما کے پاس۔" عدیل نے سنجیدگی سے کہا۔ مثال بے یقینی سے باپ کی طرف دیکھنے لگی۔
"واقعی پاپا۔ ہم ماما کے پاس جا رہے ہیں۔"
"صرف تم۔ تمہیں میں وہاں چھوڑنے جا رہا ہوں۔" وہ تصحیح کرتے ہوئے بولا۔ مثال کا چہرہ اتر سا گیا۔
"جی۔ میں جانتی ہوں۔" وہ آہستگی سے کہہ کر گود سے اتر آئی۔
"میری بیٹی کون سی بات کہنے والی تھی ابھی۔" عدیل کو یاد آیا۔ مثال خاموش اسے دیکھنے لگی۔
"جان! میں نہیں ناراض ہوں گا۔ نہیں ڈانٹوں گا' پرامس' آپ بولو' کچھ چاہیے پیسے' کھلونے یا کچھ بھی۔" وہ پیار سے بولا۔
"کچھ بھی نہیں پاپا۔ ان میں سے۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"تو پھر؟"
"پاپا۔ آپ بہت اچھے ہیں بہت اچھے۔" وہ باپ کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولی۔ یہ اس کی مخصوص عادت تھی' جب باپ پر بہت پیار آتا تھا تو وہ ایسے ہی کرتی تھی۔
"اوکے۔ اب بول دیجئے۔ یہ سب کیوں کہا جا رہا ہے۔" وہ اسے چوم کر بولا۔
"پاپا! آپ ہنسا کریں' مما کی طرح۔ وہ بھی احسن انکل کے ساتھ خوش رہتی ہیں۔ آپ۔ بھی آپ بھی شادی کرلیں۔" کہہ کر وہ ڈرے ہوئے انداز میں باپ کو دیکھنے لگی۔ عدیل اسے دیکھتا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

بشریٰ خوب صورت ساڑھی' میچنگ جیولری اور میک اپ کے ساتھ تیار حلیے میں احسن کمال کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ رہی تھی' جب کھلے گیٹ سے مثال دوڑتی ہوئی اندر آئی اور اس سے لپٹ گئی۔ بشریٰ نے گیٹ پر کھڑے عدیل کو دیکھا' جو یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

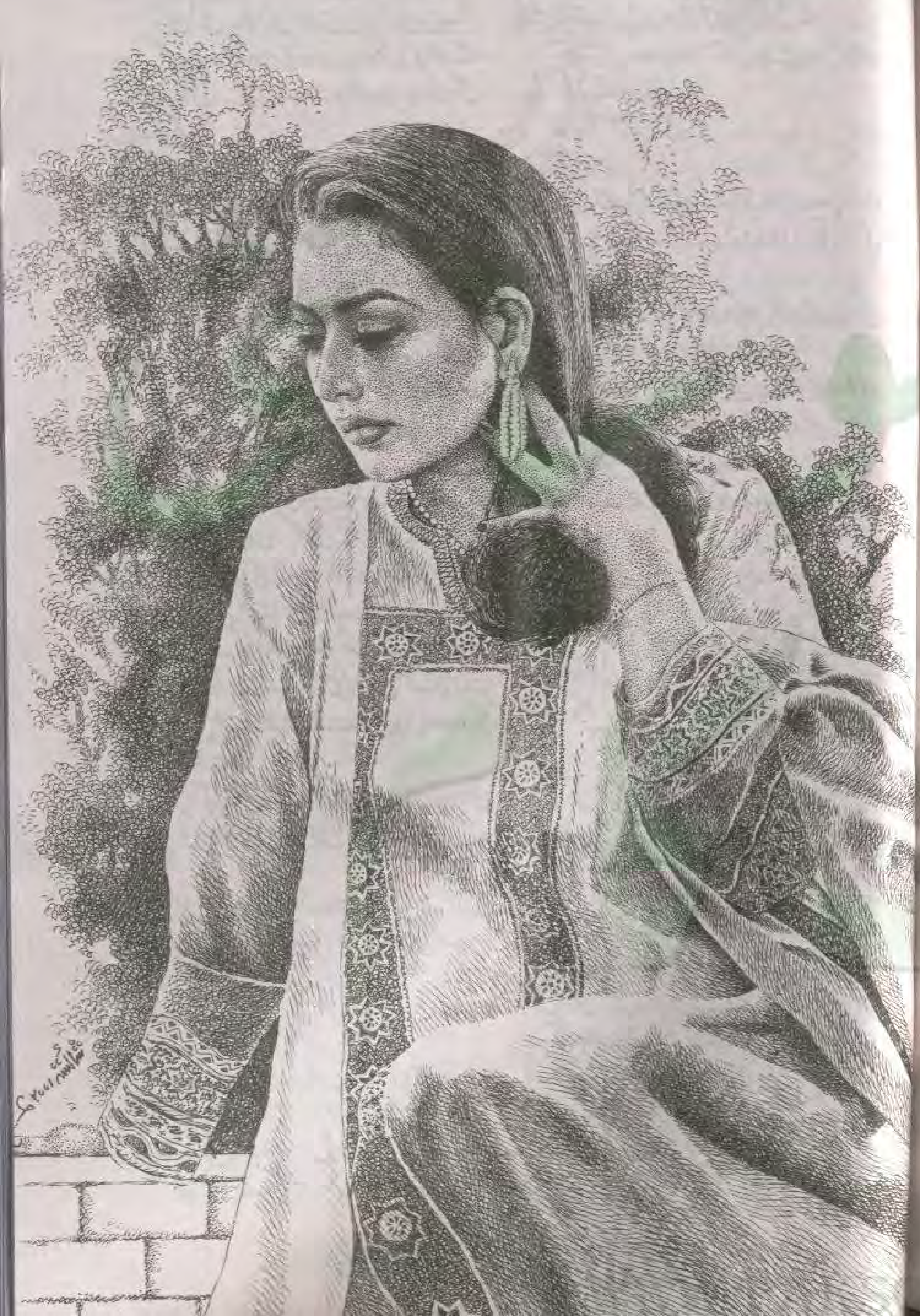

نزہت شبانہ حیدر

عزت کا دیا

موسم کے آثار ٹھیک نہیں تھے۔ کبھی بارش کا سماں بندھ جاتا اور کبھی تیز دھوپ۔

"تم کراچی والوں کے مزے ہیں۔" ارفع، رامین سے کہہ رہی تھی۔

"اسلام آباد والوں کو ایسا ہی لگتا ہے۔" رامین نے جل کر کہا۔

"فوہ لڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔" امی نے پالک کے پتے چنتے ہوئے رامین کو گھورا۔ اب سامنے ارفع بیٹھی ہوئی تھی۔ زبان سے کہہ نہیں سکتی تھیں۔ حالانکہ ارفع کے آنے سے پہلے وہ دو دن تک رامین کو

ناولٹ

حفظ کرا چکی تھیں۔ کہ اسے کس طرح رہنا ہے اور کیسی باتیں کرنی ہیں۔

انہیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے تھی کہ وہ رامین تھی۔

کچھ تو پہلے ہی اس کا مزاج نہ سمجھ میں آنے والا اور پھر۔ جب سے ہنیہ آئی تھی وہ نہ جانے اس کو کیا کیا پٹیاں پڑھاتی رہتی تھی کہ رامین نے جو تھوڑی بہت بات سننے کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا۔ اس سے بھی ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

اماں سے بات کرنی ہوگی۔ ہنیہ کو دوسرا کمرا دے دیں۔ وہ لائبہ کے ساتھ بھی رہ سکتی تھی۔ وہی زیادہ بہتر ہوتا کیونکہ لائبہ کو تو کسی بھی چیز سے فرق پڑنے والا نہیں ہے۔

وہ یہ ساری باتیں سر جھکائے سوچے جا رہی تھیں اور انہوں نے دیکھا بھی نہیں کہ پالک کے کتنے ہی خراب پتے وہ صاف کی ہوئی پالک میں ڈال چکی ہیں۔

☼ ☼ ☼

رات کو انہوں نے اماں جان سے بات کی لیکن انہوں نے منع کر دیا۔

"ہنیہ بہت ہی بے ضرر لڑکی ہے۔ اس کی وجہ سے کوئی کیا خراب ہوگا۔ یہ البتہ ہو سکتا ہے کہ لوگ اسے خراب کر دیں۔" یہ جملہ گو کہ انہوں نے سادگی سے ہی کہا تھا مگر اہی کو لگ گیا۔

Y.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اماں! آپ بھی انصاف کی بات نہیں کرتیں۔"

"دلہن! میں نے ایسی کون سی بات کردی ہے۔ تم بلاوجہ کا بیر باندھ لو تو دوسری بات ہے۔ اگر کسی اندھے کو بھی بتاؤ گی کہ تمہیں ہنیہ سے شکایت ہے تو وہ بھی یہی کہے گا۔"

"اماں! آپ سمجھ نہیں رہی ہیں۔ مجھے ہنیہ سے شکایت نہیں ہے۔ اصل میں ہنیہ اتنی سادہ ہے کہ رامین نے اپنی پوری توجہ اس کی طرف مبذول کرلی ہے کہ کسی طرح اسے بھی نئے زمانے کے مطابق ڈھال لے۔ اس کی وجہ سے ایک تو اس کی توجہ پڑھائی سے ہٹ گئی ہے اور دوسری بات یہ کہ آپ تو رامین کو جانتی ہیں نا۔ پہلے ہی وہ کب کسی کی بات سنتی ہے اور اگر اس کا یہ تجربہ کامیاب ہوگیا۔ تو پھر آپ سمجھ ہی لیں۔"

"ہائیں!" اماں نے پان دان بند کرتے ہوئے حیرت سے کہا۔ "میں کیوں سمجھوں' اگر سمجھنا ہے تو تم سمجھو' جب بچوں کی تربیت کا وقت تھا۔ اس وقت میری کسی بات پر تم نے کان دھرے تھے۔ ہر بات کے جواب میں ایک گھڑا گھڑایا جملہ تمہارے پاس ہوتا تھا "کہ اماں وہ پرانے زمانے کی باتیں تھیں' اب نیا زمانہ ہے۔" تو بس اب نئے زمانے سے فیض یاب ہو۔ رونا کس بات کا ہے؟"

"اماں! آپ بھی نا بس۔ فوراً "میری ساس بن جاتی ہیں۔ پرانی پرانی باتیں پتا نہیں کہاں سے نکال لیتی ہیں۔"

"دلہن۔ ہوں تو میں تمہاری ساس ہی نا۔" اماں نے مسکراتے ہوئے پان ان کی طرف بڑھایا۔

"خیر ابھی تو یہ کھاؤ۔ پھر کچھ کرتے ہیں۔"

☼ ☼ ☼

"ہنیہ! وہاں تمہارے گاؤں ٹنڈو آدم میں ٹنڈوں کے علاوہ اور کیا کچھ ملتا تھا۔" عنایہ کا سوال تو بس یونہی سادہ سا تھا لیکن ہنیہ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"سمجھ میں نہیں آتا ہر سوال کے جواب پر اس کا منہ اتنا لال کیسے ہوجاتا ہے۔ ہم تو اتنا مہنگا بلش آن بھی لگالیں۔ تب بھی ایسی سرخی نہیں آتی۔"

"تو بیٹا! اس کے لیے وہ ہونی چاہیے۔" رامین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟" عنایہ چڑ گئی۔

"شرم و حیا۔"

"پلیز رامین!" شرمین نے ہاتھ جوڑے۔ "وقت کے ساتھ چلنا سیکھو۔ اور اس شرم و حیا کی پتلی کو بھی کچھ سکھاؤ۔"

"میں اسے سب سکھادوں گی۔ لیکن میں یہ کبھی نہیں چاہوں گی کہ اس کی یہ صفت ختم ہو۔"

وہاں مختلف تبصرے تھے۔ تجزیے تھے مگر ہنیہ کو یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسے موضوع گفتگو بننے سے ہمیشہ الجھن ہوتی تھی۔

اور قسمت گھوم پھر کر یہی سب کچھ کرتی تھی اس کے ساتھ۔

☼ ☼ ☼

"توبہ توبہ۔" تائی جان نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ "عارفہ خود تو اس دنیا سے چلی گئیں اور ہمارے سر پہ عذاب چھوڑ گئیں۔ کیسی تربیت کی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

نہ جانے وہ پریشان زیادہ تھیں یا اداکاری اچھی کررہی تھیں۔ ہنیہ فوری طور پر سمجھ نہیں پائی اور ابھی اس کا جواب دینے کا بھی کوئی ارادہ نہیں تھا۔

ابھی اس نے ڈھیر سارے پاپ کارن کھائے تھے اور پتا نہیں اریبہ نے اتنے سخت پاپ کارن بنائے تھے کہ اس کا منہ ہی دکھ گیا تھا۔ اس نے اریبہ کو بھی چار باتیں سنائی تھیں۔ جو اریبہ نے سر جھکا کر سن لی تھیں اور تائی جان نے یہ دیکھ لیا تھا۔ ان کو تو جیسے آگ ہی لگ گئی۔ فوری طور پر ان کو سمجھ میں نہیں آیا کہ ہنیہ کا کیا کریں۔ اس کی گردن دبائیں یا پھر پنکھے سے اس کو الٹا لٹکادیں۔ پھر کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو اریبہ کے پیچھے پڑ گئیں۔

"یہ کون سی جائیدادیں لکھوا کرلے کر آئی ہے جو تم یوں سر جھکائے تابع داری سے ان بی بی کی تقریر سن رہی تھیں۔"

"وہ امی۔" اریبہ بوکھلا گئی۔ "آپ خاموش ہوجائیں۔ آپ کو کچھ نہیں پتا۔"

"ہاں ایک مجھے ہی اس گھر میں کچھ نہیں پتا۔ باقی سب کو سب کچھ پتا ہے۔" تائی جان کا غصہ ایسا ہی برا ہوتا تھا اور خیر سے ہنیہ کے لیے تو ہوتی ہی یہی ایک چیز تھی۔ یہ اور بات کہ اگر کوئی اجنبی بندہ اس گھر میں آجاتا تو وہ پتا نہیں چلا سکتا تھا کہ اس سارے ڈرامے میں کون مظلوم ہے اور کون ظالم۔

اللہ تعالیٰ خود ہی کسی کے دل میں ہمدردی اور محبت ڈال دیں تو دوسری بات ہے۔ ورنہ حال یہ ہے کہ جو پہلے ہی دیوار سے لگا ہو۔ اسے اور بھی دیوار سے لگادیا جائے۔ اور جو پلٹ کر جواب دے اسے کہنے سے پہلے چار دفعہ ضرور سوچا جائے۔

اور خدا جانے وقت کے کس گزرتے لمحے میں ہنیہ نے یہی رنگ سیکھ لیا تھا۔ وہ بڑی تائی کی ہر ڈانٹ پھٹکار کو چپ چاپ سن لیا کرتی تھی اور جب جواب دینا ہوتا تو جواب بھی دے دیتی اور جو دل چاہتا وہ کام بھی کرلیتی مگر جن کی عادتیں ہی خراب ہوجائیں۔ اس کا کیا علاج۔ تائی جان ۔ پیچ و تاب ہی کھا کر رہ جاتیں۔ اس پر ان کی خوب صورت اولادیں۔ جو ہنیہ کی وفاداری کا ایسے دم بھرتیں۔ جیسے انہوں نے حلف اٹھایا ہوا ہو۔ وہ چڑ جاتیں۔ غصہ ہوتیں مگر نتیجہ کوئی نہیں نکلتا۔ زیادہ غصہ ہوتیں تو اریبہ بھی آگے سے جواب دے لیتی۔

"کاش امی! آپ کو پتا ہوتا کہ ہمیں یہ سب کچھ کیوں کرنا پڑتا ہے۔"

"کیوں کرنا پڑتا ہے۔ کیا ہم نے اس کی جائیداد پر قبضہ کیا ہوا ہے؟"

"کاش وہی کرلیتیں۔ تو یہی سوچ لیتے کہ چلو کچھ تو ہاتھ آیا ہے لیکن بلاوجہ جو جہنم کے شعلے دہکائے جارہے ہیں تو ان کو بجھانے کی ہلکی سی کوشش ہے یہ۔ ہمارے مذہب میں جس قدر یتیموں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم ہے۔ ہم اس قدر ظالم ہوجاتے ہیں۔"

"تم مجھے ظالم کہہ رہی ہو۔"

"نہیں میں ایک عمومی بات کررہی تھی۔" اریبہ سہولت سے بات سمیٹتی مگر اس وقت تک تائی جان کا غصہ اچھی طرح کھل چکا ہوتا تھا۔

اریبہ کو بھی پتا تھا۔ ہوتا کچھ نہیں ہے۔ سب ہی کو اپنی فرسٹریشن نکالنی ہوتی ہے اور اس فرسٹریشن میں وہی ہاتھ آتا ہے۔ جو کمزور ہو۔ اور ہنیہ جواب بھی دے لیا کرتی تھی لیکن اس سے آگے اس کے بھی پر جلتے تھے۔ اس لیے اریبہ نے بھی کبھی اسے سمجھایا نہیں کہ وہ جو غصے میں کبھی اودھ بلاؤ بن جاتی ہے۔ یہ چیز کبھی نہ کبھی اسے ضرور نقصان پہنچائے گی۔

☼ ☼ ☼

"ہنیہ ادھر آؤ۔" رامین نے اسے کھڑکی میں بلایا۔

"ہاں کہو۔" ہنیہ نے اپنے نوٹس بند کیے۔ اور اس کے پاس ہی آکر کھڑکی میں ٹک گئی۔

"نیچے لان میں دیکھو غور سے۔"

"ہاں دیکھ لیا۔ عمار اور کوئی لڑکی ہے۔ دونوں باتیں کررہے ہیں۔" اس نے سادگی سے کہا۔

"یہ کوئی لڑکی نہیں ہے۔" رامین نے سر پیٹا۔ "یہ عمار کی دوست ہے۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔" ہنیہ نے بے زاری سے کہا۔

"تم کچھ نہیں کرو بے وقوف! صرف یہ کہ عمار کی باتوں میں نہیں آنا۔ میں عمار کی برائی نہیں کررہی ہوں۔ مگر عمار کی ایک عادت ہے' وہ بہت حسن پرست ہے اور تم بہت حسین ہو۔ اور بے وقوف بھی۔"

"کاش! میں تمہیں بتا سکتی کہ اس میں صرف ایک بات صحیح ہے۔" ہنیہ نے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے سوچا۔ وہ اپنی ذہانت کو چھپا سکتی تھی۔ لیکن حسن کا کیا کرتی۔ جو پرانے کپڑوں میں بھی یوں چمکتا کہ اسے خود سے بھی نظریں چرانی پڑجاتی تھیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کچھ باتیں وقت سے پہلے ہی بتانی پڑتی ہیں۔"

"کیا فرق پڑجاتا ہے۔" ہنیہ نے چپکے سے سوچا۔ "جو چیز مقدر میں لکھی ہے وہ تو ہو کر رہے گی۔ چاہے اسے بتایا جائے یا نہیں۔"

اس کی عمار سے تین یا چار ملاقات ہوئی تھی۔ اس کا شمار ان لوگوں میں تھا۔ جو اپنی جگہ بناتے نہیں ہیں۔ ان کی جگہ بنی ہوئی ہوتی ہے پہلے ہی سے ان کو اللہ میاں نے زمین پر اسی لیے اتارا ہوتا ہے کہ بس وہ لوگوں کے دلوں میں رہیں۔ اتنی ساری خصوصیات کا ایک جگہ جمع ہونا بھی عطیہ خداوندی ہے۔ ہنیہ نے ٹھنڈی سانس لی۔ بعض لوگ کتنے نوازے ہوئے ہوتے ہیں ہر چیز سے، ہر تعلق سے، ہر رشتے سے اور ان میں آخری چیز ایسی تھی۔ جس پر ہنیہ کو رشک آتا تھا۔ انسان کے پاس کچھ نہ ہو۔ بے لوث رشتے ہوں تو بس پھر زندگی سے کسی کو کیا شکایت ہو سکتی ہے۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے فوراً" اپنی سوچوں کو چھپالیا۔

"لیکن میں نے ابھی دیکھا تھا تمہارے چہرے پر بڑی گہری سوچ تھی۔" رامین نے حیرانی سے کہا۔

"تو کیا ہوا۔" ہنیہ نے پھیکی سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔ "میں کیا کچھ سوچ نہیں سکتی۔ ویسے ایک بات کہوں۔ یہ جو عمار صاحب ہیں۔ یہ آپ کے خاندان کے عاطف اسلم لگتے ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تو رامین ہنس دی۔

"دیکھ لو۔ بس یہی حال ہو گیا ہے ہم لڑکیوں کا۔ عاطف اسلم سے آگے سوچ جاتی نہیں ہے۔"

"تو سوچ جا بھی نہیں سکتی رامین جی! ہماری تو نسلوں کو برباد کیا جارہا ہے۔ پتا نہیں ہمیں کن چیزوں میں الجھا دیا گیا ہے کہ ہماری نسل ان سے نکل ہی نہیں پاتی۔ آپ بھی تصور تو کریں۔ ایک ایک ہزار ایس ایم ایس کے جو پیکجز دیے جاتے ہیں وہ کیوں دیے جاتے ہیں۔ جنھوں نے کل ملک سنبھالنا ہے۔ وہ ساری رات فون پر ہوتے ہیں اور جب پڑھائی کا ٹائم ہوتا ہے تو دل دماغ کھویا ہوا۔ وہ کیسے پڑھیں گے۔ یہ ہمارے نوجوانوں کے خلاف کتنی گہری سازش ہے۔ یہ کون بتائے گا۔"

"تم تقریر کررہی تھیں؟" رامین نے حیرت سے کہا۔

"نہیں۔ میں یہ مضمون پڑھ رہی تھی۔" ہنیہ نے میگزین بند کرتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

"اُف۔" رامین نے گہری سانس لی۔ "میں تو ڈر گئی تھی کہ شاید تم نے کچھ زیادہ ہی سیکھ لیا ہے۔" ہنیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف مسکرا کر رہ گئی۔

"واؤ۔" رامین نے اسے دیکھا۔ "تمہاری مسکراہٹ کتنی خوب صورت ہے۔ سچ بتانا۔ وہاں تمہارے ددھیال میں کسی نے تمہیں انگیج تو نہیں کیا؟"

وہ مسکرا دی۔

"تم ہر بات کے جواب میں مسکراتی کیوں ہو یار! جواب دینا سیکھو۔"

"جی! آپ صحیح کہتی ہیں۔ مجھے بھی یہ بات سمجھ میں آگئی تھی اور کسی اور کو بھی۔"

"کیا مطلب!"

"کچھ نہیں رامین جی!" ابھی آدھی بات اس کے منہ میں تھی کہ زیم کمرے میں داخل ہوئی۔

"چلیں جی آپ لوگ شام کو بھی کمرے میں ہی بیٹھی ہوئی ہیں۔ باہر آکر دیکھیں۔ کتنا مزا آرہا ہے۔ عمار بھائی سب کو لے کر جارہے ہیں۔"

"اچھا کہاں؟" رامین نے اشتیاق سے پوچھا۔

"اب یہ تو مجھے نہیں پتا۔" زیم نے اپنے بالوں کو پیچھے کی طرف جھٹکا دیا۔

"آجاؤ فٹافٹ۔" رامین اسے پیچھے آنے کا اشارہ کرتی چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

موسم اچھا ہو رہا تھا۔ سب ہی لوگ مصروف تھے۔ وہ بھی سمندر میں صرف پاؤں ڈالے بیٹھی تھی۔

دور کھڑے عمار نے اسے یوں اکیلا دیکھا تو اس کے پاس ہی آگیا۔

"آپ پانی میں کیوں نہیں جارہی ہیں کیا ڈر لگ رہا ہے؟"

"میری مرضی۔" اس نے مختصراً" کہا۔ اس نے صرف دو لفظ کہے تھے۔ مگر یہ وہ جواب تھا جو عمار نے کبھی سنا نہیں تھا۔ لڑکیاں اس سے بات کرنا چاہتی تھیں۔

"آپ واقعی سمندر دیکھ کر ڈر گئی ہیں؟"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" ہنیہ نے ابھی بھی مختصراً" ہی کہا۔ "ڈرنا صرف انسان کو انسان سے چاہیے آپ جائیں۔ پیچھے لوگ آپ کو آوازیں دے رہے ہیں۔"

"او کے۔" وہ جاتے جاتے مڑ کر بولا۔ "آپ بھی آجائیں۔ اکیلی بیٹھی ہوئی ہیں۔" اسے مجبوراً" اٹھنا پڑا۔

ان دونوں کو ساتھ آتا دیکھ کر لائبہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ وہ تیر کی طرح اٹھ کر دونوں کے قریب آئی۔

"عمار! میں اتنی دیر سے تمہارا انتظار کررہی تھی۔"

"خیریت کس لیے!" اس نے کندھے اچکائے تو لائبہ کی جان جل گئی۔ وہ ہمیشہ سے ہی ایسا تھا۔ پھر پتا نہیں کیوں وہ اس پتھر کے ساتھ سر پھوڑ رہی تھی۔

"یونہی۔"

"یونہی کوئی کام نہیں کرتے۔ سوال کے جواب میں آپ کے پاس کوئی مضبوط دلیل ہونی چاہیے۔"

"بہت سارے کاموں کی دلیل نہیں ہوتی۔" رامین نے لائبہ کو مشکل سے نکالا۔

"تو پھر وہ کام بھی نہیں کرنے چاہئیں۔" اس کے لہجے میں کوئی ایسی چیز تھی۔ جس نے لائبہ کو سلگا کر رکھ دیا لیکن وہ خاموش رہی۔ محبت کرنے والوں کو شاید پہلا سبق برداشت کا ہی پڑھ لینا چاہیے۔ اگر رامین اس وقت یہ جملہ سن لیتی تو کہتی پہلا کیوں، اگر سامنے عمار جیسا بندہ ہو تو پہلے سے لے کر آخری سبق تک صرف برداشت کا ہی لفظ پڑھنا ہی نہیں، رٹ بھی لینا چاہیے۔

اور رامین تو اتنی گھامڑ تھی کہ اس کے خیال میں لائبہ کو محبت، وحبت کچھ نہیں ہے۔ بس یہ ہے کہ عمار جیسا بندہ اگر لائف میں مل جائے تو بس لائف سیٹل ہو جائے گی۔

رامین کی بات پر لائبہ کم دھیان دیتی تھی۔ اس کا خیال تھا۔ یا تو اس کو بچپن میں دوا انجکشن زیادہ لگ گئے تھے یا دو کم۔ اور اب تو خیر ہنیہ کی شکل میں اسے ایک مشق ستم مل گیا تھا۔ جسے اپنے تئیں وہ نئے زمانے کی کوئی گلیمرس لڑکی بنانے میں لگی رہتی تھی۔ خیر لائبہ کو ہنیہ جیسی لڑکی سے خطرہ تو کوئی نہیں تھا۔ لیکن اسے عمار سمجھ نہیں آرہا تھا۔ وہ کیوں ہنیہ کے ناز نخرے اٹھا رہا تھا۔ حالانکہ وہ صرف چند باتیں کرتا تھا یا پھر اس کی کوئی ضرورت پوچھ لیتا تھا۔ لیکن چونکہ یہ کام عمار کرتا تھا تو بڑی بات تھی۔ لائبہ کو اسی لیے غصہ آتا تھا۔ اس کا دل چاہتا۔ جہاں سے یہ لڑکی آئی ہے۔ وہاں واپس چلی جائے لیکن دادی جان کی وجہ سے اب یہ بھی ناممکن تھا۔ اسی بات پر دو دفعہ اس کا ماں سے بھی جھگڑا ہو چکا تھا۔ وہ الگ پریشان تھیں۔

"کیا میں نے اسے بلایا ہے فون کرکے یا خط لکھ کر۔ اس کے ددھیال والے زبردستی اسے چھوڑ کر گئے ہیں تو کیا اٹھا کر باہر پھینک دیں۔ اور پھر تمہاری دادی جو اس کی نانی ہیں۔ انہوں نے تو اسے ایسا اپنے پروں میں چھپایا ہے کہ اللہ معافی بھئی۔ جیسے ہم لوگ کوئی بڑے ظالم لوگ ہیں۔"

"اُفوہ۔" لائبہ جھنجلا گئی۔

"امی! آپ تو پوری تقریر شروع کردیتی ہیں۔ آپ پلیز رامین کو سمجھائیے۔"

"میں کسی کو نہیں سمجھا سکتی۔ رامین سے کہو تو وہ کہتی ہے میں کوئی غلط کام تو نہیں کررہی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ جہاں ہم سب کزنز ایک ساتھ کھڑے ہوں۔ تو وہ ہمارے جیسی ہی لگے۔ ہم سے الگ کسی اور سیارے کی مخلوق نہ لگے۔"

"ہونہہ۔" لائبہ نے منہ بگاڑا۔ "رامین کے اندر مدر ٹریسا کی روح آگئی ہے۔ ایک دفعہ یہ سمسٹر میں فیل

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہو جائے۔ پھر دیکھیے گا۔ میں اس کی کتنی بے عزتی کرتی ہوں۔"

"ہوش میں آؤ۔ تم اپنی بہن کے متعلق بات کر رہی ہو۔" امی کو غصہ آگیا۔

"ہاں تو بہن کو بھی تو دیکھیے۔ مجال ہے جو اس نے کبھی میرا احساس کیا ہو۔" رامین پر تو اثر ہونا نہیں تھا۔ لائبہ نے اپنی توجہ عمار پر اور زیادہ مرکوز کر دی۔ وہ پہلے بھی اس کا خیال کرتی تھی کیونکہ کبھی بہت پہلے بڑی تائی یعنی عمار کی امی نے کہا تھا کہ "یہ جاپانی گڑیا تو بس میرے عمار کی دلہن بنے گی۔" بس وہ ایک بات تھی اور یونہی ختم بھی ہو گئی۔ سب بھول گئے۔ جاپانی گڑیا نہیں بھولی۔ کیونکہ جاپانی گڑیا کا حساب کتاب بہت اچھا تھا۔ عمار سے شادی کی صورت میں، بہت سارے فائدوں سے وہ لطف اندوز ہو سکتی تھی۔ وہ اکلوتا تھا۔ سارے پیار، ساری جائیداد کا تنہا وارث۔ ان ساری چیزوں نے اس کے اندر کچھ ایسی صفات بھی پیدا کر دی تھیں۔ جنہیں کچھ اچھا نہیں سمجھا جاتا لیکن لائبہ کو تو وہ بھی اچھی لگتی تھیں۔ ان چیزوں سے عمار کوئی اکھڑ، ہیرو جیسا لگنے لگا تھا۔ اسے یوں لگتا تھا کہ بس جیسے وہ اس کے لیے ہی اس دنیا میں آیا تھا۔

اس کی دوستیاں آئے دن بدلتی تھیں۔ اس کے رنگ آئے دن بدلتے تھے۔ پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ کون سا رنگ کتنے دنوں تک اس کا ساتھ دے گا لیکن ایک چیز سب رنگوں میں مشترکہ ہوتی تھی۔ اپنے آپ کو سب سے برتر سمجھنا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اپنی جگہ پر وہ بھی صحیح ہو۔ یہ رامین کا خیال تھا۔ دماغ چڑھانے والے لوگ موجود ہوں تو دماغ تو چڑھے گا ہی۔

"تم اسے ناپسند کرتی ہو؟" ہنیہ نے پوچھ لیا۔

"نہیں۔ میں اسے ناپسند نہیں کرتی۔ بہت سارے معاملات میں وہ بہت اچھا ہے لیکن مجھے لڑکیوں کی تذلیل اچھی نہیں لگتی۔ لیکن خود لڑکیوں کو ہی اس چیز کا احساس نہیں ہے تو کیا کر سکتے ہیں۔"

"تذلیل تو شاید کوئی لڑکی بھی پسند نہ کرے رامین! لیکن میرا خیال ہے کہ لڑکیاں سارے دھوکے، ساری تذلیل محبت کے نام پر گوارا کر لیتی ہیں۔ انہیں یہ احساس ہی نہیں ہو پاتا ہے کہ محبت کی حد کہاں پر جا کر ختم ہوئی اور کہاں سے وہ سرا راستہ شروع ہو گیا۔"

"ہو سکتا ہے تم صحیح کہہ رہی ہو۔" رامین نے کندھے اُچکائے۔ "اللہ تعالیٰ سے پھر انسان کو عقل سلیم ہی مانگنی چاہیے کہ بندہ پھر سب چیزوں میں فرق کر سکے۔"

"تم صحیح کہہ رہی ہو۔ انسان کو اپنی دعاؤں میں عقل سلیم ضرور مانگنی چاہیے۔" ہنیہ نے دل میں سوچا۔

شام کو وہ نانی امی کے سر میں تیل لگا رہی تھی کہ عمار نے کمرے میں قدم رکھا۔

"دادی جان تو سو رہی ہیں۔ پھر کس لیے اتنی محنت۔"

"تیل لگانے کی وجہ سے ان کو نیند آگئی ہو گی۔" اس نے مختصراً جواب دیا۔

"پھر اتنی محنت کا فائدہ؟" اس نے دوبارہ پوچھا۔

"زندگی کی بہت ساری چیزیں ایسی ہوتی ہیں۔ جس میں فائدہ، نقصان نہیں ہونا چاہیے۔ بس اپنا کام مکمل کرنا چاہیے۔"

"امیزنگ!" اس نے ہونٹ سکوڑے۔ "رامین نے بڑی محنت کر لی تم پر اور وہ بھی صرف چھ مہینے میں"۔ اس کے لہجے میں ستائش تھی یا حیرت۔ ہنیہ نے اس پر توجہ نہیں دی۔ اسے خود پر غصہ آ رہا تھا۔ کیا ضرورت تھی فلسفہ جھاڑنے کی۔ اس نے گہری سانس لی۔ انسان اپنے آپ کو کتنا بھی چھپالے مگر ایسا کچھ ہو نہیں پاتا۔

وہ اب بہت چپ رہتی تھی۔ اسے یہی ایک طریقہ سمجھ میں آتا تھا۔ دوسروں کی نظروں سے بچنے کا مگر ہر دفعہ ہی کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی۔ کہ سب سمجھتے کہ واقعی ہنیہ بدل گئی ہے۔

عمار اگر ایک جملے کا سوال پوچھتا تو وہ ایک لفظ کا جواب دیتی۔ اس کے پاس یہی ایک طریقہ تھا اپنے آپ کو مصیبتوں سے بچانے کا۔ لیکن عمار چڑ گیا۔ بھلا

WWW.PAKSOCIETY.COM

کبھی ایسا ہوا تھا کہ اسے کوئی لڑکی ایسا انداز دکھا سکتی۔ اور لڑکی بھی وہ جس کا سب سے زیادہ اس نے مذاق اڑایا ہو۔ اسے تنگ کیا ہو۔ اتنا کہ بعض اوقات وہ رونے کے قریب ہو جاتی تھی اور تب عمار کو بڑا اچھا لگتا تھا۔ اب کہاں ایسی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ چپ رہنے والی، آنسو بہانے والی۔ اور ہنیہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا بھی ایک زبردست سی چیز تھی۔ اس کی خوب صورت گھنی پلکیں، اس کی حسین سنہری آنکھیں۔ جن میں کہیں کہیں آنسو چمکتے تو عمار تو ایک طرف سب ہی لوگ مبہوت سے ہو جاتے۔ اور رامین سچائی سے کہتی کہ اسے تو ملکہ حسن کا خطاب ملنا چاہیے تھا۔ یہ اور بات کہ اس گھر میں اس کے لیے خطاب کی کوئی کمی نہیں تھی۔ ہر ایک نے اس کے مختلف نام رکھ چھوڑے تھے۔

☼ ☼ ☼

لائبہ کمرے میں میوزک سن رہی تھی۔ رامین نوٹس میں منہ دے کر بیٹھی ہوئی تھی اور ہنیہ کو امی اپنے ساتھ کچن میں لے گئی تھیں۔

ہنیہ کو گئے کافی دیر ہو گئی تو رامین کو تشویش ہوئی۔

"امی اسے تھوڑی دیر کے لیے لے کر گئی تھیں کہ وہ یخنی پلاؤ اچھا بناتی ہے لیکن اتنی دیر۔" اس نے لائبہ سے کہا۔

"تم اس کی فکر کرنا چھوڑ دو۔ دعوت میں بہت سارے کام ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ دوسرے کاموں میں امی کی مدد کر رہی ہو۔ تم بلاوجہ لوگوں کے پیچھے نہیں پڑ جایا کرو۔" لائبہ نے ایم پی فور کا ہیڈ فون اتارتے ہوئے کہا۔

"اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ ہمارے گھر کا کام ہے تو ہمیں ہی کرنا ہے۔"

"بے فکر رہو۔ وہ بھی اب اس گھر کا ہی حصہ ہے۔ کہیں نہیں جانے والی وہ۔ ساری زندگی اسی گھر میں رہے گی۔"

"اللہ نہ کرے۔" رامین نے غصے سے کہا۔ "دادی جان اس کے لیے رشتہ تلاش کر رہی ہیں۔"

"واقعی۔ سچ کہہ رہی ہو؟" لائبہ ایک دم اچھل کر بیٹھ گئی۔

"خیریت۔ تمہیں ایک دم سے کیا ہو گیا ہے۔ ایسا لگ رہا کہ جیسے وہ کوئی چھوٹی بچی ہے۔ اور تمہارے اوپر اس کی پرورش کی ذمہ داری آ گئی ہے۔"

"نہیں! بس یوں ہی۔ مجھے اچھا لگا سن کر۔ بے چاری یتیم لڑکی۔"

"حیرت ہے۔ تمہیں بھی یہ سب اچھا لگا اور دوسری بات یہ کہ اسے بے چاری نہیں کہنا۔ اسے پسند نہیں ہے کہ کوئی اس کے ساتھ ہمدردی کرے۔"

"اور محبت کرے تو؟" لائبہ کا لہجہ ذو معنی تھا مگر رامین نے دھیان نہیں دیا۔ اسے لائبہ نے الجھا دیا تھا باتوں میں۔ ورنہ وہ کچن میں جا رہی تھی اور جب وہ کچن میں پہنچی تو کافی سارا کام ہنیہ سمیٹ چکی تھی۔

"کیا ضرورت تھی یہ سب کچھ کرنے کی۔ میں اور لائبہ مل کر کر لیتے۔"

"تو کیا ہوا رامین! میں نے کر لیا یا تم نے ایک ہی بات ہے۔" ہنیہ کو بے ساختہ ہی کوئی یاد آ گیا۔ وہ بھی اس کے لیے ایسے ہی سب سے الجھ جایا کرتی تھی۔ "اللہ تعالیٰ تمہیں خوش رکھے اریبہ!" اس نے چپکے سے دعا کی۔ دنیا میں اچھے لوگ مل ہی جاتے ہیں اور یہ بھی بڑی خوش نصیبی ہے۔

"تم کن سوچوں میں گم ہو گئیں؟" رامین نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ "تھک گئی ہو گی۔ سچ مجھے بڑی شرمندگی ہو رہی ہے۔ لیکن ایک بات کہوں لوگوں کو منع کرنا سیکھو۔ پوری دنیا اسی اصول پر چل رہی ہے لوگوں کو ظالم بنانے میں ہمارا اپنا بڑا ہاتھ ہوتا ہے یار!" وہ رامین کو کیا بتاتی کہ اماں ابا کے مرنے کے بعد اس نے بھی بہت کچھ سیکھ لیا تھا۔ لیکن پھر کیا ہوا۔

اس کی امی نے اس کی تربیت پر بڑی توجہ دی تھی اور اس کے اندر اپنی ذات کے حوالے سے بڑا اعتماد بھی تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ تائی جان کی غلط بات وہ برداشت نہیں کرتی تھی۔ ہاں بدتمیزی وہ کبھی نہیں کرتی تھی۔ یہ اس کی عادت نہیں تھی۔ لیکن وہ بھول گئی تھی کہ جن کے والدین نہ ہوں۔ وہ لوگ مفتوحہ علاقے جیسے ہوتے ہیں۔ جو جب چاہے ان پر قبضہ جما لے یا پامال کر دے۔ اس کی تائی کو اس سے بہت ساری شکایتیں تھیں اور ان سب کا بدلہ انہوں نے ایک جھٹکے میں ہی سے لیا۔ اپنے بھائی کے حوالے سے اس پر رکیک الزامات لگا کر انہوں نے اسے اس کے ننھیال بھجوا دیا۔

زندگی اب اور کسی الزام کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ وہ چپ چاپ سوچتی رہی۔ رامین کسی کام سے باہر نکل گئی تھی۔ اسے احساس نہیں ہوا کہ وہ کتنی دیر سے اکیلی کھڑی ہے۔ کسی کی نظروں کا احساس ہوا تو اس نے مڑ کر دیکھا۔ عمار کھڑا تھا۔ ایک دم وہ گھبرا گئی۔ وہ کچن سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ لیکن عمار اسے راستہ دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"تمہارا مسئلہ کیا ہے۔" اس کے لہجے میں دلچسپی تھی۔

"میں نے کسی مسئلے کا ذکر کیا ہے؟" اس نے تھوک نگل کر بظاہر مضبوطی سے جواب دیا۔

"مجھے وہ پہلے والی ہنیہ اچھی لگتی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر گھبرا جانے والی۔ آنکھوں میں آنسو لے آنے والی۔ اور بحث نہیں کرنے والی۔"

"نہیں۔ میں بحث تو نہیں کر رہی ہوں۔" ہنیہ نے جلدی سے کہا۔ وہ بس یہ چاہ رہی تھی کہ کسی طرح عمار یہاں سے چلا جائے۔ اس کے لیے وقت پھر اس انداز سے سامنے نہ آئے کہ خود اپنے آپ سے نظریں ملانی مشکل ہو جائیں۔ زندگی ہر دفعہ اتنی مہلت نہیں دیتی کہ۔

"مجھے بہت پہلے سے ایک بات کرنی تھی لیکن آپ نے سننے کا کوئی موقع نہیں دیا۔" اس کے لہجے میں کوئی الگ سی بات تھی۔ وہ ایک دم چونک گئی۔ آگہی کوئی لمحہ ہوتا ہے۔ اس لمحے نے اسے ادراک دیا کہ اسے کوئی بات نہ سننی چاہیے نہ سمجھنی چاہیے۔

وہ ایک دم تیزی سے سر جھکا کر باہر نکلی اور سامنے اتنی بڑی دیوار نظر نہیں آئی۔ بے خبری کی چوٹ ہمیشہ ہی اذیت ناک ہوتی ہے۔ وہ سر پکڑ کے وہیں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ عمار کو بھی کچھ سمجھنے کا موقع نہیں ملا اور جب اسے سمجھ میں آیا تو اسے ٹھیک ٹھاک غصہ آ گیا۔ اس کی اب تک کی گزری زندگی میں ایسا کوئی لمحہ نہ تھا کہ کسی لڑکی نے اس سے اس طرح نظریں چرائی ہوں یا اس طرح کا رد عمل کیا ہو۔ وہ ایک دم مڑا اور باہر چلا گیا۔

"اس کو کیا ہوا؟" رامین نے حیرت سے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "اور تمہیں کیا ہوا۔ سر کیوں پکڑے بیٹھی ہو۔"

"تو کیا دل پکڑ کر بیٹھوں۔" وہ چڑ گئی۔

"میرے پیچھے کچھ ہوا ہے نا۔" وہ چائے کے دو مگ بنا کر اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ "تم بتانا چاہتی ہو بتا دو۔"

"کچھ بھی نہیں ہوا رامین! تم پتا نہیں کیوں پریشان ہو رہی ہو۔" اس نے اپنے دکھتے ہوئے سر کو دبایا۔

"اچھا چلو پھر آرام کر لو۔" وہ اسے کمرے میں لے کر آئی۔ بستر پر بٹھایا۔ پردے برابر کیے۔ "اب اٹھنا نہیں اگر بندہ کسی کو انکار نہیں کر سکے۔ تو پھر آنکھیں بند کر کے سوتا بن جائے۔ اس طرح کسی کو جواب بھی نہیں دینا پڑتا۔"

"کیا واقعی۔" اس کے جانے کے بعد ہنیہ نے سوچا۔ خود کو بھی جواب نہیں دینا پڑتا۔ کم از کم اسے تو جواب دینا چاہیے جو اپنا ہوتا ہے اور ایک دم سے بے مہر بن جاتا ہے۔ اس نے اپنے دل کے متعلق سوچا۔

وہ آنکھیں بند کرتی تو ایک دم کسی کی صورت سامنے مجسم ہو جاتی۔ آنکھیں کھولتی تو کوئی آواز اس کے اردگرد بکھری ہوئی ہوتی۔ چاہے ان آوازوں نے اس کا مذاق ہی کیوں نہ اڑایا ہو۔ لیکن اس کی آنکھیں۔ وہ آنکھیں بہت کچھ کہتی تھیں۔ وہ راہ سے بھٹکانے والی آنکھیں۔ اور اس کے پاس تو پہلے بھی نہ منزل تھی نہ منزل کا نشان پھر وہ کیوں ان آنکھوں کی کہانیوں کے پیچھے چلی۔ اس شخص کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے تھا مگر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دل۔۔۔ دل کو تو راہ سے بھٹکانا آتا تھا۔ سو اس نے تو اپنا کام کرلیا تھا۔ وہ سوچتے سوچتے نہ جانے کب سوگئی۔ آنکھ کھلی تو رامین اور لائبہ باتیں کررہی تھیں بلکہ صرف لائبہ ہی کررہی تھی۔ رامین اسے چپ کروا رہی تھی۔

"تم نے تو لگتا ہے۔ اس سے قرضہ لیا ہے۔" لائبہ کے لہجے میں تحقیر تھی۔

"تم بالکل فضول باتیں کرتی ہو۔ کیا تمہارے پاس سارے ٹاپک ختم ہوگئے ہیں جو تم نے اس بے چاری کا پیچھا لے لیا ہے۔"

"یہ جملہ درست ہوسکتا ہے۔ اگر تم اس سے بے چاری نکال دو۔ جو لوگ بے چارے ہوتے ہیں ان کی شکلیں غاصبوں جیسی نہیں ہوتیں۔"

"خدا کا خوف کرو۔" رامین نے لرز کر کہا۔ "کیا غضب کرلیا ہے اس نے۔ اس کا خرچہ دادی جان اٹھاتی ہیں۔ خود دار اتنی ہے کہ منہ سے کچھ نہیں کہتی۔"

"جن کی خواہشات آنکھوں سے پوری ہوجائیں۔ انہیں منہ سے کچھ کہنے کی ضرورت رہ تو نہیں جاتی۔"

"تمہیں بڑی آنکھوں کی زبان سمجھ میں آتی ہے۔" رامین تپ گئی۔ "ہمی کوئی بات منہ سے کہہ کہہ کر ہلکان ہوجاتی ہیں اور تم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"اب تم مجھے بور کررہی ہو۔" لائبہ نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں۔ اور میں تو جیسے تم سے بڑی بات کرنا چاہ رہی تھی۔ میں صرف ہنیہ کو دیکھنے آئی تھی۔ اس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔"

"ہنیہ۔ اٹھ جاؤ۔ رات ہوگئی ہے۔" رامین نے اس کا شانہ ہلایا۔

"شاید اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑے۔ میں دادی جان کو بتا کر آتی ہوں۔ عمار تو اس وقت گھر میں ہوگا نا؟"

"کیوں عمار سے تمہیں کیا کام پڑگیا؟"

"ڈاکٹر کے پاس کون لے کر جائے گا؟"

"عمار اس گھر کا ڈرائیور نہیں ہے۔ وہ کیوں لے کر جانے لگا۔"

"تمہیں لوگوں کو سر پر بٹھانے کا شوق ہے تو تم بٹھاؤ۔ مجھے جو کام کہنا ہوگا۔ میں کہہ دوں گی۔"

"ہاں۔ منہ کی کھانا۔ تم شاید بھول گئی ہو' وہ عمار ہے۔ وہ لوگوں کے اشاروں پر نہیں چلتا۔ لوگ اس کے ساتھ چلتے ہیں۔" لائبہ نے کہا لیکن رامین اس کی بات سننے سے پہلے ہی باہر نکل گئی۔

عمار لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔ اسے آتے دیکھ کر بھی اس نے یوں ظاہر کیا۔ جیسے بہت مصروف ہو۔ رامین کو غصہ تو آیا لیکن مجبوری تھی۔ گھر میں اس وقت وہی موجود تھا۔

"عمار! ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔"

"خیریت۔" اس نے کلائی موڑ کر گھڑی دیکھی۔

"کس کی طبیعت خراب ہوگئی۔" اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی۔ لائبہ کمرے میں داخل ہوئی۔

"تمہیں ہنیہ واپس بلا رہی ہے۔ کہہ رہی ہے وہ ٹھیک ہے اور اسے ڈاکٹر کے پاس بھی نہیں جانا۔"

"وہ اٹھ گئی ہے۔"

"ظاہری بات ہے۔ میں تمہیں خود سے تو ساری کہانی نہیں سنا رہی ہوں۔"

"ہوا کیا ہے۔ کیا ہنیہ کی طبیعت خراب ہے؟" اس نے لیپ ٹاپ بند کردیا تھا۔ رامین جب تک باہر نکل گئی تھی اور لائبہ نے اس عمل کو بغور جانچا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ نانی جان کے سر میں مساج کررہی تھی۔ جب انہوں نے ہنیہ کا ہاتھ پکڑلیا۔ وہ بوڑھا جھریوں بھرا ہاتھ۔ جس نے زمانے کے سرد و گرم دیکھے تھے لیکن اب بھی وہی ہاتھ جب اس کے سر پر ٹکتا تو اسے یوں لگتا جیسے وہ ہاتھ نہیں سائباں ہوں۔ جنہوں نے اسے دنیا کے سرد و گرم سے بچالیا ہو۔

"میں نے تمہارے لیے ایک رشتہ دیکھا ہے۔ بڑا اچھا ہے۔" نانی جان کا انداز تو سہیلیوں والا تھا لیکن جو بات تھی۔ اس نے اپنی جگہ ایک دم اسے ٹھٹکا دیا۔

"نانی جان ایسی باتیں نہیں کریں۔" وہ ایک دم خوف زدہ ہوگئی۔ "میں نے اتنی سی عمر میں دو دفعہ ہجرت کرلی اور اب مجھے کہیں نہیں جانا۔ مجھے اسی جگہ رہنے دیں۔"

"ساری بیٹیاں پاگل ہوتی ہیں۔ تیری ماں بھی اسی طرح روتی تھی اور پھر کیا ہوتا ہے۔" ان کے بوڑھے چہرے پر یادوں نے عکس ڈالا۔

ہنیہ نے پہلو بدلا۔ بات بس یہیں تک صحیح تھی۔ اس کے بعد یادوں کے اتنے دریچے کھل گئے کہ پھر انہیں واپس بند کرنا مشکل ہوگیا۔

"نانی! میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔" اپنے دل کو راہ راست پر لا کر اس نے موضوع سے ہٹانا چاہا۔

"کب سے؟" وہ گھبرا کر اس کا سر ٹٹولنے لگیں۔

"کب سے۔" اس نے گہری سانس لی۔ اس کا وہ کیا جواب دے۔ اس وقت سے جب اس نے عمار کی بات سننے سے منع کیا تھا۔ یا اس وقت سے جب وہ پوری رات جاگتی رہی تھی۔

"اب مجھے پتا چلا۔" نانی جان نے پان دان بند کرتے ہوئے اسے مسکرا کر دیکھا۔ "میری بیٹی شرما رہی ہے۔" شاید ان کی لغت میں گھبراہٹ اور الجھن کو شرمانا کہتے ہوں گے۔ کیونکہ اس وقت وہ اسی کیفیت سے گزر رہی تھی۔

کل رات کو بھی یہی اس نے کیا تھا۔ وہ لان میں ٹہل رہی تھی۔ جب کوئی اس کے ساتھ خاموشی سے چلنے لگا۔ وہ سچ میں ڈر گئی۔ اتنے چپ چاپ قدم۔ وہ چونک گئی۔

"آپ سے کس نے کہا تھا۔ اس طرح چپ چاپ آنے کو۔ میں بہت ڈر گئی تھی۔"

"اچھا! حالانکہ میں تو بہت دھوم دھام سے آنا چاہ رہا تھا لیکن اجازت تو ملے۔ لوگوں نے تو پہرے بٹھائے ہوئے ہیں۔" وہ اسے پھر گھبراہٹ میں مبتلا کررہا تھا۔

ہنیہ کو یہاں آنے کے بعد سب سے زیادہ ڈر بڑی مامی یعنی عمار کی امی سے ہی لگا تھا۔ ان کی چبھنے والی نگاہیں۔ سرد مہر لہجہ۔ اسے اب اپنی وجہ سے کوئی فساد نہیں چاہیے تھا اور عمار۔۔۔ اس کے متعلق اس نے صرف قصے ہی سنے تھے۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا۔ کہ اس میں حقیقت کتنی تھی۔ اور فسانہ کتنا۔

☆ ☆ ☆

"بیٹا جی! آپ مل لو اچھا لگے گا۔" نانی نے اسے پچکارا۔

"وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔"

ہنیہ کو اس موضوع سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے دل نے تو کوئی اور راہ اپنالی تھی۔ وہی راہ جس پر چلنے سے رامین نے منع کیا تھا۔ مگر زندگی کے فیصلے نہ کسی کے سمجھانے کے مرہون منت ہوتے ہیں۔ نہ اپنے اختیار میں ہوتے ہیں۔ دل کے فیصلے تو اپنی راہ آپ بنا لیتے ہیں۔ ان سے کوئی کیسے بھاگے۔ کس طرح بچے۔ چاہے دامن جھٹک کر بھی دیکھ لو۔ کوئی بھی نہیں سمجھے گا۔ ہم نے منزل سے خود کو ٹالا ہے۔ وہ سر جھکائے سوچے گئی۔ نانی جان نے اسے یوں چپ دیکھا تو خود بھی خاموش ہوگئیں۔

"پتا نہیں بچی کے دل میں کیا ہے۔ شادی کے نام پر بھی خوش نہیں ہوئی۔"

اسے ایک دم یاد آیا۔ بڑی مامی نے کچھ کام بتائے تھے۔ اور برا ہو اس یادداشت کا۔ جس نے اب ڈانٹ پڑوانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس نے سارے کام وہیں چھوڑے اور تیزی سے باہر نکلی۔

"یا اللہ۔" رامین نے اسے پکڑا۔ "ہوا کے گھوڑے پر کیوں سوار ہو۔"

"رامین! بڑی مامی۔ کچھ کام کہہ کر گئی تھیں۔ مجھے بالکل بھی یاد نہیں رہا۔"

"تو کیا ہوا۔ بتا دو بتا بھول گئی تھی۔"

"یار! اور وہ ان کی زبان۔ تمہیں پتا ہے نا۔ ایک دفعہ شروع ہوگئیں تو پھر انہیں کوئی بھی چپ نہیں کروا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سکے گا۔"

"خیر ایسی بھی بات نہیں۔ اپنے صاحب زادے عمار سے تو بہت ڈرتی ہیں اور نہ صرف یہ کہ ڈرتی ہیں بلکہ اس کی کوئی بات ٹالتی بھی نہیں بس۔ اس لیے تم کوئی بھی بہانہ کر سکتی ہو۔ بلکہ کہہ سکتی ہو کہ عمار نے تمہیں ٹی ٹائم پر انگیج کر دیا تھا۔ سب جانتے ہیں کہ تم چائے بہت اچھی بناتی ہو اور گھر کے علاوہ باہر کے لوگ بھی صرف تمہارے ہاتھ کی چائے ہی پینا چاہتے ہیں۔" رامین نے اسے راستہ دکھایا۔

"لیکن یار! بلاوجہ جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔ میں بڑی مامی کو سچ بتادوں گی۔ وہ میری جان تھوڑی لے لیں گی۔" یہ کہتے ہوئے وہ بھول گئی کہ جان تو کوئی نہیں لیتا مگر بے عزتی جان نکلنے کے ہی مترادف ہوتی ہے۔ بڑی مامی نے اسے ٹھیک ٹھاک باتیں سنائیں۔ نانی گھبرا گھبرا کر پوچھتی رہیں۔

"کیا ہو گیا۔ بڑی دلہن کیوں اتنا چلا رہی ہو؟"

"کیا ان کے جہیز کا کوئی برتن ٹوٹ گیا ہے۔"

"جہیز کے برتنوں کا کیا قصہ ہے۔" اس نے رات کو چپکے سے رامین سے پوچھا۔

"ارے قصہ کیا ہوتا ہے' ان کے پاس سارے فرانسیسی ڈنر سیٹ ہیں۔ بس جان سے بڑھ کر حفاظت ہوتی ہے اور اگر کبھی اس میں سے کچھ ٹوٹ جائے تو چھوٹی موٹی قیامت سے کے تو ہم بھی گواہ ہیں۔ خیر تم چھوڑو۔ دادی جان نے گھر میں کسی رشتے کی بات کی ہے۔ تمہیں پتا ہے اس بات کا۔"

"لیکن میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے احتجاج کیا۔

"مگر کیوں؟" رامین نے ترچھی نگاہوں سے اسے گھورا۔ "تمہارے ہاتھوں میں کسی نے آس کا جگنو تھما دیا ہے؟"

"مجھ سے فالتو باتیں نہیں کرو۔"

"اس میں فالتو کون سی بات ہو گئی۔ ہاں حیرت کی بات ضرور ہے کہ ہمیں پتا نہیں چل سکا۔ چلو شاباش نام بتاؤ۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یقین کرو۔ رامین ابھی بات کا سرا میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اور منزل تک جانے والے راستے بھی دھند میں گم ہیں۔"

"منزل تک جانے والے راستے تو ہمیشہ ہی دھند میں گم رہیں گے۔" رامین نے فلسفیانہ لہجے میں کہا۔ "انہیں ڈھونڈنا تو خود ہی پڑتا ہے۔"

"اور کیا وہ مل بھی جاتے ہیں؟"

"یہ تو نیتوں پر منحصر ہے اور نیت دونوں طرف سے صحیح ہونی چاہیے اور اس کا جواب تو تمہارے پاس ہو گا۔ تم بتاؤ دوسرے والے کی نیت صحیح ہے۔" اب کہ اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

"بکو نہیں اور جاؤ۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"حیرت ہے کہ تمہیں نیند آ رہی ہے۔ ورنہ تمہارے چہرے کو دیکھ کر لگتا ہے۔ جیسے تم بڑی مدت سے سوئی نہیں اور آنکھیں بھی بڑی لال سی رہنے لگی ہیں۔ ویسے یہ بات میں نے نہیں کہی۔ یہ عمار کا تجزیہ تھا۔ جو اس نے کل ہی مجھے ٹیکسٹ کیا تھا۔" ہنیہ کا چہرہ ایک دم سرخ ہوا۔ رامین اس وقت اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ ورنہ اسے اپنے سوال کا جواب تو مل ہی جاتا کہ وہ دوسرا کون ہے۔

دوسرے دن بھی اس کی طبیعت بھاری ہی رہی۔ "انسان کو رات کی نیند ضرور پوری کرنی چاہیے۔"

"بشرطیکہ کوئی پوری کرنے دے۔" رامین کے انداز میں شوخی تھی۔

"کیا مطلب؟" کیاری کی گوڈی کرتے اس کے ہاتھ رک گئے۔

"مطلب بڑا سادہ بلکہ واضح ہے۔ بھئی نیند نہ آنے کی ایک سادہ وجہ تو زوہیب صاحب بھی ہو سکتے ہیں۔"

"کون زوہیب!" اس نے مٹی لگے ہاتھوں سے پیشانی پر سے بال ہٹائے۔

"کاش کہ تم نے اس وقت اللہ سے کوئی اور دعا مانگ لی ہوتی۔ ذرا پیچھے مڑ کر دیکھو۔" اس نے دیکھا۔ اس کے بالکل سامنے وہ بندہ کھڑا تھا جس کے دیکھنے

کے انداز نے ہی اسے اچھا خاصا کنفیوز کر دیا تھا۔

"آپ کون ہیں؟" اس نے چاہا تھا کہ گھرک کر پوچھے مگر جو آواز نکلی اس سے وہ خود ڈر گئی۔

"آپ کو واقعی نہیں پتا؟"

"مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے۔ میں کوئی غیب کا علم تو نہیں جانتی۔" اس نے رامین کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ وہ اسے اس طرح چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہے۔ وہ اندر بھاگی۔

سامنے بڑی مامی اپنے تیکھے تیوروں سمیت براجمان تھیں۔

"تمہیں کیا ہوا ہے۔ تمہارے سسرال والے آئے ہوئے ہیں۔ ان کے سامنے اس قسم کی حرکتیں کرو گی تو تمہارے ساتھ ہمیں بھی جوتے پڑیں گے۔"

"سسرال والے؟" اس کے قدم ایک دم اپنی جگہ ٹھٹکے۔ گویا اس دن نانی جان نے جو کچھ کہا تھا۔ اس کو تکمیل کے مراحل میں پہنچایا جا رہا ہے۔

"اپنے کمرے میں جاؤ اور اپنا حلیہ ذرا ڈھنگ کا کرو۔" ان کے لہجے میں ناگواری تھی۔

ان کے لہجے میں تلخی کیوں شامل تھی۔ اس کا سبب وہ جاننے سے قاصر تھی مگر فی الوقت تو اسے وہی کرنا تھا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔

"تیار ہونے کا آرڈر تو ایسے آیا ہے جیسے تمہاری بڑی مامی نے تین چار ڈیزائنر سوٹ یہاں ہینگ کر دیے ہوں۔ کوئی ایک جوڑا بھی ڈھنگ کا نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تم زوہیب بھائی کو ویسے ہی پسند آ گئی ہو۔"

"کیا بدتمیزی ہے۔" ہنیہ کو غصہ آنے لگا۔

"تم رات کو جلدی سو گئی تھیں۔ اس لیے رات کو تو ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ نانی جان نے بطور خاص ان لوگوں کو اسلام آباد سے بلوایا ہے۔" رامین نے ساری تفصیل اس کے گوش گزار کی۔

واقعات و حالات بڑی تیزی سے بدلتے ہیں یا یہ کہنا چاہیے کہ واقعات اتنی تیزی سے ہوتے ہیں کہ حالات ہی آپ کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔

ابھی ایک ہفتہ پہلے ہی عمار نے اس سے کہا تھا کہ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں اور اس نے کچھ نہیں سنا تھا اور سننے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ سچ یا جھوٹ یہ وہ نہیں جانتی تھی۔ لیکن اس نے دونوں ہی چیزیں سننے سے دامن بچا لیا تھا۔ لیکن کیا واقعی دامن کو بچا لو تو کیا دل بھی بچ جاتا ہے اور اس کا جواب نفی میں تھا۔

عمار کی باتوں میں سحر تھا۔ اس کی آنکھوں میں سحر تھا۔ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو ساری ہی چیزوں سے نواز دیتا ہے اور پھر مزے کی بات کہ ان چیزوں کا استعمال بھی لوگ بڑا اچھا کر لیتے ہیں۔ آپ کے پاس وجاہت ہو۔ دولت ہو بلکہ معاشرے کے مروجہ اصولوں کے تحت کافی کچھ ہو۔ تو بہت ساری چیزوں کا سرٹیفکیٹ خود بخود مل ہی جاتا ہے۔ جیسے رامین ہمیشہ ہی کہتی تھی کہ "ہر فرعون کے لیے کوئی تو موسیٰ ہوتا ہے۔ کبھی نہ کبھی کوئی تو ایسی لڑکی عمار کی زندگی میں آئے گی۔"

"وہ لڑکی تم کیوں نہیں بن جاتیں۔" لائبہ کا لہجہ استہزائیہ تھا۔ ہنیہ کے دل پر ایک دم چوٹ سی پڑی۔ اس نے ہنس کر بھی بڑی تکلیف دہ بات کی تھی۔ سب ہی لوگ جانتے تھے کہ عمار حسن پرست ہے۔ اور رامین بمشکل ہی قبول صورت کے درجے میں آتی تھی۔

رامین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف اتنا کہا۔

"تمہیں سمجھانا بے کار ہے لائبہ! تم نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی ہے۔ اس لیے تمہیں کچھ بھی دکھائی نہیں دے گا۔"

ہنیہ دونوں بہنوں کی گفتگو سنتی رہی۔ اس نے ایک لفظ بھی بولنے کا رسک نہیں لیا۔ اسے پتا تھا کچھ بھی بولنے کا مطلب تھا۔ لائبہ کے ہاتھوں اپنی عزت نفس کو بکھرتے ہوئے دیکھنا۔ پھر تنگ آ کر اس نے اس مسئلے کو چھوڑ ہی دیا۔

☼ ☼ ☼

نانی جان نے اپنی جس دوست کی بہو کو اسلام آباد

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے بلوایا تھا۔ ان کو دوسرے ہی دن چلے جانا تھا لیکن کراچی کے حالات اچانک ہی اتنے خراب ہو گئے کہ ان کو رکنا پڑا۔ اور شامت آئی ہنیہ کی۔ آنٹی اچھے اخلاق کی تھیں۔ پیار سے اس کے حالات پوچھتیں اور ان کے بیٹے کی نظروں سے اس کا حال خراب ہوتا حالانکہ وہ نظریں صاف شفاف ہوتیں لیکن ان میں ایک شوخی و شرارت کی ہلکی سی تہہ اور وارفتگی کی لہر اس کے ہاتھ پاؤں پھلانے کو کافی ہوتی۔ ایک دن آنٹی کے اٹھنے کے بعد وہ اس پر برس پڑی۔

"آپ بہت بد تمیز آدمی ہیں۔"

"کیا یہ بات آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں۔" اس کے لہجے میں ایسی حیرت تھی۔ جیسے اس نے کوئی بڑی ہی انوکھی بات کردی ہو۔

"جی۔ میں یہ بات آپ سے ہی کہہ رہی ہوں۔"

"میرا سچے دل کا وعدہ ہے کہ ہمیشہ آپ کو خوش رکھوں گا۔ محبت اور عزت سب دوں گا۔" اس کی بات کا یہ جواب۔ وہ صحیح کہہ رہا ہو گا کیوں کہ اس کی آنکھوں میں سچائی تھی' لیکن دل تو کسی اور ہی راہ کا مسافر بن گیا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی باہر نکلی تو ایک دم کسی نے اسے پکڑا۔

"کیا ہو گیا ہے۔ تم تو بالکل صحیح ہو گئی تھیں' پھر اس قسم کی حرکتیں۔" عمار کے لہجے میں خفگی جیسا کچھ تھا۔ وہ ایک ہفتے سے یہاں کراچی میں نہیں تھا اور شاید ابھی ابھی پہنچا تھا۔

اس کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے۔ اس کا لہجہ بالکل بھی اچھا نہیں تھا حالانکہ وہ اس سے کم از کم ایسے لہجے میں بات نہیں کرتا تھا اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اتنے سخت لہجے میں عمار نے اس سے بات کی ہے مگر کیوں؟ اور تب ایک دم اسے یاد آیا کہ یہ اسی دن کا غبار ہے۔ جس دن اس نے عمار کی بات سننے سے انکار کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

انسان کو ادائیں آتی ہی اس وقت ہیں جب اسے محبت ہو جاتی ہے۔ محبت ادائیں بھی سکھا دیتی ہے اور ناز و ادا بھی۔ مگر اسے پتا نہیں کیسی محبت ہوئی تھی جس میں ہر لحظہ اس کا دل دھڑکتا ہی رہتا۔ انجانے خدشوں سے' آنے والے وقت سے' بڑی مامی کی چبھتی نگاہوں سے۔

محبت کرنے کے باوجود بھی وہ حتی الامکان کوشش کرتی کہ اس کا سامنا عمار سے نہ ہو۔ محبت ہمیشہ ہی کمزور کرتی ہے۔ اسے یقین آگیا تھا وہ ارادے باندھتی' جوڑتی اور پھر توڑ دیتی۔

"تم بہت بد تمیز لڑکی ہو۔" رامین کہتی۔

"ایک دفعہ بھی تم نے ڈھنگ سے زوہیب سے بات نہیں کی۔ وہ اچھا لڑکا تھا اور تم اسے اچھی بھی لگی تھیں۔ ویسے تم جتنی اچھی اور پیاری ہو تمہیں کوئی ناپسند نہیں کر سکتا ہے۔"

"اچھی صورت کیا چیز ہوتی ہے رامین! اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ مقدر اچھا ہو۔ میں اللہ سے یہ دعا ضرور مانگتی ہوں۔"

"سچ۔" رامین نے منہ پر ہاتھ رکھا۔ "مجھے تو اس طرح کی کوئی دعا مانگنا یاد ہی نہیں رہتا۔ بس ہر وقت سمسٹر کی جی پی اچھی بن جائے' اسی کی دعا مانگتی رہتی ہوں۔"

"تمہارے لیے دعا کرنے والے ہاتھ جو سلامت ہیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

رامین کو ایک دم شرمندگی نے گھیر لیا۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"مجھے پتا ہے تم ٹینشن نہیں لو۔"

"ایک بات کہوں۔ میری رات کو جب بھی آنکھ کھلتی ہے تم جاگ رہی ہوتی ہو۔ اس کی وجہ؟" ۔۔۔ اس نے وقفہ دیا۔ "زوہیب بھائی ہیں۔ میں صحیح کہہ رہی ہوں نا؟" اس نے تائیدی انداز میں ہنیہ کو دیکھا۔

اور یہ کتنی اچھی بات ہے کہ جو لوگ زیادہ بولتے ہیں "نہیں" جواب لینے کی جلدی نہیں ہوتی۔ "اور شکر کرو کہ تم لوگوں کے درمیان کوئی ظالم سماج نہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

آیا۔" رامین نے دوبارہ سلسلہ جوڑا۔

"بس اب دونوں طرف سے تھوڑی چھان بین ہو جائے تو میرا خیال ہے کوئی منگنی وغیرہ کا سلسلہ رکھ لیا جائے گا بلکہ لائبہ نے تو یہ تک سوچ لیا ہے کہ تمہاری منگنی پر ہم سب لوگ کیا پہنیں گے۔ ویسے تمہیں لگتا نہیں ہے کہ لائبہ سدھر گئی ہے۔ اپنی انگیجمنٹ پر بھی وہ شاید اتنی خوش نہیں ہوتی جتنی تمہارے لیے ہے۔ خیر اللہ تعالیٰ سب کو ہی کبھی نہ کبھی عقل دے دیتے ہیں۔" وہ مزے سے کہہ رہی تھی۔

"ہیں یہ کیا؟ میں کیا اتنی دیر سے دیواروں سے باتیں کر رہی تھی۔ راتوں کو جاگتی ہے، بے وقت نیند تو آئے گی۔" اس نے غور سے سوئی ہوئی ہنیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

☼ ☼ ☼

"جاؤ اپنی تائی کو چائے دے آؤ۔" امی نے چائے کا کپ رامین کو پکڑ لیا۔

"خیریت۔ آج تائی باہر آکر چائے نہیں پی رہیں۔" رامین نے پریشر ککر بند کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ میرا خیال ہے آج بھابھی کا موڈ کچھ آف ہے۔ صبح ان کے زور زور سے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔"

"مگر کس کے ساتھ؟" وہ جھنجلا گئی۔

"عمار کے ساتھ۔"

"واقعی۔" اس نے سارے کام چھوڑ کر ان کی شکل دیکھی۔

"زندگی بھر انہوں نے عمار کی کون سی بات ٹالی ہے۔ غلط، صحیح، جائز، ناجائز۔ آنکھیں بند کرکے اس کی باتوں پر لبیک کہا ہے تو پھر آج اختلاف کیوں۔"

"اب مجھے کیا پتا۔ تمہیں شوق ہے تو جاکر پوچھ لو۔ ویسے جہاں تک میرا خیال ہے عمار نے کسی لڑکی کو پسند کرلیا ہے۔ اسی بات پر کھٹ پٹ ہوئی ہے۔"

"نام پتا کیا ہے؟"

"اب اس کا مجھے نہیں معلوم۔" انہوں نے بیزاری سے کہا۔

"تمہاری بڑی تائی بھی نام ہی پوچھ رہی تھیں جو اس نے ابھی بتایا نہیں۔"

"جو کچھ بھی ہوا۔ وہ صحیح نہیں ہے۔ اب گھر میں ایک عجیب طرح کی ٹینشن پھیل جائے گی جس سے میری جان جاتی ہے اور پھر لائبہ میرا خیال ہے وہ عمار کو پسند کرتی ہے۔" رامین کو بہت سارے وسوسوں نے گھیر لیا۔

"خیر ہماری لائبہ کو رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔"

"حسین صورت والوں کو کسی چیز کی بھی کمی نہیں ہوتی امی! چاہے وہ رشتوں کا معاملہ ہو یا محبتوں کا۔"

"اچھا اب میرے سامنے فلسفہ نہیں جھاڑو۔ چائے دے کر آؤ۔"

"میں نہیں جا رہی مجھے ان کے غصے سے ڈر لگتا ہے۔"

"چلی جاؤ۔ اس بہانے کچھ پتا ہی چل جائے گا۔ ان کو اس وقت کسی ہمدرد کی ضرورت تو ضرور محسوس ہو رہی ہوگی۔"

"میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ میں انہیں جھوٹی تسلی دوں ویسے مجھے بڑی خوشی ہے کہ عمار نے اگر ایسا کوئی فیصلہ کرلیا ہے۔ ساری زندگی اس نے لڑکیوں کو صرف بے وقوف ہی بنایا ہے شکر ہے کہ اس نے ان بے وقوف بننے والی لڑکیوں میں سے کسی سے شادی کا فیصلہ بھی کرلیا ہے۔"

"ایک تم اور دوسری تمہاری زبان۔ میں دونوں چیزوں سے پریشان ہو گئی ہوں۔ پہلے ہی گھر میں کم پریشانی ہو گئی ہے۔"

"پریشانی کی کیا بات ہے۔ اب تائی جی کو پتا چلے گا کہ اولاد کے بے جا لاڈ و نخرے اٹھانے کا کیا انجام ہوتا ہے۔ سچ امی! آپ کو کیا پتا۔ مجھے کتنا افسوس ہوتا تھا جب لڑکیوں کے فون اس کے پاس آتے تھے پھر ان لڑکیوں کی بے بسی مجھے اچھی نہیں لگتی تھی۔ کسی کا شادی کے لیے اصرار ہوتا تھا کوئی ملنے کے لیے تڑپ رہی ہوتی تھی پھر کوئی فون آجاتا۔ جس میں پرانے وعدے،

قسمیں، یاد دلائی گئی ہوتیں اور میں سوچتی ہی رہ جاتی کہ ایک شخص اتنے لوگوں کے دل کس طرح دکھا سکتا ہے اور لائبہ ہے کہ جانے کس چاند کو پانے کی تمنا میں ہے۔"

اچھی خاصی تقریر کرنے کے بعد جب اس نے مڑ کر دیکھا۔ تو امی تو اس کی بکواس سے بیزار ہو کر جا چکی تھیں۔ ہاں البتہ ہنیہ اس کے پیچھے دم سادھے کھڑی تھی۔ بت کی مانند، ساکت و جامد جیسے اس نے یہ باتیں لائبہ کے بارے میں نہیں۔ اس کے بارے میں کہہ دی ہوں۔

"خیریت تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" یہ دو حرفی لفظ بھی اس کے منہ سے بمشکل ہی نکلے۔

"کچھ نہیں ہونے والوں کی ایسی شکلیں نہیں ہوتیں شاید تم نے سو بہت لیا ہے اور تمہارے سر میں درد ہو رہا ہے۔"

ہنیہ اسے بتا نہیں سکی کہ درد کا احساس اب صرف دل میں رہ گیا ہے۔

محبت جال کی طرح ہوتی ہے۔ بندہ جانتے بوجھتے کیسے اس جال میں پھنس جاتا ہے۔ کچھ پتا نہیں چلتا اور سب سے بڑی بات کہ پتا چل جانے کے بعد بھی نہیں نکلتا۔ اسے یہی لگتا ہے کہ سچی محبت تو صرف یہی ہے جو ابھی ہے جو موجود ہے۔ جو ان دونوں کے درمیان ہے۔ باقی لوگوں نے تو پتا نہیں کیا کیا تھا۔

وہ اس محبت کو سمجھ رہی تھی جو اسے عمار سے ہو گئی تھی۔ ہو ہی جاتی ہے کیا کیجیے۔ زندگی کے راستے تکلیف دہ ہوں۔ کہیں روشنی نہ ہو۔ امید نہ ہو تو محبت یونہی روشن سا ستارہ بن جاتی ہے اس روشنی میں اس نظر آنے والے ستارے میں انسان اپنے دکھ اندر ہی اندر بھولنے لگتا ہے۔ ہنیہ نے بہت کچھ عمار کے بارے میں سنا تھا۔ اس کے باوجود بھی یہ ہوا کہ اس نے سب کچھ بھلا دیا۔ صرف ان دو جملوں کے پیچھے جو اس نے کہا تھا۔

"مجھے بہت عرصے کے بعد کوئی اچھا لگا ہے اور شادی تو مجھے تم سے ہی کرنی ہے۔"

اس کا دل ایک دم سہما تھا۔ اس نے آنکھوں کی کہانیوں کو جھٹلایا تھا۔ زبان سے کہے لفظوں کو پھلانگ کر جانا مشکل ہو گیا۔ سب کچھ دماغ سے نکل گیا۔ زبان جیسے چپک کر تالو سے لگ گئی اس نے ایک دو منٹ انتظار کیا۔ پھر جھنجلا گیا۔

"یہ دوسری دفعہ ہے ہنیہ کہ تم نے میری بات سے دامن بچایا ہے اور سن کر بھی کوئی رسپانس نہیں دیا ہے حالانکہ یہ بات اگر میں کسی اور لڑکی سے کہتا تو وہ خوشی سے پاگل ہو جاتی۔ لیکن اس بے نیازی کو اب اتنا مت بڑھاؤ کہ مجھے احساس ہونے لگے کہ میں نے کوئی غلط فیصلہ کرلیا ہے۔"

"عجیب بات ہے۔" ہنیہ نے دل میں سوچا۔ "فیصلے وقت کی کسوٹی پر پرکھے جائیں تو ہی پتا چلتا ہے کہ آپ نے صحیح فیصلہ کیا ہے یا غلط اور اس نے اتنی جلدی فیصلہ بھی کرلیا ہے اور نتیجہ بھی نکال لیا ہے۔"

لیکن یہ ساری باتیں وہ سوچ ہی سکتی تھی اس شخص کو بتا نہیں سکتی تھی جس نے ایک بادشاہ کی طرح آکر سارے فیصلے صادر کیے اور چلا بھی گیا تھا۔ پھر اس نے ساری باتیں دماغ سے جھٹک دیں۔ محبت کے راستوں میں تو واہمے پڑے ہی ہوتے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ انہیں راستوں سے اٹھا کر دل تک لے آیا جائے۔ سو ہنیہ نے بھی بہت کچھ وہیں پر چھوڑ دیا جو ساتھ لے کر کمرے تک آئی، وہ صرف خوشی کا احساس تھا۔

محبت کرنا الگ چیز ہے اور محبت کو پانا بالکل ایک الگ کیفیت ہے اور وہ اسی کیفیت سے گزر رہی تھی۔ اس کو سوچ رہی تھی یہ سب کچھ بہت اچھا تھا۔ کم از کم اس کے لیے تو بہت اچھا تھا جس کی زندگی طوفانوں سے نکل ہی نہیں پا رہی تھی۔ اب کہیں تو زندگی سکون کا سانس لے گی۔ اس نے بہت کوشش کرکے بڑی ماں کی نگاہیں۔ ان کی سرد مہری۔ ان کے انداز سب کو بھلایا اور صرف وہ یاد رکھا جو اسے یاد رکھنا تھا۔

اور اب پتا نہیں رامین کس قسم کی باتیں کر رہی تھی۔ وہ ساری باتیں جو دل دکھانے والی تھیں یا راستہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دکھانے والی وہ فیصلہ نہیں کرپائی۔ اور محبت میں فیصلوں کا اختیار ہی کب ملتا ہے سب کچھ تو طے شدہ ہوتا ہے اور اس طے شدہ راستے پر صرف چلنا ہوتا ہے۔ آنکھیں بند کرکے اور عقل کو سلا کر۔

وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھی جب لائبہ نے کمرے میں قدم رکھا۔ اس کا موڈ حسب معمول خراب ہی تھا۔ رامین نے چپکے سے اسے دیکھا۔ پھر ہنیہ کو۔

"پتا نہیں کیا بات ہے۔ گھر میں کوئی ایسی ہوا چلی ہوئی ہے جس نے لوگوں کے مزاج برہم کیے ہوئے ہیں۔"

ہنیہ نے تو خیر اس کی بات سنی ہی نہیں۔ وہ اتنی الجھی ہوئی تھی کہ اسے فوری طور پر کوئی بات سمجھ میں ہی نہیں آرہی تھی۔ البتہ لائبہ کا چہرہ جیسے ایک دم تڑخ گیا۔

"یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔"

"کیا سب کچھ؟" اس کے لہجے میں حیرانی تھی۔

"کچھ نہیں۔ تم نے بہن ہو کر میری راہ میں کانٹے بچھائے ہیں۔ میں صرف اتنی بات جانتی ہوں۔"

"تم جو کچھ بھی جانتی ہو۔ وہ تمہارے اپنے ہی دماغ کی پیداوار ہے اور کوئی کسی کی راہ میں کانٹے نہیں بکھیر سکتا۔ یہ تو ہم خود ہوتے ہیں جنہیں بڑا شوق ہوتا ہے 'راہ کے کانٹے اٹھا کر اپنے دامن میں بھرنے کا۔ اور کوئی انسان زبردستی کسی سے محبت کرسکتا ہے نہ کروا سکتا ہے۔ آئی سمجھ میں بات۔ اگر عمار کہیں اور کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے تو میں کہاں سے قصوروار ہوگئی۔ میں نے تو اسے ایسا کرنے کو نہیں کہا تھا اور وہ بھی عمار جیسے آدمی سے۔ جو اپنی بھی نہیں سنتا ہو۔ تو اس کی محبت میں ہمیں کہاں سے آگئی۔"

"بس خاموش ہوجاؤ۔ میں نے تمہیں تقریر کرنے کو نہیں کہا تھا۔ اس قدر معصوم بن رہی ہو جیسے کچھ پتا ہی نہیں ہے کہ گھر میں کیا فساد ہورہا ہے۔"

"جو ہورہا ہے 'وہ تو پتا ہے 'مگر تمہارا غصہ 'وہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔"

"اچھا ہے ابھی سمجھ میں بھی نہ آئے۔ مجھے بھی صرف ثبوت چاہیے۔ اس کے بعد پھر دیکھ لینا۔" پاؤں پٹختی ہوئی باہر نکل گئی تو رامین نے ہنیہ کو دیکھا۔

"تمہاری بھی سمجھ میں آیا جو لائبہ کہہ کر گئی ہے۔ لگ رہا ہے جاسوسی فلمیں بہت دیکھ رہی ہے۔ نہ جانے کس چیز کا ثبوت اسے چاہیے۔ کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ لائبہ میں تائی امی کی روح آگئی ہے۔ ان کی زبان کی دھار بھی بہت تیز ہے۔ لائبہ ہماری امی کے بجائے ان ہی کی بیٹی لگتی ہے وہی انداز' وہی اطوار' تم سن رہی ہو نا۔"

"ہاں۔"

"اتنی آہستہ آواز میں جواب کیوں دیتی ہو؟" رامین چڑ گئی۔ "میں نے تم پر کتنی محنت کی ہے اور تم ہو کہ سب پانی میں ملا دیتی ہو۔ بہادر بن کر جواب دیا کرو بلکہ جواب دینے پر یاد آیا کہ ساری چھان بین مکمل ہوگئی ہے دادی جان کوئی مشاورتی ٹیم بٹھائیں گی پھر اس کے بعد زوہیب بھائی کو جواب دے دیا جائے گا کہ دلہنیا کو آکر لے جائیں۔"

"نہیں۔" وہ ایک دم گھبرا گئی۔

"کیا نہیں؟" رامین نے حیرانی سے کہا۔ "زوہیب بھائی بہت اچھے ہیں۔ ان فیکٹ تم تو زیادہ بات نہیں کرپائیں حالانکہ اب آج کے زمانے میں بن شرمانا ہے لیکن میں نے ان سے ڈھیروں باتیں کی تھیں اور وہ سب کو بہت اچھے لگے تھے۔ تم ان کے ساتھ بہت خوش رہو گی۔"

"نہیں۔ میں خوش نہیں رہوں گی۔" بے اختیار ہی اس کی زبان پھسلی۔

"یہ کیا فضول بات ہے۔" رامین نے ناراضی سے کہا۔ "تم نے کیا مستقبل کو دیکھ لیا ہے؟"

"نہیں۔ میں نے اپنے دل کو دیکھا ہے۔"

"تمہارے دل پر غالباً' کوئی ایسی جھلی وغیرہ آگئی ہے جس کی وجہ سے وہ صحیح کام نہیں کررہا ہے۔" رامین کے لہجے میں ناراضی تھی۔

"اب تمہیں کیا بتاؤں رامین۔" اس نے دل گرفتی سے سوچا۔ "واقعی دل نے میرے ساتھ یہی کیا ہے اور کچھ بھی صحیح نہیں ہورہا ہے۔ نہ وہ بہلتا ہے۔ نہ سمجھتا ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" اسے خاموش دیکھ کر رامین نے بات بدل دی۔

"لیکن جب مجھے اتنا افسوس ہورہا ہے۔ تو دادی جان کو تو یہ رشتہ بہت پسند آیا تھا۔ انہیں مجھ سے زیادہ افسوس ہوگا اور وہ وجہ بھی پوچھیں گی۔ تم وجہ کیا بتاؤ گی؟"

"ابھی تو کوئی وجہ میرے پاس نہیں ہے۔"

اس نے سچائی سے کہا اور ساتھ ہی وہ دو ملاقاتیں بھی یاد آگئیں۔ اس شخص میں واقعی کوئی خرابی نہیں تھی۔ پتا نہیں کیا وجہ بتانی ہوگی تائی جان کو۔ ابھی تو دل دماغ بالکل خالی ہورہا تھا۔ لیکن ایک بات طے تھی کہ جو کچھ بھی کہنا ہے اسے سچ ہی کہنا ہے۔

وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ اتنے کھلے کمرے میں اسے گھٹن ہورہی تھی۔ باہر آتے ہی وہ پچھتائی۔ سامنے بڑی ماں کھڑی ہوئی تھیں۔ اپنے سخت تیوروں کے ساتھ۔ اسے دیکھتے ہی ان کے ماتھے کے بلوں میں دو بلوں کا اضافہ اور ہوگیا جو قدم ٹھٹکے۔ وہ آگے بڑھ ہی نہیں سکے۔

"ابھی مجھے کچھ بھی پتا نہیں ہے۔ صرف ایک ہلکا سا شک ہے بی بی۔ لیکن جس دن مجھے اس لڑکی کا نام پتا چل گیا تو پھر اس لڑکی کی خیر نہیں ہوگی جس نے اتنی ہمت کی کہ اس نے میرے بیٹے کو میرے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔"

لفظوں میں اگر اتنی طاقت ہوتی کہ وہ کسی کو جلاسکتے تو اس وقت وہاں اس کے ساتھ یہی ہوتا۔ شکر کا مقام تھا کہ انسان کے پاس یہ اختیار نہیں تھا۔ وہ ایک دم پلٹ کر بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی۔

"خیریت؟ تمہیں کیا ہوا ہے؟" رامین نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"نہیں۔ کچھ نہیں۔" اس نے اپنی نم ہوتی ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑ کر توانائی دینے کی کوشش کی۔

بعض لوگ کیسے ہوتے ہیں نہ ان کے چہرے پر خیر ہوتی ہے نہ ان کے لفظوں میں۔ اس نے آنکھیں بند کرکے عمار کے الفاظ یاد کرنے کی کوشش کی اس وقت وہی ایک چیز اس کو حوصلہ دے سکتی تھی۔ اس نے کہا تھا۔

"ہنیہ مجھے نہیں پتا' کس چیز نے مجھے تمہاری طرف متوجہ کیا۔ تمہارے گریز نے یا تمہارے غرور اور حسن نے بلکہ حسن کو نکال دو۔ وہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ وہ بہت دیکھا ہے' لیکن کوئی چیز ضرور ہے تمہارے اندر جس نے مجھے تمہاری طرف دیکھنے پر مجبور کیا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو شاید مجھے کہیں اور نہیں ملی ہے۔"

وہ اس "کوئی چیز" کے بارے میں جانتی تھی۔ وہ اس کی عزت نفس تھی جب وہ تایا کے گھر سے آئی تھی اور بہت مشکلوں سے اس نے دوبارہ سے اپنے آپ کو سمیٹا تھا۔ تو اس نے خود سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ زندگی میں دوبارہ کبھی کسی کو یہ موقع نہیں دے گی اور اب کیا ہوگا۔

انسان دوسروں سے کیے ہوئے وعدے کیا نبھائے گا۔ خود سے کیے گئے وعدے بھی ساتھ دینے پر آمادہ نہیں ہوتے جب ان وعدوں کے ایفا ہونے کا وقت آتا ہے۔ وہ ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔

اسے اب بھی بڑی ماں کا لہجہ یاد آیا۔ تو ایک جھرجھری سی آگئی۔ انسان ہو کر انسان اس طرح نفرتیں کیسے کرسکتا ہے۔ وہ کسی کو کیسے یقین دلا پائے گی کہ اس کا تو کوئی قصور بھی نہیں تھا۔ بہت دیر تک وہ ان ہی سوچوں میں الجھی رہی۔ وہ سوچیں جن کا نہ سر تھا نہ پیر۔ جو صرف سر میں درد ہی پیدا کرسکتی تھیں اور واقعی اس کے سر میں اچھا خاصا درد ہوگیا۔ رامین اسے اٹھانے آئی تو وہ بخار میں بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔ یہ دوسری دفعہ تھا جب اس کو یوں اچانک بخار چڑھا تھا۔

اب دادی جان اسے بلا رہی تھیں۔ انہیں اس سے پوچھ کر زوہیب کے گھر والوں کو جواب دینا تھا اور جواب۔ رامین نے جھنجلا کر سوچا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

پھر یہ بخار شاید دادی جان کی طرف منتقل ہوجائے۔ وہ بھی تو ہنیہ کی طرح ہر بات کی ٹینشن لے لیتی ہیں پھر گھبرا گھبرا کر پوچھیں گی کیا ہوگیا بیٹا۔ کوئی بات بری لگ گئی ہے، جو کچھ بھی دل میں ہے۔ اپنی نانی کو بتا دو۔

اور دادی جان کو کیا پتا جو کچھ دل میں ہوتا ہے وہ صرف آگ ہوتی ہے اور آگ کو اس سے کیا مطلب کہ وہ کس کو جلاتی ہے۔ وہ کتنی ہی دیر ہنیہ کے خوب صورت چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچتی رہی۔

کس راہ کی مسافر بننے جارہی ہو جس کا نام بھی زبان پر نہیں لاسکتی ہو۔

گھر میں بھی عجیب سی فضا چھائی ہوئی ہے۔ کوئی جامد سکوت' کوئی پراسرار سا سناٹا اور اس کا جب بھی اختتام ہوگا۔ یقیناً" اچھا نہیں ہوگا اور اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو..... وہ بہت دیر تک اوٹ پٹانگ سی سوچوں میں الجھی رہی۔ کوئی بالکل سامنے کی بات تھی۔ جو سمجھ میں نہیں آرہی تھی اور خیر سمجھ میں آبھی جائے تو اس نے کون سا تیر مار لینا تھا۔ فی الوقت تو اسے صرف کبوتر کی طرح دادی کو پیغام پہنچانا تھا۔

"کہ ہنیہ کو بخار ہوگیا ہے، جواب پھر بعد میں معلوم کرلیا جائے۔"

وہ ٹیبلٹ لینے باہر نکلی تو سامنے ہی بڑی تائی اور عمار کھڑے تھے۔ ان دونوں کے چہروں کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ ابھی بھی سرد جنگ چل رہی ہے۔ پتا نہیں اس عجیب سچویشن کا انجام کیا ہوگا اور بڑی تائی کو تو دیکھو۔ نہ جانے اس قدر دکھ میں کیوں ہیں خدا خیر کرے۔ وہ سر جھکائے تیزی سے گزرنے لگی جب انہوں نے اسے روک لیا۔

"کہاں جارہی ہو؟"

"جی..... !وہ ہنیہ کو بخار ہے۔ اس کے لیے دوائی لینی ہے اور دادی جان کو بتانا ہے کہ ابھی جواب کا انتظار کریں۔"

"کس جواب کا؟" عمار نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا اور انہوں نے بھی..... رامین کو بلاوجہ بڑبڑ کی عادت نہیں تھی۔ مگر اس وقت اس نے کسی دھن میں کہہ دیا کہ

"وہ جو زوہیب بھائی کا رشتہ آیا تھا تو اب ان لوگوں کو جواب دینا ہے۔"

"تو کس نے منع کیا ہے۔ اچھا خاصا رشتہ ہے۔ فوراً" ہی ہاں میں جواب دے دینا چاہیے تھا۔" ان کا لہجہ ہمیشہ کی طرح تحقیر آمیز تھا۔ "لیکن اس معاملے میں ہماری ساس بالکل لبرل بن جاتی ہیں اور کیوں نہ بنیں اپنی نواسی کا جو معاملہ ہے۔"

"تائی امی! یہ تو اچھی بات ہے۔ زندگی جس نے گزارنی ہے پھر حق بھی اسی کا ہونا چاہیے کم از کم دادی جان اس معاملے میں اچھی رہیں' انسان کو روشن خیال ہونا چاہیے۔"

"بی بی! یہ تم کس کو باتیں سنا رہی ہو؟"

"جی! کسی کو نہیں۔" رامین بوکھلا گئی۔ "میرا بھی دماغ خراب ہے۔ دوا لینے آئی تھی اور باتیں کرنے میں لگ گئی۔"

"میں ڈاکٹر کے پاس لے چلوں!" عمار نے اپنی جگہ سے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ایسی پیش کش؟" رامین نے آنکھیں سکیڑ کر اپنے مغرور کزن کو دیکھا اور اس نے تو صرف دیکھا ہی بڑی امی کی تو حیرت کی زیادتی سے آنکھیں ہی کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اپنی اولاد کو تو وہ بھی بڑے اچھے طریقے سے جانتی تھیں۔ مغرور اور خود پسند۔

اور جس لڑکی کا نام وہ پچھلے چھ دنوں سے پوچھ رہی تھیں انہیں جیسے ایک دم سے الہام ہوگیا کہ وہ لڑکی تو ان کے گھر میں موجود ہے۔ ان کی نظروں کے سامنے..... اور وہ پاگل بن رہی تھیں۔

وہ کتنی ہی دیر عمار کو دیکھتی رہیں۔ یوں جیسے وہ ابھی کہہ دے گا کہ آپ جو کچھ سوچ رہی ہیں' ایسا کچھ نہیں ہے۔

"تمہیں ہنیہ سے شادی کرنا ہے؟ میں صحیح کہہ رہی ہوں نا؟"

"جی!" اس نے مختصراً" کہا۔ "لیکن وہ لڑکی میری

بات ہی سننے پر رضامند نہیں ہوتی۔ بے وقوف جانتی ہی نہیں کہ میں پارس ہوں، جس پر ہاتھ رکھ دوں وہی سونا بن جائے۔"

"بے وقوف؟" بڑی تائی اپنی جگہ بل کھا کر رہ گئیں۔

"آج کل کے دور میں کوئی بے وقوف نہیں ہوتا۔ یہ تو ایک حربہ ہے۔ جس میں تم جیسے بے وقوف لڑکے آکر پھنس جاتے ہیں۔ تمہیں کیا پتا؟ آج کل کی لڑکیوں کو کتنی ادائیں آتی ہیں اور تم نے کیا دیکھ کر یہاں منہ مارا۔"

"پلیز تائی امی۔" رامین بلبلا گئی۔ "کسی لڑکی کے متعلق اس قسم کی باتیں نہیں کریں۔ وہ ہمارے ہی خاندان کی ہے۔ کیا ہوا جو اس کے والدین نہیں ہیں یا پھر منہ مانگا جہیز نہیں ہے۔"

"تم چپ رہو۔ بڑوں کی باتوں میں دخل نہیں دو۔"

ان کی آواز کسی پھنکار سے مشابہ تھی نہ غصہ کم ہورہا تھا اور نہ ملال ہی رخصت ہورہا تھا آخر ایسا کیا ہوگیا تھا اور اس وقت رامین کی سمجھ میں آیا کہ وہ اصل میں ان کی شکست کی آواز تھی اور شکست تو کسی کو بھی قبول نہیں ہوتی اس اکلوتے اور ہونہار بیٹے پر انہیں داؤ کھیلنا تھا وہ عین وقت پر ان کے ہاتھ سے نکلا تھا۔

رامین تصور ہی کرسکتی تھی کہ آنے والی صبح گھر میں کون سا ڈرامہ ہوگا اور ڈرامہ بھی وہ، جس کا انجام بھی پتا ہو۔ جیت تو عمار کی ہی ہوتی۔ فتح کا جھنڈا تو اسی کے ہاتھ رہنا تھا۔ زندگی بھر جو اس نے چاہا تھا' وہ ہوا تھا اور اب بھی وہی ہوتا۔

رامین نے بڑی تائی کو معاف کردیا۔ ایک شکست خوردہ آدمی کہاں تک جاسکتا ہے وہ صرف بول ہی سکتا ہے اور پھر نقصان تو ہوا تھا نا ان کا اور نقصان پر رویا جائے یا ضبط کیا جائے یہ وقت پر منحصر ہوجاتا ہے وقت جس کے پردوں میں بہت کچھ چھپا ہوتا ہے۔ وہ پلٹ کر اندر کمرے میں پہنچی تو ہنیہ جاگ چکی تھی۔ بڑی تائی کی آواز ابھی تک اندر آرہی تھی۔ وہ شاید ان کی آوازوں سے ہی اٹھی تھی اس کا چہرہ زرد ہورہا تھا۔

رامین کو اس کا چہرہ دیکھ کر افسوس ہوا۔ پتھر مارنے والوں کو نہیں پتا ہوتا ہے کہ لڑکیاں تو شیشے جیسی ہوتی ہیں۔ انہیں تو کنکر بھی چٹخا دیتا ہے نہ کہ ان پر پتھر مارنا۔

لیکن شاید محبت' خواہش' تمنا ہر زمانے میں ہی ایسی چیزیں رہی ہیں جو انسان کو پھانسی کے پھندے تک ہی پہنچا کر دم لیتی ہیں حالانکہ اب تو کہتے ہیں کہ قتل کی سزا بھی پھانسی نہیں ہونی چاہیے۔

لیکن محبت کرنے والوں کے لیے سارے زمانے ایک جیسے بے رحم ہوجاتے ہیں اور ان کی سزا بھی ایک جیسی ہی ہوجاتی ہے۔

ہنیہ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ محبت کرنے والوں کے چہرے الگ سے ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھیں ان کے رنگ۔ وہ تحریر ہی کوئی الگ تحریر ہوتی ہے، جو چاہے تو سمجھو۔ نہیں تو واقعی غم کے عنوان بہت ہوتے ہیں۔

رامین نے ہنیہ کا ہاتھ پکڑا۔ مقصد اسے تسلی دینا تھا۔ اسے اس پر ترس بھی آرہا تھا اور رشک بھی۔ وہ بیک وقت دونوں تاثرات میں گھری ہوئی تھی اور ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی وہ چیک کرکے گئی تھی کہ اسے تیز بخار تھا اور اب اس کا بخار غائب تھا اور وہ خود ایسی ہورہی تھی جیسے ٹھنڈی برف کی سل۔

"ہنیہ! یہ صحیح نہیں ہے۔" اس نے پریشانی سے کہا۔ "اس طرح تو تم مرجاؤگی۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ڈر تو مجھے بھی لگ رہا ہے' لیکن اس کا یہ مطلب یہ نہیں کہ بندہ جان دے دے اور تم نے کچھ نہیں کیا ہے اور رہی تمہاری بڑی مامی کی زبان تو وہ برداشت کرنا پڑے گی۔ کیونکہ محبت کی بھی اپنی ایک قیمت ہوتی ہے جو چکانا ہی پڑتی ہے۔"

وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی جسے اس کا دماغ سمجھنے سے قاصر تھا۔ ہاں مگر اسے ڈر بہت لگ رہا تھا حالانکہ دیکھا جائے تو ڈرنے کی بات نہیں تھی۔ عمار نے کہا تھا کہ ہوگا تو وہی جو میں چاہوں گا پھر بھی وہ کیا بات تھی جس کی وجہ سے بار بار آنکھوں میں پانی جمع

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہو جاتا تھا جیسے جو کچھ بھی سامنے آئے گا۔ وہ اچھا نہیں ہو گا۔

✡ ✡ ✡

اگلی آنے والی صبح اپنے ساتھ بہت سارے طوفان لے کر آئی یا طوفان جیسی کوئی چیز۔ وہ دونوں ہی اپنی جگہ بالکل خاموش تھیں۔

بڑی ماں کے تیروں کا سارا رخ ہنیہ کی طرف تھا۔ ان کے آگے کس کو بولنے کی ہمت تھی اور جو انہیں بولنے سے روک سکتا تھا۔ وہ صبح ہی صبح نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔

رامین نے کھڑکی سے خود دیکھا تھا کہ پہلے عمار واک کرتا رہا اس کے بعد اس نے آرام سے گاڑی نکالی اور چلا گیا۔ اتنی دور سے بھی رامین کو نظر آرہا تھا کہ اس کے چہرے پر اطمینان ہے اور شاید فتح کی سرخی بھی۔ اس بات سے یکسر لاعلم کہ اندر بیٹھا کوئی لحہ بہ لحہ موت کی اذیت کو جھیل رہا ہے۔ رامین نے سوچا کہ وہ ہنیہ کو نہیں بتائے گی، لیکن جس وقت وہ پیچھے مڑی۔۔۔ دھک سے رہ گئی۔ وہ اس کے بالکل پیچھے کھڑی سب کچھ دیکھ چکی تھی۔ اس کے چہرے پر بڑا ناقابل فہم تاثر تھا۔ رامین کچھ بھی سمجھ نہیں پائی۔

بڑی ماں کی آواز اب ہر جگہ گونج رہی تھی۔ کانوں میں گھس رہی تھی۔ دیواروں سے باہر نکل رہی تھی اور دروازے، کھڑکی بند ہونے کے باوجود۔۔۔ ہنیہ نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیا، لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ چیخ رہی تھیں۔ وہ زہر میں بجھے جملے جن سے روح تک چھلنی ہو جائے اور سارا وجود زخموں جیسی ٹیس دینے لگے۔

رامین کو غصہ آنے لگا۔ محبت کرنے والے ہمیشہ ہی مرتے رہیں گے' اسے زوہیب یاد آگیا۔ اچھا خاصا وہ شخص اس کی زندگی میں چھاؤں جیسا ہو سکتا تھا، لیکن اسے تو خود ہی دھوپ پر اصرار تھا۔ لیکن اب تو کچھ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے ہی تو ہنیہ کو سمجھایا تھا کہ بڑی تائی جو کچھ بھی کہیں، برداشت کر لینا۔ محبت کی کوئی قیمت تو ادا کرنی ہی پڑے گی، لیکن کہنا اور برداشت کرنا بالکل الگ چیز ہے۔ اسے افسوس ہونے لگا۔ پتا نہیں وہ کس طرح برداشت کر رہی تھی۔ بعض اوقات فیصلہ کرنا بھی مرجانے کے برابر ہوتا ہے، لیکن عمار؟ وہ کہاں ہے' وہ ان تیروں سے بچانے کے لیے کیوں نہیں آجاتا۔ وہ کدھر چلا گیا ہے؟ اور اس نے چڑ کر کہہ بھی دیا ہنیہ سے۔

"تمہیں ابھی تک نہیں پتا چلا کہ کیا ہوا۔" ہنیہ کے چہرے پر کوئی الگ سی چیز تھی۔

"تمہیں نہیں پتا چلا رامین! کہ وہ کیوں چلا گیا ہے؟" وہ یک ٹک اس کا چہرہ دیکھے گئی وہ چہرہ جو آنسوؤں سے بھیگا تھا۔

"زندگی کے راستے بڑے سیدھے ہوتے ہیں، مگر ہمیں سیدھا راستہ نہیں ملتا۔ کیونکہ محبت نے ہمیں بھٹکایا ہوا ہوتا ہے، مگر یہ کیسی محبت ہے کہ اس محبت میں احسان ہے' انا ہے اور اپنی ذات کا غرور۔ محبت میں ان چیزوں کا کیا کام ہوتا ہے؟ وہ جانتا تھا کہ جب بھی یہ ذکر ہو گا' بڑی ماں قیامت لے آئیں گی۔ وہ زہر میں بجھے فقرے میں سنوں گی۔ وہ بڑی ماں کی زبان سے احساس دلوانا چاہتا تھا کہ وہ مجھ جیسی بے حیثیت' بے مایہ لڑکی کو کس مقام پر لے کر جا رہا ہے۔ مجھے بڑی ماں کی باتوں کا غم نہیں ہے۔ میں نے اس کے لیے خود کو تیار کر لیا تھا' لیکن زندگی بہت کچھ ایسا دکھاتی ہے جو وقت گزرنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے۔ میری طرف سے انکار ہے رامین! وجہ پوچھے تو بتا دینا۔"

اس نے گہری سانس لی کہ محبت کے مزار پر عزت کا دیا بجھ گیا تھا اور جب عزت کا دیا بجھ جائے تو دل کے اندر موجود وہ آبگینہ ہی ٹوٹ جاتا ہے جس کے اندر کہیں محبت روشن ہوتی ہے۔

محبت کب سمجھتی ہے

محبت کب سمجھتی ہے
کہ کوئی توڑ ڈالے گا
محبت کب سمجھتی ہے
کہ کوئی دشتِ وحشت ہے
جو خوابوں میں بسی
آنکھوں کو جانے کب
کہاں جھنجھوڑ ڈالے گا
محبت کب سمجھتی ہے
کہ جو شفاف رستے ہیں
در منزل پہ رکتے ہیں
تھکن تحفہ نہیں دیں گے
کہیں بھٹکا نہیں دیں گے
محبت کب سمجھتی ہے
کہ ان شفاف رستوں سے
کوئی دکھ درد کی جانب
اسے نہ موڑ ڈالے گا
محبت کب سمجھتی ہے
کہ کوئی توڑ ڈالے گا

سید کامی شاہ

اب کے سفر اور ہی تھا، اور ہی کچھ سراب تھے
دشتِ طلب میں جا بجا، سنگ گراں خواب تھے

اب کے برس بہار کی رت بھی تھی انتظار کی
دل میں سیلِ درد تھا، آنکھوں میں اضطراب تھے

خوابوں کے چاند ڈھل گئے، تاروں کے دم نکل گئے
پھولوں کے ہاتھ جل گئے، کیسے یہ آفتاب تھے

عمر اسی تضاد میں رزقِ غبار ہو گئی
جسم تھا اور عذاب تھے، آنکھیں تھیں اور خواب تھے

آنکھوں میں خون بھر گئے، رستوں میں ہی بکھر گئے
آنے سے قبل مر گئے، ایسے بھی انقلاب تھے

سیل کی رہگزر ہوئے، ہونٹ نہ پھر بھی تر ہوئے
کیسی عجیب پیاس تھی، کیسے عجیب سحاب تھے

درد کی رہگزار میں، چلتے تو کس خمار میں
چشم کہ بے نگاہ تھی، ہونٹ کہ بے خطاب تھے

امجد اسلام امجد

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہر طرف پھیلی تھی اُس کی یاد جنگل کی طرح
میں گزر کر آ گیا ہوں اُڑتے بادل کی طرح

ایک لمحے کو جُدا ہونے دے ممکن ہی نہیں
دھیان رکھتی ہے مرا وہ اپنے آنچل کی طرح

چھوٹی چھوٹی باتوں پہ رونے کی عادت ہے اُسے
اور آنکھوں میں مجھے رکھتی ہے کاجل کی طرح

مُسکرا کر دیکھتی ہے جب وہ کھڑکی سے کبھی
ایک خواہش دل میں کھِل جاتی ہے کونپل کی طرح

ڈولتے رہتے ہیں سپنے پانیوں پہ رات دن
کچھ تو ہوتا ہے مری آنکھوں میں ہلچل کی طرح

جب بھی پانی پھینکتی ہے وہ شرارت میں حسن
جسم لگتا ہے کسی بھیگے ہوئے مخمل کی طرح

حسن عباسی

چاند بھی کھویا کھویا سا ہے تارے بھی خوابیدہ ہیں
آج فضا کے بوجھل پن سے لہجے بھی سنجیدہ ہیں

جانے کن کن لوگوں سے اس درد کے کیا کیا رشتے ہیں
ہجر کی اس آباد سرا میں سب چہرے نادیدہ ہیں

اتنے برسوں بعد بھی دونوں کیسے ٹوٹ کے ملتے ہیں
تُو ہے کتنا سادہ دل اور ہم کتنے پیچیدہ ہیں

سُن جاناں، ہم ترکِ تعلق اور کسی دن کر لیں گے
آج تجھے بھی عجلت سی ہے، ہم بھی کچھ رنجیدہ ہیں

کانوں میں اک سرگوشی ہے، بے معنی سی سرگوشی
آنکھوں میں کچھ خواب سجے ہیں خواب بھی صبح رسیدہ ہیں

گھر کی وہ مخدوش عمارت گر کے پھر تعمیر ہوئی
اب آنگن میں پیڑ ہیں جتنے، سارے شاخ بریدہ ہیں

اس بستی میں ایک سڑک ہے جس سے ہم کو نفرت ہے
اس کے نیچے پگڈنڈی ہے جس کے ہم گرویدہ ہیں

عرفان ستار

اس ماہ کی مسکراہٹیں

صبا سحر

سیکرٹ ایجنٹ

ایک سیکرٹ ایجنسی میں ایک قاتل کی آسامی خالی ہوئی۔ خفیہ ای میل پر بڑی تعداد میں درخواستیں آئیں۔ ایجنٹوں نے بہت تحقیق کے بعد صرف دو مرد اور ایک خاتون کا انتخاب کیا۔ تینوں کے بہت سے امتحان لیے گئے اور انہیں یہ بات ذہن نشین کرائی گئی کہ انہیں جذبات سے یکسر عاری ہو کر کسی روبوٹ کی طرح احکام پر عمل کرنا ہوگا۔ کسی سوال کی کوئی گنجائش نہیں نکلے گی۔

آخری امتحان کے لیے انہیں اپنے اپنے شریک حیات کے ساتھ طلب کیا جنہیں الگ کمرے میں بھیج دیا گیا۔

ممتحن نے پہلے مرد امیدوار کو بڑے بور کا پستول تھما کر کہا۔ "کمرے میں جاؤ اور اپنی بیوی کو گولی مار دو۔"

"یہ کیسا احمقانہ مذاق ہے۔ میں اپنی بیوی کو گولی نہیں مار سکتا۔" امیدوار نے غصے سے کہا۔

"اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ تم مسترد کیے جاتے ہو۔ چلے جاؤ۔" ممتحن نے سرد اور حتمی لہجے میں کہا۔

دوسرے امیدوار کو بھی پستول تھما کر بند کمرے میں بھیجا۔ وہ پستول لے کر کمرے میں گیا۔ پانچ منٹ تک کمرے میں خاموشی رہی پھر دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے نم دیدہ سے باہر آئے۔ مرد امیدوار نے کہا۔

"میں نے اپنا دل بہت مضبوط کیا مگر میں اپنی بیوی کو نہیں مار سکتا۔" وہ پستول واپس کر کے بیوی کے ساتھ چلا گیا۔

اب خاتون امیدوار کی باری تھی۔ وہ پستول لے کر اندر گئی۔ دروازہ بند ہوتے ہی فائر کی آوازیں آئیں پھر خوب دھما چوکڑی اور چیخ و پکار کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ چند منٹ بعد سناٹا چھا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ عورت بکھرے بالوں اور زخمی چہرے کے ساتھ باہر آئی اور آتے ہی غصے سے چیخی۔

"پستول میں تو سب نقلی گولیاں تھیں۔ میں نے کرسی مار مار کر بہت مشکل سے اسے ٹھکانے لگایا ہے۔"

(یاسمین ظفر۔۔۔ لاہور)

شادی

ایک امریکی خاتون اپنے بچے کی پیدائش کا اندراج کرانے سٹی ہال پہنچیں۔

"اس شخص سے یہ آپ کا تیسرا بچہ ہے۔ آپ اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتیں۔" کلرک نے پہچان کر دوستانہ انداز میں سوال کیا۔

"اپنا مشورہ اپنے پاس رکھو۔" خاتون نے ناک بھوں چڑھا کر کہا۔ "جو شخص مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ تم چاہتے ہو میں اس سے شادی کر لوں؟"

(ندا جمیل۔۔۔ کراچی)

ہمسائیگی

"اللہ کا شکر ہے، بہت اچھا پڑوس مل گیا ہے۔" نئے گھر میں شفٹ ہونے والی خاتون نے بازار میں اچانک ملنے والی پرانی پڑوسن سے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اچھی بات ہے۔ اب تو میرا پڑوس بھی بہت اچھا ہوگیا ہے۔" خاتون نے جواباً اپنا نیا تجربہ بیان کیا۔

"اچھا۔ تو کیا تم نے بھی گھر بدل لیا ہے؟" خاتون نے حیران ہو کر پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ میں تو تمہارے گھر میں آنے والے نئے لوگوں کے بارے میں بتا رہی ہوں۔" دوسری خاتون نے اطمینان سے جواب دیا۔

(الماس تنویر۔۔۔ ہزارہ)

قابلیت

"میں نے سنا ہے تم بہت زیادہ محنت سے کام کر رہے ہو۔ بلا معاوضہ اوور ٹائم لگانے پر بھی تیار ہو جاتے ہو۔ ہر ڈپارٹمنٹ میں ضرورت پڑنے پر کام سنبھال لیتے ہو۔" باس نے نوجوان کلرک کو بلا کر پوچھا۔

"جی سر!" نوجوان کا چہرہ دمکنے لگا۔

"ان ہی وجوہات کی بنا پر میں تمہیں ملازمت سے برطرف کر رہا ہوں۔" باس نے خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے ملازم سے کہا۔ "وہ یقیناً" تم جیسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو یہاں سے سیکھ کر مقابلے پر کام شروع کر دیتے ہیں۔"

(شہلا اظہر۔۔۔ وہاڑی)

دوسرا نوٹس

ایک فرم کے مالک کو نہایت سخت الفاظ پر مبنی دوسرا نوٹس موصول ہوا۔ جس میں اسے یہ باور کروایا گیا تھا کہ اب اگر ٹیکس ادا نہیں کیا تو اس کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ فرم کا مالک گھبرا کر ٹیکس آفس پہنچا۔ ٹیکس جمع کروایا اور معذرت کی کہ پہلا نوٹس کہیں گم ہوگیا تھا۔

"ہم پہلا نوٹس بھیجتے ہی نہیں ہیں۔ ہمارا تجربہ ہے کہ دوسرا نوٹس دینا ہی زیادہ کارگر ہوتا ہے۔" ٹیکس آفیسر نے آرام سے جواب دیا۔

(صدف محمد علی۔۔۔ ڈہرکی)

غلط فہمی

ایک نہایت حسین و جمیل خاتون اپنے ڈاکٹر کے پاس گئی۔ اس کی ایک آنکھ سوجی ہوئی تھی اور سر پر ایک بڑا سا گومڑا بھی تھا۔ ڈاکٹر نے مرہم پٹی کے دوران چوٹوں کا سبب معلوم کیا تو خاتون نے جواب دیا۔

"یہ میرے شوہر کی عنایت ہے۔"

"مگر میں نے تو سنا تھا کہ آپ کے شوہر شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"جی! میں بھی اسی غلط فہمی کا شکار تھی۔" خاتون نے آہ بھر کر جواب دیا۔

(فرح بابر۔۔۔ گجرات)

معذرت

محکمہ ٹیلی فون کے ڈائریکٹر نے ایک شخص کو فون پر اطلاع دی۔ "جناب! کل شام آپ نے ہمارے آپریٹر سے سخت بدتمیزی کی تھی۔ اس لیے اگر آپ اس سے معذرت نہیں کریں گے تو آپ کا ٹیلی فون منقطع کر دیا جائے گا۔"

اس شخص نے معذرت کا وعدہ کرلیا اور فون ملا کر آپریٹر سے کہا۔

"کل میں نے آپ سے یہی کہا تھا کہ آپ جہنم میں جائیں۔" آپریٹر نے تائید کی تو اس شخص نے دوبارہ کہا۔

"تو اب میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ پلیز آپ جہنم میں نہ جائیں۔۔۔"

(ارم جنید۔۔۔ فیصل آباد)

خالدہ جیلانی

کھلتا کسی پہ کیوں میرے دل کا معاملہ

اُفق آتش ۔۔۔ چیچہ وطنی

اسی ایک پل کی تلاش ہے جسے لوگ کہتے ہیں زندگی
تیری رہگزر میں بکھر گئیں میری عمر بھر کی مسافتیں

دُعا ۔۔۔ آزاد کشمیر

قرب کے نہ وفا کے ہوتے ہیں
سارے جھگڑے انا کے ہوتے ہیں
بات نیت کی صرف ہے ورنہ
وقت سارے دُعا کے ہوتے ہیں

حجاب ۔۔۔ آزاد کشمیر

بھول جاتے ہیں مت بُرا کہنا
لوگ پتلے خطا کے ہوتے ہیں

سیّد زادی ۔۔۔ کوٹ ادّو

شوق شہر تمنّا کے ٹھکانے گزرے
رات بھر ذہن سے کچھ خواب پرانے گزرے
جانے کس شخص کے بارے میں پریشان ہو تم
اب ہمیں خود کو بھولے بھی زمانے گزرے

شفق شان ۔۔۔ گوجرہ

جو ساری عمر مجھ سے دُور دُور چلتا رہا
وہ آس پاس یوں بکھرا ہے جیسے خوشبو ہو
بس اس امید پہ خوابوں میں عمر کاٹی ہے
میں آنکھ کھول کے دیکھوں تو سامنے تو ہو

کوثر ناز ۔۔۔ حیدر آباد

مدّت ہوئی ہے اس سے بچھڑے ہوئے یارو
مگر وہ مجھ میں اب بھی پنہاں ہے روزِ اوّل کی طرح

کوثر خالد ۔۔۔ جڑانوالہ

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

لیلیٰ ۔۔۔ ایبٹ آباد

غضب کی دُھوپ ہے تنہائیوں کے جنگل میں
شجر بہت ہیں مگر کوئی سایہ دار نہیں

کشمالہ صدف ۔۔۔ پنڈی گھیب

تن من اپنا خاک کیا پھر نگری ایک بسائی تھی
جلتے سمے جو پلٹ کر دیکھا اک اک اینٹ پرائی تھی
کس کی جا زنجیر ہلاتے، کس سے جا کرتے فریاد
اپنے ساتھ تو ایک خدا تھا، اس کے ساتھ خدائی تھی

حیا بخش ۔۔۔ کوہاٹ

شاہوں کی طرح تھے نہ امیروں کی طرح تھے
ہم شہرِ محبت کے فقیروں کی طرح تھے
دریاؤں میں ہوتے تھے جزیروں کی طرح ہم
شہروں میں پانی کے ذخیروں کی طرح تھے

حرا قریشی ۔۔۔ ملتان

افسوس کہ سمجھا نہ ہمیں اہلِ نظر نے
ہم وقت کی جھیل میں ہیروں کی طرح تھے

نشاط فہمی ۔۔۔ فیصل آباد

اک دیا ایسا بجھا ہے مجھ میں
نوحہ گر اب کہ ہوا ہے مجھ میں
عکس در عکس بکھرنا ہے مجھے
جانے کیا ٹوٹ گیا ہے مجھ میں

مدیحہ چیمہ ۔۔۔ کراچی

مجھے کب کسی کی امنگ تھی میری اپنے آپ سے جنگ تھی
ہوا جب شکست کا سامنا تو خیال تیری طرف گیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

شگفتہ جاہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذؓ کو جب (عامل بنا کر) یمن بھیجا تو آپ نے انہیں ہدایت فرمائی۔

"مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔"

تشریح:۔ بددعا فوراً پروردگار تک پہنچ جاتی ہے اور ظالم کی خرابی ہوتی ہے، کبھی اللہ تعالیٰ فوراً سزا دے دیتا ہے اور کبھی ایک میعاد کے بعد۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ظلم سے تنگ آکر بددعا کی۔ چالیس برس کے بعد اس کا اثر ظاہر ہوا۔

ظالم کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ ہم نے ظلم کیا اور کچھ سزا نہ ملی۔ اللہ کے ہاں انصاف کے لیے دیر ہے۔ اندھیر نہیں۔

علم اور عمل،

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں۔

"علم عمل کو پکارتا رہتا ہے۔ جواب نہیں پاتا تو رخصت ہو جاتا ہے۔"

یعنی عمل نہ کرنے سے علم بھی ختم ہو جاتا ہے۔

قدیم عرب شعراء کے افکار،

- جو آدمی اپنا بھید نہ چھپائے وہ دوسرے کا بھید کیسے چھپا سکتا ہے۔ (امرئ القیس)
- بیوی! مجھے مال کا مالک بننے دے نہ یہ کہ مال میرا مالک بن جائے تو اس کا انجام اچھا دیکھے گی۔ مجھے کوئی ایسا سخی دکھا دے جو بھوکا مر گیا ہو یا کوئی بخیل دکھا دے جو امیر ہو گیا ہو تو پھر میں تیرا ہم خیال ہو جاؤں گا۔ (حاتم طائی)
- انسان تمنا کرتا ہے کہ وہ زندہ رہے اور طویل زندگانی اسے نقصان پہنچاتی ہے۔ اس کے چہرے کی بشاشت ختم ہو جاتی ہے اور زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ (النابغۃ الذبیانی)
- شریف آدمی اپنی تنگ دستی کو چھپاتا ہے۔ بظاہر غنی معلوم ہوتا ہے مگر ہوتا ہے مصیبت زدہ۔ (حماد عجرد)

حجاج اور اعرابی کا مکالمہ،

سعید بن عروہ کا بیان ہے۔

حجاج بن یوسف ایک مرتبہ مکہ مکرمہ جا رہا تھا، راستے میں پڑاؤ ڈالا۔ اس نے اپنے دربان سے کہا۔

"دیکھو، اگر کوئی اعرابی (بدو) نظر آئے تو اسے لاؤ تاکہ وہ میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو سکے۔"

حجاج کی یہ عادت تھی کہ جب کھانے پر بیٹھتا تو لازماً کسی دوسرے شخص کو بھی دسترخوان پر اپنے ساتھ بٹھاتا۔

دربان کی نگاہ ایک اعرابی پر پڑی جو دو چادریں لپیٹے ہوئے تھا۔ اس نے اعرابی کو مخاطب کر کے کہا۔

"گورنر کی دعوت قبول کرو۔"

جب اعرابی حجاج کے پاس آیا تو حجاج نے کہا۔

"قریب آؤ اور میرے ساتھ کھانا تناول کرو۔"

اعرابی نے کہا۔ "مجھے اس ہستی نے دعوت دے رکھی ہے جو تجھ سے بہتر ہے۔"

حجاج:۔ "کون ہے وہ ہستی؟"

اعرابی:۔ "اللہ عزوجل نے مجھے روزہ رکھنے کی دعوت دی ہے، سو میں روزہ سے ہوں۔"

حجاج:۔ "اس شدید گرمی میں روزہ۔"

اعرابی:۔ "جی ہاں، میں نے اس دن کے لیے روزہ رکھا ہوا ہے جو اس سے کئی گنا زیادہ گرم ہوگا۔"

حجاج:۔ "چلو آج کھا لو، کل روزہ رکھ لینا۔"

اعرابی:۔ "تجھ پر تعجب ہے اے حجاج! کیا کل تک میری زندگی کا تو ضامن ہو سکتا ہے؟"

حجاج:۔ "یہ تو میرے بس میں نہیں ہے۔"

اعرابی:۔ "پھر تو کیوں آج کا عمل کل پر ڈالنے کی بات کر رہا ہے جس کا اختیار ہی تیرے پاس نہیں ہے۔"

حجاج:۔ "بھئی، یہ بڑا ہی لذیذ اور اچھا کھانا ہے۔"

اعرابی:۔ "نہ تو تو نے کھانا اچھا بنایا ہے اور نہ ہی یہ باورچی کے ہاتھوں کا کمال ہے۔ صحت و عافیت نے اس کی لذت کو دوبالا کیا ہے۔ اگر صحت و عافیت نہ ہو تو پھر کوئی لذیذ سے لذیذ کھانا بھی اچھا نہیں لگتا۔ اے حجاج! میں تجھے اور تیرے کھانے کو چھوڑتا ہوں۔ تو مجھے میرے رب کے ساتھ چھوڑ دے۔"

یہ کہہ کر اعرابی چل پڑا اور حجاج کے ساتھ کھانا تناول نہ کیا۔

("سنہرے اوراق" سے انتخاب)

گواہی،

اللہ تعالیٰ کسی بھی قوم کو آخری حد تک ڈھیل دیتا ہے کہ وہ نافرمانی چھوڑ کر سیدھی راہ پر آ جائے اور جب تک ان میں مومن موجود ہوں جو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہوں، اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں کرتا۔

جو فرشتے قوم لوط کے لوگوں کو سزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بھیجے تھے، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے ہو کر گئے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت حلم والے، نرم دل تھے۔ انہوں نے فرشتوں سے کہا۔

"اگر بستی میں تین سو مومن ہوں تو کیا آپ لوگ اسے تباہ کر دیں گے؟"

انہوں نے کہا۔ "نہیں۔"

آپؑ نے فرمایا۔ "اگر دو سو مومن ہوں تو؟"

انہوں نے کہا۔ "نہیں۔"

آپؑ نے فرمایا۔ "اگر چالیس ہوں؟"

انہوں نے کہا۔ "نہیں۔"

آپؑ نے فرمایا۔ "اگر چودہ مومن ہوں؟"

انہوں نے کہا۔ "نہیں۔"

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا "یہ بتاؤ، اگر وہاں ایک مومن موجود ہو تو؟"

انہوں نے کہا۔ "نہیں۔"

تب حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا۔ "اس میں لوط علیہ السلام موجود ہیں۔"

فرشتوں نے کہا۔ "ہمیں خوب معلوم ہے کہ اس میں کون کون ہے۔"

فرشتے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل حضرت ابراہیمؑ سے رخصت ہو کر سدوم کے علاقے میں آ گئے۔ وہ خوبصورت جوان لڑکوں کی شکل میں تھے۔ یہ قوم کی آزمائش تھی تاکہ قوم پر حجت قائم ہو جائے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ انہوں نے لوط علیہ السلام سے ان کے ہاں مہمان بننے کی اجازت طلب کی۔ حضرت لوطؑ بہت پریشان ہوئے۔ کیونکہ ان کو پتا تھا اگر میں نے انکار کیا تو کوئی اور انہیں مہمان بنا لے گا۔ شہر کے لوگوں نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ کسی اجنبی کو وہ مہمان نہ بنائیں۔

لوط علیہ السلام اس وقت کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ آپ کو ان کی درخواست رد کرنے میں شرم آئی اس لیے ان کو اشاروں کنایوں میں ایسی باتیں کہنے لگے۔ جن کو سن کر وہ اس بستی سے چلے جائیں اور کسی دوسری بستی میں جا ٹھہریں۔

لوط علیہ السلام نے ان سے کہا۔

"قسم ہے اللہ کی میں نہیں جانتا کہ اس روئے زمین پر اس بستی والوں سے زیادہ خبیث اور گندے لوگ ہوں گے۔"

پھر تھوڑا سا چلے، پھر یہی بات ارشاد فرمائی۔

اس طرح آپ نے یہ بات چار بار ارشاد فرمائی۔

فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا تھا کہ قوم کو اس وقت تک تباہ نہ کریں جب تک ان کا نبی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ان کے خلاف گواہی نہ دے دے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو پتا چلا تو وہ خوشی خوشی دوڑتے آئے اور مطالبہ کیا کہ مہمانوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں سمجھایا لیکن وہ باز نہ آئے۔

لوط علیہ السلام نے گھر کا دروازہ بند کر لیا تھا۔ وہ لوگ اندر گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سورہ ہود میں ہے۔ آپ نے ان سے کہا۔

"اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھے ذلیل نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی شائستہ آدمی نہیں۔"

اس بیان میں بھی قوم کے بارے میں آپ کی یہ گواہی پائی جاتی ہے کہ ان لوگوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جس میں شرافت اور نیکی کی رمق پائی جاتی ہو۔ فرشتے یہی کچھ آپ کی زبان سے سننا چاہتے تھے۔

جب صورت حال نازک ہو گئی تو آپ نے فرمایا۔

"کاش میں تمہارے مقابلے کی طاقت رکھتا یا میں کسی مضبوط قلعے میں پناہ پکڑ سکتا۔"

تب فرشتوں نے کہا۔

"اے لوط! ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکتے۔"

جبریل علیہ السلام باہر تشریف لے گئے۔ اپنے پر کا ایک کنارہ ان کے چہروں پر مارا تو وہ اندھے ہو گئے۔ ان کی آنکھیں بالکل معدوم ہو گئیں۔ نہ ان کی جگہ باقی رہی نہ کوئی نشان باقی رہا۔ وہ دیواروں کو ٹٹولتے دھمکیاں دیتے لوٹ گئے۔ جاتے ہوئے وہ کہہ رہے تھے۔

"جب صبح ہو گی تو تم سے نمٹیں گے۔"

جب ہر طرح سے اتمام حجت ہو گیا تو ان پر عذاب مسلط کر دیا گیا۔ فرشتوں نے لوط علیہ السلام سے کہا۔

"آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے آخری حصے میں یہاں سے تشریف لے جائیے اور جب قوم پر عذاب نازل ہو تو تم میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے۔ آپ کو حکم ہوا کہ آپ اپنے ہمراہیوں کے پیچھے چلیں۔"

جب لوط علیہ السلام روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ آپ کی دو بیٹیاں تھیں۔ قوم کا ایک شخص بھی آپ کے ساتھ نہیں تھا۔ ایک قول کے مطابق آپ کی بیوی بھی روانہ ہوئی تھی۔

جب وہ لوگ شہر سے نکل گئے اور سورج طلوع ہوا تو اللہ کا عذاب آگیا۔

حضرت جبریل نے اپنے پر سے ان سات بستیوں کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ انہیں آسمانوں تک بلند کیا۔ حتیٰ کہ فرشتوں نے ان کے مرغوں کی اذانیں اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں۔ اور پھر انہیں الٹ کر پھینک دیا۔

وہ آسمان سے ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے تھے اور ان پر مسلسل پتھر برس رہے تھے اور ہر پتھر پر نام لکھا ہوا تھا۔ وہ اسی نام والے شخص پر گرتا جس پر اسے گرنا تھا۔ اور اس کا سر کچل دیتا تھا۔ خواہ وہ شخص شہر میں موجود تھا یا سفر کی وجہ سے شہر سے باہر تھا۔

لوط علیہ السلام کی بیوی کے بارے میں دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ شہر میں رہی اور عذاب کی لپیٹ میں آ گئی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں اور لوط علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوئی تھی لیکن جب شہر تباہ ہونے کی آواز اور ہلاک ہونے والوں کا شور سنا تو اللہ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے قوم کی طرف مڑ کر دیکھا اور بولی۔

"ہائے میری قوم۔"

وہیں اس پر ایک پتھر پڑا جس نے اس کا سر پھاڑ دیا۔

وہ خود بدکار نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ کسی نبی کو اس آفت میں مبتلا نہیں فرماتا کہ اس کی بیوی بدکاری کا ارتکاب کرے۔ لیکن وہ ان ہی لوگوں کے مذہب پر تھی اور آپ کے پاس آنے والے مہمانوں کے بارے میں قوم کو اطلاع دے دیا کرتی تھی۔ خیانت کی مرتکب ہوئی تھی۔

رضیہ جمیل

خط آپ کے

آپ کے خط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں۔

آپ کی عافیت، سلامتی اور خوشیوں کے لیے دعائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہم کو اور ہمارے پیارے پیارے وطن کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

راحیلہ نواز اعوان، طیبہ سعید اعوان گاؤں قاضیاں ہری پور ہزارہ سے شریک محفل ہیں لکھا ہے

شعاع ہمیشہ ہی میرا موسٹ فیورٹ رہا ہے۔ "رقص بسمل" بہت اچھا ناول ہے۔ تیمور حیدر کی تو کیا ہی بات ہے۔ ساری کہانیاں ہی بہت اچھی ہیں۔ شاعری میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔

ج۔ راحیلہ اور طیبہ! آپ نے خط لکھا، بہت خوشی ہوئی۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔ آئندہ خط لکھتے ہوئے بالکل نہ ہچکچائیں۔ آپ نے بہت اچھا خط لکھا ہے۔ آپ نے اپنے خط میں اپنی بہت ساری دوستوں اور کزنز کے نام لکھے ہیں اور انہیں سلام کہا ہے اور بھانجے کو پیار..... معذرت خواہ ہیں کہ یہ طویل فہرست ہم شائع کرنے سے قاصر ہیں۔ اگر ہم نے یہ فہرست شائع کی تو پھر ہماری دوسری قارئین بھی اپنی دوستوں اور عزیز و اقارب کو سلام دعا لکھیں گی اور اس طرح یہ سلسلہ شعاع پر تبصرہ کے بجائے دعا سلام کے لیے مخصوص ہو جائے گا۔

مہر گل نے کراچی سے لکھا ہے

مدیرہ جی کی انقلاب آفرین سوچ پڑھی اور سر دھنتے ہوئے حمد و نعت کی طرف بڑھے۔ مولانا ظفر کی "وہ شمع اجالا" اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی ہر مرتبہ پڑھنے پر ایک عجیب سا سرور طاری کرتی ہے۔ "رقص بسمل" کی قسط اس مرتبہ بہت مختصر تھی اور اس قسط میں کوئی پیش رفت نظر نہ آئی۔ "ایک تھی مثال" مجھے لگتا ہے جادوگرنی کا ذکر بے جا نہ تھا، یہ آگے ضرور آئے گی اور بے چاری مثال پر تو ہر قسط میں ترس آتا ہے۔ "بت شکن" میں رامین نازنین کی بیٹی ہے مگر میرا نہیں خیال کہ رامین کی منگنی ہوئی ہو، مہرز کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے۔ "ابا کی بھتیجی" عنوان شگفتہ تھا۔ لیکن کہانی سنجیدہ "روپ کی روئے" واقعی سسرال ایک پہیلی ہے اور شوہر کا مزاج اس سے بھی بڑا معمہ۔ سیماب لفظ محبت اور مادیت (جسے سادیت لکھا گیا) واقعی افسانہ یعنی فسوں خیز ثابت ہوئے رو کے لانا کی داستان پڑھی۔ لطائف اور فلمی دنیا کی سیر بھی کی۔

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع۔ 37۔ اردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com
shuaamonthly@yahoo.com

نایاب کا ناول "کوئی چاند رکھ میری شام پر" قابل تحسین تھا، مگر کہیں کہیں حقیقت سے دور، اسد صاحب کا تو اتنا قصور پھر بھی نہ تھا، مگر نشال؟ نفرت ہو گئی اس کردار سے اور جگنو کا کیا قصور تھا۔ جب اس کے ساتھ بیتے سانحے کا پڑھا تو بے اختیار رونا آ گیا۔

ج۔ پیاری مہر! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ متعلقہ مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے۔

فرزانہ خیابان سرسید راولپنڈی سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

سرورق اچھا تھا۔ اکثر بہنیں لکھتی ہیں کہ ٹائٹل پسند نہیں آیا تو میری تمام بہنوں سے گزارش ہے کہ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے، آپ کے اس طرح کہنے سے دوسرے کی دل آزاری ہو گی یعنی جو ماڈل ہوتی ہے بے چاری سوچتی ہو گی کہ میرا کیا قصور، تو آپ سے گزارش ہے

WWW.PAKSOCIETY.COM

کہ محبت کو بڑھائیں۔

ج ۔ فرزانہ! شعاع کی محفل میں خوش آمدید۔ ایک بات کی وضاحت کردیں، اگر کوئی بہن یہ لکھتی ہیں کہ ٹائٹل اچھا نہیں تھا، تو اس کا مطلب خدانخواستہ کسی کی شکل و صورت میں عیب نکالنا یا اس کو بدصورت کہنا نہیں ہوتا۔ ٹائٹل اچھا نہ ہونے کی بہت سی وجوہات ہوسکتی ہیں کہ تصویر اچھی نہیں بنائی گئی۔ پوز اچھا نہیں تھا۔ لباس خوش رنگ نہیں اور بیک گراؤنڈ بہت ڈل تھا۔ رنگوں کا استعمال ٹھیک طریقے سے نہیں کیا گیا۔ اچھی سے اچھی صورت اور منظر غلط فوٹوگرافی کی وجہ سے تباہ ہوجاتا ہے۔

سنبل ملک اعوان نے ونڈالہ دیال شاہ سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

آپ نے پہلی شعاع میں کہا کہ شعاع ہمارا اپنا پرچہ ہے، کوئی تجویز یا مشورہ دیں تو ہم خیر مقدم کریں گے۔ تو میرا مشورہ یہ ہے کہ ٹائٹل پر بے شک ماڈل کو رکھیں، مگر دوپٹا اوڑھا دیں تو گریس فل لگے گا۔ اس کے علاوہ اگر خطوط میں شامل بہنوں کی مصروفیت اور خوشی، غمی کو بھی تھوڑا تھوڑا شیئر کرلیا جائے تو ایک اپنائیت کا ماحول لگے گا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں ہمیشہ کی طرح پیاری ہی تھیں۔ ناولٹ اور مکمل ناول اچھے تھے۔ اپنی پسندیدہ مصنفہ رخسانہ نگار کی "ایک تھی مثال" بہت ہی اعلا ناول، رخسانہ نگار آنٹی آئی لو یو..... پلیز آنٹی رخسانہ نگار کا انٹرویو شائع کریں۔

ج ۔ پیاری سنبل! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ رخسانہ نگار تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جارہی ہے۔ آپ کے مشورے اچھے ہیں۔ نوٹ کرلیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی دادی کی مغفرت فرمائے۔ (آمین) قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

سانگلہ ہل سے مدیحہ عارف لکھتی ہیں

قسط وار ناول تو ہیں ہی کمال جن کی تعریف کے لیے کم از کم میرے پاس تو الفاظ نہیں ہیں امامیہ خان کا بت شکن زبردست۔ کیا عکاسی کی ہے کہ ذہن میں ایک تصویر سی چل پڑی۔ باقی کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ خوب صورت بننے اس بار بھی زبردست تھا۔ اگر کہانی بھیجوں تو کیا امید ہے کہ میرا نام بھی فہرست میں جگمگائے؟

ج ۔ پیاری مدیحہ! شعاع کی محفل میں خوش آمدید۔ کہانی ضرور بھجوائیں۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں زیادہ سے زیادہ یہی ہوسکتا ہے کہ ناقابل اشاعت ٹھہرے۔ ایسی صورت میں دوبارہ کوشش کیجیے گا۔ مسلسل کوشش کرتی رہیں تو یقیناً" کامیابی ہوگی۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

نسیم کنول اور ناہید اختر لکھتی ہیں

میں سرگودھا سے 23 کلو میٹر دور ایک گاؤں میں رہتی ہوں، جہاں پر ضروریات زندگی کی سہولتیں بہت کم میسر ہیں۔ ہمارے گاؤں کا نام 20 شمالی ہے۔ مجھے اپنا گاؤں بہت ہی پیارا لگتا ہے۔ تعلیم کی سہولت تو لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے صرف پرائمری تک ہے۔ پرائمری کے بعد سب کو ساتھ والے گاؤں 28 چک کا رخ کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے گاؤں میں ایک آنٹی رہتی تھیں باجی ان کے پاس ٹیوشن پڑھنے جاتی تھیں۔ وہ رسالہ رکھ کر کسی کام کو جاتیں تو باجی اٹھا کر پڑھنا شروع کردیتیں۔ اس کے بعد انہوں نے خود رسالے منگوانے شروع کردیے، لیکن بھائی اور امی کی طرف سے پابندی اور رسالہ ہاتھ آنے پر پھاڑ دیا جاتا یا نذر آتش۔ باجی کی شادی کو پانچ سال ہوگئے ہیں اب میں یہ رسالہ لیتی ہوں۔ بھائی منع کرکے تھک گئے۔ گھر کا کوئی کام کرنے والا رہ جائے تو سب سے پہلے غصہ ہمارے بے چارے رسالوں پر نکلتا ہے۔ جو رسالہ امی کے ہاتھ لگتا ہے، وہ ہمیں گلی میں لگے ہوئے ڈبے جن پر لکھا ہے "مقدس اوراق کے لیے" وہاں سے ملتا ہے جو کہ ہماری شاگرد لا کردیتی ہیں۔ "جو قرآن پاک پڑھنے آتی ہیں" ویسے ہمیں اپنے رسالوں کے لیے ایک سپورٹ حاصل ہے جو کہ ہمارے پیارے ابو جی ہیں، انہیں نہ تو رسالے پڑھنے پر اعتراض ہے اور تو اور وہ امی سے ہمارے رسالے چھپا کر رکھتے ہیں۔ چھوٹا بھائی رسالے لا کردیتا ہے۔ اکثر جب امی رسالہ پھاڑ دیتی ہیں اور چھوٹی سسٹر بیٹھی رو رہی ہوتی ہے تو چھوٹا بھائی تسلی دیتا ہے کہ کوئی بات نہیں، میں اور لا دوں گا۔ مجھے شاعری سے بہت لگاؤ ہے۔ جب بھی اداس ہوتی ہوں تو "دکھتا کسی پہ کیوں میرے دل کا معاملہ" کا صفحہ

پڑھنے کے بعد ساری ٹینشن دور ہوجاتی ہے اور کہانیاں تو ہمیں کسی اور ہی جہان میں لے جاتی ہیں۔ جہاں پر ہم ان کرداروں کے ساتھ ہنستے ہیں اور روتے ہیں اور خود کو بھی اس کہانی کا کردار سمجھتے ہیں۔

نبیلہ عزیز، انیلا کرن، رخسانہ نگار، صائمہ اکرم، سلویٰ علی بٹ، فوزیہ یاسمین، سعدیہ عزیز، سعدیہ راجپوت سب ہی ہماری فیورٹ ہیں۔ "دیمک زدہ محبت" بہت ہی انمول کہانی تھی۔ کبھی بھی بھلا نہیں سکوں گی۔ محبت کبھی حسن کے تابع نہیں ہوتی۔ ان رسالوں سے ہمیں بہت کچھ سیکھنے کو ملا ہے۔ واقعی یہ بہت بڑی درس گاہ ہے لڑکیوں کے لیے جو ہم سب کی اصلاح کررہی ہے۔

ج ۔ نسیم اور ناہید! ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہنے کے باوجود آپ نے تعلیم حاصل کی اور اب دوسروں تک یہ روشنی پھیلا رہی ہیں۔ دوسری لڑکیوں کو قرآن پاک پڑھاتی ہیں۔ آپ کا یہ کام لائق تحسین ہے۔ آپ کی امی کا رویہ تو سمجھ میں آتا ہے۔ اکثر مائیں تعلیم یافتہ نہیں ہوتیں اور انہیں پتا نہیں ہوتا کہ ان رسالوں میں کیا شائع ہوتا ہے۔ لیکن بھائی کا رویہ ناقابل فہم ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ آپ کے ابو کو اعتراض نہیں ہے تو اسے بہنوں کے معاملے میں بالکل نہیں بولنا چاہیے۔ بہرحال یہ خوشی کی بات ہے کہ ابو اور چھوٹا بھائی آپ کی خوشی کا خیال رکھتے ہیں۔ لڑکیاں تو آنگن کی چڑیاں ہوتی ہیں۔ انہیں ایک دن گھر سے رخصت ہونا ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ محبت اور نرمی کا سلوک کرنا چاہیے میکے کی خوش گوار یادیں تازندگی ان کے ساتھ رہتی ہیں۔

کوثر خالد نے جڑانوالہ سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

پچھلے خط میں پوچھا تھا کہ میں نے جو بچوں کے لیے نظمیں، پہیلیاں بھیجیں ان کا کیا بنا۔ مگر جواب سے محروم رہی۔ خاموشی کا مطلب..... میں نے نعت و حمد کی اشاعت کی خوشی میں امیر، غریب اور واقف ناواقف کو مٹھائی کھلائی ہے۔ پہلا حق آپ کا ہے۔ رسالہ سارا پڑھ چکی ہوں۔ شمیم فاطمہ کی حمد طرز سے پڑھی، بڑا لطف آیا اور ظفر علی خان تو ہماری سمجھ سے بالا تر ہیں، ان کی روح کو سیلوٹ پیش کرتی ہوں۔

ج ۔ کوثر جی! ہمیں خط لکھتے ہوئے آپ کاغذ کی کفایت نہ کریں۔ آپ کے طویل خط ہمیں بہت اچھے لگتے ہیں۔ آپ کا انداز منفرد ہے اور دلچسپ بھی۔ خصوصاً" آپ اپنے حوالے سے جو لکھتی ہیں، وہ ہمیں بہت اچھا لگتا ہے۔ ہم نے آپ کو مشورہ دیا تھا۔ بچی کہانیاں لکھیں۔ ہمارا خیال ہے بہت اچھے انداز میں بچی کہانی لکھ سکتی ہیں۔ ایک بار کم از کم کوشش ضرور کریں۔ کامیابی اور ناکامی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کی پہیلیاں بہت اچھی لگیں۔ اس سے آپ کی ذہانت کا اندازہ ہوتا ہے لیکن بچوں کے لیے نظمیں اور پہیلیوں کا سلسلہ ہر ہفتے اخبارات کے میگزین میں شائع ہوتا ہے۔ شعاع میں یہ سلسلہ شروع نہیں کرسکتے۔ آپ اسے کسی اخبار میں بھجوادیں۔

آپ کے لفافے میں پیسے نہیں ملے۔ ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ لفافے میں پیسے ڈال کر نہ بھجوائیں۔ راستے میں گم ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کوثر! آپ نے خط لکھ دیا۔ یہ ہمارے لیے سب سے بڑی مٹھائی ہے۔ ہمیں مٹھائی بھجوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس اچھے اچھے خط لکھتی رہیں۔

صفورہ حسین چوہدری گجرات سے تشریف لائی ہیں، لکھا ہے

بارہا نظروں سے ایسے خطوط کا گزر ہوا جن میں سلسلے وار یا دوسرے الفاظ میں طویل ناولز کے نہ ہونے کی فرمائش کی گئی تھی۔ میں کہنا چاہتی ہوں کہ مذکورہ ناولز ہی تو ہوتے ہیں جو ہمارے دلوں پہ دیرپا تاثر چھوڑ جاتے ہیں اور مدتوں ہمارے اذہان میں تازہ رہتے ہیں۔ زمانوں ہماری یادوں میں ترو تازہ رہتے ہیں۔ ان سلسلوں کے سبب ہی ہم ان رسائل سے منسلک ہیں۔ دوسری صورت میں شاید ہم اس اہتمام اور شدت سے ڈائجسٹ کا —— انتظار کریں۔ اب بات ہوجائے فروری 2014ء کے شعاع کی۔ "کوئی چاند رکھ میری شام پر" واہ زبردست کیا کہنے۔ ہم تو عنوان پڑھ کے ہی جھوم اٹھے۔ بہترین ناول، عمدہ شروعات، دلچسپ طرز بیان، شان دار اختتام، مجموعی طور پر جان دار تحریر۔ آخر میں تاریخ کے جھروکے نہایت عمدہ اور معلومات افزا سلسلہ ہے۔ مجھے بہت پسند ہے۔

ج ۔ پیاری صفورہ! تحریر طویل ہو یا مختصر اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ قاری کو باندھ کر رکھے۔ اگر کوئی تحریر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس معیار پر پوری اُترتی ہے تو وہ کامیاب ہے۔ کبھی کبھی چار صفحوں کی تحریر بھی ڈل' خشک ہو تو اس کو پڑھنا دشوار ہو جاتا ہے اور کبھی ہم ساٹھ' ستر صفحات ایک نشست میں اس طرح پڑھ جاتے ہیں کہ پہلو بدلنا بھی بھول جاتے ہیں۔ سلسلے وار ناول اگر دلچسپ ہوں تو ان کے انتظار میں بھی لطف آتا ہے اور جب پرچا ہاتھ میں آتا ہے تو سب سے پہلے ان کی قسطیں پڑھتے ہیں۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہ دل سے شکریہ۔

اقصیٰ بتول نیا لاہور سے لکھتی ہیں

پہلی شعاع سے روشنیاں سمیٹیں۔ بالکل صحیح لکھا۔ "سبق" نے تو اچھا خاصا سبق سکھا دیا۔ صدف آصف نے بھی خوب لکھا۔ "سیماب تھے لفظ" بے حد خوب صورت عنوان۔ کہانی تو اوور آل اچھی تھی ہی مگر عنوان بہت خوب صورت لگا۔ "قسمت" عنیقہ بیگ نے بہت بچکانہ انداز میں لکھا۔ منجھے ہوئے لکھاریوں سے ایسی امید نہیں عنیقہ جی خیال کریں۔ "نسخہ سکون" زبردست تھا۔ "کوئی چاند رکھ میری شام پر" واہ نایاب جی بڑے عرصے بعد بہت خوب صورت انداز میں آئی ہیں۔ ناول میں شامل اشعار خوب اور سارا ناول خوب تر۔

"ایک تھی مثال" چلیں جی اچھی بات ہے۔ بشریٰ کا گھر دوبارہ بس رہا ہے' مگر مثال کا کیا بنے گا۔ عاصمہ کی کہانی کو بھی آگے بڑھایئے نا۔ وہ کیوں جمود کا شکار ہے۔ "بت شکن" امامہ خان بہت پیارا لکھ رہی ہیں۔ اس پر تبصرہ ادھار رہا۔ ام ایمان کا ہلکی پھلکی نوک جھونک سے سجا ناولٹ بھی اچھا لگا۔ غزل میں احمد فرید اور نظم میں حمیدہ شاہین اچھے لگے۔ تاریخ کے جھروکے میں سلطان سلیمان کی زندگی کی کہانی نے تو اپنے سحر میں جکڑے رکھا' آگے جاننے کی بے تابی ہے۔

ج ۔ پیاری اقصیٰ! شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔ متعلقہ مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعہ پہنچائی جا رہی ہے۔

افق آتش نے چیچہ وطنی سے لکھا ہے

دعائیں لاتعداد ہیں اور شعاع اور اس کے اسٹاف کے لیے تعریفیں لامتناہی۔ میرے لفظ شاید اس کا حق ادا نہ کر پائیں۔ پہلی شعاع کی طرف آئی۔ ہریات ہارٹ ٹچنگ تھی۔ اس کے لیے صرف چھوٹی سی بات ہی کہوں گی کہ اگر ہم تبدیلی چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے آپ کو بدلنا ہوگا۔ دعا کرتی ہوں آپ کی پہلی شعاع سورج کی پہلی کرن کی طرح ہو' تاریکی چیر کر اپنا راستہ بنانے والی۔

نعت پڑھی تو مبارک شاہ کا شعر ذہن میں آگیا۔

ہم ریا پیشہ جو سچی بات کہہ سکتے نہیں
لاکھ چاہیں بھی تو تیری نعت کہہ سکتے نہیں

"رقص بسمل" بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ بہت بہترین ہے کہانی۔ صدف آصف کا ناولٹ بھی خوب رہا۔ "سیماب تھے لفظ" میں مصباح علی نے بھی کیا خوب لکھا۔ بات پرانی تھی' کردار نئے تھے۔ موضوع بھی پرانا تھا' پر نام نئے تھے۔ بالکل زندگی کی طرح۔ "قسمت" عنیقہ آپی کی بہت اچھی کاوش تھی۔ رخسانہ تھوڑی بے وقوف لگی شروع میں۔ (ایسی محبتوں کے پیچھے بھاگنے والی لڑکیاں نجانے کیوں مجھے پاگل لگتی ہیں۔) آخر میں مجھے اس کا اینڈ پسند آیا۔ نایاب جیلانی میں آپ کے بارے میں نہیں جانتی ہوں' تو سمجھ نہیں آ رہا کیا کہوں آپی' باجی' آنی' آنٹی یا کچھ اور' آپ کو بہت پڑھا ہے۔ آپ کی تحریر پہ تبصرہ' آپ کی تعریف کرنا گویا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ آپ بس حاضری دیتی رہا کریں۔ میرا خط تو شائع ہوتا نہیں مگر پھر بھی میرا تو وہ حساب ہے۔

اپنی بساط عمر پہ بازی حیات کی
بیٹھا ہوں کھیلنے تو مگر ہار مان کے

ج۔ پیاری افق! "آئینہ خانے" میں جو تبصرے کیے جاتے ہیں' وہ محض قارئین کی تفنن طبع کے لیے ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد کسی کی تضحیک یا اس کی برائی کرنا نہیں ہوتا۔ ساحر لودھی کے متعلق تبصرہ آپ کو اچھا نہیں لگا' آئندہ خیال رکھیں گے۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔

افشاں خان' ثناء خان' عطیہ حق نواز نے شاہ پور چاکر سے لکھا ہے

سرورق لاجواب تھا۔ ماڈل بہت پیاری لگی۔ "ایک تھی مثال" کی یہ قسط تو بہت زبردست لگی۔ اللہ پاک نے عاصمہ اور اس کے بچوں کی حفاظت کی۔ انٹرویوز بھی بہت زبردست تھے۔ اسپیشلی بندھن میں ندا اور یاسر کا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

انٹرویو بہت اچھا لگا۔ بھابھی ثناء بجو اور بھی بجو (کزن) کو پائے کی ترکیب بہت اچھی لگی اور انہوں نے مجھے پکا کر کھلانے کا وعدہ بھی کر لیا۔ میری فیورٹ کہانی "دیمک زدہ محبت" کا اینڈ بہت زبردست تھا۔ امی کو "ایک تھی مثال" کا انتظار رہتا ہے۔

ج ۔ افشاں' ثناء' عطیہ! شعاع کی محفل میں خوش آمدید۔ رخسانہ نگار تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے۔ اپنی امی کا ہماری طرف سے شکریہ ادا کریں۔ آئندہ بھی ان کی رائے کے منتظر رہیں گے۔

پسرور ضلع سیالکوٹ سے خوشبو نے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

ٹائٹل اس دفعہ بالکل پسند نہیں آیا۔ سب سے پہلے نبیلہ عزیز کا "رقص بسمل" پڑھا مزا آیا' لیکن بہت کم لکھا۔ سب سے اچھا ناولٹ "قسمت" لگا۔ مکمل ناول نایاب جیلانی "زبردست" واقعی آپ نایاب ہیں' مان گئے۔ افسانے سارے کے سارے بہت اچھے تھے۔ "نسخہ سکون" بازی لے گیا۔ کبھی شہلا پہ غصہ آیا تو کبھی ہمدردی ہوئی اور آخر میں بے انتہا پیار آیا۔ ام ایمان نے بھی اچھا لکھا مزا آیا۔ البتہ "بت شکن" نے بہت الجھا رکھا ہے۔ پہلے ہی سمجھ نہیں آ رہی تھی' سونے پہ سہاگہ تب ہوا جب ابو نے ہمارے ہاتھ میں شعاع دیکھ لیا۔ پھر کیا ابو نے تقریباً" گھنٹے بھر کا لیکچر دیا۔ میں شعاع پر میں پلاسٹک شیٹ ضرور چڑھاتی ہوں۔ اتفاق سے ابو نے پھر اوپر چڑھا کور بھی دیکھ لیا اور پھر بس فرمایا۔ تمہاری کسی ایک بک پہ بھی کور نہیں چڑھا ہوا۔ خیر ابو مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں' میں بھی تو ان کی سب باتیں مانتی ہوں کبھی کبھی۔

ج ۔ پیاری خوشبو! آپ کے والد صاحب بہت اچھے ہیں کہ انہوں نے آپ کو شعاع پڑھنے سے نہیں روکا' صرف کتابوں پر کور چڑھانے کو کہا۔ اب آپ اپنی کتابوں کی حفاظت بھی کیا کریں' تاکہ ابو کو شکایت نہ ہو۔ پچھلے ماہ آپ کا خط شائع نہ ہو سکا۔ اس کا ہمیں افسوس ہے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

مدیحہ حرا کراچی سے شریک محفل ہیں' لکھا ہے

سب سے پہلے شعاع میں نبیلہ عزیز کی کہانی پڑھی۔ ست سی لگی۔ پھر "ایک تھی مثال" پڑھی۔ اس دفعہ کی کہانی بہت اچھی تھی۔ خاص طور پر عاصمہ کا رب پر یقین و بھروسہ دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ اس کے بعد "بت شکن" پڑھی۔ یہ منفرد اور اچھی کہانی ہے۔ افسانوں میں "نسخہ سکون" اور "سیماب تھے لفظ" بازی لے گئے۔ نایاب جیلانی کا نام پڑھ کر جتنی خوشی ہوئی تھی' ان کا ناول پڑھ کر اتنی خوشی نہیں ہوئی۔ ناولٹ میں "روپ کی روئے" اور "قسمت" اچھے لگے۔

ج ۔ پیاری مدیحہ! نایاب جیلانی کی کہانی آپ کو زیادہ متاثر نہ کر سکی' جبکہ ہماری بیشتر قارئین نے اس کہانی کو بے حد پسند کیا ہے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ' متعلقہ مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے۔

ایمن تحریم نے سرگودھا سے لکھا ہے

سب سے پہلے "رقص بسمل" پڑھی۔ صرف کچھ ہی صفحات کی تھی تو مزا نہیں آیا۔ پھر "ایک تھی مثال" پڑھی۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ نایاب جیلانی کا نام فہرست میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ "کوئی چاند رکھ" پڑھ کر کافی مزا آیا۔ سارے ناولٹ بہت اچھے تھے۔ مگر سب سے اچھا "ابا کی بھتیجی" لگا۔ افسانے بھی سب اچھے تھے۔

ج ۔ پیاری ایمن! ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اچھے نمبروں سے کامیابی دے۔ (آمین) شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

شفاعت بتول اور نین تارا نے جام پور سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

اپنی امی کو بچپن ہی سے شعاع پڑھتے دیکھا ہے میری امی کی پوری ایک لائبریری ہے۔ اس لیے میں پرانے شعاع بھی پڑھتی ہوں۔ میں بچپن ہی سے ہر معاملے میں انتہا پسند تھی' لیکن شعاع پڑھنے سے میرے اندر حوصلہ اور عفو و درگزر جیسی اچھی عادتیں پیدا ہوئی ہیں۔ اس وجہ سے میں پوری شعاع فیملی کی شکر گزار ہوں۔

نبیلہ عزیز کی تحریر "رقص بسمل" میں مجھے ماورا مرتضیٰ کا کردار بہت پسند ہے۔ "ایک تھی مثال" میں نسیم بیگم

جیسی عورتیں ہی گھر تباہ کرتی ہیں۔ "بت شکن" میں رامین ایک ابنارمل انسان لگتی ہے۔ "پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں" والے سلسلے کی کچھ باتیں مجھے پوری وضاحت سے سمجھ میں نہیں آتیں' پلیز آپ تفصیل سے مثالیں دے کر لکھا کریں۔

مجھے آپ سے شکایت ہے کہ آپ اکثر افسانوں کے نتائج تلخ کیوں لکھتے ہیں۔

ج - پیاری شفاعت! شعاع کی کہانیاں پڑھ کر آپ میں خوشگوار تبدیلیاں آئیں۔ یہ جان کر خوشی ہوئی۔ آپ خود بھی بہت اچھی ہیں۔ اچھائی اور اچھی باتوں کا اثر وہی لوگ لیتے ہیں جن میں اچھائی قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ زیادہ تر کہانیوں کے انجام خوش گوار ہوتے ہیں' ہم بہت کم ایسی کہانیاں شعائع کرتے ہیں جن کے انجام دکھی کردیں' پیارے نبی کی پیاری باتوں کی وضاحت ہم دیتے ہیں۔ آپ کی سمجھ میں جو باتیں نہ آئیں' اپنی ٹیچر یا امی سے پوچھ لیا کریں۔

یاسمین حنفی نے کراچی سے لکھا ہے

ماڈل بنا کسی جیولری کے سادگی میں بہت اچھی لگی۔ پھر جناب ہم بھاگے اپنی موسٹ فیورٹ کہانی "رقص بسمل" کی طرف..... اس کہانی میں مجھے ماورا کا کردار بہت پسند ہے۔ عزت کی طرح نہیں کہ خود کو ولید کے آگے بار بار پیش کرے۔ "رقص بسمل" کے بعد "ایک تھی مثال" اب کچھ ٹرننگ پوائنٹ آیا ہے۔ پھر افسانے پڑھے۔ ٹاپ آف دی لسٹ افسانہ سیماب تھے لفظ رہا۔ یعنی ایک ہی جملہ نے دس سال کی تھکن اتار دی۔ ناولٹ بس ایویں تھے۔

ج - پیاری یاسمین! شعاع کی محفل میں خوش آمدید۔ آپ کو ناولٹ پسند نہیں آئے۔ یہ جان کر افسوس ہوا' مزید بہتر بنانے کی کوشش کریں گے۔

کائنات اصغر بوزدار ڈیرہ کی ضلع گھوٹکی سے شریک محفل ہیں' لکھا ہے

نعت کی پہلی دو لائنیں میری پسندیدہ ہیں' پھر آئے "پہلی شعاع" پر جو ہمیشہ کی طرح شعاعیں بکھیر رہا تھا۔ نایاب جیلانی کا نام دیکھ کر میں سمجھی (شاہ اپنی اونچی حویلی کے ساتھ آن وارد ہوئے) مگر یہاں تو دکھ بھری کہانی نے رلا دیا۔ "قسمت" عنیقہ محمد بیگ نے زبردست لکھا۔

صدف آصف "روپ کی روئے" اور "ابا کی بھتیجی" ام ایمان نے بھی اچھا لگا۔ افسانوں میں رضیہ مہدی بازی لے گئیں۔ "سبق" ام مریم نے بھی زبردست لکھا "تاریخ کے جھروکے" میں حورم سلطان کے بارے میں پڑھا۔ اس بارے میں مجھے پڑھنے کا شوق تھا۔ سو آپ نے پورا کردیا۔ (شکریہ) آپ نے کہا تھا کہ "ایک تھی مثال" طویل ناول نہیں' مگر ایک سال تو مثال کے بچپن میں گزر گیا' بڑی ہو کر شادی ہونے تک پتا نہیں کتنا عرصہ گزرے گا۔ آپ ہمیشہ کہتی ہیں کہ کنیز نبوی کا ناول آپ بہت جلد پڑھ سکیں گی' مگر اتنا عرصہ گزرا کہ وہ جلد اب تک نہیں آیا۔ پلیز راحت جبیں' فائزہ افتخار اور نمرہ احمد سے لکھوائیں۔ شعاع میں' میں نے پٹھانوں کے کلچر کے بارے میں پڑھا' پنجابیوں اور سندھیوں کے بارے میں بھی' مگر بلوچوں کے بارے میں نہیں پڑھا۔ آنٹی آپ سے ریکوئسٹ ہے کہ پلیز بلوچوں کے کلچر کو بھی ڈسکس کروائیں یا پھر بلوچستان میں کوئی رائٹر نہیں ہے۔ (شعاع میں لکھنے والی مصنفہ) میں بلوچ ہوں' مگر سندھ میں رہنے کی وجہ سے بلوچستان اور وہاں کے رہن سہن کے بارے میں مجھے نہیں پتا۔ وہاں تو ہمارا کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہے۔ گھر میں بلوچی زبان بولتے ہیں اور دادی والیاں "پھشک" پہنتی ہیں جو فراک کی طرح ہوتا جس پہ بلوچی کڑھائی سے شیشے ٹانکے ہوتے ہیں۔ (بڑی بوڑھیوں کے علاوہ کوئی نہیں پہنتا' لڑکیاں تو فیشن کے مطابق چوڑی دار اور جینز کے اوپر لانگ شرٹ پہنتی ہیں) ہاں شادیاں بہت سادگی سے ہوتی ہیں۔ اس لیے غریب لڑکیاں جہیز کے لیے باپ کی چوکھٹ پہ بیٹھی نہیں ہوتیں۔

ج - پیاری کائنات! یہ محض اتفاق ہے کہ ہماری کسی بھی رائٹر نے بلوچ ثقافت کے پس منظر میں کہانی نہیں لکھی۔ ویسے ہمارا خیال ہے سائرہ رضا لکھ سکتی ہیں۔ مہوش افتخار بھی کوئٹہ میں رہتی ہیں' کسی حد تک وہ بھی بلوچ ثقافت سے واقف ہوں گی' شاید وہ لکھ سکیں۔ نمرہ احمد کا ناول "نمل" خواتین ڈائجسٹ میں شروع ہو رہا ہے۔ کنیز نبوی گھر اور بچوں کی مصروفیات میں گم ہیں۔ انہوں نے ناول لکھنا شروع کر رکھا ہے۔ ہر بار وعدہ کرتی ہیں کہ جلد مکمل کرکے بھجوائیں گی۔ دیکھیں یہ وعدہ کب ایفا ہوتا ہے۔

فائزہ بلال اور اقراء آفرین جام پور سے شریک محفل ہیں' لکھا ہے

سرورق بڑا ٹھنڈا میٹھا سا تھا۔ "باتوں سے خوشبو آئے"

بہت اچھا سلسلہ ہے۔ "تاریخ کے جھروکوں میں" حورم سلطان کی تاریخ پڑھی۔ باقی آئندہ دیکھ کے تشنگی بڑھ گئی۔ سلسلہ وار ناول پہ تبصرہ محفوظ ہے۔ مکمل ناول میں نایاب جیلانی کا ناول دیکھ کے ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ افسانوں کی دنیا میں "سیماب تھے لفظ" مصباح علی کا افسانہ پسند آیا۔ "محبت اور مادیت" میں ماہین نے اپنی ذات کی خود تحقیر کی ہے۔ میری نظر میں تو یہ ذلت کی آخری حد ہے کہ ہم اس شخص کے سامنے' جس نے ہمیں ٹھکرا دیا ہوتا ہے' پھر سے تجدید وفا اور اعتراف محبت کی گئی گزری باتیں کریں۔ بہرحال! مجھے اس افسانے میں یہ لائنز پسند آئیں۔ "محبت تن اور من کی جنگ ختم کرکے روح تک کو سیراب کردینے کا نام ہے۔ محبت سے کیوں کر منکر ہو جائیں۔" حمیدہ شاہین اور باقی صدیقی کی غزلیں اچھی تھیں۔

ج - فائزہ اور اقراء شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہ دل سے شکریہ۔ اپنی نگارشات آپ ایک ہی لفافے میں ڈال کر بھجوائیں' کاغذ علیحدہ علیحدہ استعمال کریں۔

گوجرہ سے امامہ طاہر نے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

مجھے چھوٹے افسانے ناولٹ زیادہ اچھے لگتے ہیں' جس میں زیادہ کردار ہوں' وہاں ذہن بے چارہ الجھ جاتا ہے۔ میرے ابو جی عالم ہیں اور میری امی ڈیف ویمن ہیں' وہ مڈل پاس ہیں' گوجرانوالہ کے اسپیشل ڈیف اسکول سے۔ میں بہت حساس لڑکی ہوں' آپ میری حوصلہ افزائی کریں۔ "محبت راز ہے" ایسا مجھے اچھی لگی۔ آخر موٹے لوگوں کے دلوں میں بھی وہی احساسات ہوتے ہیں جو ایک نارمل لڑکی میں ہوتے ہیں۔

ج - امامہ! بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے خط لکھا' حساس ہونا اچھی بات ہے' لیکن صرف اپنی ذات کے لیے حساس ہونا اچھی بات نہیں ہے۔ اگر دوسروں سے کوئی تکلیف پہنچے تو اسے نظرانداز کردیں' بھول جائیں' کچھ لوگ اپنی ذات کے لیے ضرورت سے زیادہ حساس ہوتے ہیں' کسی نے کوئی جملہ کہہ دیا' کسی کی تنقید بری لگی' کہیں ناکامی ہوئی' کسی نے توجہ نہیں دی تو ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پہ لے لیتے ہیں اور پھر گھنٹوں کڑھتے ہیں۔ یہ چیز بہت نقصان پہنچاتی ہے اور انسان آگے نہیں بڑھ پاتا۔ کہانی ضرور لکھیں' صفحات کوئی بھی استعمال کرسکتی ہیں جو آسانی سے آپ کو دستیاب ہوں۔ کہانی بھجوانے کے لیے ایڈریس یہ ہے۔ شعاع۔ 37 اردو بازار کراچی

ناز نے پشاور سے لکھا ہے

ہمیں گھر سے نکلنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ آپ کے ڈائجسٹ کی وجہ سے ہم تمام دنیا اور لوگوں سے باخبر رہتے ہیں۔

ج: بہت شکریہ ناز۔

مسز فیصل لاہور سے لکھتی ہیں

سمجھ میں نہیں آتا کہاں سے شروع کروں۔ میٹرک کے بعد پڑھنا شروع کیا۔ اب ماشاء اللہ ایک ننھی پری کی ماں بن چکی ہوں' بہت سی تحریریں دل پر نقش ہیں' بہت سے ناول آج میری چھوٹی سی لائبریری کی زینت ہیں۔ میں نے کئی افسانے لکھے ہیں' ناول بھی لکھ رہی تھی جو شادی کے بعد مکمل نہیں کرپائی۔ میرے شوہر بھی خواتین سے دوستی کرچکے ہیں۔

ج - مسز فیصل! اچھا ہوتا کہ آپ اپنا نام بھی لکھتیں جو آپ کے والدین نے آپ کو دیا ہے۔ افسانے لکھے ہیں تو بھجوادیں۔ پڑھ کر رائے دے سکتے ہیں۔ شائع ہوسکتے ہیں یا نہیں۔ شاعری بھی بھجوا سکتی ہیں' لیکن بذریعہ ڈاک بھجوائیں۔ آپ کا اور آپ کے شوہر کا شکریہ۔

سمیرا کنول چشتی اور ام کلثوم چشتی نے گاؤں شیرو جدید ضلع ڈیرہ غازی خان سے لکھا ہے

پہلی بار شعاع کی محفل میں شرکت کر رہی ہوں تو چلیے پہلے اپنے گاؤں کا تعارف کراتی ہوں۔ ہمارے گاؤں کا نام شیرو جدید ہے۔ یہ ضلع ڈیرہ غازی خان سے 40 کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے سندھ کے کنارے آباد ہے۔ ہمارے گاؤں کی تاریخ خاصی دلچسپ ہے۔ وہ ایسے کہ دو بار دریائے سندھ کے کٹاؤ سے مکمل طور پر تباہ ہوا ہے۔ ہمارے گاؤں کے لوگ مجموعی طور پر بہت خوش اخلاق اور زندہ دل ہیں اور اپنی خوب صورتی کی وجہ سے مشہور ہیں۔ خاص طور پر چشتی فیملی یعنی ہم لوگ (آہم) اپنی آنکھوں کے رنگ کی وجہ سے..... پہلی بار ملنے والے یہ ضرور پوچھتے ہیں کہ آپ نے لینز لگائے ہوئے ہیں۔ ہاہاہا۔ نہیں جی یہ تو قدرتی ہیں۔ ہمارے گاؤں میں بوائز ہائی اسکول' گرلز پرائمری اسکول اور ایک پرائیویٹ مڈل اسکول بھی ہے۔ ایک چھوٹا سا اسپتال اور ڈاک خانے کی سہولت بھی ہے۔ اگرچہ موبائل کمپنیوں کی بدولت ڈاک کا

استعمال نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہاں گندم، کپاس، کماد اور چاول کی فصلیں اگائی جاتی ہیں۔ ہمارا گاؤں باقاعدہ نقشے کے تحت بنایا گیا ہے۔ اس لیے گلیاں خاصی کشادہ اور ترتیب کے ساتھ ہیں، یہاں ملک، قاضی سومرو، ٹمل کمہار کے علاوہ اور بھی بہت سی برادریاں ہیں۔ ملک اور ٹمل زمین دار ہیں۔ باقی اکثریت ملازمت پیشہ ہے۔ ہمارا گاؤں بہت سرسبز اور خوب صورت ہے۔

ج:۔ خوب صورت دھرتی کی خوب صورت باسی سمیرا! ہمارا سارا پاکستان ہی بہت خوب صورت ہے اور اس میں رہنے والے تمام لوگ بھی۔ بد صورت لوگ تو وہ ہیں جو انسانوں کو ٹکڑوں میں بانٹ کر نفرتیں پھیلاتے ہیں۔ بے گناہ لوگوں کو نشانہ بنا کر قتل کرتے ہیں اور بھتے لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے ملک اور ہمارے پیارے لوگوں کو ان سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

امبر شہر کا نام لکھنا بھول گئی ہیں، لکھا ہے

آپ کے ماہنامے بہت خوب صورت ہیں میری کوئی بہن نہیں ہے اور یہ کمی شعاع پوری کر رہا ہے۔

ج۔ شکریہ امبر! شعاع اچھا ساتھی، مخلص دوست ہے، یہ جان کر خوشی ہوئی۔

زاہدہ سلطان نے لاہور سے شرکت کی۔ لکھتی ہیں۔

شعاع کی پندرہ سال سے قاری ہوں۔ میں آپ کی توجہ اس طرف دلانا چاہتی ہوں کہ سعدیہ عزیز کی اسٹوری کا نام "محبت اور سادیت" لکھا گیا جبکہ یہ "محبت اور مادیت" ہونا چاہیے۔

ج۔ زاہدہ! آپ کا خیال بالکل درست ہے۔ سہواً غلط نام شائع ہو گیا۔

آمنہ اور صدف سیالکوٹ سے تشریف لائی ہیں، لکھا ہے

خواتین اور شعاع دونوں ہمارے پسندیدہ رسالے ہیں مریم عزیز سے "میری دھڑکنوں کو قرار دو" جیسا ناول لکھوائیں۔

ج: آمنہ اور صدف! خواتین اور شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ مریم عزیز نے طویل ناول لکھا ہے، جو آئندہ ماہ شامل ہو گا۔ ان شاء اللہ۔

فاطمہ نے پوچھا ہے کہ

آپ نے میرا خط کیوں شامل نہیں کیا؟

ج: پیاری فاطمہ بہت سے خط شامل نہ ہو سکے۔ وجہ صفحات کی کمی ہے۔

ساجدہ فیض عباس نے ناگر خان بیلہ سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں۔

ٹائٹل سو سو تھا۔ "بت شکن" ہمیں باقی آئندہ دیکھ کر لگتا ہے کہ ابھی یہ لمبی مدت چلے گا۔ رخسانہ نگار اور نبیلہ عزیز دونوں بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ افسانوں میں ام مریم کا "سبق" لاجواب تھا۔ نایاب جی کو میری طرف سے سلیوٹ پیش کر دیں۔ اتنا مکمل اور زبردست ناول لکھا۔ جس میں کہیں بھی کوئی جھول یا کمی نہیں تھی۔

صدف آصف اور ام ایمان نے بھی بہت خوب لکھا اس بار عنیقہ بیگ جی متاثر نہ کر سکیں۔ حالانکہ وہ اچھی رائٹر ہیں۔

ساجدہ! ہمیں افسوس ہے کہ پچھلے ماہ آپ کا خط شامل نہ کر سکے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ آپ کی تعریف اور تنقید متعلقہ مصنفین تک پہنچائی جا رہی ہے۔

صفیہ افضل، ندا انور اور صبا انور نے لکھا ہے

آپ کے رسالے ہم تین بہنیں مل کر لیتی ہیں۔ ہمیں بہت پسند ہیں۔

ج: صفیہ، ندا اور صبا! بہت شکریہ۔

نورین حنیف کاندان سرگودھا سے لکھتی ہیں

ٹائٹل بہت اچھا لگا۔ "رقص بسمل" بہت اچھی اسٹوری ہے پر بہت کم صفحات ہوتے ہیں۔ رخسانہ آپی بہت دکھی کر رہی ہیں۔ نایاب جیلانی نے بہت اچھا لکھا۔ ام ایمان نے تو کمال کر دیا۔

ج۔ نورین! تبصرے کے لیے شکریہ! اللہ تعالیٰ آپ کو امتحان میں اچھے نمبروں سے کامیابی دے آمین۔

عظمیٰ مشتاق جہلم سے لکھتی ہیں

ٹائٹل اچھا تھا۔ نایاب جیلانی بہت اچھا لکھتی ہیں، بہت خوب صورت ناول تھا۔ ناولٹ میں صدف آصف، ام ایمان اور عنیقہ بیگ نے بہت اچھا لکھا۔ سچ کہوں تو ان رسالوں نے مجھے ہمیشہ صحیح راستہ دکھایا۔ فرحت اشتیاق کہاں ہیں، ان سے لکھوائیں۔

ج: عظمیٰ! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ فرحت اشتیاق فی الحال ٹی وی پر مصروف ہیں۔ وہ جلد لکھیں گی۔

صبا کرن اسلم نے ٹھٹھہ گلاب سنگھ گوجرانوالہ سے شرکت کی ہے۔ لکھتی ہیں

لگتا ہے "بت شکن" لمبا چلے گا۔ پھر بھی اسٹوری بیسٹ ہے۔ باتوں سے خوشبو آئے۔ میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔

ج: شکریہ صبا! "بت شکن" بہت لمبا نہیں چلے گا۔ اس کی چند اقساط مزید ہوں گی۔

جدہ سے نائلہ شریک محفل ہیں۔ لکھا ہے

رخسانہ نگار ہوں یا سمیرا حمید، نمرہ احمد ہوں یا صائمہ اکرم، سلویٰ علی بٹ ہوں یا نبیلہ عزیز سب ہی رائٹر بہت اچھا لکھتی ہیں۔ عالیہ بخاری کی "دیوار شب" بھی بہترین تھی۔

ج، نائلہ! آپ نے ہمیں یاد کیا بہت شکریہ۔ یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ جہاں بھی گئیں شعاع کے ساتھ آپ کا رشتہ نہیں ٹوٹا۔

کرن اور جویریہ نے گوجرہ سے لکھا ہے

پہلی شعاع کی شعاع تو صبح کے وقت پہلی پھوٹنے والی نرم گرم کرن ہوتی ہے تو پھر آپی اتنی مایوسی کیوں؟ پاکستان پر چھائی اندھیری رات اب ختم ہوا چاہتی ہے۔ ان شاء اللہ ہم یہاں روشن صبح کا سورج جلد دیکھیں گے۔ اب بات ہو جائے کہانیوں کی۔ "رقص بسمل" خوب ہے۔ "ایک تھی مثال" مجھے لگتا ہے۔ کئی سال چلے گی۔ آپی پلیز کئی کئی سالوں پر محیط کہانیاں مت لکھوایا کریں۔ ساری پچھلی باتیں بھول جاتی ہیں۔ بارہ اقساط بہت ہوتی ہیں۔ پرائم ٹائم سی، چار پانچ سالہ ناول تو سوپ سیریل ہی لگتے ہیں۔ نایاب جی کے تو نام سے ہی لگتا ہے کہ ان کی اماں کو پتا ہو گا کہ وہ نایاب سی رائٹر بنیں گی۔ واہ بھئی خوب نایاب نے لکھا اور روپ کی روئے بالکل درست کہا۔ صدف نے کہ بجی سنوری ماڈل بیوی سے گھر نہیں بنتے۔ "قسمت" بھی اچھا لگا اور "سبق" پڑھ کر اپنی بہن یاد آ گئیں۔ ہاں بھئی سیماب تھے لفظ، میرا خیال ہے مصباح علی کے پاس بہت سے سیماب لفظ ہیں۔ بے شک یہ افسانہ پہلے نمبر پر خوب رہا۔ بالکل سسرالی زندگی کے قریب تر تھی، نمران کے قلب جنوں کا سحرا ابھی تک نہیں ٹوٹا اور شاید نہیں ٹوٹے۔ خاص کر یہ جملہ جو رب کی تقسیم میں تیرا نام نہ ہو تو، تو لوگوں سے چیزیں چھین لے گی، نہیں نا۔ واہ بھئی واہ۔ آپی یہ اتنا کم کیوں لکھتی ہیں۔ پلیز ان سے قلب جنوں جیسی کوئی اور کہانی بھی لکھوائیں پلیز۔۔۔ آپی ایک بات بتا دیں یہ مصباح علی کوئی پرانی رائٹر ہیں نا۔ جو دوبارہ لکھنے لگی ہیں۔

ج پیاری جویریہ! شعاع کی پسندیدگی اور تفصیلی تبصرے کے لیے شکریہ۔ مصباح علی کو لکھتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ انہوں نے ایک طویل ناول بھی لکھا ہے، جو کئی قسطوں پر مشتمل ہے۔ اس لیے آپ کو اسے پڑھنے کے لیے تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔

منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

شعاع کے ساتھ

ادارہ

شمائلہ نصیر عاجز

1۔ ایک دن میں نے ریک میں ایک موٹی سی کتاب لگی دیکھی۔ وہ بچوں کے ناولز سے مختلف لگی تو اٹھالی اور کئی دن لگا کر بڑی محنت کے ساتھ آخر کار ختم کر ہی لی۔ کتاب کا نام تھا امر بیل اور محنت اس لیے کہ بیگ میں چھپا کر پڑھنی پڑتی تھی۔ تب میں آٹھویں جماعت کی طالبہ تھی۔ دھیرے دھیرے سے وقت گزرتا گیا اور میں آہستہ آہستہ قاری بنتی گئی۔ مسلسل وغیر مسلسل سلسلہ آج تک جاری ہے۔

2۔ دو قسم کے الارم جب تک میرے سر پر بج نہیں جاتے میری آنکھ نہیں کھلتی۔ اذان کے دوران میری بہن آمنہ کی شمائلہ، شمائلہ کی تکرار۔ نماز پڑھ کر سوتی ہوں تو سوا سات پر سیل فون چیخ چیخ کر مجھے بستر چھوڑنے پر مجبور کردیتا ہے۔ کلاس لے کر گیارہ بجے میں گھر پہنچی ہوتی ہوں۔ پھر صفائی اور کھانا بنانا۔ ویسے کام کے ساتھ ڈائجسٹ بھی پڑھ لیتی ہوں، لیکن نماز سے فارغ ہو کر کھانا اور ڈائجسٹ ساتھ ہی چلتے ہیں۔ شام میں چائے اور اسنیکس کے ساتھ ساتھ نیٹ، کبھی فیس بک اور کبھی فیشن ڈیزائن چیک کرتی رہتی ہوں۔ اس کے بعد قرآن ترجمہ کے ساتھ۔

رات کھانے کے بعد ایک ہاتھ میں قلم اور کاغذ ہوتا ہے تو دوسرے میں ریموٹ۔ پھر جب تک نیند نہیں آتی یونہی مصروف رہتی ہوں۔ ہاں ایک چیز جو میں بھولے سے نہیں بھولتی کھانے کے بعد پھیکا قہوہ جو میں کبھی مس نہیں کرتی۔ تندرست رہنے کا بہترین طریقہ ہے یہ۔

3۔ یادگار تو بہت سی تحریریں ہوتی ہیں۔ یا پھر کوئی اقتباس، جملہ یا لفظ جو آپ بھی نہ بھول پائیں۔ ویسے یادداشت کمزور ہونے کی باعث سب بھول جاتی ہوں ماسوائے لٹریچر کے۔ کتاب سے کچھ پڑھا تو بس ذہن نشین ہو گیا ہمیشہ کے لیے۔ نمرہ احمد کا ناول ”جنت کے پتے“ میرے لحاظ سے یادگار ہے نئی تحریروں میں آپ کا کیا خیال ہے؟

4۔ یہ سوال آسان نہیں ہے۔ سیدھی سادی سی بندی ہوں۔ بے وقوف سی مروت کی ماری، لیکن ڈھیر سارا نقصان اٹھانے اور زخم کھانے کے بعد ہاتھ ذرا سخت ہوگئے ہیں اب۔ زبان دراز ہوں، لیکن غصے میں۔ اور سب سے بڑی خامی ہے یہ۔ منافقت پسند نہیں ہے بالکل بھی تب ہی بہت سے لوگوں کو پسند نہیں ہوں۔ خوبیوں میں کم بولنا اور جھوٹ نہ بولنا اس کے علاوہ لوگ کہتے ہیں مان رکھتی ہوں اور ناراض ہونا بالکل نہیں آتا مجھے۔ میرے لحاظ سے یہ خامی ہے سب سے بڑی۔ کیا واقعی....؟

5۔ لمبی دوپہر، ٹھنڈا کمرہ اور ہاتھ میں ڈائجسٹ آئیڈیل سچویشن، مگر آج کل تو یہ دیوانے کا خواب ہے، لیکن گرمیاں ہی پسند ہیں پھر بھی۔ خاص طور پر گاؤں کے سرسبز کھیتوں کے پیچھے کھڑی پہاڑیوں میں ڈوبتا سورج کیا حسین منظر ہوتا ہے۔ بندہ سحر زدہ سا ہو کے رہ جاتا ہے۔ اگر کسی نے یہ منظر نہیں دیکھا تو پھر۔ میں کیا کرسکتی ہوں؟

پسندیدہ اقتباس نایاب جیلانی کے مکمل ناول سے۔

”آدمی جب تک ٹوٹتا نہیں، اسے پتا نہیں چلتا۔ وہ کتنا مضبوط ہے۔“

سعدیہ ریاض.... کراچی

شعاع سے وابستگی کو تقریباً“ چار سال کا عرصہ ہونے کو آیا ہے۔ شروع میں امی بڑی بہنوں کو (میں سات بہنوں میں سب سے چھوٹی ہوں) کوئی ڈائجسٹ نہیں پڑھنے دیتی تھیں اور نہ خود پڑھتی تھیں، مگر جب بڑی بہن کی شادی ہوئی تو اس کے سسرال میں سب شعاع اور خواتین کے رسیا تھے۔ آہستہ آہستہ وہ خود بھی پڑھنے لگی اور ہمارے گھر بھی لانے لگی۔ پہلے امی چیدہ چیدہ چیزیں پڑھتیں پھر سب سے پہلے امی نے بہن کو عمیرہ احمد کا افسانہ (نام یاد نہیں) بڑی تاکید سے پڑھنے کو کہا۔ پھر امی کی رائے بھی شعاع اور خواتین کے لیے مثبت ہوگئی۔

جہاں تک دلچسپ واقعات کی بات ہے تو کوئی ایسا مخصوص واقعہ تو نہیں، لیکن قراقرم کا تاج محل پڑھتے ہوئے ہر قسط کا بے چینی سے انتظار اور شعاع ہاتھ میں آنے پر پہلے پڑھنے کے لیے لڑائی، متاع جاں میں عالی کے مرنے کی خبر سن کر (دوست) سدرہ کا بے اختیار رونا اور نمرہ احمد کی تحریر ”مصحف النساء“ سنتے ہوئے میری دوستوں کا انہماک اور یہ پتا چلنے پر کہ موموصارم کی ماں ہے سب دوستوں کا مشترکہ ”کیا؟“ ہمیشہ یاد رہے گا۔

2۔ میری صبح تقریباً“ سات بجے شروع ہوجاتی ہے۔ چونکہ آج کل کالج کی چھٹیاں ہیں اس لیے فراغت ہی فراغت ہوتی ہے۔ ناشتے کے بعد معمول کے کام نپٹانا، بہنوں سے نوک جھونک، کسی کتاب، شعاع یا اخبار کا مطالعہ FM (107) پر عدیل اظہر کا شو، دوپہر کے کھانے کی تیاری، فیس بک اور انٹرنیٹ، نیند آجائے تو تھوڑی دیر سونا، گھر کی صفائی اور پھر رات تک یہی سب چلتا ہے۔ میری روٹین تقریباً“ ہر دوسرے دن بدلتی ہے۔ جس میں پھر میں اپنے شوقیہ کام گریٹنگ کارڈز بنانا، اسکیچنگ اور ڈرائنگ وغیرہ کرتی ہوں۔ میری اس روٹین میں شعاع کے لیے وقت نکالنا بہت آسان ہے۔ البتہ کالج کے دنوں میں یہ معمولات تھوڑے سے مختلف ہوجاتے ہیں، لیکن سونے سے پہلے شعاع کا مطالعہ ضرور ہوتا ہے۔

3۔ آج تک کوئی ایسی تحریر نظر سے نہیں گزری جسے پڑھ کر دل الجھا ہو اور بن روئے آنسو کی ”صبا شفیق“ میں مجھے اپنا عکس دکھائی دیا تھا۔

4۔ خامیاں بے شمار ہیں، دوسروں کی نظر میں خود غرض اور اکھڑ، دوستوں کے لیے تھوڑی مغرور اور نک چڑھی اور منہ پھٹ ہوں۔ کچھ لوگوں کے لیے بہت پیاری ہوں، دل کی بہت اچھی، تھوڑی ریزرو اور باتیں کم کرنے پر سب مجھے روڈ اور مغرور سمجھتے ہیں۔

بقول عاتکہ کہ تم بہت اچھی دوست ہو، لیکن غصہ بہت جلدی آجاتا ہے اور یہ رائے کافی لوگوں کی میرے بارے میں مشترکہ ہے خوبیاں میری نظر میں یہ ہیں کہ میں پرخلوص ہوں، دوستیاں نبھاتی ہوں، سچ بولنا اور سننا پسند کرتی ہوں اور بے حد حساس ہوں۔ تعریفی جملے بہت سے ہیں جنہیں سن کر خوشی محسوس ہوئی، میری بیسٹ فرینڈ عروج نے ایک بار کہا تھا کہ ”سعدیہ تم بہت انٹیلیجنٹ اور جینئس ہو۔“ اور یہی جملہ میری میتھس کی ٹیچر مس خدیجہ نے کئی بار کہا ہے۔

پسندیدہ اقتباس۔

”ہم مشرق کی لڑکیاں بھی عجیب ہیں، شاید محبت ہمارے بس کا روگ نہیں، ہمارا خون وخمیر شاید اس جذبے کے لیے موزوں نہیں۔ ہم محبت کر بھی لیں تو اسے نبھانا مشکل اور اگر نبھالیں تو زندگی گزارنا مشکل۔ محبت میں ہونے والی وہ لمحے بھر کی لغزش، وہ ایک پل کی خود غرضی نہ ہمیں جینے دیتی ہے نہ مرنے دیتی ہے۔ پھر وہ محبت جو ہم نے بہت لڑ کر اور دنیا سے ٹکر لے کر حاصل کی ہوتی ہے، ہمیں اپنا سب سے بڑا گناہ نظر آنے لگتی ہے۔ ایسا گناہ جس پہ ہم اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے شرمندہ ہوتے ہیں۔ ہم محبت کے بغیر رہ سکتے ہیں، لیکن خود سے وابستہ رشتوں کے بغیر زندگی گزار ہی نہیں سکتے۔

(وہ جو قرض رکھتے تھے جاں پر۔ فرحت اشتیاق)

WWW.PAKSOCIETY.COM

پسندیدہ شعر:

کتنا آساں تھا ترے ہجر میں مرنا جاناں
پھر بھی اک عمر لگی جان سے جاتے جاتے
(احمد فراز)

پسندیدہ کتابیں بے شمار ہیں جن میں "محمد بن قاسم" اور "شاہین" (نسیم حجازی) زیرو پوائنٹ سیریز (جاوید چوہدری) فاتح سیونہ (کرنل اشفاق حسین) جنٹلمین سیریز (کرنل اشفاق حسین) اور ہیری پوٹر سیریز شامل ہیں۔

ثمرین اکرام..... میرپور خاص

شعاع سے وابستگی کو کتنا عرصہ ہوا' یاد نہیں۔ بس اتنا معلوم ہے کہ جب سے پڑھنا سیکھا تب سے ہی ہمارا ساتھ رہا۔ زندگی کے نشیب و فراز میں شعاع نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی اور مجھے ایک مکمل شخصیت بنایا۔ واقعہ تو کوئی یاد نہیں۔ ہاں! البتہ جب شعاع میں کھو کر اسکول کا کام کرنا بھول جاتے تھے تب امی سے بہت ڈانٹ پڑتی تھی۔

(2) میں کیونکہ شادی شدہ ہوں۔ اس لیے میری صبح کا آغاز جلد ہو جاتا ہے۔ نماز اور تلاوت قرآن پاک کے بعد ناشتا بناتی ہوں۔ کیونکہ اکرام کو ڈیوٹی پر جانا ہوتا ہے۔ ہم مل کر ناشتا کرتے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد صفائی کرتی ہوں۔ کچن صاف کرتی ہوں۔ کچھ دیر ٹی وی دیکھتی ہوں۔ پھر دوپہر کے کھانے کی تیاری کرتی ہوں۔ کھانے کے بعد ظہر کی نماز پڑھتی ہوں۔ پھر کچھ دیر آرام کرتی ہوں اور شعاع بھی زیر مطالعہ ہوتا ہے۔ پھر شام کی صفائی اور چائے کے ٹائم پر اکرام آجاتے ہیں۔ ہم مل کر چائے پیتے ہیں۔ کچھ دیر امی سے فون پر بات کرتی ہوں۔ پھر مغرب کی نماز پڑھ کر رات کا کھانا بناتی ہوں۔ بھئی! دراصل ہم اکیلے ہیں نا اس لیے سارا کام ہی ہمارے ذمے ہے۔ رات کے کھانے اور عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد تمام امور سے فراغت نصیب ہوتی ہے۔ کچھ دیر شعاع کا مطالعہ کرنے کے بعد آیات کی تلاوت کر کے سو جاتی ہوں۔

(3) میں اس بات کو نہیں مانتی کہ کتابیں پڑھنے سے دل الجھتا ہے۔ کتابیں تو ہماری سوچ کو جلا بخشتی ہیں۔ قدم قدم پر رہنمائی کرتی ہیں۔ صحیح اور غلط کی تمیز سکھاتی ہیں۔ میرے ساتھ تو ایسا ہی ہوا ہے۔ باقی قارئین کتابوں کو کس طرح لیتے ہیں۔ یہ ان کی سوچ پر منحصر ہے۔

مہوش افتخار کا ناول "ضبط عشق" ابھی تک ذہن پر نقش ہے خاص طور پر رائنہ کا کردار۔ اس میں مجھے کچھ کچھ اپنی جھلک نظر آئی۔ نمرہ احمد' فرحت اشتیاق اور عمیرہ احمد کے تمام ناول میرے فیورٹ ہیں۔

(4) یہ سوال تھوڑا مشکل ہے۔

تو جناب! پہلے خامیاں ہو جائیں سب سے بڑی خامی تو یہ ہے کہ میں چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر گھنٹوں کڑھتی رہتی ہوں۔ یعنی درگزر نہیں کر پاتی۔ مستقل مزاج نہیں ہوں۔ غصہ بہت آتا ہے۔ بہت جلد رونے لگتی ہوں۔ قوت برداشت نام کو نہیں ہے۔

خوبی جہاں تک میں سمجھتی ہوں' یہی ہے کہ حساس ہوں۔ دشمن کو بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی کفایت شعار ہوں۔ نرم دل ہوں۔ اپنی فیملی سے بہت پیار کرتی ہوں۔ تعریفی جملہ' جب میں اسکول میں ٹیچنگ کرتی تھی تب ہمارے سر نے کہا تھا کہ ہمارا اسکول ثمرین کے دم سے ہے۔ یقین کیجیے! بہت خوشی محسوس کی تھی اس وقت۔

(5) سچ بتاؤں تو مجھے تو بارش سے ہی بہت ڈر لگتا ہے۔ خاص طور پر گرج چمک سے۔ میں تو بارش میں اپنے کمرے سے باہر ہی نہیں نکلتی۔

آخر میں اتنا کہنا چاہوں گی کہ نفسا نفسی کے اس دور میں محبت کا فقدان ہے۔ محبتیں بانٹیں۔ محبت وہ دولت ہے' جسے بانٹنے سے اس میں اضافہ ہی ہوتا ہے کمی نہیں آتی۔ خوش رہیں اور دوسروں کو بھی خوش رکھیں۔

☆

سننے میں آئے

گل صفہ سہیل

بندھن

پاکستان فلم انڈسٹری کی ساری نوجوان (یہ ہمارا نہیں ان کا اپنا خیال ہے) اداکارائیں بیس بیس پچیس پچیس سال اداکاری کرنے کے بعد اب شادی کر رہی ہیں۔ مثلاً" میرا' ریما' صائمہ' نرگس وغیرہ نے تو شادی کر لی ہے اب سنا ہے کہ ریشم اور لیلیٰ نے بھی اس سال شادی کا ارادہ کر لیا ہے یہ دونوں اداکارائیں تقریباً" 20 سال سے شوبز سے وابستہ ہیں اور 2014ء میں شادی کے بندھن میں بندھنا چاہتی ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے لڑکوں کی تلاش شروع کر دی ہیں (خواہشمند رابطہ کر سکتے ہیں) اور یہ دونوں چاہتی ہیں کہ ان کی شادی بہت دھوم دھام سے ہو۔ (دکھا مارننگ شو کی دھوم دھڑکے والی شادیوں میں جاجا کے لیلیٰ نے اپنی شادی میں بھی دھوم دھڑکے کی خواہش کر ہی دی۔) ہماری دعا ہے کہ ان دونوں نوجوان (آہم۔) اداکاراؤں کی یہ خواہش جلد از جلد پوری ہو اور انہیں بھی ان ہی کی طرح کا کوئی نوجوان مل جائے۔

توقعات

اداکار ہمایوں سعید ان دنوں اپنی نئی فلم "مین آف دی میچ" (بھئی میں ہوں شاید آفریدی کے بعد یہی بننا تھی) کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ ذرائع کے مطابق اس فلم کی کہانی مکمل ہے اور موسیقی پر کام تقریباً" مکمل ہو چکا ہے۔ ہمایوں نے امریکا کے بجائے دبئی کی کچھ جگہیں شوٹنگ کے لیے منتخب کی ہیں اور وہ وہاں جلد ہی شوٹنگ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہمایوں سعید کا اس بارے میں کہنا ہے کہ "یہ اچھا وقت ہے کہ جب ہم

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اچھی اور معیاری فلمیں بنا کر فلم انڈسٹری کی ترقی میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ فلم میں ہوں شاہد آفریدی کی کامیابی کے بعد مجھ سے بہت سی توقعات وابستہ کی جارہی ہیں اس لیے میں اس کو اور بھی بہتر انداز میں بنانا چاہتا ہوں۔"
(بات تو آپ کی بالکل ٹھیک ہے' لیکن آپ کی سب فلمیں کرکٹ پر ہی کیوں ہیں کیا اس کے بعد آپ "بارہواں کھلاڑی" یا "مین آف دی سیریز" بنائیں گے ؟)

برادری

پاکستان سنگرز ایسوسی ایشن کی جانب سے اداکارہ اور رکن صوبائی اسمبلی کنول نعمان کے اعزاز میں لاہور پریس کلب میں ایک استقبالیہ دیا گیا جس میں ایسوسی ایشن کے چیئرمین انور رفیع اور صدر ترنم ناز کے علاوہ شوبز سے تعلق رکھنے والے شخصیات نے شرکت کی۔ اس موقع پر انور رفیع نے وزیر اعلا پنجاب میاں شہباز شریف اور کنول کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے فنکاروں کے چھ ماہ سے رکے ہوئے امدادی رقم

کے چیکوں کی ادائیگی کردی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ موجودہ حکومت حقیقت میں فنکار دوست حکومت ہے (صرف فنکار دوست۔۔۔؟) انور رفیع نے مزید کہا کہ وہ وزیر اعلا پنجاب سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ رکن پنجاب اسمبلی کنول نعمان کو صوبائی وزیر برائے ثقافت مقرر کردیں تاکہ وہ فنکاروں اور فن و ثقافت کے فروغ کے لیے بہتر انداز میں کام کرسکیں۔ کیوں کہ کنول نعمان خود ایک فنکارہ ہیں تو وہ فنکاروں کے لیے بہتر انداز میں کام کرسکتی ہیں۔

خالق

گلوکار راحت فتح علی خان کا کہنا ہے کہ موسیقی کو سننے کے ساتھ ساتھ دیکھنے کی چیز پاکستان نے بنایا ہے (ہیں! مادھوری نے ایک دو تین پر ڈانس پاکستانی فلم میں کیا تھا۔۔۔؟) جس طرح پاکستان ایٹم بم کا خالق ہے (راحت! دوسری جنگ عظیم میں امریکا نے جاپان پر ایٹم بم گرایا تھا ہم نے تو غالباً" 1996ء میں۔۔۔؟ اس کے خالق ہم نہیں۔) اسی طرح ہم 2014ء کے اختتام تک میوزک میں بھی ایٹمی قوت بن جائیں گے

(کاش یہ بات تعلیم کے حوالے سے ہوتی تو۔۔۔) راحت فتح علی خان نے مزید کہا کہ جب تک میں اپنے کنسرٹ میں صوفیانہ کلام نہ پڑھوں (بھئی گاؤں) تب تک کمی محسوس ہوتی ہے (کس کی۔۔۔؟) جلد ہی میں پاکستانی فلم کا میوزک بھی دوں گا جبکہ ہندوستان کی طرح پاکستان میں بھی میوزیکل شو کا آغاز کر رہا ہوں (کاش کوئی ہندوستان کی نقل میں تعلیمی مقابلے کا بھی رجحان پیدا کرے۔) جس میں ہندوستان اور پاکستان کے بڑے فنکار جج ہوں گے اور ہم اپنے ملک کا ٹیلنٹ پروموٹ کریں گے۔

باعث فخر

ماہرہ خان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں' ان کا ڈراما ہمسفر بھارت میں بھی چلا اور عرب ممالک نے بھی اسے اپنی زبان میں ڈبنگ کرکے چلایا۔ ماہرہ کا کہنا ہے کہ "میں اپنے ملک میں کام سے ہی بے حد خوش ہوں (جی جب تک آفر نہ آئے سب یہی حب الوطنی دکھاتے ہیں۔) مجھے کسی اور ملک (بھئی انڈیا) میں جاکر کام کرنے کی خواہش نہیں۔ میں نے ایسے ڈراموں

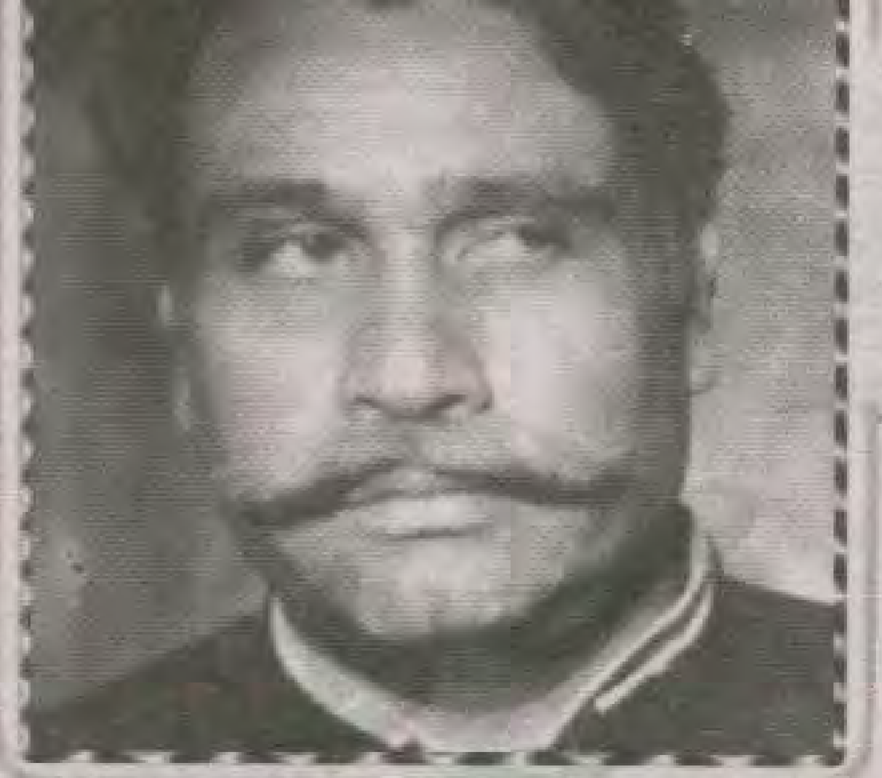

میں کام کیا جو میری شناخت بنے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ مجھے میرے ڈرامے کے کریکٹر کے نام کے حوالے سے پکارتے ہیں اور جب لوگ مجھے میرے کام کی وجہ سے پہچانتے اور تعریف کرتے ہیں تو یہ بات میرے لیے باعث فخر ہوتی ہے۔ (لیکن ماہرہ! جب "وہاں" سے آفر آتی ہے تو بھی تو لوگ کام ہی کرنے جاتے ہیں نا) ماہرہ نے مزید کہا کہ میرے لیے ڈراموں کی کہانی زیادہ اہمیت رکھتی ہے کیوں کہ کہانی اگر جاندار ہو تو پھر کام کرنے میں زیادہ مزا آتا ہے۔" (اگر پروڈیوسر ڈائریکٹر اچھا نہ ہو تو کہانی کچھ نہیں کرپاتی ماہرہ جی!)

منفرد فنکار

صدارتی ایوارڈ یافتہ معروف اداکار غیور اختر 69 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ اناللہ۔ ان کے ڈرامے سونا چاندی میں ان کا او ہو ہو بہت زیادہ مشہور ہوا جس نے انہیں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔ ان کے مشہور ڈراموں میں سونا چاندی' اندھیرا اجالا' خواجہ اینڈ سن' دیکھ تماشا' فری ہٹ' گھر آیا میرا پردیسی' افسر بے کار خاص وغیرہ شامل ہیں۔ انہوں نے بچوں کے مقبول ڈرامے عینک والا جن میں سامری جادوگر کا کردار ادا کیا۔ غیور اختر نے دو تین فلموں میں بھی کام کیا' مگر ان کا مزاج فلمی نہ تھا اس لیے وہ واپس پی ٹی وی اور اسٹیج کی طرف آگئے۔ ان کی فلم "ڈائریکٹ حوالدار" میں ان کا جیلر کا کردار آج بھی ان کے مداحوں کو یاد ہے' غیور اختر اپنی طرز کے منفرد فنکار تھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

امت الصبور

ایک کوفی کی حاضر جوابی

خلیفہ منصور کا حاجب ربیع بیان کرتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے مجھے اطلاع دی کہ کوفے کے ایک آدمی کے قبضے میں بنی اُمیّہ کے جواہرات اور دوسرے قیمتی نوادر ہیں۔ میں نے خلیفہ منصور کی خدمت میں یہ اطلاع پہنچائی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس شخص کو نگرانی میں رکھو اور جس کوفی کے پاس وہ مال بتاتا ہے' اسے بلواؤ۔ چنانچہ اس کو بلوا کر امیر المومنین کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

منصور نے اس سے کہا "ہم نے سنا ہے کہ تمہارے پاس بنی امیہ کا بہت سا مال ہے۔ بہتر ہے کہ اسے ہمارے حوالے کردو' ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔"

کوفی شخص نے بے باکی سے جواب دیا۔ "امیر المومنین' کیا آپ بنی امیہ کے وارث ہیں؟"

منصور نے جواب دیا "نہیں۔"

کوفی نے پوچھا "کیا ان کا ترکہ آپ کو پہنچتا ہے؟"

منصور بولا "نہیں۔"

کوفی نے پوچھا "کیا انہوں نے آپ کے حق میں وصیت کی ہے؟"

منصور نے جواب دیا "نہیں۔"

کوفی نے پوچھا "پھر آپ مجھ سے وہ مال کیوں طلب فرما رہے ہیں' جس کے ازروئے شریعت آپ مستحق نہیں ہیں؟"

یہ سن کر منصور نے سر جھکا لیا۔ غصے کے مارے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر بولا "بنی امیہ نے مسلمانوں کا مال غصب کیا تھا۔ چونکہ میں مسلمانوں کا خلیفہ ہوں' اس لیے میرا فرض ہے کہ ان کا مال واپس لے کر بیت المال میں جمع کروں۔"

کوفی بولا "یا امیر المومنین! غاصب کا غاصب بھی غاصب ہوتا ہے۔ اگر بنی امیہ نے مسلمانوں کا مال غصب کیا تو کل قیامت کے روز ان ہی سے جواب طلب کیا جائے گا آپ سے نہیں۔ پھر آپ کیوں اس معاملے میں دخل دیں!"

منصور نے لاجواب ہو کر میرے کان میں پوچھا۔ "شرع کی رو سے اس شخص سے مال لینے کی کوئی توجیہہ ہو سکتی ہے؟"

ربیع نے نفی میں جواب دیا تو خلیفہ نے اس شخص کی طرف منہ کر کے کہا۔ "تمہاری کوئی حاجت ہو تو بیان کرو۔"

اس نے جواب دیا۔ "ایک حاجت ہے اور وہ یہ کہ امیر المومنین میرا ایک خط میرے گھر پہنچانے کا انتظام کردیں' تاکہ میرے بال بچوں کو میری خیریت معلوم ہو جائے۔ کیونکہ امیر المومنین کی ہیبت اور میری فوری طلبی نے ان کو ڈرا دیا تھا اور جب میں چلا ہوں تو وہ میری زندگی سے مایوس تھے۔"

امیر المومنین کو اس سادہ درخواست پر تعجب ہوا۔ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "ان کا خط ان کے گھر بھجوا دو۔"

پھر اس شخص سے کہا۔ "تمہارا خط تمہارے گھر پہنچ جائے گا' کوئی اور حاجت بتاؤ۔"

کوفی نے جواب دیا۔ "اگر امیر المومنین کا اصرار ہے تو عرض کیے دیتا ہوں۔ میں اس شخص کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ جس نے امیر المومنین سے میری چغلی کھائی ہے اور اب میں قسم کھاتا ہوں اس کی' جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور دنیا و آخرت میں تمام مخلوق کی بازگشت اسی کی طرف ہے کہ میرے پاس بنی امیہ کا ذرہ بھر مال و اسباب نہیں ہے۔ نہ اس مال و اسباب کی مجھے کچھ خبر ہے۔ میں امیر المومنین کے دریافت کرنے پر اسی وقت عرض کر دیتا' لیکن انکار کرنا مناسب معلوم ہوا اور میں نے احمقانہ جواب دینے شروع کردیے۔"

منصور نے حکم دیا کہ چغل خور کو حاضر کیا جائے۔

جب اس شخص کو حاضر کیا گیا اور کوفی کی اس پر نظر پڑی تو منصور سے بولا۔

"امیر المومنین! میں آپ کی بیعت سے بیزار ہوں اگر یہ شخص میرا زر خرید غلام نہ ہو۔ میں نے اسے تین ہزار درہم دیے تھے' تاکہ یہ ان سے تجارت کرے اور اس کے نفع میں سے ایک حصہ خود لے اور ایک حصہ مجھے دے۔ یہ روپے لے کر چلتا بنا۔ آج تک ایک پیسہ واپس نہیں کیا اور اصل مع سود ہضم کر گیا یہی نہیں بلکہ اس نمک حرام نے میرے قتل کرانے کی بھی تدبیریں کیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔"

منصور نے یہ سنا تو جوش غضب سے اٹھ کھڑا ہوا اور مجھے حکم دیا کہ "شکنجے والوں کو بلاؤ۔ تاکہ اس نمک حرام کو سزا دی جائے۔"

غلام نے دیکھا کہ اب شامت آنے والی ہے تو گڑگڑا کر خلیفہ سے بولا۔ "مجھ سے بڑی خطا سرزد ہوئی' معافی چاہتا ہوں۔ بے شک یہ شخص میرا مالک ہے۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ مجھے اس نے تین ہزار درہم تجارت کے لیے دیے تھے۔ بات یہ ہوئی کہ وہ تمام رقم خرچ ہو گئی تھی۔ میں ڈرا کہ میرے پاس پھوٹی کوڑی نہیں بچی اور مالک مجھ سے مطالبہ کرے گا اور سختی سے کام لے گا۔ کہاں سے دوں گا۔ یہ سوچ کر میں کوفے سے بھاگ کھڑا ہوا اور یہاں آکر اس سے ہمیشہ کے لیے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔"

منصور نے کوفی امیر سے کہا۔ "یہ غلام ہر طرح کی سزا کا مستحق ہے۔ میں اسے تمہارے حوالے کرتا ہوں' جو سزا چاہو دو اور اپنا دل ٹھنڈا کرو۔"

کوفی حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر بولا۔ "آپ سب صاحبان گواہ رہیں۔ میں اس غلام کو امیر المومنین کی جان کے صدقے میں آزاد کرتا ہوں اور وہ تین ہزار جو اس نے ضائع کیے' معاف کرتا ہوں۔ بلکہ اسے تجارت کے لیے مزید رقم دینے کا بھی وعدہ کرتا ہوں۔"

منصور نے اس سے کہا۔ "تم نیکی کرنے میں بہت فیاضی سے کام لے رہے ہو۔ اسے آزاد کرنا ہی کافی تھا۔ پچھلی رقم بخشنے اور مزید رقم دینے کی ضرورت نہ تھی۔"

کوفی نے جواب دیا۔ "امیر المومنین کی بزرگی کا حق بھی تو ادا کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ اس غلام نے بدی کی۔ مگر اس بدی کے بہانے مجھے امیر المومنین کی زیارت اور ہم کلامی کا فخر حاصل ہو گیا' یہ کتنی بڑی بات ہے۔"

اس پر منصور نے اس کی بہت تعریف کی اور خلعت و انعام دے کر اسے رخصت کیا۔ ربیع کا بیان ہے کہ اس دن سے لے کر مرتے دم تک منصور کی یہ عادت رہی کہ جب بھی کوئی کسی کی شکایت کرتا یا دشمنی کی بابت کہتا' منصور بے اختیار اس کوفی کو یاد کرتا اور کہتا۔ "خدا اس کوفی پر رحمت کرے کہ میں نے حاضر جوابی' ثبات عزم' فیاضی' نیکی اور مسکت دلیل پیش کرنے میں اس کا ثانی نہیں دیکھا۔"

سرورق کی شخصیت	
ماڈل	انعم
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافر	موسیٰ رضا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

روپالی بریانی

اجزا:

چکن قیمہ	آدھا کلو
لہسن، ادرک پیسٹ	تین چائے کے چمچے
سلائس	ایک عدد
انڈا	ایک عدد
دہی	ڈیڑھ کپ
چاول	آدھا کلو
فوڈ کلرز	ایک ایک چٹکی
بادیان کے پھول	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:

قیمے میں گرم مسالا، ایک چمچہ لہسن اور ادرک پیسٹ، ہری مرچیں، پودینہ، ایک پیاز، انڈا، سلائس، سرخ مرچ ملا کر چوپر میں پیس لیں اور کوفتے بنا کر فرائی کرلیں۔ الگ پتیلی میں دو چمچے چوپ کیے ہوئے لہسن، ادرک فرائی کریں۔ ایک کپ براؤن پیاز، نمک، پسا گرم مسالا اور دہی ڈال کر بھونیں، پھر کوفتے اور آدھا کپ پانی شامل کرکے پکائیں۔ چاول میں نمک، ثابت گرم مسالا، بادیان کے پھول، تیز پات ڈال کر ابال لیں۔ سالن سے کوفتے نکال کر گریوی اور چاولوں کی تہ لگائیں۔ کیوڑے میں فوڈ کلرز ملا کر الگ چھڑکیں۔ کوفتے اوپر رکھ کر دم پر رکھ دیں۔ رائتے کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

مٹکا گوشت

اجزا:

گوشت	ایک کلو
پیاز	تین عدد
لہسن، ادرک پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
دہی	ایک کپ
آٹا	آدھا کپ
گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچہ
ہرا مسالا	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:

ہانڈی میں گھی گرم کرکے پیاز سنہری کریں، پھر گوشت کے ساتھ لہسن، ادرک پیسٹ، ہلدی، پسا دھنیا، پسی مرچ، سیاہ زیرہ، نمک اور پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ ڈھکن کو آٹا لگا کر بند کردیں۔ گوشت گل جائے تو روغن الگ نکال کر گوشت میں دہی ڈال کر بھونیں۔ چار گلاس پانی ڈال دیں، پھر آدھا کپ پانی میں آٹا گھول کر شامل کریں۔ چمچہ مسلسل ہلاتی رہیں۔ گاڑھا ہونے لگے تو علیحدہ کیا ہوا روغن شامل کرکے گرم مسالا چھڑکیں اور مٹی کے کٹورے میں نکال کر کترے ہوئے ہرے مسالے کے ساتھ گارنش کرکے پیش کریں۔

بیسن کی کھنڈویاں

اجزا:

بیسن	چار کھانے کے چمچے
دہی	ایک پیالی
پسا گرم مسالا	ایک چائے کا چمچہ
میٹھا سوڈا	دو چٹکی
اجوائن، میتھی دانے	آدھا چائے کا چمچہ
پیاز، لیموں	دو، دو عدد
ادرک، لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:

دہی میں بیسن، اجوائن، گرم مسالا، سوڈا، نمک اور لیموں کا رس ملا کر دو چمچے تیل میں ہلکی آنچ پر تیز تیز چمچہ چلا کر حلوے کی طرح بھون لیں اور کسی چکنی تھالی میں حلوے کی طرح جما دیں اور ٹھنڈا ہونے پر ٹکڑے کاٹ لیں۔ ایک دیگچی میں تیل گرم کرکے میتھی دانہ کڑکڑائیں، پھر پسی ہوئی پیاز اور ہلدی، پسی مرچ، نمک، لہسن، ادرک پیسٹ ڈال کر بھونیں۔ ایک گلاس پانی ڈال کر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ کھنڈویوں کو فرائی کرکے شوربے میں ڈال کر بھونیں۔ ہرا مسالا کتر کر چھڑکیں اور روغن آنے کے لیے دس منٹ دم پر رکھ دیں۔

پنجابی زردہ

اجزا:

چاول	آدھا کلو
پاستا سویاں	ایک پیکٹ
شکر	ڈیڑھ پاؤ
لونگ، چھوٹی الائچی	چار، چار عدد
بادیان کے پھول	دو عدد
میوہ	حسب پسند
گھی	ایک پاؤ

ترکیب:

گھی گرم کرکے الائچی، لونگ اور بادیان کے پھول کڑکڑائیں، پھر چینی ڈال دیں اور تھوڑا سا پانی ڈال کر شیرہ سا بنالیں۔ چاول ابال کر رکھ لیں۔ رنگین پاستا سویاں بھی تھوڑی سخت ابال لیں۔ شیرہ میں ابلے ہوئے چاول اور رنگین پاستا (ٹکڑے کرکے) ڈالیں۔ ساتھ ہی تھوڑا سا میوہ بھی مکس کرکے دم پر لگا دیں۔ پیش کرتے وقت باقی میوہ بھی چھڑک دیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

خوب صورت بنیے

میک اَپ کیسے کریں

میک اپ ایک فن ہے۔ اس میں کمال حاصل کرنے کے لیے مشق ضروری ہے تاہم پریکٹس کے علاوہ میک اپ کرنے سے قبل بھی چند اہم بنیادی باتوں کا جاننا بے حد ضروری ہے۔

میک اپ سے قبل اپنی جلد کو کلینزنگ، ٹوننگ اور موئسچرائزنگ سے تیار کرلیں۔ اس طرح آپ کی جلد میک اپ کو بہ خوبی قبول کرنے کے لیے تیار ہوجائے گی۔ موئسچرائزنگ اور میک اپ کے درمیان پانچ منٹ کا وقفہ ضرور دیں۔

میک اپ کو 4 حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

میک اپ بیس

میک اپ کا آغاز ہمیشہ ایک اچھے بیس سے کریں۔ فاؤنڈیشن مختلف اشکال میں دستیاب ہوتے ہیں۔ لیکوئیڈ اور ٹھوس۔ اپنی جلد کے حساب سے فاؤنڈیشن کا انتخاب کریں لیکن خصوصی توجہ بلینڈنگ پردیں۔

اگر آپ ٹھوس شکل کا فاؤنڈیشن استعمال کررہی ہیں تو ایک گیلے اسفنج کی مدد سے فاؤنڈیشن کو بلینڈ کریں۔ اگر لیکوئیڈ میں ہے تو نقطوں کی صورت چہرے پر لگائیں اور اسفنج سے ہی بلینڈ کریں۔

بیس کے بعد کنسیلنگ کی طرف توجہ دیں۔ آنکھوں کے نیچے حلقوں یا داغ دھبوں کو کنسیلر کے ذریعے چھپائیے۔ کنسیلر اسٹک اور کریم دونوں شکلوں میں دستیاب ہے۔

پاؤڈر اور بلشر

فاؤنڈیشن اور کنسیلر لگانے کے بعد برش کی مدد سے پاؤڈر لگائیں۔ بلشر ہلکا اور پتلا لگائیں۔

آئی میک اپ

آنکھوں کے رنگ کی مناسبت سے آئی شیڈو کا انتخاب کریں۔ پلکوں کی جڑوں سے آنکھ کے کنارے تک آئی لائنر لگائیں۔ کاجل ضرور لگائیں۔ آخر میں مسکارا لگائیں۔ مسکارا کے ایک سے زائد کوٹ لگائیں۔ مگر پہلا کوٹ خشک ہونے کے بعد ہی دوسرا کوٹ لگائیں۔

لپ میک اپ

اگر آپ گہرے رنگ کی لپ اسٹک لگانا چاہتی ہیں تو پھر آپ کو اپنی آنکھوں کا میک اپ ہلکا رکھنا پڑے گا اور اس کے لیے ہلکے رنگ استعمال کرنا ہوں گے۔ اس کے برعکس اگر آپ ایک ہلکی یا شفاف لپ اسٹک استعمال کررہی ہیں تو پھر آپ کو اپنی آنکھوں کے لیے گہرے رنگ استعمال کرنا ہوں گے۔

نیوٹرل شیڈز، پنک یا پیچ کلر دن میں لگانے کے لیے آئیڈیل ہوتے ہیں جب کہ ڈارک کلرز شام کو یا رات میں زبردست لگتے ہیں۔

زیادہ اچھا ہوگا اگر اپنے ہونٹوں کو پہلے لپ پنسل سے نمایاں کرلیں۔ اس سے آپ کے ہونٹوں کے شیپ کو نمایاں کرنے میں مدد ملتی ہے اور لپ اسٹک بھی زیادہ دیر تک قائم رہتی ہے۔

لپ اسٹک کا دیرپا اثر قائم رکھنے کے لیے لپ اسٹک کو معمول کے مطابق لگائیں۔ پھر ٹشو پیپر پہ اسے جذب کرلیں۔ لپ اسٹک دوبارہ لگائیں یا لپ گلوس لگالیں۔ اب آپ کے ہونٹوں کا رنگ گھنٹوں برقرار رہے گا۔

چند مشورے

مہنگی شے ہمیشہ بہترین نہیں ہوتی۔ آپ کو چاہیے کہ آپ مختلف برانڈز اور مختلف رنگوں کو آزماتی رہیں۔ جو آپ کی پسند اور رنگت کے عین مطابق ہو۔

اچھا میک اپ کرنے کا سنہری اصول بلینڈنگ ہے۔

اگر آپ کی جلد کی رنگت سیاہی مائل ہے تو پھر آپ کو شام کے لیے براؤن، سرخ کے چند شیڈز اور گولڈ آئی شیڈو تک محدود رہنا ہوگا۔

اگر آپ کی جلد کی رنگت صاف ہے تو پھر آپ ڈارک بلیو گرے اور پنک جیسے رنگوں کا تجربہ کرسکتی ہیں۔

بلیک آئی شیڈو تقریباً" ہر کسی پر اچھا لگتا ہے، لیکن پرفیکشن کے لیے اسے بلینڈ کرنا ضروری ہے۔

جس رنگ کا لباس آپ نے زیب تن کیا ہوا ہو، اسی رنگ کا آئی شیڈو لگانے سے گریز کریں۔